نیل المرام اردو

مِن

تفسیرِ آیات الاحکام

تالیف:

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ

مترجم: مولانا الیاس اثری حفظہ اللہ

Marfat.com

نیل المرام

مِن

تفسیر آیات الاحکام

تالیف: نواب صدّیق حسن خان رحمہ اللہ

مترجم: مولانا الیاس اثری حفظہ اللہ

Marfat.com

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

297.162
0 530ص
190038

دار الحمد

نام کتاب: نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام

تالیف: نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ

مترجم: مولانا الیاس اثری حفظہ اللہ

باہتمام: ھناد شکر

اشاعت اول: جون 2017ء

ناشر: دار الحمد
+92 42 373 61 505, +92 372 44 404
+92 333 43 34 804, +92 324 43 36 123

غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور

پوسٹ کوڈ: 54000

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

آج سے تقریباً بیس سال قبل بعض جماعتی احباب نے نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی کتاب "نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام" کی افادیت کے پیشِ نظر مجھ جیسے کوتاہ علم سے فرمائش کی کہ آپ اس تفسیر کا اُردو ترجمہ کر دیں، تاکہ شائقین علم و مطالعہ بھی اس افادیت سے فیض یاب ہو سکیں۔ میں نے خدمت دین کی نیت سے اس کو سعادت سمجھ کر اس ذمہ داری کو قبول کر لیا اور اللہ پاک کے حکم سے اس کام کا آغاز کر دیا، چنانچہ ابھی ایک ربع کا ترجمہ کیا ہوگا کہ بعض مشاغل مانع آ گئے اور یہ کام تعطل کا شکار ہو گیا۔ ع

ہوئی تاخیر تو کوئی باعث تاخیر بھی تھا

بعض احباب کے توجہ دلانے سے دوبارہ قلم اٹھایا اور یہ کام بحمد اللہ تعالیٰ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

دورانِ ترجمہ میرے سامنے دو نسخے تھے ایک تو وہ جو آج کل مارکیٹ میں دستیاب ہے، جو ماموں کانجن سے شائع ہوا ہے۔ دوسرا مطبع علوی ہندوستان کا مطبوع ہے، جس پر تاریخ اشاعت ۱۲۹۳ء لکھی ہے۔ جس کی تصحیح مولوی معشوق علی نے فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے ترجمہ کرتے وقت کتاب کو بڑی عمیق نظر سے دیکھنا پڑتا ہے۔ دونوں نسخوں کے باوجود کئی جگہ اغلاق و اغلاط محسوس ہوا، پھر بعض اوقات اصل کتب کی طرف بھی مراجعت کرنا پڑی، مگر پھر بھی کئی مقامات تشنہ رہ گئے۔

خصوصیات:

(۱) بعض جگہ میں نے عبارت کی تصحیح کے لیے قوسین میں کچھ الفاظ لکھ دیے ہیں، تاکہ عبارت کی سلاست بحال رہے۔

(۲) بعض جگہ نواب صاحب نے عربی عبارت کی تصحیح کے لیے اپنی طرف سے قواعد عربیہ

Marfat.com

کی روشنی میں کچھ الفاظ بڑھائے ہیں۔ میں نے وہ بعینہ ترجمہ کے اندر لکھ دیے ہیں اور اس کا ترجمہ حاشیہ میں لکھ دیا ہے۔

(۳) عربی اشعار کو بھی ترجمہ میں بعینہ لکھا ہے اور ترجمہ حاشیہ میں کر دیا ہے۔

(۴) بعض عبارات میں اغلاق تھا دونوں نسخوں کو سامنے رکھ کر جو مفہوم مجھے سمجھ آیا ہے، میں نے اس کو تحریر کیا ہے۔

(۵) میں نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت پیچیدگی سے اجتناب کیا جائے۔ میں اس بارے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ تو قارئین ہی بتائیں گے۔ فللہ الحمد.

(۶) میں نے اس کا نام بلوغ المرام اُردو ترجمہ نیل المرام تجویز کیا ہے۔

نوٹ :.....نواب صدیق حسن خان مرحوم ہمارے تعارف کے محتاج نہیں ہیں، وہ تو پہلے ہی سے اہل علم کے متعارف ہیں۔

آخر میں محترم جناب مولانا محمد طیب محمدی کو میں مبارک دوں گا کہ وہ اس کی اشاعت کے اعزاز کو حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کی محنتوں کو قبول فرمائیں۔

ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

طالب دُعا : حافظ محمد الیاس اثری

مدیر مرکز الاصلاح

اظہارِ تشکر

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس کتاب کی طباعت کی توفیق عطا فرمائی۔ میں حافظ محمد الیاس اثری حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت سے اس کتاب کا ترجمہ کیا اور پھر اپنے اُستاذ محترم جناب مولانا عبداللہ سلیم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کی پروف ریڈنگ میں اپنی جان کھپائی۔

والسلام

محمد طیب محمدی

Marfat.com

فہرست عنوانات

عرض مترجم	3
خطبہ	12

سورۃ بقرہ

آیت نمبر۱	15
آیت نمبر۲	16
آیت نمبر۳	17
آیت نمبر۴	20
آیت نمبر۵	23
آیت نمبر۶	26
آیت نمبر۷	27
آیت نمبر۸	28
آیت نمبر۹	30
آیت نمبر۱۰	32
آیت نمبر۱۱	36
آیت نمبر۱۲	43
آیت نمبر۱۳	45
آیت نمبر۱۴	47
آیت نمبر۱۵	49
آیت نمبر۱۶	51
آیت نمبر۱۷	52
آیت نمبر۱۸	53
آیت نمبر۱۹	54
آیت نمبر۲۰	55
آیت نمبر۲۱	58
آیت نمبر۲۲	61
آیت نمبر۲۳	71
آیت نمبر۲۴	76
آیت نمبر۲۵	79
آیت نمبر۲۶	81
آیت نمبر۲۷	82
آیت نمبر۲۸	83
آیت نمبر۲۹	84
آیت نمبر۳۰	87
آیت نمبر۳۱	88
آیت نمبر۳۲	89
آیت نمبر۳۳	91
آیت نمبر۳۴	94
آیت نمبر۳۵	97
آیت نمبر۳۶	99

Marfat.com

آیت نمبر ۳۷ 100
آیت نمبر ۳۸ 104
آیت نمبر ۳۹ 110
آیت نمبر ۴۰ 112
آیت نمبر ۴۱ 113
آیت نمبر ۴۲ 116
آیت نمبر ۴۳ 118
آیت نمبر ۴۴ 119
آیت نمبر ۴۵ 121
آیت نمبر ۴۶ 122
آیت نمبر ۴۷ 125
آیت نمبر ۴۸ 126
آیت نمبر ۴۹ 127
آیت نمبر ۵۰ 132
آیت نمبر ۵۱ 134
آیت نمبر ۵۲ 135
آیت نمبر ۵۳ 140
آیت نمبر ۵۴ 142
آیت نمبر ۵۵ 148
آیت نمبر ۵۶ 149
آیت نمبر ۵۷ 149
آیت نمبر ۵۸ 151
آیت نمبر ۵۹ 152
آیت نمبر ۶۰ 152
آیت نمبر ۶۱ 153
آیت نمبر ۶۲ 155
آیت نمبر ۶۳ 157
آیت نمبر ۶۴ 160
آیت نمبر ۶۵ 160
آیت نمبر ۶۶ 162
آیت نمبر ۶۷ 162
آیت نمبر ۶۸ 163

سورۃ آل عمران

آیت نمبر ۱ 165
آیت نمبر ۲ 166
آیت نمبر ۳ 168

سورۃ النساء

آیت نمبر ۱ 169
آیت نمبر ۲ 174
آیت نمبر ۳ 175
آیت نمبر ۴ 179
آیت نمبر ۵ 180

Marfat.com

آیت نمبر ۶	199
آیت نمبر ۷	201
آیت نمبر ۸	202
آیت نمبر ۹	203
آیت نمبر ۱۰	204
آیت نمبر ۱۱	224
آیت نمبر ۱۲	228
آیت نمبر ۱۳	230
آیت نمبر ۱۴	231
آیت نمبر ۱۵	233
آیت نمبر ۱۶	233
آیت نمبر ۱۷	234
آیت نمبر ۱۸	235
آیت نمبر ۱۹	237
آیت نمبر ۲۰	242
آیت نمبر ۲۱	256
آیت نمبر ۲۲	263
آیت نمبر ۲۳	270
آیت نمبر ۲۴	272
آیت نمبر ۲۵	273
آیت نمبر ۲۶	277
آیت نمبر ۲۷	281
آیت نمبر ۲۸	284
آیت نمبر ۲۹	286
آیت نمبر ۳۰	288
آیت نمبر ۳۱	290
آیت نمبر ۳۲	295
آیت نمبر ۳۳	297
آیت نمبر ۳۴	298
آیت نمبر ۳۵	300
آیت نمبر ۳۶	301
آیت نمبر ۳۷	304
آیت نمبر ۳۸	305
آیت نمبر ۳۹	306
سورۃ المائدہ	
آیت نمبر ۱	309
آیت نمبر ۲	313
آیت نمبر ۳	315
آیت نمبر ۴	319
آیت نمبر ۵	327
آیت نمبر ۶	332
آیت نمبر ۷	337
آیت نمبر ۸	343
آیت نمبر ۹	344

Marfat.com

آیت نمبر۱۰	351
آیت نمبر۱۱	352
آیت نمبر۱۲	353
آیت نمبر۱۳	354
آیت نمبر۱۴	356
آیت نمبر۱۵	357
آیت نمبر۱۶	358
آیت نمبر۱۷	361
آیت نمبر۱۸	363
آیت نمبر۱۹	366
آیت نمبر۲۰	367
آیت نمبر۲۱	370
سورۃ الانعام	
آیت نمبر۱	378
آیت نمبر۲	379
آیت نمبر۳	380
آیت نمبر۴	382
آیت نمبر۵	383
آیت نمبر۶	383
سورۃ الاعراف	
آیت نمبر۱	385
آیت نمبر۲	386
آیت نمبر۳	387
آیت نمبر۴	388
آیت نمبر۵	389
سورۃ الانفال	
آیت نمبر۱	390
آیت نمبر۲	391
آیت نمبر۳	394
آیت نمبر۴	394
آیت نمبر۵	395
آیت نمبر۶	398
آیت نمبر۷	399
آیت نمبر۸	400
آیت نمبر۹	401
آیت نمبر۱۰	402
آیت نمبر۱۱	402
آیت نمبر۱۲	403
آیت نمبر۱۳	404
سورۂ برأت	
آیت نمبر۱	405
آیت نمبر۲	409

Marfat.com

آیت نمبر۳ 409
آیت نمبر۴ 410
آیت نمبر۵ 410
آیت نمبر۶ 412
آیت نمبر۷ 414
آیت نمبر۸ 415
آیت نمبر۹ 416
آیت نمبر۱۰ 418
آیت نمبر۱۱ 418
آیت نمبر۱۲ 419
آیت نمبر۱۳ 420
آیت نمبر۱۴ 424
آیت نمبر۱۵ 425
آیت نمبر۱۶ 426
آیت نمبر۱۷ 426
آیت نمبر۱۸ 429
آیت نمبر۱۹ 430
آیت نمبر۲۰ 431
آیت نمبر۲۱ 433

سورۂ ہود

آیت نمبر۱ 433

سورۂ نحل

آیت نمبر۱ 438
آیت نمبر۲ 439
آیت نمبر۳ 441
آیت نمبر۴ 442
آیت نمبر۵ 443
آیت نمبر۶ 445
آیت نمبر۷ 446

سورۂ اسراء

آیت نمبر۱ 447
آیت نمبر۲ 448
آیت نمبر۳ 449
آیت نمبر۴ 452
آیت نمبر۵ 453
آیت نمبر۶ 454
آیت نمبر۷ 455

سورۂ طٰہٰ

آیت نمبر۱ 457

سورۃ الحج

آیت نمبر۱ 458

Marfat.com

آیت نمبر۲ 459
آیت نمبر۳ 460
آیت نمبر۴ 461

سورۃ النور

آیت نمبر۱ 463
آیت نمبر۲ 466
آیت نمبر۳ 468
آیت نمبر۴ 469
آیت نمبر۵ 470
آیت نمبر۶ 471
آیت نمبر۷ 476
آیت نمبر۸ 478
آیت نمبر۹ 482
آیت نمبر۱۰ 485
آیت نمبر۱۱ 486
آیت نمبر۱۲ 490

سورۃ الفرقان

آیت نمبر۱ 491
آیت نمبر۲ 492
آیت نمبر۳ 493
آیت نمبر۴ 493

سورۃ القصص

آیت نمبر۱ 494

سورۂ محمد

آیت نمبر۱ 496
آیت نمبر۲ 498

سورۂ فتح

آیت نمبر۱ 499

سورۂ حجرات

آیت نمبر۱ 500
آیت نمبر۲ 500

سورۂ نجم

آیت نمبر۱ 502

سورۂ واقعہ

آیت نمبر۱ 502

Marfat.com

سورۂ حدید

آیت نمبر۱ 503

سورۂ مجادلہ

آیت نمبر۱ 505

سورۂ حشر

آیت نمبر۱ 508
آیت نمبر۲ 509
آیت نمبر۳ 510

سورۂ ممتحنہ

آیت نمبر۱ 513
آیت نمبر۲ 515
آیت نمبر۳ 518

سورۂ جمعہ

آیت نمبر۱ 520

سورۂ منافقین

آیت نمبر۱ 521

سورۂ طلاق

آیت نمبر۱ 522
آیت نمبر۲ 524
آیت نمبر۳ 527
آیت نمبر۴ 528

سورۂ تحریم

آیت نمبر۱ 531

سورۂ نوح

آیت نمبر۱ 533

سورۂ مزمل

آیت نمبر۱ 534
آیت نمبر۲ 536

سورۂ مدثر

آیت نمبر۱ 539

سورۂ ارایت

آیت نمبر۱ 540

سورۂ کوثر

آیت نمبر۱ 542

Marfat.com

خطبہ

تمام تعریفیں اللہ پاک کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' اور اللہ رحمت نازل فرمائے ہمارے آقا جناب محمد ﷺ "نبی امین" پر' اس کی پاکیزہ آل اور ہدایت یافتہ ساتھیوں پر۔ حمد وصلوۃ کے بعد گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ وہ آیات ہیں جن کی معرفت اس آدمی کے لئے نہایت ضروری ہے' جو احکام شرعیہ کی معرفت میں دلچسپی رکھتا ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ پانچ سو آیات ہیں مگر یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ وہ دو سو یا اس کے قریب قریب آیات ہیں۔

اور اگر ہم اس بات کو ترک کر دیں اور ہر مفید جملہ کو (جس کو نحوی لوگ کلام کہتے ہیں) آیت سمجھ لیں تو پھر آیات پانچ سو سے بھی زائد ہو جائیں گی اور جس کو اس قرآن میں شک ہو وہ (تحقیق کے لئے) اسے بار بار پڑھے۔ اور میں نہیں جانتا کہ کسی عالم نے انہیں (لازمی طور پر) حفظ اور زبانی یاد کرنے کا حکم دیا ہو۔ بلکہ یہ شرط لگائی ہے کہ مقامات آیات اس کو یاد ہوں جب ضرورت محسوس ہو ان کی طرف مراجعت کر کے احکام معلوم کر سکتا ہو۔ جو شخص ان کو الگ کاپی میں لکھ لے تو وہ اس کے لئے کافی ہیں۔

اور میں نے ان میں سے دو قسم کی آیات کو تفصیلاً بیان نہیں کیا۔ ایک وہ قسم جس کا معنی ومفہوم بالکل واضح ہو جیسے:

"واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" ہے۔

کیونکہ اس کی لاعلمی سے بگاڑ کا خطرہ کوئی نہیں ہے۔ سوائے اس آیت کے کہ وہ ایسے

Marfat.com

مسائل پر مشتمل ہو جو واضح اور بدیہی نہ ہوں بلکہ استدلال سے ثابت ہوں۔ اس لئے میں ان کو ذکر کروں گا کیونکہ وہ قابل استدلال ہیں۔ جیسا کہ وضو اور تیمّم کی آیت ہے۔ دوسری قسم وہ مسائل ہیں جن سے کسی امر معین پر استدلال کرنے میں اہل اجتہاد نے اختلاف کیا ہے۔

جبکہ اپنے معنی پر ان کی دلالت قطعی یقینی اور واضح بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جو شخص اس میں دلالت کو ہی نہیں مانتا اس کی معرفت اس پر واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی معرفت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:

"لتر کبوھا وزینۃ" سے استدلال کرنا کہ گھوڑوں کا گوشت حرام ہے۔

یہ ایسا مقام ہے کہ اس کی معرفت اور پہچان اس مجتہد پر واجب ہے جو اس سے استدلال کرنا درست خیال کرتا ہے کیونکہ یہاں حصر (تعین آیات) کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب بھی کوئی (مجتہد) گمان کرے یا اس کے مخفی معنی میں سے استنباط احکام کو جائز سمجھے (تو حصر ختم ہو جائے گا)

اور اس کی پہچان کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوائے عدم ذوق کے اور وہ بھی علماء برہان (معقولین) کے ہاں کمزور طریقہ ہے۔ یہاں صرف ان آیات کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جو واضح طور پر احکام پر دلالت کرتی ہیں تاکہ طالب احکام کی زیادہ توجہ ان کی طرف ہو۔ ورنہ تو (قرآن کے) طالب علم کے لئے مناسب ولائق نہیں ہے کہ باقی کتاب اللہ میں نظر ومطالعہ ترک کردے۔ دراں حالیکہ وہ (نظر) اس میں اولاً توجہ کی متقاضی ہے۔ اس کے عمدہ معانی کو شامل ہے۔ اس کے ظاہر وباطن سے احکام وآداب کو معلوم کرنے والی ہو۔ یقیناً وہ گمراہی سے بچاؤ ہے۔ اور وہ تمام احوال میں "ہدایت کا" بڑا عظیم ستون ہے۔ اور تنہائی میں دوست اور تکلیف میں معاونت ہے۔ اور ظلمت میں نور وروشنی اور بے چینی میں خوشی کا سبب ہے اور سینوں کی شفا اور معاملات میں ابہام کے وقت فیصل (فیصلہ کرنے والا) ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس

Marfat.com

سے غفلت مناسب نہیں ہے۔اور نہ ہی اس کے کسی لفظ میں اعراض مناسب ہے۔اور امام حافظ محمد بن ابراہیم وزیر ''رحمۃ اللہ علیہ'' نے فضائل القرآن والتنبیہ علی الاعتماد علیہ'' کے عنوان پر ایک مستقل تصنیف کی ہے۔

اور آپ ہوشیار رہیے۔میں انہی آیات (جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) کی مختصر تفسیر کروں گا جو اس کے مَالَہٗ وَعَلَیہِ پر محیط ہے اور اس کے مختلف اقوال میں سے میں نے بہت راجح کو پسند کیا ہے۔اور مختلف دلائل میں سے بہت زیادہ صحیح اور صریح کو لیا ہے۔اور میری عمر گواہ ہے کہ اس انداز کی مختصر تفسیر مجھے آج تک نہیں ملی۔

اور اس کا آغاز واختتام ماہ صفر ۱۲۸۷ ھجری میں ہی ہوا ہے۔"علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ'' اور میں نے اس کا نام نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام'' رکھا ہے۔ اواس کے بعد میں نے ایک تفسیر لکھی ہے۔جو مقاصد قرآن پر محیط ہے۔اس کا نام فتح البیان ہے جو روایت ودرایت اور استنباط اور احکام پر مشتمل ہے اگر آپ مراتب تحقیق پر فائز لوگوں میں شمار ہونا چاہیں اور تدقیق کی مسند پر جلوہ افروز ہونا چاہتے ہیں تو پھر وہ تفسیر ضرور پڑھیں اور ہوسکتا ہے کہ اللہ قدیر کی مہربانی سے اس جیسے مسائل دیگر تفسیروں میں آپ نہ پائیں۔

میرا اللہ پاک سے سوال ہے کہ وہ اس مختصر کو اپنی رضا کے لئے خاص کرے۔اور تمام مسلمانوں کو اپنے عام کرم ومہربانی سے نفع بخشے۔(آمین)

Marfat.com

یہ سورۃ البقرۃ کی تفسیر ہے

اور اس کی دو سو چھیاسی آیات ہیں

مفسر قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مدنی ہے مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ وہ سب سے پہلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی سوائے ﴿واتقوا یوماً......الخ﴾ کے۔

وہ آخری آیت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ اور وہ یوم النحر : ۱۰ ذوالحجہ کو منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئی اور آیات ''حرمت سود'' بھی نزول قرآن کے آخری زمانہ میں نازل ہوئیں، اور اس سورت کی فضیلت میں کافی احادیث مروی ہیں۔

آیت نمبر ۱:

﴿هو الذى خلق لكم ....الخ﴾ (۲۹) ہے۔

ابن کیسان نے ''لکم'' کا معنی ''من اجلکم''[1] کیا ہے

اس میں دلیل ہے اس پر کہ تمام مخلوقہ اشیاء میں اباحت، حلت، اصل ہے۔ تا آنکہ اس اصل سے نکلنے کی کوئی دلیل مل جائے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے حیوانات اور دیگر اشیاء (کی حلت) میں جو فائدہ بخش غیر مضر ہیں اور ''ما فی الارض'' میں ''جمیعًا'' کی تاکید بھی اس پر قوی دلیل ہے۔ اور اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ مٹی کھانی حرام ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ہمارے لئے وہ اشیاء پیدا کی ہیں جو زمین میں ہیں مگر زمین نہیں۔

---

[1] ''من اجلکم ای لاجل انتفاعکم''
''تمہارے فائدے کے لیے اس کو پیدا کیا ہے''۔

Marfat.com

رازی صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

"کہ بے شک کہنے والا کہہ سکتا ہے (کہ پوری زمین میں) زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ داخل ہے تو یہ جملہ دونوں وصفوں کو شامل ہے اور شک نہیں ہے کہ کانیں اس میں داخل ہیں اور اسی طرح زمین کی رگیں (اندرونی راستے) اور جو چلتا ہے اس کے لئے بمنزلہ جزء کے بھی داخل ہے اور بے شک مخصوص چیز کا ذکر اپنے علاوہ ہر چیز کی نفی نہیں کرتا" (اھ)

اور صاحب کشاف نے اس سے بھی واضح انداز میں ذکر کیا ہے۔ کہ اگر آپ کہیں کہ کیا اس آدمی کا قول صحیح ہے جو کہتا کہ آیت کا معنی ہے: "خلق لکم الارض وما فیھا"

میں کہوں گا کہ اگر اس نے ارض سے مراد جہات سفلیہ لی ہیں محض مٹی نہیں جیسا کہ سماء کا ذکر ہو اور مراد جہات علویہ ہوتی ہیں۔ تو یہ ٹھیک و جائز ہے کیونکہ مٹی اور جو کچھ مٹی میں ہے جہات سفلیہ میں واقع ہے (اھ)

شوکانی نے "فتح القدیر" میں کہا ہے:

"بے شک مٹی کی حرمت سنت سے ثابت ہے اور وہ نقصان دہ بھی ہے اور اس کے کھانے میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہے لیکن دیگر منافع اس سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور خاص کھانے والا فائدہ ہی مراد نہیں ہے"۔

بلکہ جب اس پر صادق ہے کہ وہ کسی نہ کسی وجہ سے قابل انتفاع ہے۔ عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

"جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لیے مطیع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عزت اور بطور احسان ابن آدم کے لئے اور ایک وقت تک معیشت و منافع کے لیے"۔

آیت نمبر۲:

﴿وقولوا للناس حسنًا﴾ (۸۳) ہے۔ یعنی "لوگوں سے اچھی بات کہو"۔ یہ "حسنًا" مصدر محذوف "قولا" کی صفت ہے۔ اور وہ مصدر ہے

Marfat.com

بروزن ''بُشریٰ'' اور امام حمزہ اور کسائی نے ''حسنًا'' بفتح الحاء والسین، پڑھا ہے۔ اور اسی طرح زید بن ثابت اور ابن مسعود نے پڑھا ہے۔ اخفش نے کہا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ جیسے بخل ''بضم الباء'' اور بخل ''بفتح الباء'' اور رُشد اور رَشد ہے' اور ظاہر ہے کہ جس بات کا اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں وہ کسی ایک نوع سے خاص نہیں ہے بلکہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں فعل شرعاً حسن ہے تو وہ بھی اس حکم کا مصداق ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ کلمہ توحید ہے اور بعض نے کہا ہے وہ حق گوئی ہے اور بعض نے کہا ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ گفتگو اور میل جول میں نرمی اور خوش اخلاقی ہے۔ اور بعض نے اس کے علاوہ بھی تفسیر کی ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس قول کی تفسیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نقل کی ہے اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں علی رضی اللہ عنہ سے اس قول: ''قولوا للناس حسنًا'' کی تفسیر نقل کی ہے کہ اس سے تمام لوگ مراد ہیں۔ اور اسی طرح عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت عطاء سے نقل کیا ہے۔

آیت نمبر۳:

﴿وما یعلمان من احد ......الخ﴾ (۱۰۲) ہے۔

''اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو یہاں تک کہ کہہ دیتے ہم آزمائش کے لیے آئے ہیں۔ تو کفر نہ کر پس لوگ ان سے سیکھتے وہ چیز جس کے ذریعے وہ میاں بیوی میں اختلاف پیدا کرتے تھے۔ اور وہ بغیر اذن الٰہی کسی کو ضرر نہیں دے سکتے اور لوگ ان سے ایسی چیز سیکھتے تھے جو نفع بخش نہیں بلکہ نقصان دہ ہے اور وہ جانتے ہیں کہ جس نے اسے خریدا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے''۔

جادو:

''ساحر لوگوں کے وہ حیلہ جات وخیالات ہیں جن کے ذریعے مسحور کو ایسی

Marfat.com

حالت لاحق ہوتی ہے جو ایسے پراگندہ خیالات سے حاصل ہوتی ہے جو مشابہ ہیں اس حالت کے جو واقع (لاحق) ہوتی ہے اس آدمی کو جو سراب کو پانی خیال کرتا ہے اور جو کشتی پر یا جانور پر سوار ہو تو سمجھے کہ پہاڑ چل رہا ہے"۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ کیا جادو کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ معتزلہ اور ابو حنیفہ کا خیال ہے کہ وہ محض دھوکہ ہے جس کی کوئی بنیاد ہے نہ حقیقت اور دوسرے لوگوں کا خیال ہے جادو کی حقیقت مؤثرہ ہے (وہ اثر کرتی ہے) اور یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جادو کیا گیا تھا اور یہ بدحرکت لبید بن اعصم یہودی نے کی تھی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال ہوتا کہ آپ ﷺ نے ایک کام کیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ پھر اللہ پاک نے شفاء دی، اور اس بارے میں گفتگو خاصی طویل ہے۔ زجاج فرماتے ہیں کہ: فرمان الٰہی:

﴿وما یعلمان من احد﴾

"میں جادو سے دور رہنے کی تعلیم تھی نہ کہ جادو کی تعلیم مقصود تھی"۔

اور فرمایا کہ یہی رائے وخیال اکثر اہل لغت ونظر کا ہے۔ مقصد یہ ہوا کہ وہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ یہ کام مت کرو۔ اور فرمان الٰہی:

﴿من احد﴾ میں "من" تاکید کے لئے زائد ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

قولہ تعالیٰ ﴿یعلمان﴾ کو بجائے تعلیم کے اعلام سے ماخوذ مانا جائے اور کلام عرب میں تعلم بمعنی اعلم کے مستعمل ہے جیسا کہ ابن الانباری اور ابن الاعرابی نے نقل کیا ہے۔

اور اس کی امثلہ اشعار عرب میں بہت ہیں جیسا کہ کعب بن مالک کا قول ہے:

"تعلم رسول اللہ انک مدرکی وان وعیدا منک کالاخذ بالید" ❶

قطامی نے کہا:

---

❶ "اور تو رسول اللہ ﷺ کو بتا دے کہ آپ مجھے پانے والے ہیں۔ بے شک آپ کا ڈرانا ہاتھ پکڑنے کی طرح ہے"۔ یہاں تعلم بمعنی اعلم ہے اس معنی کے لیے ہی یہ شعر پیش کیا ہے۔

Marfat.com

"تعلم ان بعدالغی رشدا وان لذلك الغی انقشاعاً" ❶

اورفرمان الٰہی ﴿فلا تکفر﴾ میں بہت ترہیب ہےاور بہت احتیاط وبچاؤ ہےیعنی اس گناہ کا مرتکب کافر ہےتو "کفرمت کرنا" اوراس میں اس امر کی دلیل بھی ہے کہ جادوسیکھنا کفر ہےاورظاہری الفاظ کا تقاضا ہے کہ معتقدوغیرمعتقددونوں برابر ہیں۔ اورجادوگر بننے کے لئے سیکھنے والا اوراس کا توڑکرنے کے لئے سیکھنے والا دونوں برابر ہیں۔ "یفرقون" میں تفریق کی نسبت جادوگروں کی طرف کرنے اورسحرکواس کا سبب بنانے میں اس امر کی دلیل ہے کہ جادومحبت ،بغض، وصال، جدائی اورقرب وبعد کا اثر رکھتا ہے۔اورعلماء کےایک گروہ کا خیال ہے کہ جوکچھ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہےیعنی "تفریق" جادوگراس سے زائد کچھ نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ کلام جادوکی مذمت کررہی ہے اورجوکچھ جادوسیکھنے کا مقصدہوتا ہےاس کا بیان کیا ہے پس اگر جادوگراس سے زیادہ کاروائی پرقادرہوتا تواس کوبھی اللہ تعالیٰ بیان کردیتے اورایک گروہ کا خیال ہے یہ انداز گفتگواغلبی واکثری ہے۔ورنہ توجادوگراس بیان کردہ امرسےزائد پربھی قادر ہے۔

بعض نےکہا ہےکہ جادوفی نفسہ قطعاً مؤثرنہیں ہے۔کیونکہ فرمان الٰہی ہے کہ جادوگراذن الٰہی کےبغیرکسی کو "ہرگزتکلیف نہیں دےسکتے" اورحق بات یہ ہےکہ فرمان الٰہی:

"فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء وزوجه".

اور

"وما هم بضارین به من احد الا باذن الله".

میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔یقیناً گزشتہ کلام کا مفہوم یہ ہےکہ جادوفی ذاتہ

---

❶ "جان لےکہ گمراہی کےبعدہدایت ہےاوربےشک یہ گمراہی ختم ہونےوالی ہے"۔یہاں تعلم بمعنی اعلم ہے۔

Marfat.com

مؤثر ہے لیکن اس کی تاثیر ایسی جگہ ہوگی جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا بغیر اس کی اجازت کے کسی کو تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور بلا شبہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جادو کی فی نفسہ تاثیر ہے اور اس کی ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا اور اس بات کی مخالفت سوائے ابو حنیفہ اور معتزلہ کے کسی نے نہیں کی ہے (کما تقدم)

اور فرمان الٰہی:

﴿ ويتعلمون ما يضرهم ولا ينفعهم ﴾

میں صراحت ہے کہ جادو، ساحر کو کوئی فائدہ بالکل نہیں دے سکتا اور نہ اس کو کسی قسم کا نفع دے سکتا ہے بلکہ وہ سراسر نقصان اور خالص خسارہ ہے۔ ابو السعود نے کہا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جس امر سے ہلاکت کا خطرہ ہو اس سے اجتناب کرنا چاہیے یہ بہت بہتر ہے۔ جیسا کہ تعلیم فلسفہ کا حال ہے اس میں اندیشہ ہے کہ وہ گمراہی کی طرف لے جائے۔ (اھ)

اور شرآء سے (مجازاً) استبدال (بدلے میں لینا) مراد ہے۔ معنی ہوگا "جس نے اللہ کی کتاب کی جگہ شیاطین کی تعلیم لے لی"۔ اور خلاق کا معنی اہل اللغۃ کے ہاں حصہ ہے۔

آیت نمبر ۴:

﴿ولله......الخ ﴾ (۱۱۵) ہے۔ یعنی

"اللہ ہی کے لیے ہے مشرق و مغرب پس جس طرف بھی تم منہ کرو وہیں اللہ کا چہرہ ہے"۔

مشرق بمعنی آفتاب کے چمکنے "طلوع" کی جگہ اور مغرب "جائے غروب" یعنی دونوں طرفیں اور اس کے مابین جو جہات ومخلوقات ہیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ پس وہ (حکم مذکور) تمام زمین کو شامل ہے۔ اور فرمان الٰہی:

﴿ فاینما تولوا ﴾ کا معنی ہے کہ:

"جس طرف تم منہ کرو پس وہیں اللہ کا چہرہ ہے"

Marfat.com

یعنی وہ مکان ہے جس کی طرف منہ کرنا اللہ نے تمہارے لیے پسند کیا ہے اور یہ حالت اس وقت کی ہے جہاں جهة القبلة مشتبہ ہو جائے جس قبلہ کی طرف منہ کرنے کا اللہ نے حکم دیا تھا اپنے فرمان:

﴿ فول وجهك ﴾ میں کہ:

"آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) جہاں بھی تم ہو اپنے چہروں کو اسی طرف پھیر لو"۔

(زمخشری نے) کشاف میں کہا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ جب تمہیں روک دیا جائے مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے یا بیت المقدس سے (اندیشہ کس بات کا؟) میں نے تمہارے لیے ساری زمین مسجد بنا دی ہے۔ پس زمین کے حصص میں سے جہاں چاہو نماز ادا کرو اور اس کی طرف منہ پھیرو۔

اور ہر طرف منہ کرنا ممکن ہے۔ اور تولية (منہ پھیرنا) ایسی چیز نہیں کہ ایک مسجد میں ہے اور دوسری میں نہیں اور نہ یہ کہ ایک جگہ میں ہے اور دوسری میں نہیں (اھ)

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں: اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اس لفظ میں اس سے زیادہ وسعت ہے اور اگر اس سے سبب بیان کرنا مقصود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ (اھ) ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے مع التصحیح اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "اللہ ہی خوب جانتا ہے" مگر ہمیں جو بات پہنچی ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے جو حکم منسوخ ہوا وہ قبلہ کا مسئلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ولله المشرق والمغرب﴾

پس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف منہ کیا اور بیت اللہ کو چھوڑ دیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت اللہ کی طرف پھیر دیا اور پہلے قبلے کو منسوخ کر دیا۔ پس فرمایا کہ آپ جہاں بھی جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھیں۔ اور ابن منذر

Marfat.com

نے ابن مسعود سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبۃ، عبد بن حمید، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر ہی نفل نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ سواری کا رخ چاہے کسی طرف ہی ہو۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت:

﴿اینما تولوا فثم وجه الله﴾

تلاوت کی اور فرمایا:

اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح ابن جریر، دارقطنی اور حاکم نے مع التصحیح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور صحیح بخاری میں جابر وغیرہ کی روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر مشرق رخ ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس جس وقت فرضی نماز کا ارادہ فرماتے تو نیچے اتر آتے اور قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرتے، اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے جس کو ابن ابی شیبۃ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ اور عبد بن حمید، ترمذی نے مع الضعف، ابن ماجہ اور ابن جریر وغیرھم نے عامر بن ربیعہ سے نقل کیا ہے۔ فرمایا کہ:

”ہم ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ایک سیاہ رات میں کہیں فروکش تھے۔ تو ہر آدمی نے پتھر اکٹھے کیے اور مسجد بنائی تو پھر اس میں نماز ادا کی جب ہم صبح اٹھے تو دیکھا کہ نماز میں ہمارا رخ قبلہ کو نہ تھا۔ پس ہم نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے گزشتہ رات غیر قبلہ رخ نماز ادا کی ہے“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد:

﴿ولله المشرق والمغرب﴾ نازل فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کہ تمہاری نماز بالکل صحیح ہے“

دارقطنی اور ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اسی طرح

۱۹۰۵ ۳۱

Marfat.com

نقل کیا ہے مگر اس میں ذکر ہے کہ انھوں نے مختلف خط کھینچے تھے۔ اسی طرح ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور اسی طرح ہی سعید بن منصور اور ابن منذر نے حضرت عطاء سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور وہ روایت مرسل ہے اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے ﴿ فثم وجه الله ﴾ کی تفسیر نقل کی ہے کہ ''مشرق و مغرب میں جس طرف بھی آپ منہ کریں وہی قبلۃ اللہ ہے'' اور ابن ابی شیبۃ اور دار قطنی اور ترمذی نے مع التصحیح اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے''

اور ابن شیبۃ اور دار قطنی اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبۃ اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

آیت نمبر ۵:

﴿ لا ینال...... الخ ﴾ (۱۲۴) ہے:

• ''میرا عہد ظالموں کو نہیں حاصل ہوگا''

عہد کے مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ مراد امامت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نبوت مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مراد امر الٰہی ہے بعض نے کہا ہے کہ آخرت کے عذاب سے حفاظت مراد ہے۔ اور زجاج نے اس کو راجح کہا ہے۔ اور اول تفسیر بہت واضح ہے طرز بیان اسی پر دال ہے اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل و نیک اور عامل بالشرح ہو۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہے کیونکہ جب وہ (امور مذکورہ) سے ہٹ جائے گا تو وہ ظالم ہوگا، اور ممکن ہے کہ اس سے مراد مصداق عہد ہو یعنی ہر حکم الٰہی مراد ہو۔ اور (عہدی) کی اضافت بھی اسی امر (عموم) کی مؤید ہے۔ پس قطع نظر خصوصیت سبب اور سیاق مضمون سے عموم لفظ (عہدی) کے لحاظ سے وہ تمام احکام کو شامل ہے۔ اسی

Marfat.com

سے استدلال کیا گیا ہے کہ تمام امور دینیہ میں شرط ہے کہ ان میں کسی انداز کی بھی زیادتی نہیں ہونی چاہیے اور ابن جریر نے پسند کیا ہے کہ یہ آیت اگرچہ ظاہراً اشارہ کرتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم ہے کہ اس کی اولاد میں ظالم لوگ بھی ہوں گے۔(اھ)

جناب شوکانی نے ''فتح القدیر'' میں کہا ہے کہ آپ پر پوشیدہ نہ رہے کہ کوئی فائدہ نہیں اس کی اس کلام کا۔ بہتر بات یہ ہے کہ اس خبر میں آدمیوں کو حکم ہے کہ ظالمانہ انداز میں امور شرع پر قابض و مسلط نہ ہو جائیں۔ اور یہ معنی (امر والا) ہم اس لئے کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اخبار میں کذب کا قطعاً احتمال نہیں ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کئی ظالم اس عہدہ امامت پر غاصبانہ قابض ہیں۔(اھ)

عبد بن حمید نے ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿ انی جاعلك......الخ﴾ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میں:

''آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں تا کہ آپ کے دین، سیرت اور طریقہ کی اتباع کی جائے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ:

''کیا آپ عام لوگوں کی ہدایت کے لئے میری اولاد سے بھی امام بنائیں گے؟

اللہ نے کہا:

''یہ ظالموں کا حق نہیں ہے۔ کہ ان کے دین، سیرت اور طریقہ کو اپنایا جائے''۔

فریابی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا:

﴿ انی جاعلك......الخ﴾

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام نے کہا میری اولاد سے بھی؟ اللہ نے اس کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ:
﴿ لا ینال عهدی......الخ ﴾ اور عبدالرزاق، عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عہد (امامت) کسی ظالم کو حاصل نہ ہوگا۔ ہاں دنیا میں انہوں نے اس عہد (امامت) کو بطور وراثت مسلمانوں سے لے لیا، اور ان سے جنگ کی اور ان سے نکاح کیا ہے۔ مگر جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ یہ امامت وکرامت صرف اپنے اولیاء کو ہی دیں گے۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے کہ کسی ظالم کو امام ومقتدیٰ نہیں بناؤں گا۔ ابن اسحاق ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خبر دے رہا ہے کہ اگر اس کی اولاد میں کوئی ظالم ہو تو وہ اس عہد کا مستحق نہیں ہے۔ اور نہ اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس کو اس عہد میں سے کچھ دے"۔

عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ظالم کے لئے تیرے اوپر کوئی عہد (امامت) نہیں ہے اللہ کی نافرمانی کی صورت میں۔ اور وکیع اور ابن مردویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "لا ینال عهدی الظالمین" کی تفسیر نقل کی ہے کہ اطاعت وفرمانبرداری صرف معروف اور نیکی میں ہی ہوسکتی ہے۔ عبد بن حمید نے عمران بن حصین سے نقل کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے:

"کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی بالکل اطاعت نہیں کی جائے گی"

اور ابن جریرؒ نے ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے کہ ظالم کو عہد امامت نہیں مل سکتا۔ اور اگر آپ کسی سے معاہدہ کر چکے ہیں تو اسے توڑ دیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ حضرت مجاہد، عطاء اور مقاتل بن حیان وغیرہ سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر ٦:

﴿واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ﴾ (١٢٥) ہے۔

نافع اور ابن عامر نے ''بفتح الخاء''، ''واتخذوا'' فعل ماضی پڑھا ہے۔ باقی مفسرین نے صیغہ امر ''اتخذوا'' پڑھا ہے۔ ''مقام'' اہل لغت کے ہاں ٹھہرنے کی جگہ کا نام ہے۔ مصداق مقام کی تعیین میں اختلاف ہے۔ سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ ایک معروف پتھر ہے اور لوگ اس کے قریب طواف کی دو رکعت ادا کرتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ''مقام'' مکمل حج کا نام ہے اور حضرت عطاء اور مجاہد سے یہ ہی منقول ہے۔

بعض نے کہا کہ عرفہ اور مزدلفہ کا نام ہے یہ بھی حضرت عطاء سے منقول ہے۔ شعبی نے کہا کہ پورا حرم مقام ابراہیم ہے اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ بخاری وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بحوالہ عمر بن الخطاب نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے رب کے ساتھ تین باتوں میں موافقت کی ہے اور مجھ سے میرے رب نے تین باتوں میں موافقت کی ہے۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالیں تو حکم نازل ہوا کہ:

﴿واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ﴾

میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی بیویوں کے پاس نیک و بد دونوں طرح کے افراد آتے ہیں اگر آپ انہیں باپردہ رہنے کا حکم دیں (تو کیا ہی اچھا ہے) آیت الحجاب نازل ہوگئی۔ اور ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئیں غیرت کے بارے میں، پس میں نے ان سے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں اور اللہ تعالیٰ تم سے بہتر بیویاں ان کو دے دیں۔ اسی طرح حکم نازل ہوگیا۔ یہ حدیث مسلم وغیرہ نے بحوالہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مختصراً نقل کی ہے اور مسلم وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا ہے اور چار چکر عمومی انداز سے لگائے جب

Marfat.com

آپ ﷺ فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم پر آئے اور اس کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی اور آیت ﴿واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ﴾ تلاوت فرمائی۔ اور مصلیٰ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے جس شخص نے مقام کی تفسیر حج کے مشاہد اور مشاعر کی ہے اس نے مصلیٰ کا معنی ''دعا کی جگہ'' کیا ہے۔ کیونکہ مصلیٰ، صلوٰۃ بمعنی دعا سے ہی ماخوذ ہے اور جس نے ''مقام'' کی تفسیر پتھر سے کی ہے اس نے معنی کیا ہے کہ مقام ابراہیم کو اپنی نماز میں قبلہ بناؤ۔ حکم ہوا کہ اس کے پاس نماز ادا کرو اور یہ ہی صحیح ہے۔ کہ عندیت کا تعلق چاروں طرف سے ہے اور اس کے پیچھے کھڑے ہونے کی تخصیص آنحضرت ﷺ کے فعل اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے اصحابؓ کے عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ اور مقام ابراہیم کی تفسیر میں احادیث کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ جو پوری تفصیل کے ساتھ مطولات میں موجود ہے۔ اور احادیث صحیحہ بتاتی ہیں کہ مقام ابراہیم وہی پتھر ہے جس پر کعبہ کی تعمیر کے وقت جناب ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے۔ جب دیوار کچھ اونچی ہوئی تو اسماعیل علیہ السلام وہ پتھر لائے تھے کہ اس پر کھڑے ہو کر کام کیا جائے۔ جیسا کہ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ یہ وہی پتھر تھا جو کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا تھا سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے وہاں سے منتقل کیا تھا۔ جیسا کہ عبدالرزاق اور بیہقی نے سند صحیح سے نقل کیا ہے، اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے مختلف اسانید سے ذکر کیا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے حج کے بیان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے کعبہ کا طواف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ مقام ابراہیم ہے؟ آپ نے فرمایا: جی، اسی طرح ابن مردویہ نے بھی نقل کیا ہے۔

آیت نمبر ۷:

﴿ان طھرا بیتی......الخ﴾ (۱۲۵) ہے۔

''تطہیر'' کا مطلب بتوں سے پاکیزگی ہے بعض کا خیال ہے کہ آفات و ریب سے پاک ہونا مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ کفار، جھوٹی بات اور نجاست

Marfat.com

سے پاک کرنا مراد ہے۔

بعض نے کہا کہ ہر قسم کی نجاست، جنبی اور حائضہ کے طواف اور ہر خبیث شئی سے پاک کرنا مقصود ہے اور قرآن کے ظاہری الفاظ کا تقاضا ہے کہ اس سے کوئی خاص نوع مراد نہ ہو۔ اور عرف میں جس کو تطہیر کہا جاتا ہے وہ اس کا مصداق ہے۔ لہٰذا یہ عموم ہر قسم کی پاکیزگی کو شامل ہے۔ اور ''بیتی'' کی اضافت تعظیم وتکریم کے لیے ہے۔

جناب حسن، ابن اسحاق، اہل مدینہ، ہشام اور حفص نے ''بیتی'' یاء کے فتحہ سے پڑھا ہے۔ اور دیگر حضرات نے سکون یاء سے پڑھا ہے اور ''بیت'' سے مراد کعبہ ہے اور جو شخص کعبہ کے ارد گرد چکر لگائے اور گھومے اسے طائف کہا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مسافر کو کہا جاتا ہے۔ اور ''عاکف'' مقیم کو کہتے ہیں۔ اور لغت میں ''عکوف'' بمعنی لزوم اور مخصوص شئی پر توجہ کرنا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ وہ بمعنی مجاور کے ہے نہ کہ وہاں کا اقامت گزیں۔

''الرکع السجود'' سے مراد نمازی لوگ ہیں اور خصوصیت سے ان دو چیزوں (رکوع وسجدہ) کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ نماز میں یہ اعلیٰ رکن ہیں۔

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جب کوئی کھڑا ہو تو وہ ''الطائفین'' میں سے ہے اور جب بیٹھا ہوگا تو ''العاکفین'' میں شمار ہوگا۔ اور جب نماز پڑھ رہا ہوگا تو ''الرکع السجود'' میں سے ہوگا۔ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ جو لوگ مسجد میں سوتے ہیں ان کا کیا حکم ہے تو فرمایا: کہ وہ ''عاکفون'' ہیں۔

آیت نمبر ۸:

﴿فول وجھک......الخ﴾ (۱۴۴) ہے۔

''پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف کر لیں۔ اور تم (امت سے خطاب ہے) جہاں بھی ہو اپنے چہرے اسی طرف پھیر لو''۔

Marfat.com

''شطر'' سے مراد طرف وجہت ہے۔ اور وہ ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے جیسا کہ قول شاعر میں شطر اسی بنا پر منصوب ہے۔

اقول لام زنباع أتيمی
صدور العيس شطر بنی تميم ❶

اور کبھی کبھی شطر بمعنی نصف بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اور ''الوضوء شطر الايمان'' اسی قبیل سے ہے اور بمعنی مطلق بعض بھی مستعمل ہے اور یہ مسئلہ اتفاقیہ ہے کہ ''شطر المسجد'' سے مراد عمارت کعبہ ہے اور امام قرطبی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو کعبہ کو دیکھ رہا ہو اسے نماز میں عین کعبہ ہی سامنے کرنا فرض ہے اور جسے وہ نظر نہ آئے وہ منہ اس طرف کر لے۔ اور انھوں نے اس امر پر ایک غیر ممکن طریقہ سے استدلال کیا ہے اور ابن ابی شیبۃ، عبد بن حمید اور ابن جریر نے ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے:۔

''شطر المسجد'' کا معنی ہے اس کی طرف منہ کرنا۔ اور عبد بن حمید اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور اپنی کتاب ''ناسخ'' میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے براء سے اسی قول کی تفسیر بیان کی ہے کہ اس کو قبلہ بناؤ۔ اور ابن ابی حاتم اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر اور حاکم نے (مع التصحیح) اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت علیؓ سے اسی طرح کی تفسیر نقل کی ہے اور ابوداؤد نے اپنی (کتاب) ناسخ میں اور ابن جریر نے اور بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ''شطرہ'' بمعنی ''نحوہ'' یعنی اس کی جانب۔ اور ابن جریر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے مکمل بیت اللہ قبلہ ہے اور بیت اللہ والوں کے لئے باب (البیت) قبلہ ہے۔ اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ بیت اللہ مسجد والوں کے لئے قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کے لئے قبلہ ہے اور حرم میری امت کے اہل مشرق ومغرب کے لئے قبلہ ہے۔

❶ ''میں نے ام زنباع سے کہا کہ سفید اونٹوں کے سینے بنوتمیم کی جانب موڑ دے''۔ یہاں شطر کو ظرفیت کی بناء پر منصوب پڑھا گیا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر ۹:

﴿ ان الصفا...... ﴾ (۱۵۸) ہے۔

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی (مقرر کردہ) علامات ہیں۔ پس جس نے حج کیا یا عمرہ کیا اسے کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔ اور جو کوئی شوق سے کرے کچھ نیکی۔ یقیناً اللہ قدر دان، جاننے والا ہے''۔

لغوی اعتبار سے صفا کا معنی ہوتا ہے'' ملائم پتھر'' اور وہ مکہ میں ایک معروف پہاڑی کا نام ہے۔ اسی طرح مروہ بھی ایک معروف پہاڑی کا نام ہے۔ اور لغوی اعتبار سے دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی ''پتھر''۔ مروئی وہ پتھر ہوتا ہے جس میں نرمی ہو، بعض نے کہا کہ جس میں سختی ہو، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سب کو شامل ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سفید چمک دار پتھر ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ کالے پتھر ہیں۔ اور شعائر، شعیرہ کی جمع ہے اور وہ ارکان حج کی ایک علامت ہے۔ اور اس سے مراد وہ مقامات عبادت ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تعلیم کے طور پر خبر دی ہے۔

یعنی موقف (عرفہ) اور مسعیٰ (دوڑ کی جگہ) اور منحر (قربان گاہ) اور ''اشعار الهدی'' ایک محاورہ بھی ہے۔ یعنی لوہے کے تیز دھار ہتھیار کے ذریعے جانور کی کوہان میں زخم لگانا۔ لغت میں ''حج البیت'' کا معنی ہے بیت اللہ کا قصد کرنا اور شرعی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام حج کو ادا کرنا۔ اور لغۃً عمرہ بمعنی زیارت ہے اور شرعاً طریقہ مسنونہ کے مطابق معروف عبادت کا نام ''عمرہ'' ہے اور ''جناح'' جنوح ''میلان'' سے لیا گیا ہے اور اسی سے ''جوانح'' یعنی پسلیاں، ماخوذ ہے کیونکہ ان میں میلان وٹیڑھا پن ہوتا ہے اور رفع جناح کا مقصد یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے اور یہی مذہب ابوحنیفہ اور اس کے شاگردوں اور ثوری کا ہے۔ زمخشری نے (تفسیر) کشاف میں ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: کہ یہ سعی واجب ہے مگر رکن نہیں ہے۔ اور اس کے ترک کی وجہ سے قربانی لازم ہوگی۔ اور حضرت ابن

Marfat.com

عباس اور ابن زبیرؓ اور انس بن مالک اور ابن سیرین کا بھی مذہب عدم وجوب کا ہی ہے اور عدم وجوب پر دال اس آیت کا آخری حصہ "ومن تطوع خیرا...... الخ" ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے یعنی اس میں وجوب نہیں ہے۔ اور جمہور ائمہ مفسرین کا خیال ہے کہ سعی واجب ہے اور احکام حج کا ایک رکن ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب ہے اور یہی خیال حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور یہی قول قابل ترجیح ہے ان لوگوں کا مستدل وہ حدیث ہے جسے شیخین وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ عروہ نے پوچھا کہ ام المومنین اللہ تعالیٰ کے قول:

﴿ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما ﴾ کے بارے میں بتائیں۔ میرے خیال کے مطابق اگر کوئی آدمی ان کا طواف نہ بھی کرے تو کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہے۔

ام المومنین نے کہا کہ اے بھانجے! یہ توجیہ غلط ہے اگر آپ کی بیان کردہ توجیہ مان لی جائے پھر عبارت "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما" ہونی چاہیے تھی کہ "کوئی حرج نہیں کہ انکا طواف نہ کرے" لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کا نزول انصار مدینہ کے اسلام لانے سے قبل ہوا ہے اور وہ منات بت کے لئے احرام باندھا کرتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں انکا خدا تھا۔ اور جو کوئی اس کا احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کا طواف کرنا گستاخی سمجھتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کہ:

"ان الصفا...... الخ"

"یہ دونوں اللہ کے دین کی علامات ہیں"۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا طواف کیا ہے کسی آدمی کو جائز نہیں کہ وہ ان کا طواف ترک کرے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت

Marfat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قسم ہے میری زندگی [1] کی کہ جو شخص حج یا عمرہ میں صفا اور مروہ کے مابین چکر نہ لگائے اس کا کوئی حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکمل ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''ان الصفا والمروۃ ......الخ '' طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس سعی کے بارے میں) پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ سعی فرض کی ہے یہ سعی ضرور کرو''۔

اور احمد نے اپنی مسند میں، شافعی، ابن سعد، ابن منذر، ابن قانع اور بیہقی نے ''حبیبة بنت ابی تجراۃ '' سے نقل کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صفا اور مروہ کا طواف فرما رہے تھے۔ اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے سعی فرما رہے تھے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ تیز چلنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اڑ رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے کہ سعی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر فرض کیا ہے اور وہ مسند احمد میں ان کے استاد عبداللہ بن مؤمل عن عطا بن ابی رباح عن صفية بنت شيبة کے واسطے سے انہی سے مروی ہے اور بحوالہ عبدالرزاق ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے کہ ہمیں معمر نے عن واصل مولیٰ ابن عينية عن موسیٰ بن عبيدة عن صفية بنت شيبة بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے اس کو خبر دی۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور اس کی تائید حدیث:

''خذوا عني مناسككم '' (کہ مجھ سے احکام حج سیکھ لو) بھی کرتی ہے۔

آیت نمبر ۱۰:

﴿ انما حرم...... الخ ﴾ (۱۷۳) ہے۔

---

[1] اس قسم کے الفاظ غیر اللہ کی قسمیں اٹھانے سے منع کرنے سے قبل کے ہیں ورنہ تو ام المومنین جیسی صدیقہ کائنات سے ان الفاظ کا صدور ہو نہیں سکتا۔

Marfat.com

"یہ پختہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے لئے نامزد چیز حرام کر دی ہے۔ جو مجبور ہو جائے دراں حالیکہ وہ خواہش مند نہ ہو اور حد سے تجاوز نہ کرنے والا ہو تو اس کو کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے"۔

ابو جعفر نے "حرم" مجہول پڑھا ہے اور کلمہ "انما" حصر کے لئے ہے۔ خطاب آیت جن اشیاء کی (حرمت) کو شامل ہے یہ باقیوں کی نفی کر کے انہیں کو ثابت کرتا ہے۔ یہاں اس کلمے نے "ما بعد" امور مذکورہ کی حرمت کی تخصیص کر دی ہے۔ "میتہ" وہ جانور ہے جو بغیر ذبح کئے مر جائے، یہاں "میتہ" عام ہے مگر حدیث:

"احل لنا میتتان ودمان فاما المیتتان فالجرادو الحوت واما الدمان فالطحال والکبد" ❶ کے ذریعے دو مردار الگ کر لئے گئے ہیں یعنی وہ حلال ہیں۔

اس حدیث کے ناقل احمد اور ابن ماجہ اور دار قطنی اور حاکم اور ابن مردویہ ہیں۔ اور راوی ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور بخاری مسلم کی اس حدیث کے ساتھ بھی تخصیص کی گئی ہے۔ جو عنبر ❷ کے بارے میں آئی ہے مزید اللہ کے قول:

"احل لکم صید البحر" کے عموم سے بھی استدلال کیا گیا ہے اور آیت مذکورہ میں مردار سے مراد دریا کا مردار نہیں بلکہ خشکی کا مردار ہے۔ اور اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ دریا کے تمام جانور حیوانات کھانے جائز ہیں زندہ ہوں یا مردہ اور بعض اہل علم کا خیال ہے کہ جو جانور خشکی کے حرام ہیں ان کے مشابہ اور مماثل دریائی بھی ہیں

---

❶ "ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں دو مردار مکڑی اور مچھلی ہیں اور دو خون تلی اور جگر ہیں"۔ ❷ عنبر کے بارے میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ یہ ایک دریائی مچھلی کا نام ہے جس کی کھال سے لوگ ڈھال بناتے تھے (الفائق)

Marfat.com

اور ابن حبیب نے دریائی خنزیر کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ ابن قاسم فرماتے ہیں کہ میں بھی اس کے کھانے سے بچتا ہوں لیکن حرام نہیں سمجھتا۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ خون حرام ہے۔ اور دوسری آیت میں ذکر ہے کہ وہ خون جو عند الذبح بہ جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں گویا قید ''مسفوح '' کی ذکر نہیں ہے مگر قانونی لحاظ سے مراد ہے کیونکہ مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے کیونکہ جو خون گوشت میں ہوتا ہے وہ بالاجماع (بقول قرطبی) حرام نہیں ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''وہ گوشت پکا رہی تھیں کہ خون کی رنگت ہانڈی کے اوپر آ گئی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے اور انکار نہ فرماتے تھے''۔

اور قول باری تعالیٰ:

''لحم الخنزیر'' اور دوسری آیت

''قل لا اجد فیما اوحی الیّ محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحاً او لحم خنزیر............'' ❶

کا ظاہر یہ ہی بتا رہا ہے کہ صرف گوشت ہی حرام ہے اور تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کی چربی کی حرمت پر بھی امت کا اتفاق ہے جیسا کہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ''لحم '' کے نیچے چربی ہوتی ہے اور قرطبی نے اس پر بھی اجماع نقل کیا ہے کہ خنزیر کے تمام اجزاء حرام ہیں سوائے بالوں کے کیونکہ اس کے ساتھ سلائی جائز ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ''لحم '' ہی سے جمیع اجزاء بدن مراد ہیں۔ اور ''لحم '' کا ذکر بطور خاص اس لیے کیا ہے کہ اس کا کھانا ہی مقصود بالذات ہے اور ''اھلال '' کا معنی ہوتا ہے آواز بلند کرنا ایک محاورہ ہے۔ ''اھل بکذا''

---

❶ آپ کہہ دیں میں اپنی طرف آئی ہوئی وحی میں کسی کھانے والے کے لئے حرام نہیں پاتا سوائے مردار، بہہ جانے والا خون اور خنزیر کا گوشت...... الخ۔

Marfat.com

یعنی اس نے اپنی آواز بلند کی اور اسی قبیل سے ''اهلال الصبی ''اور'' استهلاله '' ہے یعنی بچے کا ولادت کے وقت آواز نکالنا اور چیخنا اور یہاں مراد وہ شئی ہے جس پر غیر خدا مثلاً لات اور عزیٰ وغیرہ کا نام لیا جائے.......... جب ذبح کرنے والا بت پرست ہو اور ''آگ کا نام لیا ہو'' جب ذبح کرنے والا مجوسی ہو اور دیگر اس قسم کی تمام اشیاء بلا اختلاف حرام ہیں۔ شوکانی مرحوم نے ''فتح القدیر'' میں کہا ہے کہ اسی حکم (حرمت) میں داخل ہے ان لوگوں کا فعل جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ غیر اللہ کی قبور پر ذبح وقربانی جائز ہے کیونکہ یہ بھی ''ما اهل لغير الله '' کی مد میں داخل ہے اور ''ما اهل لغير الله'' اور بت کے لئے ذبح کرنا برابر ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسی طرح ہے وہ بھی جو اولیا (کی رضا) کے لئے ذبح کرنے کا اعتقاد رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لیے ہی ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت ان ''اولیاء'' کا نام نہ بھی لیا جائے اس صورت میں اور بتوں کے نام پر ذبح ہونے والے جانور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اکثر اہل علم نے اس مسئلہ میں مستقل کتب تصنیف کی ہیں ہم محض طوالت کے خوف سے ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اور جو تفصیل کا خواہش مند ہو وہ ہماری تفسیر ''فتح البیان فی مقاصد القرآن'' کا مطالعہ کرے۔ ہم نے جو کچھ اس میں لکھ دیا ہے وہ طالب حق کے لئے بہت ہی مفید ہے اور اللہ کی توفیق سے ہی یہ کام ہوا ہے۔ اور ''مضطر '' وہ ہوتا ہے جسے بھوک وعدم (کسی چیز کے نہ ملنے) نے مردار کھانے پر مجبور کردیا ہو اور باغی وہ ہے جو ضرورت سے زائد کھائے۔ اور عادی وہ ہے جو یہ حرام اشیاء کھائے اور وہ اس سے گنجائش پاتا ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو۔ اور ان پر ظلم کرنے والا نہ ہو۔ اس صورت میں اسلامی حکومت کا باغی بھی اسی میں داخل ہے اور عادی بمعنی ڈاکو ہے۔ اور سلطان اسلام کا باغی اور رشتہ داری وغیرہ کا قاطع بھی اسی میں داخل ہے۔ او یہ بھی ہے کہ وہ دوسرے مضطر پر زیادتی نہ کرنے والا ہو اور نہ بھوک سے زائد کھانے والا ہو۔

Marfat.com

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے قول ''غیر باغ ولا عاد '' کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ جس نے کوئی شئی اس میں سے مجبوراً کھائی وہ گنہگار نہیں ہے اور جو بغیر مجبوری کے کھائے گا وہ بغاوت وزیادتی اور ظلم کرتا ہے۔ اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قول (باری تعالیٰ) ''غیر باغ '' کی تفسیر نقل کی ہے کہ یہ مردار کے بارے میں ہے۔ ''ولا عاد '' کھانے کے بارے میں ہے۔ اور سعید بن منصور اور ابن ابی شیبۃ اور عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے قول (باری تعالیٰ) ''غیر باغ ولا عاد '' کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ اہل اسلام پر بغاوت وظلم نہ کرنے والا ہو جو کوئی بھی گھر سے نکلے قطع رحمی کرتے ہوئے یا ڈاکہ زنی کرتے ہوئے یا زمین میں فساد کرتے ہوئے، یا جماعت مسلمین اور ائمہ (خلفاء) اسلام کو چھوڑتے ہوئے یا اللہ کی نافرمانی میں نکلے اور مردار کھانے کی اسے ضرورت ہو تو اس کے لئے وہ حلال نہیں ہے۔ ابی ابی حاتم اور ابوالشیخ نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ عادی ڈاکو ہے۔ اور قول باری تعالیٰ ''فلا اثم علیه '' کا مقصد یہ ہے کہ اس کے کھانے میں گناہ نہیں ہے۔ یقیناً جو اس نے حرام کھایا ہے اللہ اسے معاف کردے گا کیونکہ مجبوری میں اسے حرام کو حلال کردیا ہے۔

آیت نمبر ۱۱:

﴿ یاایھا الذین......الخ ﴾ (۱۷۸) ہے۔

''اے اہل ایمان! تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور مؤنث کے بدلے مؤنث۔ جس کسی کو بھی معاف کردیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ اچھے طریقے سے اس کی پیروی کرنی چاہیے اور اس کی ادائیگی اسے اچھے طریقے سے کرنی چاہیے''۔

''کتب علیکم '' کا معنی ہے تم پر فرض کیا گیا اور ثابت کیا گیا ہے اور عمر بن ابی

Marfat.com

ربیعہ (شاعر) کا قول بھی اسی قبیل سے ہے۔

كتب القتل والقتال علينا ❶
وعلى الغانيات جر الذيول

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو پیغام ہے کہ اس نے تمہارے لئے اسے یعنی قصاص کو مشروع کیا ہے اور ''کتب'' کے بارے میں بعض کا خیال ہے کہ یہ لوح محفوظ میں مکتوب کی طرف اشارہ ہے۔ اور قصاص، قص الاثر سے ماخوذ ہے یعنی نشان قدم کی پیروی کرنا اور اسی سے قاص ماخوذ ہے کیونکہ وہ بھی آثار (حکایات) بیان کرتا ہے۔ اور قص الشعر ''بالوں کا جڑ سے اکھاڑنا'' کا محاورہ بھی اسی سے ہے۔ گویا قاتل قتل کے راستہ پر چل کر اس کے نشان (قتل) پر چلتا ہے۔ اور قول باری تعالیٰ ''فارتدا على اثارهما قصصا'' اسی قبیل سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ''قصاص''، ''قص'' بمعنی القطع ''کاٹنا'' سے ماخوذ ہے۔ محاورہ ہے۔

''قصصت بينهما''

''میں نے ان دونوں کے درمیان تعلق ختم کر دیا''۔

اس آیت میں ائمہ جمہور نے استدلال کیا ہے کہ آزاد آدمی بمقابلہ غلام قتل نہیں ہوگا، ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی اور ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور داؤد کا خیال ہے کہ آزاد بمقابلہ غلام اس وقت مارا جائے گا جب وہ اس کا آقا نہ ہو اور اگر آقا ہو تو اسے بالاجماع قتل نہ کیا جائے گا اور سوائے (ابراہیم) نخعی کے۔ لہٰذا مذہب مذکور علی الاطلاق ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا مذہب نہیں ہے، اس کو شوکانی نے شرح منتقی میں ذکر کیا ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں یہی مذہب حضرت علی، ابن مسعود، سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، قتادہ اور حکم بن عتبہ کا ہے اور ان کا مستدل اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

''وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس'' ہے۔

---

❶ ''ہمارے اوپر قتل وقتال فرض کیا گیا ہے اور گانے والیوں پر فاخرانہ چال ہوتی ہے''۔

Marfat.com

یعنی یہ عام ہے اس میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔اس استدلال کا جواب جمہور نے دیا ہے کہ ''النفس بالنفس مجمل ہے اور الحر بالحر والعبد بالعبد اس کی تفسیر و تفصیل ہے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول ''وکتبنا علیهم فیها'' میں ان احکامات کا ذکر ہے جو توراۃ میں بنی اسرائیل کے لیے مشروع وجائز تھے۔ اور ان (دوسروں) کے استدلالات میں قول پیغمبر ﷺ:

''المسلمون تتكافأ دمائهم'' بھی ہے ''یعنی مسلمانوں کے خون (بدلہ میں) برابر ہیں'' اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے۔اور آیت نے اس کو بیان کر دیا ہے لیکن کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول:

''الحر بالحر والعبد بالعبد'' کا منطوق ومدلول یہ ہے کہ:

''آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام قتل کیا جائے گا''

اور اس میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جس سے معلوم ہو کہ آزاد کو غلام کے مقابلے میں نہ مارا جائے گا۔مگر (یہ معنی معلوم ہوتا ہے) مفہوم (مخالف) کی وجہ سے جو شخص اس قسم کے مفہوم کا قائل ہے اس کو یہاں بھی ایسا ہی مذہب اختیار کرنا لازم ہے۔اور جو اس قسم کے مفہوم کا قائل نہیں اس پر یہ مذہب لازم نہیں۔اور ''منطوق ومفہوم'' کی بحث علم الاصول میں موجود ہے اور یہی ہے مقام استدلال ان لوگوں کا جو کہتے ہیں مسلمان کافر کے مقابلے میں مارا جائے گا وہ اہل کوفہ ہیں اور ثوری ہیں کیونکہ ''حر'' کا لفظ جیسے مسلمان کو شامل ہے اسی طرح کافر کو بھی شامل ہے۔

اور اسی طرح ''عبد'' اور ''انثیٰ'' دونوں کافر (عبد اور مؤنث) کو بھی شامل ہیں جیسے مسلمان کو شامل ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول:

''ان النفس بالنفس'' سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ نفس کا لفظ جیسے نفس مؤمنہ پر صادق ہے اسی طرح کافرہ پر بھی ہے۔

اکثر اہل علم کا مذہب وخیال ہے کہ مسلمان، کافر کے مقابلے میں نہیں مارا جائے گا اور

Marfat.com

انہوں نے حدیث رسول ﷺ سے استدلال کیا ہے کہ ''مسلمان کو کافر کے مقابلہ میں نہ مارا جائے گا''۔ اور حدیث مذکورہ دونوں آیتوں کی تفسیر ہے اور اس میں بحث خاصی طویل ہے اور اسی آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ مرد کو بمقابلہ عورت کے نہ مارا جائے گا اور انہوں نے مذکورہ انداز ہی سے دلیل کو مستحکم کیا ہے۔ لیکن جب عورت کے اولیاء (ورثاء) عورت کی دیت مرد کی دیت سے بھی زیادہ دے دیں (تو یہ جائز ہے) اور یہی مذہب امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق، ثوری اور ابوثور کا ہے اور جمہور علماء کا خیال ہے کہ آدمی کو عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جائے گا اور زیادتی کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ اور یہی حق ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے، ہم نے منتقی کی شرح میں اسے بالتفصیل بیان کر دیا ہے اس کی طرف مراجعت کرنی چاہیے (اھ) میں نے بھی اس مسئلہ کی وضاحت ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' میں کر دی ہے۔ اس طرف رجوع کرنا چاہیے اور قول باری تعالیٰ:

''فمن عفی له من اخیه شئي''

میں (لفظ) ''مَن'' سے مراد قاتل یا مجرم ہے اور ''اخ'' سے مراد مقتول یا ولی ہے اور شئي سے مراد خون ہے۔

آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب قاتل یا مجرم کو مجنی علیہ (جس پر جرم کیا گیا ہے) یا ولی کی طرف سے کردہ خون معاف کر دیا جائے اس شرط پر کہ وہ اس سے دیت یا ارش ❶ وصول کر لے تو (اس صورت میں) مجنی علیہ یا ولی کو چاہیے کہ جس کے ذمے خون بہا ہے اس سے اچھی طرح وصول کر لے اور مجرم کو چاہیے کہ دیت وارش میں سے جو بھی اس کے ذمہ آئے وہ مجنی علیہ یا ولی کو اچھے (شرعی) طریقے سے ادا کر دے۔

بعض نے کہا ہے کہ (لفظ) ''مَن'' سے مراد ولی اور (لفظ) ''اخ'' سے مراد

---

❶ دیت وارش میں فرق یہ ہے کہ قتل کے معاوضہ میں مقتول کے ورثاء کو جو رقم دی جائے گی اس کو دیت کہا جاتا ہے اور اگر کسی عضو کے عوض میں کچھ دیا جائے تو اس کا نام ارش ہے۔

Marfat.com

قاتل اور (لفظ) ''شــــي'' سے مراد دیت ہے (آیت کا) مقصد یہ ہوا کہ جب ولی قصاص معاف کر کے دیت کا خواہش مند ہو تو قاتل کو اختیار ہے کہ چاہے وہ دیت دے دے یا قصاص کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ قاتل کو اس بارے میں اختیار ہے۔

دیگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قاتل کو کوئی اختیار نہیں ہاں جب اولیاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ قاتل کو اختیار نہیں ہے اور معروف طریقہ کی اتباع کرنی چاہیے اور بعض نے کہا کہ اس عبارت سے غرض یہ ہے کہ دو گروہوں میں سے جس کو دیات میں سے کچھ زائد دے دیا جائے (تو جائز ہے) اس وقت ''عــفــی'' بمعنی فضل ہوگا۔ اوپر ذکر کردہ تمام توجیہات کی صورت میں شي کی تنکیر قلت کے لئے ہے پس وہ (شي کا لفظ) دیت کے کچھ حصے کی معافی کو بھی شامل ہوگا اور کسی ایک وارث کی معافی کو بھی شامل ہوگا (تو اس لحاظ سے قصاص نہ ہوگا بلکہ دیت ہوگی)۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ عرب کے دو قبیلے اسلام لانے سے تھوڑا سا پہلے زمانہ جاہلیت میں لڑ پڑے جس کی وجہ سے ان میں قتل اور زخموں تک نوبت پہنچی حتیٰ کہ انہوں نے کئی غلام اور متعدد خواتین کو بھی قتل کر دیا اور ان میں سے بعض لوگوں نے بعض سے بدلہ نہیں لیا تھا کہ اسلام قبول کر لیا، دو گروہوں میں سے ایک دوسرے پر وعدے اور مالوں میں ظلم کرتا تھا انہوں نے قسمیں اٹھائی تھیں کہ وہ اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے مقابلے میں ان کا آزاد نہ مارا جائے اور ہماری عورت کے مقابلے میں ان کا مرد نہ مارا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے شعبی سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لوگ عورت کے مقابلہ میں مرد کو قتل نہ کرتے تھے۔ لیکن آدمی کو

Marfat.com

بمقابلہ آدمی اور عورت کو بمقابلہ عورت قتل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''نفس کے بدلے نفس''۔

تو قتل عمد [1] کی صورت میں آزاد مرد و عورت قصاص میں دونوں برابر ہیں۔

قتل جان میں اور نفس و جان کے نیچے اگر کوئی جرم ہے (تو بھی برابر ہیں) اور غلام (بھی) قتل عمد کی صورت میں (مرد اور عورتیں) برابر ہیں۔ قتل جان یا جان سے نیچے کوئی جرم بھی ہو۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے ابو مالک سے نقل کیا ہے کہ انصار کے دو قبیلوں میں لڑائی تھی۔ ان میں سے ایک دوسرے پر غالب تھا۔ تو اس نے زائد کا مطالبہ کیا تو آنحضرت ﷺ ان کی صلح کے لئے تشریف لائے۔ تو آیت نازل ہوئی:

''الحر بالحر'' ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''الحر بالحر'' کو ''النفس بالنفس'' نے منسوخ کر دیا ہے، اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور حاکم نے مع التصحیح اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ''فمن عفی له'' کی تفسیر نقل کی ہے کہ وہ قتل عمد ہے جس کے اولیاء (قصاص معاف کرنے پر) راضی ہو جائیں، طالب ''دیت'' کو احسن طریق سے مطالبہ کرنا چاہیے اور قاتل کو چاہیے کہ وہ (دیت) اچھے انداز سے ادا کرے، یہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں تم پر رب کی تخفیف اور رحمت ہے۔ بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں صرف قصاص تھا اور ان میں دیت نہ تھی تو اس امت کو اللہ نے فرمایا کہ تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتولین میں ''فمن عفی له من اخیه شئي'' تک ''عفو'' کا معنی ہے کہ قتل عمد میں دیت لے لی جائے۔ پس اچھے طریقے کی پیروی کرنی چاہیے۔ اور اچھے

---

[1] قتل کی نیت سے کسی تیز دھار اور نوکدار ہتھیار سے کسی پر حملہ کیا جائے تو اس صورت میں دوسرا آدمی مارا جائے تو اس کا نام قتل عمد ہے۔

Marfat.com

انداز سے اس دیت کو ادا کرنا چاہیے جو اول (بنی اسرائیل کے) لوگوں پر تھی۔ اس کے بعد جس نے زیادتی کی بایں طور کہ دیت وصول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دیا۔ تو اس کے لیے ''عذاب الیم'' ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی آسانی کے لئے معافی جائز قرار دی ہے خواہ عوض لے یا نہ لے اور یہود کی طرح اس پر سختی نہیں فرمائی کہ قصاص ہی ان پر واجب تھا معافی بالکل نہ تھی اور نہ عیسائیوں والی سختی ہے کہ عفو و معافی ہی تھی دیت بالکل نہ تھی۔ اور ایسے آدمی کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے جو دیت لینے کے بعد قاتل کو قتل بھی کر دے تو ایک جماعت کا خیال ہے جن میں امام مالک و شافعی بھی ہیں کہ اس نے اسے نئے سرے سے قتل کیا ہے اگر ولی اسے قتل کرنا چاہے کر سکتا ہے اگر معاف کرنا چاہے کر سکتا ہے، قتادہ، عکرمہ، سدی وغیرہ نے کہا ہے کہ اسے یقیناً قتل کیا جائے گا اور حاکم ولی کو معافی کی اجازت نہیں دے گا اور حسن نے کہا کہ صرف دیت واپس کرنا ہی اس کی سزا ہے اور قیامت تک گناہ اس کے ذمے رہے گا۔

عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہے کہ اس کے معاملہ میں امام وقت کو اختیار ہے کہ جو چاہے اس کے بارے میں آرڈر دے، ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اہل توراۃ پر قصاص یا معافی مین سے ایک جرمانہ تھا دیت نہ تھی۔ اور اہل انجیل پر صرف معافی ہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو قصاص اور معافی اور دیت میں اختیار دیا ہے کہ جس کو چاہے اختیار کرے اور ان امور کو ان لوگوں کے لئے حلال کیا ہے اور پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھے۔

اور عبدالرزاق، ابن ابی شیبۃ، احمد، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ابو شریح خزاعی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جس کو قتل کی تکلیف دی جائے اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے چاہے قصاص لے لے یا معاف کر دے یا دیت لے لے۔ اگر وہ کسی چوتھی

Marfat.com

شق کا مطالبہ کرے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو یعنی مطالبہ پورا نہ کرو۔ اور جو اس کے بعد زیادتی کرے گا اس کے لیے ہمیشہ اور دائمی عذاب نازل ہوگا۔ اور اس سے اس مسئلہ پر بھی استدلال کیا گیا ہے کہ گناہ کبیرہ ایماندار آدمی کو ایمان سے خارج نہیں کرتا کیونکہ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ قتل عمد اور اعتداء (زیادتی) بالاجماع کبائر میں سے ہیں اور اس کے باوصف بھی قتل کے بعد اسے ایمان کے لفظ سے خطاب کیا ہے اور اس کا نام مؤمن بھی رکھا ہے حالانکہ اس پر قصاص (جیسا جرمانہ) واجب ہے اور اسی طرح قاتل اور مقتول کے ولی کے مابین بھائی چارہ ثابت کیا ہے اور اس اخوت سے مراد اخوت ایمانی ہے اور اس طرح اسے معافی کی رغبت دلائی گئی ہے اور یہ سب امور صرف مؤمن آدمی کے شایان شان ہیں، خوب یاد کر لینا چاہیے۔

آیت نمبر ۱۲:

﴿ فمن کان منکم ...... الخ ﴾ (۱۸۴) ہے۔

''جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو (روزے رہ جانے کی وجہ سے) دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنی ہے اور روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والوں پر ہر ایک مسکین کا فدیہ ہے جو خوشی سے زیادہ کرنا چاہے وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے روزہ رکھنا ہی بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو''۔

تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ رمضان کا روزہ فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اس کو فرض قرار دیا ہے۔ اور لغت میں ''صیام'' کا معنی ہوتا ہے رک جانا اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال نہ کرنا اور شریعت میں صیام کا معنی ہوتا ہے کہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ مفطرات (کھانے، پینے اور جماع کرنے) سے رک جانا۔

بعض کے نزدیک مریض کی دو حالتیں ہیں اگر وہ روزہ کی طاقت نہیں رکھتا تو

Marfat.com

افطار اس کے لئے عزیمت ہے اور اگر روزہ کی طاقت ہے مگر تکلیف و مشقت بھی ہے تو اس کے لئے رخصت ہے۔ اور یہی مسلک جمہور علماء کا ہے۔ اور اہل علم نے اس سفر میں اختلاف کیا ہے جس میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ بعض نے کہا قصر نماز کی مسافت معتبر ہے اور اس کی تعیین میں مشہور اختلاف ہے اور یہی جمہور نے کہا ہے اور دیگر کچھ لوگوں نے بے دلیل مقادیر کا ذکر کیا ہے حق یہ ہے کہ جس مسافت کو عادۃً سفر کہا جاتا ہے اس کے ہوتے ہوئے افطاری جائز ہے اور اسی طرح جس تکلیف کو مرض سے تعبیر کیا جائے تو اس کی موجودگی میں افطاری جائز ہے۔ اور سفر طاعت میں رخصت افطاری پر سب کا اتفاق ہے، اور مباح سفروں میں اختلاف ہے اور حق امر یہ ہے کہ امن میں بھی رخصت ہے اسی طرح سفر معصیت میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

اور قول باری تعالیٰ:

''فعدة من ایام اخر'' میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ قضاء رمضان لگا تار دی جائے۔ اور قول باری تعالیٰ:

﴿وعلى الذين يطيقونه......﴾ میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا وہ غیر منسوخ ہے یا منسوخ ہے؟ البتہ ابتداً جب روزے فرض ہوئے تو ان کے گراں ہونے کی وجہ سے باوجود روزہ کی طاقت رکھنے کے انہیں رخصت تھی کہ وہ ہر روز ایک مسکین کو کھانا دے دیں اور روزہ چھوڑ دیں پھر حکم منسوخ ہو گیا۔ اور یہ جمہور علماء کی تحقیق ہے اور بعض علماء سے منقول ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ وہ بوڑھے مرد اور بوڑھی مستورات کے لیے خصوصی رخصت ہے کیونکہ (عموماً) وہ روزہ رکھنے میں مشقت سمجھتے ہیں اور یہ تفسیر تشدید والی قراۃ کے مناسب ہے یعنی وہ روزہ رکھنے کو ایک تکلیف سمجھتے ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک اس آیت کا ناسخ اللہ کا قول:

''فمن شهد......الخ'' ہے۔ یعنی جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو وہ روزہ رکھے۔ اور فدیہ کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول کے مطابق ہر روز

Marfat.com

گندم کا نصف صاع [1] اور علاوہ گندم ایک صاع۔ بعض کے نزدیک صرف ایک مد (۹ چھٹانک) ہے۔

ابن شہاب نے کہا ہے کہ (فمن تطوع خیرًا) معنی ہے کہ جو کوئی روزہ کے ساتھ کھانا بھی دے (تو بہتر ہے)۔ مجاہد نے کہا کہ جو ایک مد سے زائد دینا۔

بعض نے کہا کہ جو ایک مسکین کے علاوہ دوسرے مسکین کو بھی کھانا دے (تو جائز ہے) اور ''ان تصوموا '' کا معنی ہے کہ روزے تمہارے لئے بہت بہتر ہیں فدیہ دے کر افطار کرنے سے، اور یہ نسخ سے قبل کا حکم ہے۔ بعض نے کہا کہ جو سفر و مرض تکلیف نہ دے اس میں روزہ بہتر ہے۔

آیت نمبر ۱۳:

﴿ فمن شهد......الخ ﴾ (۱۸۵) ہے۔

''جو شخص تم میں سے (اس) ماہ میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا مسافر ہو وہ اور دنوں سے گنتی پوری کرے خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا تا کہ تم گنتی پوری کر سکو اور بتائے ہوئے طریق پر اللہ کی بڑائی بیان کر سکو''۔

یعنی ''شهد'' کا معنی ہے کہ جو گھر میں ہو۔ مسافر نہ ہو۔ سلف وخلف کی ایک جماعت نے

---

[1] صاع کی تحدید میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق حجازی صاع کا وزن سوا دو سیر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کئی ائمہ اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں لکھا ہے کہ ایک صاع، پانچ رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے اور ایک رطل ایک سو اٹھائیس درہموں کا ہوتا ہے۔

اور ایک درہم کا وزن تین ماشہ، ایک رتی اور ۱/۵ رتی ہوتا ہے کوئی بھی حساب دان ان اصولوں کو میزان حساب پر تولے گا تو صحیح وزن نکل آئے گا۔ آج کے حساب سے دو کلو اور سو گرام وزن ہوگا۔ (مترجم غفرلہ)

Marfat.com

کہا ہے کہ جو ماہ رمضان کو حالت اقامت میں پالے' 'مسافر نہ ہو' 'اس پر روزے فرض ہیں۔اس کے بعد چاہے بدستور مقیم ہی رہے یا سفر پر چلا جائے ان کا استدلال اسی آیت سے ہے۔ جمہور کا خیال ہے کہ جب وہ سفر شروع کرے روزہ چھوڑ دے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ ابتداء ماہ اور آخر میں مقیم ہو نہ یہ کہ اول میں مقیم ہو بعد میں مسافر ہو جائے کیونکہ اس پر صرف اقامت کے روزے فرض ہیں یہی حق ہے اور اس مسئلہ پر دلائل صحیحہ سنت سے ثابت ہیں اور یہ مسلم امر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں سفر کیا ہے اور روزہ چھوڑ دیا۔قول باری تعالیٰ ' 'یرید اللہ..... الخ' ' میں بتانا یہ ہے کہ تمام امور دینیہ میں ' 'آسانی' ' مقصود الٰہی اور مراد ربانی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

' 'اللہ تعالیٰ نے دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں کی' '۔

اور آنحضرت ﷺ کی عادت منقول ہے کہ آپ ﷺ آسانی کی طرف رہنمائی کرتے تھے اور سختی و تنگی سے منع فرماتے تھے۔آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

' 'آسانی کرو تنگی نہ کرو، خوشخبری دو (لوگوں کو دین سے) متنفر نہ کرو' '

اور یہی صحیح ہے اور ' 'یسر' ' بمعنی آسانی ہے اور تکبیر سے مراد یہاں ہے کہ کہنے والا کہے، اللہ اکبر اللہ اکبر. جمہور کا خیال ہے کہ رمضان کے آخر میں تکبیر کہنے کی رغبت مقصود ہے اور اس وقت کی تحدید میں اختلاف ہے، بعض سلف سے منقول ہے کہ لیلۃ الفطر کو تکبیریں کہی جائیں۔بعض کا خیال ہے کہ آغاز شوال سے اختتام خطبہ تک تکبیریں کہی جائیں۔بعض نے کہا کہ امام کے آنے تک۔بعض نے کہا یہ یوم الفطر کی تکبیریں ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آدمی اپنے گھر سے نکلے یہاں تک کہ امام آجائے' یہی خیال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آدمی عیدالاضحیٰ میں تکبیریں کہے اور عیدالفطر میں نہ کہے۔اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے ابن عباس سے

Marfat.com

"فمن شهد......الخ" کی تفسیر نقل کی ہے کہ آدمی کو گھر میں چاند نظر آجائے اور ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ابن عباس سے "یرید اللہ بکم الیسر" کی تفسیر نقل کی ہے کہ سفر میں افطاری کا نام "یسر" ہے اور سفر میں روزہ رکھنا تنگی وعسر ہے اور آنحضرت ﷺ سے بسند صحیح مروی ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑو اور اگر بادل ہو جائیں تو شعبان کے تیس دن مکمل کرلو، سعید بن منصور اور ابن ابی شیبۃ نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ یہ تکبیر کہا کرتے تھے۔

"اللہ اکبر واللہ اکبر لا الہ الا اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد"

آیت نمبر ۱۴:

﴿احل لکم..........الخ﴾ (۱۸۷) ہے۔

"تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں عورتوں سے جماع کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔ خدا نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرو گے۔ پس تم پر رحم کیا اور تمہیں معاف کر دیا۔ اب ان سے ملو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے اسے طلب کرو اور کھاؤ، پیو، یہاں تک کہ صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے الگ ہو جائے یعنی صبح ہو جائے پھر شام تک روزہ مکمل رکھو اور مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں عورتوں کو مت چھوؤ"۔

"احل لکم" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس کو حلال کیا وہ پہلے حرام تھا اور بات ایسے ہی تھی جیسا کہ نزول آیت کا سبب بھی اسی طرف مشیر ہے، "رفث" سے جماع مراد ہے۔ زجاج کا خیال ہے جو افعال بھی شوہر اپنی بیوی سے کرتا ہے کلمہ رفث سب کو شامل ہے اور رفث کے بعد "الی" کا استعمال اس لیے ہے کہ اس میں وصول کا معنی ہے۔ اور خواتین کو مردوں کا لباس کہا اور مردوں کو خواتین کا کیونکہ جماع کے وقت ہر ایک کا دوسرے سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسے تعلق کپڑے اور اس کے پہننے والے

Marfat.com

میں ہوتا ہے۔

''خـــان ''اور''اختـــان '' کا ایک معنی ہے اور یہ دونوں خیانت سے ماخوذ ہیں اور ان کو خائنین اس لئے کہا کہ اس کا ضرر انہیں پر لوٹنے والا ہے۔قول باری تعالیٰ ''فتاب علیکم '' کے دو معنی ہیں۔ایک یہ کہ ان کی توبہ قبول کرنا اس سے جو ان کے نفسوں نے خیانت کی ہے۔دوسرا معنی ہے کہ ان کو رخصت واجازت دے کر تخفیف کردی ہے۔اور اسی طرح "عفی عنکم" کا ایک معنی ہے گناہ معاف کرنا دوسرا معنی ہے آسانی اور گنجائش دینا،قول باری تعالیٰ''ابتغوا ما کتب اللہ '' سے مراد ہے اولاد۔یعنی اپنی عورتوں سے جماع کے ذریعے نکاح کا مقصود اعظم تلاش کرو اور وہ حصول نسل و اولاد ہے۔بعض کا خیال ہے کہ قرآن میں جو طریقہ تمہارے لئے جائز ہے اس کو تلاش کرو بعض نے کہا کہ رخصت و گنجائش مراد ہے۔بعض نے کہا کہ لونڈیاں اور بیویاں مراد ہیں۔بعض نے ایسی باتیں بھی کہیں ہیں کہ نظم قرآن میں اس کی گنجائش نہیں ہے اور اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔''خیط ابیض '' سے مراد وہ سفید روشنی ہے جو کنارہ مشرق میں نمودار ہوتی ہے وہ نہیں جو بھیڑیے کی دم کی طرح ہوتی ہے وہ فجر کاذب ہے جو نہ تو کسی شئی کو حلال کرتی ہے نہ حرام،اور''خیط اسود '' سے مراد رات کی سیاہی ہے۔اور''تبیین '' کا معنی ہے کہ ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائے اور یہ امتیاز صبح کا وقت آنے سے حاصل ہوتا ہے اور''اتموا الصیام الی الیل ''وجوب وفرضیت کے لیے ہے اور یہ ہر قسم کے روزے کو شامل ہے،شافعیہ کا خیال ہے کہ یہاں چونکہ فرضی روزے کا ذکر ہے تو یہ فرضی روزے کے ساتھ ہی خاص ہے۔اور نفل روزہ کی افطاری پر جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دال ہے کہ ہمیں تحفۃً حلوا آیا آپؐ نے فرمایا: کہ مجھے دکھاؤ یہ کہہ کر کہ ''میں صبح سے روزہ دار تھا کھالیا'' (مسلم) اور اسی قول میں یہ تصریح بھی ہے کہ روزہ انتہاء رات ہے،مشرق کی طرف سے رات آجانے پر اور مغرب کی طرف سے دن کے جانے پر روزہ دار کو افطاری کی اجازت ہے اور اس

Marfat.com

کے لیے کھانا، پینا وغیرہ حلال ہے، اور مباشرت سے مراد یہاں جماع ہے۔ بعض نے کہا کہ جولمس و بوسہ شہوت سے لیا جائے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ جب بغیر شہوت کے ہوتو وہ جائز ہے جیسا کہ جناب عطاء، شافعی، ابن المنذر وغیرھم کا خیال ہے۔ اور ابن عبدالبر نے جو کہا کہ معتکف کے لیے مباشرت و بوس و کنار جائز نہیں ہے اور اس پر اجماع نقل کیا ہے اس کی بھی یہی توجیہ ہے کہ یہ اجماع اسی صورت میں معتبر ومفید ہے کہ یہ دونوں فعل خواہش اور شہوت سے ہوں۔ اور اعتکاف لغت میں ٹھہرنے کا نام ہے اور مخصوص التزام مخصوص انداز میں شرعی اعتکاف ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ یہ واجب نہیں ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ صرف مسجد میں ہوتا ہے۔ اور اعتکاف کے دیگر تفصیلی احکام شروح حدیث میں موجود ہیں کچھ تھوڑے سے ہم نے بلوغ المرام کی شرح میں ذکر کیے ہیں اور اسی آیت کے سبب نزول میں صحابہ رضوان علیہم اجمعین کی ایک جماعت سے احادیث منقول ہیں جن کو شوکانی نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے اسی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔

آیت نمبر ۱۵:

﴿ولا تاکلوا .... الخ﴾ (۱۸۸) ہے۔

''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ اور اس کو حکام تک نہ لے جاؤ کہ ناحق لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جان بوجھ کر کھا جاؤ''۔

یہ حکم تمام امت اور تمام اموال کا ہے۔ ہاں کسی دلیل شرعی سے ہی اس کی تخصیص ہوسکتی ہے کہ یہ مال لیا جاسکتا ہے تو اس کا لینا شرعی طور پر ہوگا نہ کہ باطل طریقہ سے اور اس کا کھانا حلال ہے نہ کہ گناہ اگرچہ مال والا اس کو مکروہ ہی سمجھے جیسا کہ قرضہ کی ادائیگی ہے جب قرض دار قرضہ واپس نہ دے اور اسی طرح اللہ کی واجب کردہ زکوٰۃ وغیرہ اور شرع کی طرف سے واجب کردہ خرچہ کو مکروہ خیال کرے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شرعاً جس

Marfat.com

صاحب مال کا مال لینا جائز نہ ہو وہ لوٹ کر کھایا جائے تو حرام وباطل ہے گو مالک (بعد میں) خوش بھی ہو جائے۔ جیسے زانیہ کی کمائی، کاہن کی شرینی اور شراب کی قیمت۔ باطل لغت میں ناپائیدار کو کہتے ہیں آیت کا مقصد یہ ہوا کہ تم اس حرکت (بد) کا ارتکاب مت کرو کہ ناجائز مال کھاؤ اور (رشوت وغیرہ) کے ذریعے فیصلہ بھی (اپنے حق میں) کرالو۔ اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرسکتا اور نہ حلال کو حرام کرسکتا ہے خواہ فیصلہ اموال کا ہو یا فروج کا۔ حاکم جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کی وجہ سے کسی آدمی کے حق میں کوئی فیصلہ صادر کرے تو پھر بھی اس کے لئے اس کو کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ یہ بھی باطل طریقہ سے لوگوں کا مال کھانا ہے اور جب حاکم رشوت لے کر غلط فیصلہ کردے تو وہ بھی اس مد میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی غلط طریقے سے مال کھاتا ہے اور یہ علماء کا متفقہ مسئلہ ہے کہ حکم حاکم نہ حرام کو حلال کرسکتا ہے نہ حلال کو حرام۔

ہاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے خلاف منقول ہے جو بالکل قابل قبول نہیں ہے کیونکہ کتاب اللہ (کمامر) اور سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ چرب زبان ہوں میں جو کچھ سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کردیتا ہوں میں اپنے فیصلے میں ایک کا حق دوسرے کو دے دیتا ہوں تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ میں اسے جہنم کی آگ دے رہا ہوں۔ یہ روایت بخاری، مسلم وغیرہ میں ہے اور قول باری تعالیٰ ’’فریقاً‘‘ کا معنی ہے حصہ، ٹکڑا وغیرہ، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے اسی قول باری تعالیٰ کی تفسیر نقل کی ہے کہ۔ ’’یہ اس آدمی کے بارے میں ہے کہ جس کے ذمے کچھ مال ہے اور دلیل (گواہ) کوئی نہیں ہے وہ مال لاتا ہے اور حکام سے جھگڑتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حق اس کے خلاف ہے‘‘۔

Marfat.com

اور سعید بن منصور اور عبد بن حمید نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تو اپنے آپ کو ظالم سمجھتے ہوئے نہ جھگڑا کر۔ حضرت قتادہ سے ابن منذر نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

آیت نمبر ۱۶:

﴿ یسألونك عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظهورها ولکن البر من اتقیٰ واتو البیوت من ابوابها ﴾ (ط ع) ہے۔

''اهلة '' ہلال (چاند) کی جمع ہے ہر ماہ کے ہلال کی بنا پر اسے جمع لایا گیا ہے یا ہر رات کی وجہ سے کیونکہ ہر روز اس کے اوقات بدلتے رہتے ہیں۔ تو گویا اس کی ذات ہی مختلف ہے۔ مہینے کے شروع اور آخر میں طلوع ہونے والے چاند کا نام ہلال ہے اور اس کے بڑا چھوٹا ہونے میں حکمت بیان کرنا مقصود ہے کہ اس (کمی وزیادتی) سے لوگوں کے لیے عبادات و معاملات کے اوقات کی تعیین مطلوب ہے، مثلاً روزہ رکھنا، روزہ چھوڑنا، حج، مدت حمل، عدت، کرایہ جات اور قسمیں وغیرہ۔ اور دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے کہ (اس تقدیر منازل سے) تم سالوں کی گنتی اور حساب اچھی طرح سمجھ لو۔ مواقیت، میقات (بمعنی وقت) کی جمع ہے۔ بعض علماء معانی نے اس جواب یعنی ''قل هی مواقیت '' کو بڑا حکیمانہ انداز تخاطب قرار دیا اور وہ یہ ہے کہ مخاطب جس انداز کے جواب کا طالب ہو جواب اس کے خلاف ہو، بتانا مقصود ہے کہ یہ جواب ہی بہت مناسب ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ انہوں نے چاند کے وجود میں ہونے والی کمی وزیادتی کے بارے میں پوچھا تھا جس کا جواب ان کو اس کے چھوٹا بڑا ہونے کی حکمت بتا کر دیا گیا ہے۔ اور یہ جواب بہت مناسب ہے کیونکہ سائل کے لیے یہ ہی مقصود اعلیٰ ہے۔ اور اس کے علم کی اسے کوشش کرنی چاہیے۔ اور انصار جب ایک مرتبہ حج کا احرام

Marfat.com

باندھ لیتے پھر حج مکمل کیے بغیر کسی ضرورت سے ان کو گھر واپس آنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو دروازوں سے داخل نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ مکان کی چھتوں سے ہو کر آیا کرتے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ محرم اور آسمان کے درمیان کوئی شئی حائل نہیں ہونی چاہیے۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ضرب المثل ہے۔ معنی یہ ہوا کہ جاہلوں سے سوال کرنا نیکی وتقویٰ نہیں ہے' لیکن نیکی خدا سے ڈرنا ہے اور سوال علماء سے کرنا چاہیے' جیسا کہ محاورہ ہے ''اتیت ھذا الامر من بابه ''یعنی میں اس معاملے میں اس کے دروازے سے آیا ہوں۔ اور یہ تفسیر بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ عورتوں سے جماع کے بارے میں ہے کہ وہ قبل (فرج) میں جماع کرنے کے مامور ہیں نہ کہ دبر (پیٹھ) میں۔ اس کے علاوہ اور بھی تفسیریں ہیں۔

آیت نمبر ۱۷:

﴿ وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین ﴾ (۱۹۰)

فرمان الٰہی: ''فاعف عنهم واصفح ''اور حکم الٰہی'' واهجر هم هجرا جمیلا'' اور ارشاد الٰہی: ''لست علیهم بمصیطر ''اور قول باری تعالیٰ:

''ادفع بالتی هی احسن ''اور اس طرح کی دیگر جتنی بھی مکی آیات ہیں ان کے پیش نظر اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت سے قبل لڑائی ممنوع اور ناجائز تھی۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی اور لڑائی کا حکم ہوا۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ قتال کی اجازت میں نازل ہونے والی پہلی آیت ''اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا '' ہے اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ کی یہ کیفیت تھی کہ جو مقابلے میں آتا آپ ﷺ اس سے لڑتے اور جو مقابلہ نہ کرتا آپ ﷺ بھی اس سے تعرض نہ فرماتے تا آنکہ قول باری تعالیٰ:

''اقتلوا المشرکین'' اور ''قاتلو المشرکین کافة '' نازل ہوا۔

Marfat.com

بعض کا خیال ہے کہ اس آیت کے ذریعے ستر آیات منسوخ [1] ہوئی ہیں۔ سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ ﴿ الذین یقاتلونکم ﴾ سے خواتین، بچے، گوشہ نشین اور ان جیسے دیگر لوگوں کے علاوہ لوگ مراد ہیں اور انھوں نے اس آیت کو محکم غیر منسوخ ہی رکھا ہے۔

قول اول کے قائلین کے نزدیک ''اعتدا'' سے مراد یہ ہے کہ جو کفار کی جماعتیں لڑائی کرنے کی قائل نہ ہوں ان سے لڑنا۔ اور جو ثانی قول کے قائل ہیں ان کے نزدیک اعتدا یہ ہے کہ جو مستحق قتل ہوا اسے چھوڑ دیا جائے اور جو مستحق قتل نہیں اسے قتل کر دیا جائے۔

آیت نمبر ۱۸:

﴿ واقتلوھم حیث ثقفتموھم وأخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنة اشد من القتل ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتیٰ یقاتلوکم فیه فان قاتلوکم فاقتلوھم کذالك جزاء الکافرین ﴾ (۱۹۱)

﴿ فان انتھوا فان الله غفور رحیم ﴾ (۱۹۲) ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ خطاب مہاجرین کو ہے اور ضمیر (ہم) کفار قریش کی طرف راجع ہے (اھ) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے مکہ سے ایسے افراد نکال دیئے تھے جو فتح مکہ کے وقت بھی مسلمان نہ ہوئے تھے، ''فتنة'' کے معنی اور مراد میں کئی اقوال ہیں، اور ظاہر امر یہ ہے کہ اس سے مراد فتنہ فی الدین ہے چاہے اس کا سبب کچھ بھی ہو۔ یا صورت کیسی بھی ہو۔ وہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ قول باری تعالیٰ ''ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام '' کی تفسیر

---

[1] نسخ کے بارے میں متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحات الگ الگ ہیں اس کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کا مطالعہ فرمائیں۔

Marfat.com

میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ایک طبقے کا خیال ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور قتال حرم میں بالکل جائز نہیں ہے۔ ہاں جب کوئی ظالم زیادتی کرے تو اس کے ساتھ لڑ کر دفاع کرنا جائز ہے اور یہی حق ہے۔ اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیت ، قول باری تعالیٰ: ﴿فاقتلوا المشر کین حیث وجدتموھم ﴾ سے منسوخ ہو چکی ہے۔ اس استدلال کا جواب بصورت جمع و تطبیق یہاں یہ دیا جاتا ہے کہ ﴿اقتلوا المشر کین ﴾ کا مفہوم یہ لیا جائے کہ حرم کے علاوہ جہاں مشرکین مل جائیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ اور حرم میں یہ کام نہ کیا جائے۔ اور اس کی تائید اس قول رسول ﷺ سے بھی ہوتی ہے کہ مکہ (میں لڑائی) آپ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھی۔ اور صحیح یہ ہے کہ صرف آنحضرت ﷺ کے لیے کچھ وقت تک اجازت ہوئی تھی اور جو لوگ اس آیت کے نسخ کے قائل ہیں انھوں نے قول پیغمبر ﷺ سے استدلال کیا ہے جو آپ ﷺ نے ابن خطل کے بارے میں حکم دیا تھا دراں حالیکہ وہ کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ اس وقت کا تھا جب آپ ﷺ کو رخصت دی گئی تھی۔

﴿فان انتھوا ﴾ کا معنی لیا ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ لڑنے سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں۔ (اللہ غفور رحیم ہے)

آیت نمبر ۱۹:

﴿ وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ فان انتھوا فلا عدوان الا علی الظالمین ﴾ (۱۹۳) ہے۔

اس میں حکم ہے کہ مشرکین سے جہاد کرو اگرچہ وہ حرم میں ہی ہوں اور اگرچہ وہ لڑائی کی ابتداء نہ بھی کریں یہ حکم اس وقت تک ہے کہ فتنہ ختم ہو جائے اور عبادت صرف خدا کی ہونے لگے۔ یعنی اسلام کو اختیار کر لیا جائے اور تمام مخالف ادیان ترک کر دیئے جائیں۔ جس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور شرک سے تائب ہو گیا اس سے لڑائی جائز نہیں ہے۔ بعض نے فتنہ سے مراد شرک لیا اور ظاہراً اس سے ہر دینی فتنہ مراد ہے جیسا

Marfat.com

کہ ابھی گزرا ہے مقصد یہ ہوا ظالم پر زیادتی جائز ہے اور ظالم وہ ہے جو اس فتنہ (شرک) سے باز نہ آیا اور اسلام قبول نہ کیا۔

اور ظالمین کے بدلے کو عدوان کہا گیا ہے جیسے اللہ نے برائی کے بدلے کو برائی سے تعبیر کیا اور جیسے قول باری تعالیٰ:

﴿فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه﴾ ہے۔

آیت نمبر ۲۰:

﴿الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم﴾ (۱۹۴) ہے۔

یعنی جب وہ محترم مہینے میں تم سے لڑیں اور اس کی بے حرمتی کریں تو تم بھی ان کو سزا دینے کے لیے اور ان کے اس فعل پر بدلے کے طور ان سے لڑو۔ ''حرمات'' حرمت کی جمع ہے۔ جیسے ظلمات ''ظلمة'' کی جمع ہے۔ حرمات کو جمع اس لئے لایا گیا ہے کہ اس سے کئی حرمات ''شہر حرام کی عزت' بلد حرام کی تعظیم اور احرام کی تکریم مراد ہیں' شرع نے جس چیز کی بے عزتی کرنے سے منع کیا ہو اس کا نام حرمت ہے اور قصاص بمعنی برابری ہے۔ معنی ہوا کہ ہر احترام والی شئی میں قصاص جاری ہوتا ہے۔ اور جو شخص بھی تمہاری قابل احترام شئی کی توہین کرے تو بطور بدلے کے اس کی قابل احترام شئی کی توہین کرو۔ بعض مفسرین کا خیال ہے یہ حکم ابتداء اسلام کا ہے جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ حکم ابھی بھی امت محمد ﷺ میں بحال ہے منسوخ نہیں ہے۔ مثلاً کسی کا مال چھین لیا گیا یا کسی کے بدن کو نقصان پہنچایا گیا تو وہ بھی مقابلے میں اس کی زیادتی کے مطابق اس پر زیادتی کر سکتا ہے۔ یہی خیال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ قصاص کے معاملات کا فیصلہ حکام ہی کر سکتے ہیں اسی طرح اموال کا فیصلہ بھی وہی کریں گے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''امانت'' امانت رکھنے والے کو دے دو۔ اور جو

Marfat.com

آپ سے خیانت کرے آپ اس سے خیانت نہ کریں'' بیہقی وغیرہ، یہی خیال امام ابو حنیفہ کا اور جمہور مالکیہ اور عطاء خراسانی کا ہے۔قول اول زیادہ قابل ترجیح ہے۔اسی طرح ابن منذر نے کہا ہے اور ابن عربی اور قرطبی نے اسی کو پسند کیا ہے اور یہ مذہب اوزاعی نے امام مالک سے نقل کیا ہے اور اسی مذہب کی تائید قول رسول اللہ ﷺ سے بھی ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے ابوسفیان کی بیوی سے کہا تھا کہ تو اس کے مال میں سے اپنی اور اپنے بچوں کی کچھ ضرورت کے مطابق مال لے لیا کرو۔ اور یہی صحیح ہے اور اس آیت میں قول باری تعالیٰ:

﴿فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ماعتدیٰ علیکم﴾

سے زیادہ واضح صریح کوئی نہیں ہے۔ یہ جملہ، جملہ اولیٰ ''والحرمات قصاص'' کی تاکید کے حکم میں ہے اور مکافاۃ (بدلہ) کو مشاکلۃ اعتداء (زیادتی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔کما تقدم۔ابن جریر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ سے (۶ھ) میں عمرہ کی نیت سے چلے اور مشرکین نے دخول مکہ اور زیارت کعبہ سے روک دیا اور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ذوالقعدہ جیسے محترم مہینے میں عمرہ سے روک دیا تو آپ ﷺ نے ان سے آئندہ سال دوبارہ آنے پر صلح کر لی پھر آپ ﷺ آئندہ سال تشریف لائے اور آپ ﷺ کی معیت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔اور اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ قصاص لیا ہے اس آیت میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسی طرح ابو العالیہ سے نقل کیا ہے۔اور عبد بن حمید، ابن جریر نے مجاہد سے بھی ایسے ہی نقل کیا ہے اور قتادہ سے بھی ایسے ہی نقل کیا ہے۔اور ابن جریر نے ابن جریج سے ایسے ہی نقل کیا ہے اور ابو داؤد نے اپنی (کتاب) ناسخ میں، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ قول باری تعالیٰ:

''فمن اعتدیٰ علیکم ''اور قول باری تعالیٰ''وجزاء سیئۃ''اور قول باری

Marfat.com

تعالیٰ: "ولمن انتصر بعد ظلمه" اور قول باری تعالیٰ:

"وان عاقبتم" اور دیگر اسی مضمون کی آیات مکی ہیں۔

ان دنوں مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ نہ ان کا کوئی بادشاہ تھا جو قوت سے مشرکین کو مغلوب کر لیتا۔ مشرکین کی حالت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو گالی گلوچ اور ایذاء رسانی کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کی طرف سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو مسلمان بھی اس مقدار میں ان کو بدلہ دے سکتے ہیں۔ یا صبر کریں یا معاف کریں۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قوت دی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے مظالم کے فیصلے اپنے بادشاہ کے پاس لے جائیں اور زمانہ جاہلیت کی طرح آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں۔ اللہ نے فرمایا کہ:

"جو مظلومی کی حالت میں مارا گیا ہم نے اس کے ولی کو قوت دی ہے"۔ (الآیہ)

یعنی وقت کا حاکم اس کا مدد (مددگار) ہوگا اور اسے ظالم سے انصاف دلائے گا۔ اور جو بادشاہ کے علاوہ خود ہی انتقام کے درپے ہو جائے وہ نافرمان، حدود پھلانگنے والا ہے۔ اس نے تکبر جاہلیت پر عمل کیا ہے اور وہ اللہ کے حکم پر راضی نہیں ہوا ہے (اھ) میرا خیال ہے کہ یہ آیت جس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ناسخ بنایا ہے اسی معنی کی تقویت کرتی ہے جس پر آیات منسوخہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ قول باری تعالیٰ:

"فقد جعلنا لولیه سلطانا" سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قوت وتسلط دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قاتل پر قدرت پا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "فلا یسرف فی القتل" کہ وہ قتل میں زیادتی نہ کرے۔ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ آیت کا وہی معنی ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے تو پھر یہ مخصص ہو جائے گا قتل کے لئے آیات مذکورہ کے عموم سے، ان کا ناسخ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں صرف قتل ہی امر منصوص ہے۔ اور وہ آیات قتل وغیرہ کو شامل ہیں اور یہ معنی لغت عرب

Marfat.com

سے معلوم ہوتے ہیں اور تفسیر قرآن کرتے وقت لغت عرب ہی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۲۱:

﴿ وانفقو فی سبیل الله ولا تلقوا بأیدیکم الی التهلکة واحسنوا ان الله یحب المحسنین ﴾ (۱۹۵) ہے۔

اس آیت میں حکم ہے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا اور وہ جہاد ہے اور یہ لفظ ہر اس فعل کو شامل و متناول ہے جو فی سبیل اللہ کی مد میں داخل ہے۔ اور قول باری تعالیٰ ''بایدیکم'' میں با زائد ہے اور اسی طرح ''الم یعلم بان الله یریٰ'' میں بھی زائد ہے۔ مبرد صاحب کا خیال ہے کہ ''بایدیکم'' سے مراد ذوات ہیں جیسا کہ جزء بول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے قول باری تعالیٰ: ''بما کسبت ایدیکم'' میں ہے اور بعض کا خیال ہے یہ بطور مثال کہا گیا ہے۔

ایک محاورہ ہے ''فلان القی بیده فی امر کذا''، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی مطیع ہو جائے کیونکہ لڑائی میں مطیع ہونے والا اپنے ہتھیار اپنے ہاتھ سے پھینکتا ہے۔ یہی انداز ہر عاجز کا ہوتا ہے۔ فعل خواہ کیسا ہی ہو۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ اصل عبارت یہ ہے ''ولا تلقوا انفسکم بأیدیکم'' یعنی اپنے آپ کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو ''تهلکة: هلک یهلک هلاکا وهلکا تهلکة'' کا مصدر ہے۔

یعنی ایسا کام نہ کرو جس سے تمہاری ہلاکت ہو، اس آیت کی تفسیر میں ائمہ سلف کے کئی اقوال ہیں، ان کا بیان اور نزول آیت کے سبب کا بیان ابھی آتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ کے عموم کا لحاظ و اعتبار ہوتا ہے۔ جس خاص واقعہ میں نزول ہوا ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جو بھی ہلاکت ہے خواہ دینی ہو یا دنیاوی وہ اس میں داخل ہے یہی خیال ابن جریر طبری کا ہے۔ اس آیت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ ایک آدمی جنگ میں جائے اور لشکر پر حملہ آور ہو اور جان کی حفاظت کی طاقت بھی نہیں ہے اور اس کی تاثیر بھی نہیں کسی نشان (مقصد) کے لیے جو مجاہدین کے لیے نفع بخش ہو اور

Marfat.com

منکرین سبب کا انکار اس آیت کے تحت اس واقعہ کے اندراج کے لیے ہرگز رکاوٹ نہیں ہے اور ان کا خیال ہے کہ آیت اپنے سبب کے ساتھ خاص ہوتی ہے مگر یہ لغت عرب کے خلاف ہے۔ اور قول باری تعالیٰ ''احسنوا'' کا معنی ہے کہ طاعات میں اچھی طرح خرچ کرو۔ اور اللہ سے اچھا گمان کرو کہ وہ تمہاری کمی کو پورا کرے گا۔ عبد بن حمید، بخاری اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت حذیفہ سے اس قول کے بارے میں کہا ہے کہ یہ خرچہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت حذیفہ سے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ غربت کے ڈر سے اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چھوڑ دینا مراد ہے۔ عبد بن حمید اور بیہقی نے ابن عباس سے اسی طرح نقل کیا ہے اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے عکرمہ سے بھی ایسے ہی نقل کیا ہے۔ ابن جریر نے حضرت حسن سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ عبد ابن حمید اور بیہقی نے حضرت حسن سے (شعب الایمان) میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد بخل کرنا ہے۔ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر زید بن اسلم سے نقل کی ہے کہ کچھ لوگ لشکروں میں جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کو بغیر خرچہ دیئے بھیج دیتے تھے۔ وہ راستہ میں روک دیئے جاتے تھے، یا وہ بوجھ بن جاتے تھے۔

اللہ نے ان کو حکم دیا کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کریں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ تہلکہ کا معنی ہے کچھ لوگوں کا بھوک و پیاس اور پیدل چلنے کی وجہ سے ہلاک ہو جانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے (ایسے لوگوں کے حق) میں اہل مال سے کہا ہے کہ تم ان سے اچھا سلوک کرو۔

عبد بن حمید، ابویعلی، ابن جریر، بغوی (نے اپنی معجم میں) ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن قانع اور طبرانی نے ضحاک بن ابی جبیر سے نقل کیا ہے کہ انصار مدینہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتے تھے۔ اور صدقہ میں بھی دیتے تھے۔ اس اثنا میں ان کو خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے ان کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے انفاق سے

Marfat.com

ہاتھ کھینچ لیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ عبد بن حمید، ابو داؤد، ترمذی (نے مع التصحیح) نسائی، ابو یعلی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم (نے مع التصحیح)، طبرانی، ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں اسلم بن عمران سے نقل کیا ہے کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے اور مصریوں کے (اس وقت عامل) جناب عقبہ بن عامر تھے اور شامیوں کے عامل فضالہ بن عبید تھے۔

رومیوں کی ایک بڑی جماعت لڑائی کے لئے میدان میں آئی۔ ہم بھی ان کے مقابلے میں نکلے۔ ایک مسلمان رومیوں کی جماعت پر حملہ کرتے ہوئے ان میں گھس گیا۔ لوگوں نے شور ڈال دیا۔ ''سبحان اللہ'' اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ جناب ابو ایوبؓ صحابی رسول کھڑے ہوگئے۔ اور فرمانے لگے کہ لوگو! تم نے اس آیت کا یہ مصداق قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت ہم انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی اور بہت مددگار پیدا ہوگئے تو ہم میں سے بعض لوگوں نے چپکے چپکے (آنحضرت ﷺ سے چھپا کر) کہنا شروع کیا کہ لوگوں کے مال بہت ضائع ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت بھی دے دی ہے۔ اور اس کے معاون بھی بہت ہو چکے ہیں۔ اب اگر ہم اپنے اموال کی اصلاح کریں (تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے) تو ہماری تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو تہلکہ و ہلاکت یہ ہے کہ جہاد ترک کر کے اپنے اموال کی اصلاح میں محو ہو جانا۔

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے (مع التصحیح) اور بیہقی نے حضرت براء بن عازب سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے کہ آدمی گناہ کرتا ہے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اللہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ عبد بن حمید، ابن منذر، ابن مردویہ، طبرانی اور بیہقی نے شعب (الایمان) میں نعمان بن بشیر سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور عبد بن حمید اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر

Marfat.com

میں کہا ہے کہ وہ ناامیدی ہے، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ تہلکہ اللہ کا عذاب ہے، ابن ابی حاتم نے عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث سے نقل کیا ہے کہ وہ دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ اسی دوران ایک آدمی اکیلا ہی دشمن کی طرف بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے اس پر تنقید کی، اوراس واقعہ کی اطلاع عمرو بن العاص کو دی گئی تو انہوں نے اس آدمی کو برقرار رکھتے ہوئے واپس پیغام بھیجا کہ اللہ کا فرمان ہے۔ ''لا تلقوا'' (الآیة)

ابن جریر نے ایک صحابی سے قول باری تعالیٰ ''احسنوا '' کی تفسیر نقل کی ہے کہ فرائض ادا کرو، اور عبد بن حمید نے ابواسحاق سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ عبد بن حمید اور ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ ''احسنوا'' کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھو۔

آیت نمبر ۲۲:

﴿ وأتموا الحج والعمرة لله ﴾ (۱۹۶) ہے۔

''اتمام حج وعمرہ'' کے مفہوم کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ حج وعمرہ اس طرح ادا کرنا کہ اس میں کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ ہو اور کسی شرط وفرائض میں کمی نہ کی جائے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے ''فاتمھن '' ایک دوسرے مقام پر ہے ''اتموا الصیام الی الیل ''

سفیان کا خیال ہے کہ آدمی کا گھر سے صرف انہی دو اعمال کے لیے نکلنا ہی اتمام ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ان دونوں میں سے ایک عمل کو ادا کیا جائے تمتع اور قران نہ کیا جائے۔ یہی ابن حبیب کا خیال ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ غیر مناسب امور کو ان میں حلال نہ سمجھیں، بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں کا احرام اپنے گھر سے ہی باندھ لینے کا نام اتمام ہے، بعض نے کہا کہ ان دونوں سفروں میں حلال وطیب رقم خرچ کرے (ابن ابی حاتم، ابونعیم)

Marfat.com

اور ابن عبدالبر نے تمہید میں یعلی بن امیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اس وقت آپ جرانہ میں تھے۔ اس وقت اس پر خوشبو کے آثار تھے۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اپنے عمرے میں کیا کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ''واتموا الحج .... الخ '' نازل فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمرے کے بارے میں پوچھنے والا آدمی کہاں ہے اس نے کہا حضرت میں یہ ہوں آپ نے فرمایا کہ کوٹ اتار دو اور خوشبو کے آثار دھو ڈالو پھر جو کچھ حج میں تو نے کرنا ہے وہ عمرہ میں کرو۔ اس کو بخاری و مسلم وغیرھما نے بیان کیا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر یہ وحی سوال کے بعد نازل ہوئی تھی اور انہوں نے اس آیت کا ذکر نہیں کیا، ابن جریر اور ابن منذر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ دسویں تاریخ کو جمرہ عقبہ کو مارنے اور بیت اللہ کی زیارت کے بعد حلال ہو جانے کا نام تمام حج ہے اور بیت اللہ کا طواف کرنے اور صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے کے بعد حلال ہونے کا نام تمام عمرہ ہے حج اور عمرہ کی فضیلت میں کثیر روایات مروی ہیں۔ یہ ان کے بیان کا مقام نہیں ہے۔ امت کا اتفاق ہے کہ جو آدمی بیت اللہ تک جانے کی طاقت رکھتا ہے اس پر حج فرض ہے۔ اس آیت سے فرضیت عمرہ پر بھی استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ دونوں کے اتمام کا حکم خود حج اور عمرہ کا حکم بھی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حسن رضی اللہ عنہ، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، مسروق رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن شداد رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ، اور ابن جہیم رحمۃ اللہ علیہ مالکی کا یہی مذہب ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب الرائے جیسا کہ ابن منذر نے ان سے نقل کیا ہے۔ کا نظریہ ہے عمرہ سنت ہے۔

اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ عمرہ واجب ہے اور جو لوگ عمرہ کے سنت ہونے کے قائل ہیں ان میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ ہیں اور حج و عمرہ

Marfat.com

کے وجوب کے قائلین کا مستدل وہ حدیث ہے جو بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا تھا کہ جس کے پاس قربانی ہے وہ حج وعمرہ کا احرام باندھے اور آنحضرت ﷺ سے صحیح بخاری میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہے۔

دارقطنی اور حاکم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں جس سے بھی ابتداء کریں جائز ہے''۔

دوسرے گروہ کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ جس کو شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ام'' میں نقل کیا ہے اور عبدالرزاق، ابن ابی شیبۃ اور عبد بن حمید نے ابو صالح سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے''

ابن ماجہ نے طلحہ بن عبید اللہ سے مرفوعاً اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبۃ، عبد بن حمید اور ترمذی نے مع التصحیح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔'' کہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں اور عمرہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے'' ان لوگوں نے اس آیت اور ان احادیث کا جن میں ذکر ہے عمرہ فرض واجب ہے جواب یہ دیا ہے کہ وہ آیت اور احادیث اس پر محمول ہیں کہ جب آدمی عملاً عمرہ میں داخل ہو جائے اور عمرہ شروع کرنے کے بعد بلا اختلاف واجب ہوتا ہے۔ گو یہ استدلال کمزور و ناقص ہے مگر تطبیق ادلہ کے لیے یہ راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

خصوصاً جب جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آنحضرت ﷺ سے عدم وجوب کی تصریح موجود ہے۔ اور اسی پر محمول ہوں گی وہ روایات جن میں وجوب کا ذکر موجود ہے جیسا کہ اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ام'' میں ذکر کیا ہے کہ وہ خط جو آنحضرت ﷺ نے عمرو بن حزم کو لکھا تھا کہ عمرہ چھوٹا حج ہے۔ اور اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

Marfat.com

بیہقی شعب الایمان میں ہے کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے وصیت کیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کر اس کے ساتھ شرک مت کرنا اور نماز پڑھ، زکوٰۃ دے، رمضان کے روزے رکھ، حج کر، عمرہ کر، سن اور اطاعت کر، اظہار کو اختیار کر اور پوشیدگی سے بچ۔

جن احادیث میں حج وعمرہ کا اکٹھا ذکر ہے مناسب یہی ہے کہ کہا جائے کہ حج اور عمرہ تمام اعمال سے افضل ہیں اور یہ دونوں اپنے مابین کے لیے کفارہ ہیں اور ان دونوں سے پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ''ونحو ذلك''، ''فان أحصرتم'' حصر بمعنی رکاوٹ ہے۔ ابوعبیدہ، کسائی اور خلیل کا خیال ہے کہ محاورہ اس طرح ہے کہ ''أحصر بالمرض وحصر بالعدو'' ابن فارس کی کتاب (مجمل) میں اس کا عکس ہے کہ احصر بالعدو وحصر بالمرض ابن العربی نے اول کو ترجیح دی ہے اور کہا کہ اکثر اہل لغت اسی کے قائل ہیں۔ زجاج کا خیال ہے کہ تمام اہل لغت کا یہی خیال ہے۔ فراء کا خیال ہے یہ دونوں ہم معنی ہیں خواہ مرض میں مستعمل ہوں یا عدو میں اور ابوعمرو وشیبانی نے فراء کی موافقت کی ہے کہ ''حصرنی الشئی واحصرنی'' دونوں ''حبسنی'' بمعنی روکنا مستعمل ہیں۔

اہل لغت کے اختلاف کی وجہ سے ائمہ فقہ نے اس آیت کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے، حنفیہ کا خیال ہے کہ ''محصر'' اسے کہا جاتا ہے جسے احرام کے بعد کسی مرض یا دشمن وغیرہ کی وجہ سے دخول مکہ سے روک دیا جائے۔ شافعیہ اور اہل مدینہ کا خیال ہے کہ اس آیت سے مراد دشمن کی رکاوٹ ہے۔ اور جمہور علماء دین کا خیال ہے کہ جہاں بھی دشمن کی رکاوٹ آئے محصر وہیں احرام کو کھول دے گا۔

اگر اس کے پاس قربانی ہے تو وہیں ذبح کر دے اور سر منڈا دے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے مقام حدیبیہ میں کیا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے

Marfat.com

اپنی کتاب ''ام'' میں اور عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ معتبر رکاوٹ صرف دشمن کی ہے، جس کسی کو کوئی تکلیف یا درد سر یا رستہ بھول جائے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''فاذا امنتم '' کہ جب تمہیں امن حاصل ہو اور یہ (امن) خوف (عدو) کے بعد ہی ہوتا ہے اور ابن ابی شیبۃ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رکاوٹ صرف دشمن کی ہے اور زہری سے بھی ایسے ہی منقول ہے، ابن ابی شیبۃ نے عطاء سے بھی نقل کیا ہے، رکاوٹ صرف مرض یا دشمن یا کسی امر مانع کی ہی معتبر ہے۔

انہوں نے حضرت عروہ سے بھی نقل کیا ہے کہ جو چیز محرم کو روک دے تو وہ احصار ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسور سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق سے پہلے قربانی دی تھی اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس بات کا حکم دیا۔ ابن جریر اور ابن منذر نے ابن عباس سے ''فان احصرتم'' کی تفسیر نقل کی ہے کہ جو آدمی حج یا عمرے کا احرام باندھے پھر کسی سخت مرض کی وجہ سے بیت اللہ تک نہیں پہنچ سکا یا کسی دشمن نے اسے روک دیا۔ تو جو ھدی (قربانی) میسر آئے اسے ذبح کر دے خواہ بکری ہو یا کوئی دوسرا جانور۔ اور اگر وہ حج فرضی ادا کر رہا تھا تو اس کی قضاء لازم ہے۔ اور اگر نفلی حج تھا تو قضاء لازم نہیں ہے۔

سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود سے قول باری تعالیٰ ''فان احصرتم '' کی تفسیر میں کہا ہے کہ آدمی جب حج کا احرام باندھے پھر کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو جو قربانی میسر ہو بھیج دے۔ اگر کوئی آدمی قربانی کے اپنے محل پر پہنچنے سے پہلے ہی سر منڈا دے یا خوشبو استعمال کرے یا کوئی دوا استعمال کرے تو اس کے ذمے روزے ہوں گے اور صدقہ یا قربانی ہوگی۔ تفصیل یہ ہے کہ اس کے ذمے تین روزے ہوں گے اور صدقہ تین صاع ہوگا جو چھ

Marfat.com

مساکین پر تقسیم ہوگا اس طرح کہ ہر مسکین کو نصف صاع ملے گا (نسک) بکری کی قربانی ہوگی۔''قولہ فَاِذَا امنتم ''یعنی جب آدمی رہا ہو جائے پھر اس انداز سے بیت اللہ چلا جائے' عمرہ کرکے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کرے۔ اگر رہائی کے بعد وہ گھر واپس آ جائے اور بیت اللہ نہ جائے تو اس پر حج وعمرہ دونوں ہوں گے۔ اگر وہ تمتع کی حالت میں حج کے مہینوں میں واپس ہوا تو اس کے ذمہ آسان قربانی بکری ہے۔ اگر اسے قربانی نہ ملے تو پھر وہ تین روزے حج کے ایام میں رکھے اور سات روزے جب واپس آئے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سعید بن جبیر سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ ایسا ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث میں کہا ہے۔''فما استیسر من الهدی ''میں ھدی سے مراد وہ جانور ہے جو بیت اللہ کی طرف بھیجا جائے خواہ اونٹ ہو یا کوئی دوسرا۔ جمہور کا خیال ہے وہ بکری ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے وہ اونٹ یا گائے ہے۔ حسن نے کہا ہے سب سے اعلیٰ قربانی اونٹ ہے۔ درمیانی گائے اور کم از کم بکری ہے۔ قولہ ''لا تحلقوا رؤسکم حتیٰ یبلغ الهدی محله ''[1] یہ پوری امت کو خطاب ہے اس میں محصر وغیر محصر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ خطاب صرف ان کو ہے جن کو حج سے روک دیا گیا ہے۔ یعنی تم لوگ احرام نہ کھولو جب تک تمہیں معلوم نہ ہو جائے کہ تمہاری بھیجی ہوئی قربانی اپنے محل پر پہنچ گئی ہے۔ یعنی اس جگہ جہاں اس کا ذبح کرنا حلال ہے۔ اور اس کی تعیین میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

امام مالک وشافعی فرماتے ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں آدمی کو روک دیا جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سال روک دیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] یعنی سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔

Marfat.com

وہاں ہی قربانی کی تھی۔ حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے وہ جگہ حرم ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے: ''ثم محلها..........الخ'' کہ اس کے حلال ہونے کی جگہ بیت اللہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مخاطب وہ آدمی ہے جو وہاں پہنچ سکتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حدیبیہ میں قربانی کرنے کا جواب حنفیہ نے یہ دیا ہے کہ حدیبیہ کے جس نچلے حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی تھی وہ حرم میں شامل ہے۔ احناف کا رد اس طرح کیا گیا ہے کہ جس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی تھی وہ حرم میں داخل نہیں ہے۔ قولہ:

"فمن كان منكم مريضا او به اذى من راسه ففدية من صيام او صدقة او نسك" ❶

لغۃً یہاں مرض سے مراد ہر وہ تکلیف ہے جس پر مرض کا اطلاق ہوسکتا ہے اور سر کی تکلیف سے مراد ہے کہ سر میں جوئیں پیدا ہو جائیں یا زخم وغیرہ ہو جائے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی مریض ہو یا سر میں تکلیف ہو تو وہ سر منڈا دے تو اس پر فدیہ ہے۔ یہاں صیام، صدقۃ، نسک مطلقاً مذکور ہیں مگر حدیث نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔ (صحیح بخاری) میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ محرم ہیں اور جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے تیری جوئیں تکلیف دے رہی ہیں انہوں نے کہا: ''جی'' آپ نے سر منڈانے اور چھ مساکین کو کھانا کھلانے یا بکری ذبح کرنے یا تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہاں نسک سے مراد بکری ہے۔ اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں جن روزں کا ذکر ہے وہ تین ہیں۔ اور کھانا چھ مساکین کو کھلانا

---

❶ جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس پر روزوں کی شکل میں فدیہ ہے یا صدقہ ہے یا قربانی ہے۔

Marfat.com

ہے۔ حضرت حسن (بصری) عکرمہ اور نافع سے منقول ہے کہ سر کی تکلیف ہو تو دس روزے رکھنے ہیں اور کھانا بھی دس مساکین کو کھلانا ہے۔ مگر جو حدیث ابھی گزری ہے ان کا رد کرتی ہے اور ان کی بات کو باطل قرار دیتی ہے۔ امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ، ان کے ساتھی اور داؤد کا خیال ہے کہ یہ کھانا آنحضرت ﷺ کے مد کے حساب سے دو دو دیے جائیں یعنی ہر مسکین کو دو مد دیے جائیں۔ ثوری کا خیال ہے کہ گندم ہو تو نصف صاع اور دوسری کوئی جنس ہو تو مکمل صاع دیا جائے۔ اور یہ مسلک ابوحنیفہ سے بھی منقول ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ کعب سے بعض احادیث میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ تین صاع کھجور چھ مساکین پر خیرات کر دو، امام احمد سے روایات مختلف ہیں۔

ایک روایت تو امام مالک وشافعی کے مانند ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر گندم دینا چاہے تو ہر مسکین کو ایک ایک مد دے اور اگر کھجور دینا چاہے تو پھر آدھا صاع دے۔ مکان فدیہ میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے۔ عطاء کہتے ہیں کہ قربانی ہو تو مکہ میں دے۔ اگر کھانا کھلانا ہو یا روزے رکھنے ہوں تو جہاں چاہے رکھ لے۔ یہی اہل الرائی کا خیال ہے۔

طاؤس اور شافعی فرماتے ہیں کہ کھانا کھلانا اور قربانی یہ ضرور مکہ میں ہوں اور روزے جہاں چاہے رکھ لے۔ امام مالک اور مجاہد کا خیال ہے کہ یہ تمام احکام جہاں چاہے ادا کرے۔ شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ یہی حق ہے۔ کیونکہ تعیین مکان کی دلیل ہی کوئی نہیں ہے۔ (اھ)

''فاذا امنتم'' یعنی جب تم مرض سے شفایاب ہو جاؤ یا دشمن کے خوف سے امن میں ہو جاؤ (بنا پر اختلاف سابق کے) مگر یہ معنی زیادہ واضح ہے کیونکہ ''امنتم'' کا لفظ بہ نسبت مرض سے شفایاب ہونے کے ''امن من العدو'' میں زیادہ مستعمل ہے تو جس نے ''احصرتم'' میں دشمن کی رکاوٹ مراد لی ہے اس کی اس قول

Marfat.com

سے تائید ہوتی ہے۔ جیسے قول باری تعالیٰ:

"فمن کان منکم مریضا" اس کی تائید کرتا ہے جو قول مذکور کا قائل ہے کیونکہ مرض کا الگ ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ اس کے مخاطب خاص طور پر محصور لوگ ہیں، یا تمام امت ہے۔ جیسا کہ اختلاف گزر چکا ہے۔ "فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الهدی"[1] کا مطلب یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام باندھے پھر افعال عمرہ ادا کر کے مکہ میں حلال ہو کر رہے، یہاں تک کہ پھر حج کا احرام باندھے۔ اس طرح عمرہ کرنے سے اس کے لیے وہ اشیاء حلال ہو گئیں جو محرم کے لیے حلال نہیں تھیں۔ اور تَمَتَّعَ اور اسْتَمْتَعَ کا یہی معنی ہے اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ تمتع جائز ہے۔

شوکانی نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک اقسام حج میں سے یہ افضل ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب منتقیٰ کی شرح میں لکھا ہے (اھ) اور مختصر جس کا نام "الدرر البهیه" ہے اور اس کی شرح میں بھی جس کا نام "الدراری المضیئة" ہے۔ اور "فما استیسر من الهدی" کی بحث ابھی گزری ہے۔ قولہ:

"فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة کاملة"[2]

یعنی مال نہ ہونے کی وجہ سے یا حیوان نہ ملنے کی وجہ سے جس کو قربانی نہ ملے تو وہ تین روزے دوران حج رکھے اور یہ روزے احرام باندھنے سے لے کر یوم النحر تک رکھے جا سکتے ہیں۔ بعض نے کہا "یوم الترویه" (آٹھویں تاریخ) سے

---

[1] جو فائدہ اٹھائے عمرے کے ساتھ حج تک جو آسان ہو قربانی کرے۔

[2] جس کو قربانی نہیں ملی وہ تین روزے حج کے دوران رکھے اور سات روزے جب تم واپس لوٹو یہ مکمل دس روزے ہیں۔

Marfat.com

ایک دن پہلے، یوم الترویہ اور یوم عرفہ کو روزہ رکھے۔ بعض نے کہا ہے کہ حج کا احرام باندھنے سے لے کر عرفہ کے دن تک اجازت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ذی الحجہ کے اول عشرے میں رکھے۔ بعض نے کہا کہ جب تک مکہ میں ہو رکھ سکتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ احرام سے پہلے تین روزے رکھ لے۔ اور بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ایام تشریق میں وہ آدمی روزے رکھ سکتا ہے جسے قربانی میسر نہیں ہے۔ کچھ دوسروں نے منع بھی کیا ہے۔ اور رجوع سے مراد اپنے وطن کو واپس آنا ہے۔

احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ راستہ میں روزے جائز ہیں اور اس پر وجوب کو تنگ نہیں کیا گیا۔ ہاں جب وہ اپنے وطن میں آجائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، ربیع رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، اور حسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی خیال ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جب منیٰ سے واپس لوٹے تو روزہ رکھے اوّل قول زیادہ راجح ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح میں ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جو قربانی نہ پائے، وہ تین روزے حج کے دوران رکھے اور سات جب وہ اپنے گھر لوٹے''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی وضاحت فرما دی ہے کہ رجوع سے مراد رجوع الی الوطن ہے اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح میں موجود ہے کہ ''سات روزے جب تم اپنے شہروں کو لوٹو'' اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ ''یہ دس روزے ہیں حالانکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ تین اور سات دس ہوتے ہیں (وجہ یہ ہے) کہ کوئی وہمی یہ خیال نہ کرے کہ اس میں اختیار ہے کہ حج کے دوران رکھو تو تین، گھر جا کر رکھو تو سات'' زجاج نے یہی کہا ہے۔

مبرد کا خیال ہے کہ یہ گنتی کے اختتام کی طرف اشارہ ہے تا کہ کوئی متوھم یہ خیال نہ کرے کہ سات کے بعد اس کے ذمے کوئی شئی باقی ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ تاکیداً کہا گیا ہے اور اہل عرب اس قسم کا خلاصہ (ٹوٹل) بیان کیا کرتے تھے جو اس سے کم گنتی ہوتی تھی اس میں ایسے ہی کرتے تھے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

Marfat.com

ثلاث واثنتان فهن خمس

وسادسة تمیل الی شماسی ❶

اور کاملۃ خلاصہ کے بعد دوسری تاکید ہے۔ روزوں کے حکم کو مزید پختہ کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ تاکہ گنتی میں کمی نہ رہ جائے۔ قولہ:

"ذلك لمن لم يكن اهله حاضری المسجد الحرام" ❷

"ذلك" کا اشارہ بعض لوگوں کے نزدیک تمتع کی طرف ہے۔ تو عبارت کا مفہوم یہ ہوا کہ مسجد حرام کے باسیوں کو تمتع جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا خیال ہے۔ انہوں نے کہا ہے اہالیان مسجد حرام میں سے جو بھی تمتع کرے گا اس پر جرمانے کا خون (بکری) ہوگا جس سے وہ خود نہیں کھا سکتا۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کا اشارہ قربانی اور روزے کے وجوب کی طرف ہے کہ اہالیان مشعر حرام پر نہ قربانی ہے اور نہ روزے ہیں۔ جیسا کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے احباب کا خیال ہے۔ یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حرم کے باسی نہ ہوں۔ یا وہ مراد ہیں جو میقات کے اندر نہ ہوں۔ جو لوگ میقات سے باہر کے رہائشی ہیں ان میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

آیت نمبر ۲۳:

﴿ الحج أشهر معلومات.........الخ ﴾ (۱۹۷) ہے۔

یعنی حج کے مہینے معلوم ہیں۔ اس میں لفظ محذوف نکال کر اصل عبارت یہ ہے "وقت الحج اشهر" یعنی حج کرنے کا وقت معلوم ہے۔ اور بعض کے ہاں یہ عبارت ہے۔ "الحج فی أشهر"

اس عبارت کے لحاظ سے اس پر نصب ہونا چاہیے تھا حرف جر کے حذف

---

❶ تین اور دو پانچ ہیں اور چھٹی حائل ہوتی ہے میرے انکار کی طرف۔

❷ یہ حکم اس آدمی کے لیے ہے جس کے اہل مسجد حرام کے باسی نہ ہوں۔

Marfat.com

کے ساتھ ''اشھراً '' رفع نہیں چاہیے تھا۔ فراء کا خیال ہے کہ رفع بہت مشہور ہے۔ کیونکہ عبارت یہ ہوئی ''وقت الحج أشھر '' اور بعض کے نزدیک ''الحج حج أشھر '' ہے۔ معلوم مہینوں سے مراد کون سے مہینے ہیں؟ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، ربیع رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور زہری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ وہ شوال، ذوالعقدۃ اور مکمل ذوالحجۃ ہے۔ یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ، اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ وہ شوال، ذوالعقدۃ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں۔ اور یہی خیال ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم کا ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے اور اس اختلاف کی حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب کوئی یوم النحر کے بعد اعمال حج ادا کرے۔ جو اس بات کا قائل ہے کہ مکمل ذوالحجہ کا وقت ہے اس کے ہاں تاخیر کا جرمانہ (خون) لازم نہ ہوگا۔ اور جس کے ہاں ذوالحجہ کے دس ہیں۔ اس کے نزدیک دم تاخیر (تاخیر کا جرمانہ) لازم ہوگا۔

اور یہی آیت ان حضرات کا مستدل ہے جو کہتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے باندھنا جائز نہیں ہے۔ وہ علماء یہ ہیں، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابوثور رحمۃ اللہ علیہ ان سب کا خیال ہے جو شخص احرام حج، حج کے مہینوں سے پہلے باندھے گا اسے چاہیے کہ وہ عمرہ کرے اور یہ احرام حج کے لیے ناکافی ہے۔ جیسا کہ ایک آدمی وقت سے پہلے نماز ادا کرے تو وہ ناقابل قبول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے یہ صرف مکروہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور و مروی ہے کہ بلا کراہت پورا سال حج کا احرام باندھنا جائز ہے۔

اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے (اگر اس قول پر مذہب کی بنیاد رکھی جائے) تو اس آیت میں حج کے ساتھ مہینوں کی قید پر غور وفکر کرنا چاہیے۔ بعض نے کہا ہے زیادہ فضیلت کے لیے یہ صراحت وارد ہوئی ہے۔ اور مکمل سال

Marfat.com

احرام باندھنے کا جواز اسحاق بن راھویہ، ابراہیم نخعی، ثوری اور لیث بن سعد سے منقول ہے۔ اور ان کی دلیل قول باری تعالیٰ:

''يسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس والحج '' ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مہینوں کو حج کا میقات قرار دیا ہے اور صرف تین ماہ کی تخصیص نہیں فرمائی، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آیت ''الحج ....الخ '' خاص ہے اور یہ آیت ''يسئلونك ....الخ '' عام ہے۔

اور خاص عام سے مقدم ہوتا ہے۔ اور دوسری ان کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حج کو عمرے پر قیاس کیا ہے جیسے عمرہ سارا سال ہوسکتا ہے اس طرح حج بھی سارا سال ہوسکتا ہے۔

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں کہا ہے یہ بات واضح ہے کہ یہ قیاس نص قرآنی کے خلاف ہے اور ایسا قیاس باطل ہوتا ہے۔ گروہ اول ہی مذہب حق پر ہے کہ اگر ''أشهر '' جو ''الحج أشهر ''معلومات میں مذکور ہے'' نص یا اجماع کے ذریعے مذکورہ تین ماہ کے ساتھ خاص ہو تو ''فبها ونعمت '' اگر یہ خصوصیت نہ ہو تو بھی ''أشهر '' جو ''شهر '' کی جمع قلت ہے تین سے لے کر دس تک مستعمل ہے۔ اور تین تو یقینی ہیں اس پر وقوف کرنا ضروری ہے۔

اور قول باری تعالیٰ معلومات کا معنیٰ ہے کہ حج سال میں ایک مرتبہ ہے اس کے مشہور مہینوں میں۔ یہ عمرہ کی طرح نہیں ہے۔ یا یہ معنیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے بیان سے معلوم ہیں یا مخاطبین کو معلوم ہیں۔ نہ ان سے تقدیم جائز ہے نہ تاخیر۔

'' فمن فرض فيهن الحج ''لغت میں فرض کا معنیٰ ''کاٹنا'' ہے۔ اور ''فرضة القوس ''یعنی کمان کا مقطع نہر اور پہاڑ کا مقطع جیسے قطع کمان کے ساتھ لازم ہے۔ اسی طرح حج آزاد انسان پر لازم و واجب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنیٰ ہے ''جدا کرنا'' یہ بھی قطع کو لازم ہے۔ کیونکہ جو کسی شئی کو کاٹتا ہے تو وہ اس کو دوسرے

Marfat.com

سے الگ کرتا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے اپنے اوپر ان مہینوں میں نیت سے اور دل کے ارادے سے حج لازم کرلیا اور احرام باندھ کر بالفعل شروع کر دیا اور زبان سے تلبیہ بھی کہنا شروع کر دیا۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ حج کا لزوم لبیک کہنے سے ہوتا ہے یا پھر قربانی کے گلے میں ہار لٹکانے اور بیت اللہ کی طرف لے جانے سے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احرام میں حج کی نیت ہی کافی ہے۔ ''قوله فلا رفث '' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن جبیر رضی اللہ عنہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ ''رفث '' سے مراد جماع ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما، طاؤس، رحمۃ اللہ علیہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ''بری گفتگو کرنا'' ہے۔

ابوعبیدۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ لغو کلام کا نام رفث ہے ''قوله لا فسوق '' اس کا معنی ہے ''حدود شرعیہ کو پھلانگنا''، بعض نے کہا ہے کہ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ برے القاب سے پکارنا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ گالی مراد ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے کوئی خاص نافرمانی مراد نہیں ہے۔ اور جس شخص نے بھی امور مذکورہ میں سے کسی کے ساتھ تخصیص کی ہے تو وہ اس لیے کہ اس پر فسوق کا لفظ بولا گیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کے نام پر ذبح ہونے والے جانور کو ''فسقا اهل لغير الله '' سے تعبیر کیا ہے۔ اور ''تنابذ '' برے القاب کے بارے میں ارشاد ہے:

''بئس الاسم الفسوق '' اور گالی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''سباب المسلم فسوق '' کسی عارف بالعربیت پر یہ بات مبہم نہیں ہے کہ گناہوں میں سے کسی گناہ پر اس لفظ کے استعمال سے اس کے ساتھ خصوصیت نہیں پیدا ہوتی۔ قولہ ''ولا جدال فی الحج '' جدال، جدل بمعنی قتل سے ماخوذ ہے۔ یہاں اس سے مراد جھگڑنا ہے بعض نے کہا ہے کہ گالی مراد ہے، بعض نے کہا

Marfat.com

ہے کہ فخر بالآباء مراد ہے۔

اول معنی ظاہر ہے یہاں نفی سے مراد نہی ہے یعنی یہ کام نہ کرو۔ نہی کی جگہ نفی کا تذکرہ مبالغہ کے لیے ہے۔ ان امور کو حج کے موقع پر خصوصیت سے روکنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسے موقع پر یہ کام بہت نامناسب ہیں۔ گو عام حالات میں بھی یہ منع ہیں۔

قولہ: "ما تفعلوا من خیر یعلمه الله" ❶

"ذکر شر کے بعد ترتیب کے لیے خیر کا ذکر کیا گیا ہے اور معصیت کے بعد طاعت کا تذکرہ اسی لیے ہے"۔

اور اس میں یہی اشارہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے کوئی شئ اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ قولہ: "وتزودوا" اس قول میں زادراہ (خرچ) مہیا کرنے کا حکم ہے کیونکہ عرب کے کچھ لوگ کہا کرتے تھے۔ "ہم اپنے رب کے گھر کا کیسے قصد کریں وہ تو ہمیں کھانے کو نہیں دیتا۔ وہ لوگ بلا خرچ کے حج کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا اللہ پاک پر توکل ہے۔ اور پھر حج کرنے آتے اور لوگوں سے مانگتے پھرتے تھے اور لوگوں پر بوجھ بن جایا کرتے تھے"۔

اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عبد بن حمید، بخاری، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ قیامت کے لیے اعمال صالحہ کا زادراہ لو، قولہ "فان خیر الزاد" یعنی بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔ اور تفسیر اول زیادہ راجح ہے۔ جیسا کہ اس پر سبب نزول دال ہے۔ اور اس میں یہ بتانا ہے کہ بہترین زادراہ منہیات سے اجتناب کرنا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زادراہ لے کر جانے کے حکم کو بجالانے میں اسی سے ڈرو یقیناً تقویٰ بہترین زادراہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بہترین زادراہ یہ

---

❶ اور جو تم کرو گے نیکی اللہ اس کو جانتے ہیں۔

Marfat.com

ہے کہ مسافر ہلاکت سے بچے اور لوگوں سے سوال کرنے اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچے۔

آیت نمبر ۲۴:

﴿ لیس علیکم جناح..........الخ ﴾ (۱۹۸) ہے۔

''اپنے رب کا فضل تلاش کرو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

اس میں تجارت کی اجازت ہے اس کو جو حج کرنے جارہا ہے اور اسی طرح کے دیگر اعمال جن سے رزق حاصل ہوتا ہے۔اور فضل سے مراد یہاں رزق ہی ہے اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے۔

'' فانتشروا..........الخ ''

یعنی ''زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو''۔

آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ادائیگی حج کے سفر پر جاؤ تو رزق تلاش کرنے میں تم لوگوں پر کوئی گناہ لازم نہیں ہے جن لوگوں نے اس چیز کو مکروہ سمجھا تھا ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، مذہب حق یہ ہے کہ تجارت کی اجازت رخصت کے معنی میں ہے۔ ویسے تجارت نہ کرنا بہت بہتر ہے۔

قولہ: ''فاذا افضتم''

یعنی ''جب تم لوٹو''

ایک محاورہ ہے کہ جب برتن بھر جائے اور کناروں سے بہنا شروع ہو جائے تو کہا جاتا ہے:''فاض الماء'' کہا جاتا ہے:''رجل فیاض''

یعنی وہ دونوں ہاتھوں سے دینے والا ہے اور اس کا معنی ہوا کہ جب تم اپنی جانوں کو واپس لوٹاؤ، یہاں ''انفسکم ''مفعول محذوف ہے جیسا کہ اس محاورہ مین ہے''دفعوا من موضع کذا ''[1] قولہ:''من عرفات ''یہ ایک جگہ کا نام ہے یعنی

[1] اصل عبارت یہ ہوگی''دفعوا انفسھم من موضع کذا ''انہوں نے اپنے آپ کو فلاں جگہ سے لوٹا لیا۔

Marfat.com

ٹھہرنے کی جگہ، اسی سے استدلال کیا گیا ہے کہ عرفہ میں ٹھہرنا فرض ہے کیونکہ لوٹنا بغیر ٹھہرنے کے ہو نہیں سکتا۔ "قولہ: "فاذکروا اللہ............الخ" یعنی مشعرحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو، اللہ کے یاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ کو پکارو، تلبیہ اور تکبیر بھی ذکر اللہ میں سے ہے۔ اور مشعرالحرام کے پاس دعا کرنا حج کے شعائر میں سے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ذکر سے مراد مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز جمع کی جائے اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ مزدلفہ میں حاجی کے لیے دونوں نمازیں جمع کرنا سنت ہے اور مشعر جبل قذح کا نام ہے جس پر امام وقوف کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مزدلفہ کے پہاڑوں کے درمیان عرفہ کی تنگ جگہ سے وادی محسر تک ہے۔

قولہ: "واذکروہ کما ھداکم" "کما" کا کاف مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اور "ما" مصدریہ ہے یا کافہ ہے یعنی اس کو بڑے اچھے طریقے سے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں اچھی ہدایت دی تھی، ذکر کا دوبارہ حکم تاکید کے لیے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ پہلا حکم مشعرحرام کے پاس ذکر کرنے کا ہے اور دوسرا حکم اخلاص کے لیے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ دوسرے حکم سے ان پر نعمت شمار کرنا مقصود ہے۔

اور "وان کنتم من قبلہ" میں "ان" مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کی خبر پر لام داخل ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ بمعنی "قد" ہے یعنی "قد کنتم" کے معنی میں ہوگا اور ضمیر (قبلہ) کی "ھدیٰ" کی طرف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قرآن کی طرف راجع ہے۔ قولہ: "لمن الضالین" سے جاہل لوگ مراد ہیں۔ قولہ: "ثم افیضوا...........الخ" کہ جہاں سے لوگ واپس ہوں تم بھی وہیں سے لوٹو اور اللہ پاک سے مغفرت مانگو یقیناً اللہ غفور ورحیم ہے۔

یہ قریش کے مذہبی لوگوں کو خطاب ہے۔ کیونکہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں نہیں ٹھہرتے تھے، بلکہ وہ مزدلفہ میں ہی ٹھہرے رہتے تھے اور وہ (مزدلفہ) حرم کا علاقہ ہے اور ان کو یہ (عرفات جانے کا) حکم دیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

اس صورت میں لفظ ''ثـم'' کے ذریعے جملے کا عطف جملے پر کیا جا رہا ہے۔ ترتیب مراد نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ پوری امت کو خطاب ہے۔ اور ''نـاس'' سے مراد ابراہیم ہیں۔ یعنی جہاں سے ابراہیم واپس آئے تھے تم بھی اسی جگہ سے لوٹو۔ اس میں احتمال ہے کہ ان کو عرفہ سے لوٹنے کا حکم ہو رہا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی دوسری جگہ سے لوٹنے کا حکم ہو یعنی مزدلفہ سے۔ اس تفسیر کی رو سے ''ثم'' ترتیب کے لیے ہے ترتیب زمانی کے لیے نہیں ہے جس میں اعمال بجالائے جاتے ہیں۔

اس آخری احتمال کو ابن جریر نے راجح قرار دیا ہے۔ اور قرآن کا ظاہر بھی یہی تقاضا کرتا ہے۔ اور ان کو استغفار کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ نزول رحمت کے مقام، قبولیت کی جگہ اور اجابت کے محل میں ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم استغفار اس آدمی کے لیے ہے جو طریقہ ابراہیمی کے خلاف ہے۔ یعنی تمہارا مزدلفہ میں ہی ٹھہرنا عرفہ میں نہ جانا مخالفت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو ہی معاف کرتے ہیں۔ قولہ: ''فاذا قضیتم........الخ'' یعنی جب تم اعمال حج ادا کر چکو اور اسی معنی میں آنحضرت ﷺ کا یہ قول بھی ہے:

''خذوا عنی مناسککم''[1]

یعنی ''جب تم اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو''

بعض نے کہا ہے کہ مناسک سے مراد قربانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''کـذکـرکـم آباء کم'' کیونکہ عرب کے لوگ جب حج سے فارغ ہوتے تو جمرہ کے پاس ٹھہر جاتے اور اپنے آباء کے کارنامے اور اسلاف کے فضائل بیان کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا: کہ اس کی جگہ اللہ کو یاد کرو۔ اور اپنے آباء کے ذکر کی طرح اللہ کو یاد کرو یا ان سے بھی زیادہ اللہ کو یاد کرو، کیونکہ وہی منعم حقیقی ہے جس نے ان پر اور ان کے آباء پر احسانات کیے ہیں۔

---

[1] مناسک سے مراد احکام و اعمال حج ہیں۔

Marfat.com

آیت نمبر ۲۵:

﴿ واذکروا الله فی ایام معدودات ﴾ (۲۰۳) ہے۔

''ایام معدودات میں اللہ کو یاد کرو''

قرطبی فرماتے ہیں: کہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں ''ایام معدودات'' سے مراد ایام منیٰ ہیں۔ اور وہی ''ایام التشریق'' اور جمروں کو مارنے کے دن ہیں۔ ثعلبی نے کہا ہے کہ ابراہیم فرماتے ہیں کہ ''ایام معدودات'' سے ایام عشر (ذوالحجہ کے دس دن) مراد ہیں۔ اور ''ایام معلومات'' سے مراد ''ایام النحر'' ہیں۔

اسی طرح مکی سے بھی مروی ہیں۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابوعمرو بن عبدالبر وغیرہ کے قول پر اجماع ہو چکا ہے، ضحاک نے ابو یوسف سے نقل کیا ہے۔ ایام معلومات قربانی کے دن ہیں۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے۔

"ویذکروا الله .... الخ"

''اور ذکر کریں اللہ کا نام ایام معلومات میں اللہ کے دیئے ہوئے جانوروں پر''

اور کرخی نے محمد بن حسن سے نقل کیا ہے کہ ایام معلومات سے قربانی کے تین دن مراد ہیں یعنی ''۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخ''۔ کیا طبری فرماتے ہیں کہ ابو یوسف اور محمد کے قول کے مطابق ایام معلومات و معدودات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جو معدودات قرآن میں مذکور ہیں وہ بالاتفاق ایام تشریق ہیں اور مالک سے منقول ہے ایام معدودات اور ایام معلومات کا مجموعہ چار دن ہیں ایک یوم نحر اور تین دن اس کے بعد۔ یوم نحر معلوم ہے معدود نہیں ہے۔ اس کے بعد دو دن معلوم و معدود ہیں اور چوتھا دن معدود ہے مگر معلوم نہیں ہے۔

اور یہی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ابن زید نے کہا ہے کہ ایام معلومات ذوالحجہ کے دس دن اور ایام التشریق ہیں۔ اس آیت میں ''فاذکروا اللہ'' کے مخاطب حاجی لوگ اور دوسرے سب احباب ہیں۔ جیسا کہ جمہور ائمہ کا خیال ہے۔ اور بعض کا خیال ہے یہ خاص حاجیوں کو خطاب ہے'' اس کے وقت میں اہل علم کا اختلاف

Marfat.com

ہے۔عرفہ کے دن (مؤرخہ ۹ ذوالحجہ) صبح کی نماز سے لے کر ایام تشریق (مؤرخہ ۱۳ ذوالحجہ) کے آخری دن عصر کی نماز تک وقت ہے۔بعض نے کہا ہے کہ عرفہ کی صبح سے لے کر دس تاریخ کی نماز عصر تک ہے اور یہی خیال ابوحنیفہ کا بھی ہے بعض نے کہا ہے کہ دس تاریخ کی ظہر سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن صبح کی نماز تک ہے۔

یہی خیال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ قولہ: ''فمن ''یعنی جو دو دنوں میں جلدی کرے، یہ گیارہ اور بارہ تاریخ ہے، وہ گنہگار نہیں ہے۔قولہ: ''ومن تاخر ''اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''کہ جو آدمی ایام معدودات میں سے دوسرے دن کنکریاں مارے (اور واپس آجائے) اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو تیسرے دن (۱۳ تاریخ) تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔یعنی یہ دونوں طرح جائز ہے۔جو انداز تقسیم یہاں اختیار کیا گیا ہے یہ اہتمام اور تاکید کے لیے ہے۔کیونکہ کچھ لوگ (عرب) جلدی واپسی پر تنقید کرتے تھے اور کچھ تاخیر کی مذمت کرتے تھے۔

ان دونوں قسم کے افعال کی اجازت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے معنی کرتے ہیں کہ جو جلدی واپس ہو وہ بھی مغفور ہے، اور جس نے تاخیر کی وہ بھی مغفور ہے۔حاصل یہ ہوا کہ تعجیل وتاخیر دونوں جائز ہیں۔قولہ: ''لمن اتقی '' کا معنی ہے کہ اختیار اور عدم گناہ اس آدمی کے لیے ہے جو متقی ہے کیونکہ متقی انسان ہر مشکوک شئی سے پرہیز کرتا ہے اس لیے وہ اس خاص حکم کا حق دار ہے۔اخفش نے کہا ہے اصل عبارت ''ذلك لمن اتقی '' ہے۔اور بعض کا خیال ہے کہ یہ حکم اس آدمی کے لیے ہے جو حج سے واپس آ کر تمام معاصی سے بچتا ہے۔بعض نے کہا ہے یہ اس کے لیے ہے جو شکار کرنے سے بچتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سلامتی متقی کے لیے ہے۔بعض نے کہا ہے یہ ذکر سے متعلق ہے۔

Marfat.com

معنی یہ ہوگا کہ ذکر کا حکم اس آدمی کے لیے ہے جو اپنے حج میں گناہوں سے بچتا ہے۔ کیونکہ حقیقۃً حاجی وہی ہے۔

آیت نمبر ۲۶:

﴿ یسألونك ماذا ینفقون الخ ﴾ (۲۱۵) ہے۔

''آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں''۔

اس وقت یہ سوال کرنے والے مسلمان لوگ تھے۔ انھوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ جو چیز خرچ کی جائے اس کی مقدار کیا ہے اور جنس کون سی ہے؟ تنبیہ کرتے ہوئے بیان مصرف (جہاں مال خرچ کیا جائے) کے ساتھ انہیں جواب دیا گیا ہے۔ کہ مقصود بالذات یہی ہے کیونکہ شي ذی قیمت تب بنتی ہے جب اس کو اس کے مناسب مقام اور مصرف میں رکھا جائے بعض کا خیال ہے کہ ''ما انفقتم من خیر'' ہی میں مقدار خرچ کا تذکرہ ہے۔ اور وہ ہر طرح کا مال ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ انھوں نے نیکی کی وجوہ و اسباب کے بارے میں پوچھا تھا جس میں وہ مال خرچ کریں مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔ قولہ:

''فللو الدین و الاقربین..........الخ''

''پس والدین، اقرباء، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے''۔

کیونکہ ان کو مال دینے میں ایک صدقہ ہے اور دوسرا صلہ رحمی ہے مگر جب محتاج ہوں۔ اسی طرح یتیم فقراء خیرات کے زیادہ لائق ہیں ان فقراء سے جو یتیم نہ ہوں کیونکہ وہ مال کمانے پر قادر نہیں ہیں۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے وہ لوگوں کے ہاتھوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ''ابن سبیل'' مسافر اور رستہ طے کرنے والے کو کہتے ہیں راستے پر چلتے رہنے کی وجہ سے اسے ''ابن سبیل'' کہا جاتا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت زکوٰۃ فرض نہ تھی۔ اور یہ وہ نفقہ تھا جو آدمی اپنے اہل پر خرچ کرتا تھا اور صدقہ اور تھا جس کو آدمی خیرات کرتا تھا۔ اس آیت نے اس کو

Marfat.com

منسوخ کر دیا ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ محکم (غیر منسوخ) ہے۔ ابن زید نے کہا ہے کہ یہ نفلی عمل ہے اور ظاہر آیت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ جو شخص انفاق کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قرب کا متلاشی ہے اس کے لیے بہت مناسب ہے کہ مندرجہ بالا مدات میں مال خرچ کرے۔ ابن جریر اور ابن منذر نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ اہل ایمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ وہ اپنا مال کہاں خرچ کریں؟ پھر یہ آیت نازل ہوئی جو نفلی وفرضی دونوں طرح کے صدقات کو شامل ہے۔

ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن الجموح نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اپنے مال سے کیا خرچ کریں؟ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت نمبر ۲۷:

﴿ کتب علیکم .... الخ ﴾ (۲۱۶) ہے۔

''تمہارے اوپر جہاد فرض کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے ہاں پسندیدہ نہیں ہے''۔

یعنی جن افعال کے ذریعے ان کا امتحان لیا گیا ہے ان میں جہاد کی فرضیت بھی ہے اور مراد یہاں کفار سے لڑنا ہے۔ اس آیت سے جہاد کی فرضیت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اور یہی اولیٰ ہے۔ بعض کے ہاں جہاد نفل ہے اس سے مراد صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہی خیال ثوری اور اوزاعی کا ہے۔ جمہور ائمہ فرماتے ہیں یہ فرض کفایہ ہے۔ بعض نے کہا کہ جب وہ (کفار) حملہ آور ہوں تو فرض عین ہوتا ہے اور جب وہ اپنے علاقوں میں ہوں تو فرض کفایہ ہے۔ ''الکرہ'' پیش کے ساتھ بمعنی مشقت ہے اور زبر سے بمعنی وہ کام جس پر تجھے مجبور کیا جائے اور اس معنی کے لیے پیش بھی منقول ہے۔

تو یہ دو لغتیں ہو گئیں، جہاد کو ''مکروہ'' اس لیے کہا ہے کہ اس میں مال کا خرچہ ہوتا ہے، وطن واہل کو خیر باد کہنا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہوتا ہے۔ اور یہاں ''کرہ'' مصدر کا استعمال مبالغۃً ہے۔ اور ''کرہ'' بمعنی مکروہ ہونے کا

Marfat.com

بھی احتمال ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کے ہاں معروف ہے:

''الدرهم ضرب الامیر '' اس میں بھی ضرب بمعنی مضروب ہے۔ ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے ابن شہاب سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ جہاد ہر آدمی پر فرض ہے خواہ وہ جہاد کرے یا بیٹھا رہے۔ بیٹھے ہوئے سے جب اعانت کا مطالبہ کیا جائے گا وہ اعانت کرے اور اس سے مدد مانگی جائے گی وہ مدد کرے اور جب ان سے کہا جائے کہ نکلو تو وہ نکلے اور جب اس کی ضرورت نہ ہوگی وہ بیٹھا رہے۔ جہاد کے وجوب اور فضیلت میں وافر احادیث مروی ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

آیت نمبر ۲۸:

﴿یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیه .... الخ﴾(۲۱۷) ہے۔

''آپ سے پوچھتے ہیں محترم مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں''

''قتال فیه'' ''شهر حرام'' سے بدل ہے (سیبویہ) اس کی دلیل یہ ہے کہ مہینے کے بارے میں پوچھنا محض اس میں واقع ہونے والی لڑائی کے اعتبار سے تھا۔ زجاج کا خیال ہے کہ اصل عبارت یہ ہے ''یسئلونک عن القتال فی الشهر الحرام''۔ قوله: ''قل قتال فیه کبیر''

''آپ فرما دیں کہ لڑنا اس میں بڑا گناہ ہے یعنی ممنوع ہے''۔

اور ''شهر حرام'' سے مراد جنس شہر ہے اور اہل عرب ان میں قتل وقتال نہیں کرتے تھے اور نہ کسی دشمن پر ڈاکہ زنی کرتے تھے اور ''اشهر حرم'' چار ماہ ہیں تین اکٹھے اور ایک الگ، ترتیب یہ ہے: ذوالعقدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔

قوله: ''وصد عن............الخ''

''اور اللہ کے راستے سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے ہاں بڑا گناہ ہے''

یعنی شہر حرام میں لڑائی کرنے سے ان افعال کا گناہ زیادہ ہے۔ یہ تحقیق مبرد وغیرہ کی

Marfat.com

ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہوا کہ اے کفار قریش! تم شہر محترم میں لڑائی وجنگ کو عظیم گناہ سمجھتے ہو اور جو کچھ کرتے ہو یعنی مسلمان ہونے والے کو اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ تعالیٰ کا انکار، مسجد حرام سے لوگوں کو منع کرنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ شان نزول اس کا شاہد ومفید ہے۔ کیونکہ مذکورہ آیت میں ان کے جس سوال کا ذکر کیا ہے یہ اس چیز کے انکار کا سوال ہے جو آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے دستے سے سرزد ہوا تھا۔

قولہ: "والفتنة............"

"یعنی فتنہ قتل سے بڑا ہے"۔

یہاں فتنے سے کفر مراد ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کے بھیجے ہوئے دستے نے جو واقعہ قتل پیش آیا ہے تمہارا کفر اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ فتنے سے "اهل حرم" کو حرم سے نکالنا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فتنے سے یہاں ان کے دین کی آزمائش مراد ہے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گئے یعنی کمزور اہل ایمان مراد ہیں۔ یا نفس فتنہ مراد ہے جس پر کفار قائم تھے اور یہ تفسیر پہلی دو تفسیروں سے زیادہ راجح ہے۔ کیونکہ "کفر اور اخراج" کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور یہ دونوں "جب کہ اللہ کے راستے سے روکنا بھی ساتھ مراد ہو" محترم مہینے میں لڑائی کرنے سے بھی اللہ کے نزدیک زیادہ جرم ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے سوائے دفاعی جنگ کے قابل احترام مہینوں میں لڑائی جائز نہیں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ جہاد کی آیت سے منسوخ ہے۔ یہی خیال جمہور ائمہ تفسیر کا ہے۔

آیت نمبر ۲۹:

﴿ یسألونك .... الخ ﴾ (۲۱۹) ہے۔

"آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں"۔

Marfat.com

سوال کرنے والے مؤمن لوگ تھے۔ ''خمر'' انگور کا وہ پانی ہے جسے جوش دیا جائے اور وہ گاڑھا ہو جائے۔ اور اس سے جھاگ نکلنی شروع ہو جائے اور ہر وہ چیز اس حکم میں داخل ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے یعنی زائل کر دے۔ جمہور ائمہ کا یہی خیال ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ثوری رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ، ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء کوفہ کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ انگور کی شراب کے علاوہ جس کے زیادہ استعمال سے نشہ پیدا ہوتا ہے تو نشے کی مقدار سے کم استعمال کی جائے تو وہ حلال ہے۔

اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جس چیز کو جوش دے کر دو ثلث ضائع کر دیئے جائیں وہ حلال ہے۔ اور اس مسئلہ میں خاصہ مشہور اختلاف ہے میں نے اس مسئلہ پر بڑی مبسوط گفتگو اپنی کتاب ''مسك الختام شرح بلوغ المرام'' میں کردی ہے۔ اس مسئلہ پر علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ''نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار'' میں بڑی مفصل گفتگو کی ہے۔ اسی طرح علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح المعروف امیر یمانی نے بھی ''سبل السلام'' میں گفتگو فرمائی ہے۔

آیت میں ''میسر'' سے مراد اہل عرب کا جوا ہے جو وہ تیروں سے کھیلا کرتے تھے۔ اور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والوں میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ ہر وہ چیز جس میں جوا ہو یا نرد ہو یا شطرنج وغیرہ ہو اس کا نام ''میسر'' ہے۔ حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ اور کعاب کھیلنا بھی اس میں شامل ہے۔ مگر وہ کھیل جائز ہے جس کو جائز کہا گیا ہے جیسے جہاد کے لیے گھوڑ دوڑ میں مقابلہ اور حصول حقوق کے لیے قرعہ اندازی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جوا دو طرح کا ہے ایک محض کھیل دوسرا جس میں رقم لگائی جائے۔ میسر لہو میں نرد، شطرنج اور تمام کھیل کود شامل ہیں۔ اور ''میسر قمار'' وہ ہے جس پر لوگ خطرہ محسوس کریں جب بھی جوا کھیلا جائے تو وہ میسر ہے۔

قوله: ''قل فيهما..........''

Marfat.com

''آپ فرمادیں کہ شراب اور جوئے میں بہت بڑا گناہ ہے''۔

یعنی شراب کے استعمال سے جو عقل کی خرابی پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کی وجہ سے لڑائی، گالی گلوچ، فحش باتیں، جھوٹ اور نماز کا ضیاع اور دیگر احکام واجبہ کا ترک لازم آتا ہے یہ کوئی کم گناہ ہے؟ جیسا کہ فاسد العقل آدمی سے بھی ایسے ہی افعال صادر ہوتے ہیں۔اور جوا کھیلنے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ دیوالیہ پن، بلا فائدہ مال کا ضیاع، عداوت ودشمنی اور سینوں میں نفرت ووحشت کا پیدا ہونا یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔قولہ: ''ومنافع'' شراب کے منافع سے شراب کی تجارت میں نفع مراد ہے، بعض نے کہا اس سے مراد وہ کیفیت ہے جو شراب پینے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔یعنی خوشی، دل کی پختگی اور مضبوطی، معدے کی اصلاح اور قوۃ مردانگی، اور شعراء عرب نے ان میں سے بعض کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

اسی طرح فارسی شاعروں نے بھی جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور جوے کے منافع یہ ہیں کہ انسان کو بیٹھے بیٹھائے مال مل جانا جس کے لیے کوئی محنت ومشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور جو خوشی اسے حاصل ہوتی ہے جب اس کا حصہ نکلتا ہے۔اور جوئے کے گیارہ تیر ہوتے ہیں جس کو (شوکانی) نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے۔

قولہ: ''واثمھما ''یعنی اللہ تعالیٰ بتارہے ہیں کہ شراب اور جوئے میں اگر نفع ہے تو جو گناہ ان کے استعمال کرنے والے کو ہوتا ہے وہ اس نفع سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ شراب کے استعمال سے جو مفاسد (عقل کی تباہی اور پھر اس عقل کی تباہی سے جو بے شمار فسادات وشرور پیدا ہوتے ہیں) حاصل ہوتے ہیں۔بڑی سے بڑی خیر بھی اس کے مساوی نہیں ہے۔حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے کچھ اپنی کتاب ''حادی الارواح'' میں ذکر کیے ہیں۔اور میں نے اپنی کتاب ''مثیر ساکن الغرام الی روضات دارالسلام'' میں ذکر کیے ہیں اور یہ اس کا خلاصہ ہے اور اسی طرح جو نقصانات جوئے میں ہیں وہ بھی اس نفع سے زیادہ ہیں۔یعنی مال کا ضیاع، غیرت کا سامنا اور عداوت جو قتل وقتال

Marfat.com

اور بے حرمتی پر منتج ہوتی ہے۔

اور حمزہ اور کسائی نے ''ثا'' سے کثیر پڑھا ہے دیگر حضرات نے ''با'' سے کبیر پڑھا ہے اور ''ابی'' کی قرأۃ اقرب ہے۔ احمد ابن ابی شیبۃ، عبد بن حمید، ابو داؤد، ترمذی (مع التصحیح) نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے مع التصحیح نقل کیا ہے۔ اور حاکم نے مختارہ میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اے اللہ! شراب کی حرمت کے بارے میں واضح بیان جاری فرما کیونکہ اس سے مال و عقل دونوں ضائع ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ آیت ''یسألونک عن الخمر والمیسر'' نازل ہوئی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان کو یہ پڑھ کر سنائی گئی انہوں نے پھر کہا اے اللہ! شراب کی حرمت میں واضح حکم نازل فرمائیں۔ پھر سورۃ النساء کی یہ آیت ''یاایها الذین امنوا .... الخ'' نازل ہوئی یعنی:

''اے ایماندارو! نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو''

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لاتے تو فرماتے کہ ''نشے کی حالت میں کوئی آدمی نماز میں نہ آئے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان کو یہ آیت سنائی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی کہ اے اللہ! شراب کی حرمت میں واضح حکم فرما تو پھر سورۃ مائدہ کی یہ آیت ''انما الخمر والمیسر .... الخ'' نازل ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر سنائی گئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے پڑھتے ''هل انتم منتهون'' تک پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''ہم باز آئے ہم باز آئے''۔

آیت نمبر ۳۰:

﴿ ویسألونك .... الخ ﴾ (۲۱۹) ہے۔

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں کہ زائد''۔

عفو کا معنی ہے وہ مال جو آسان و سہل ہو اور خرچ کرتے وقت دل پر گراں نہ گزرے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ جو مال تمہاری ضروریات سے زائد ہو اسے خرچ کردو اور اپنے

Marfat.com

آپ کو مشقت میں مت ڈالو، بعض نے کہا ہے کہ جو اہل وعیال کے خرچ سے زائد ہو، جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہ نفلی اخراجات ہیں بعض نے کہا ہے فرض زکوٰۃ سے یہ آیت منسوخ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں دیگر حقوق ہیں''۔

آیت نمبر ۳۱:

﴿ ویسألونك..........الخ ﴾ (۲۲۰) ہے۔

یعنی ''آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں''۔

یہ آیت ان آیات ''ولا تقربوا مال الیتیم '' اور ''ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً '' کے بعد نازل ہوئی ہے، اس آیت کے نزول کے بعد اولیاء یتیم پر ان کی کفالت مشکل ہوگئی پھر اللہ نے حکم نازل فرمایا کہ ان کی اصلاح کرنا بہتر ہے۔

یہاں اصلاح کا مقصد یہ ہے کہ اپنے مال کو ان کے اموال میں ضم کرلیا جائے اور ان کو الگ کردینے سے یہ بہتر اور صحیح ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ یتامیٰ کے اموال میں اولیاء اور اوصیاء مختلف تصرفات (بیع، مضاربت، اور اجارہ وغیرہ) کرنے کے مجاز ہیں۔

قولہ: ''وان تخالطوھم''

یعنی ''اگر تم اپنے اموال ان کے اموال میں ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں''۔

''مخالطت'' کی تفسیر میں اختلاف ہے، ابوعبیدۃ نے ''مخالطت یتامیٰ'' کی تفسیر یہ کی ہے کہ یتیم کا مال ہو اور یتیم کے لیے الگ کھانا تیار کرنا کفیل پر بڑا مشکل ہو اور وہ اپنے اہل وعیال کے لیے کھانے میں ملا کر پکائے تو یتیم کا مال بڑی احتیاط سے لے کہ جتنا اس کے لیے کافی ہو اس کو لے کر اپنے گھر والوں کے خرچ میں شامل کردے، اس ملانے میں بھی کمی وبیشی کا امکان ہے تو یہ آیت ایک رخصت ہے اور ماقبل کی ناسخ ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یتامیٰ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا مخالطت ہے، بعض نے کہا ہے کہ یتیم کو رشتہ دینا مخالطت ہے، بہتر یہ ہے کہ مخالطت کی کوئی خاص نوع مراد نہ

Marfat.com

لی جائے بلکہ ہر طرح کی مخالطت اس میں داخل ہے اور ان ''تخالطوھم '' کا یہی تقاضا ہے۔ قولہ: ''فاخوانکم ''مبتدأ، محذوف''ھم '' کی خبر ہے یعنی''ھم اخوانکم فی الدین''

''وہ تمہارے دینی بھائی ہیں'' اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو مخالطت کے ذریعے ان کے اموال کو خراب کرتا ہے اور جو اصلاح کرتا ہے، یہ اولیاء کے لیے تحذیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر آدمی کو جانتا ہے تو ہر آدمی کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا جو اصلاح کرے گا وہ اس کے لیے مفید ہوگی اور جو فساد کرے گا وہ اس کا انجام بھگتے گا اس میں وعدہ اور وعید دونوں ہیں اور تقدیم مفسد میں مزید ڈانٹ اور وعید ہے۔

آیت نمبر ۳۲:

﴿ ولا تنکحو المشرکات.........الخ ﴾ (۲۲۱) ہے۔

''مشرک عورتوں سے شادی نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں''۔

اس آیت میں مشرکات سے نکاح وتزوج کو ممنوع قرار دیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکات سے بت پرست عورتیں مراد ہیں، بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم عام ہے جو کتابیات (اہل کتاب کی عورتوں) کو بھی شامل ہے کیونکہ وہ بھی مشرک ہیں، یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ نصاریٰ نے کہا کہ مسیح (عیسیٰ) اللہ کا بیٹا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں اہل علم کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکات سے نکاح حرام قرار دیا ہے اور اس میں کتابیات داخل ہیں پھر سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی جس نے اس عموم سے کتابیات کو خارج کر دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن سعید رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ اور اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے، دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیت سورۃ مائدہ کی آیت کی ناسخ ہے اور کتابیات ومشرکات کے نکاح کو حرام قرار دیتی ہے اور یہ امام شافعی کا بھی ایک قول ہے اور اہل علم کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ اس بات

Marfat.com

کا جواب دیا جاتا ہے یہ آیت سورۃ مائدہ کی آیت کی ناسخ ہے کیونکہ سورۃ البقرۃ ابتدائی ہے، اور سورۃ المائدہ آخری زمانے کی ہے اور قول اول ہی راجح ہے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے جیسا کہ نحاس اور قرطبی نے نقل کیا ہے اور ابن منذر نے ان مذکورین کے علاوہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر کیا ہے، اور کہا ہے کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس کو حرام نہیں کہا۔ بعض اہل علم کا خیال ہے لفظ ''مشرک'' اہل کتاب کو شامل نہیں کیونکہ ایک ہی جگہ اہل کتاب اور مشرکین کا تذکرہ ہے جیسے ''ما یود الذین کفروا من اهل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم'' اور دوسری جگہ فرمایا:

''لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین''

اور اگر فرض کرلیا جائے کہ لفظ مشرکین عام ہے تو یہ عموم وخصوص آیت مائدہ کے ساتھ متعلق ہے۔ ''کما قدمنا''، قوله: ''ولأمة......الخ'' یعنی مومنہ لونڈی مشرکہ عورت سے بہتر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے ''امة'' سے مراد آزاد عورت ہے کیونکہ تمام لوگ اللہ کے غلام اور لونڈیاں ہیں لیکن معنی اول ہی اولیٰ ہے وجہ ترجیح آ رہی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ لفظ سے یہی مترشح ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ انداز گفتگو بڑا بلیغانہ ہے کیونکہ اس سے مومنہ لونڈی کی حرۃ (آزاد) مشرکہ پر فضیلت ظاہر ہوتی ہے تو آزاد مومنہ کی آزاد مشرکہ پر بالاولیٰ فضیلت ہے۔ واحدی اور ابن عساکر نے بواسطہ سدی عن ابی مالک' ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی ایک کالی لونڈی تھی، جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے'' الحدیث''

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ کی ایک کالی لونڈی تھی جس کو انہوں نے آزاد کیا پھر اس سے نکاح کیا، قوله تعالیٰ:

Marfat.com

"ولو اعجبتکم "

''یعنی اگر چہ وہ مشرکہ اپنی خوبصورتی ، مال اور مرتبہ کی وجہ سے تمہیں بہت ہی پسند ہو، اور یہ جملہ حالیہ ہے۔

قوله: "ولا تنکحوا..........الخ"

''یعنی مشرکین کا نکاح مومنات سے مت کریں یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں''۔

قرطبی نے کہا کہ پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ مشرک آدمی مومنہ سے کسی طرح بھی جماع (نکاح) نہیں کرسکتا کیونکہ اس سے اسلام پر حرف آتا ہے، تمام قراء کا اتفاق ہے کہ ''تنکحوا'' کی تا پر ضمہ ہے۔

قوله: "ولعبد ....الخ"

''یعنی مومن غلام مشرک آزاد سے بہتر ہے گو وہ تم کو بہت ہی پسند ہو''

جو گفتگو "ولامة" میں گزر چکی ہے اسی انداز کی گفتگو اس میں ہے جو ترجیح وہاں ہے ویسی ہی ترجیح یہاں ہے۔

آیت نمبر ۳۳:

﴿ویسألونك عن المحیض﴾ (۲۲۲) ہے۔

''یعنی آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں''۔

محیض مصدر (میمی) ہے۔بعض نے کہا ہے کہ اسم (مصدر) ہے۔بعض نے کہا ہے (ظرف) زمان اور مکان کے معنی میں مجازاً مستعمل ہے، لفظ حیض کا لغوی معنی بہنا اور پھوٹ پڑنا ہے اور ایک محاورہ ہے کہ ''حاض السیل و فاض ''سیلاب بہہ گیا، اور اسی سے حوض ماخوذ ہے کیونکہ پانی بہہ کر اسی میں آتا ہے، قوله:

"قل هو..........الخ"

''آپ فرمادیں کہ حیض ایک ایسی شئی ہے جس کی بدبو سے تکلیف ہوتی ہے''۔

Marfat.com

اور ''اذیٰ'' گندگی سے کنایہ ہے اور یہ قول قبیح پر بھی بولا جاتا ہے، اس قبیل سے قول باری تعالیٰ:

''لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ'' اور قول باری تعالیٰ:

﴿ ودع أذاهم ﴾ ہے۔قوله: ''فاعتزلوا.........الخ''

''حیض میں اپنی عورتوں سے الگ رہو''

یعنی اگر محیض بمعنی حیض ہو تو معنی ہوگا کہ زمانہ حیض میں ان سے الگ رہو اور اگر اسم کے معنی میں ہو تو محل حیض مراد ہوگا اس اعتزال سے مراد ترک جماع ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے پاس بیٹھا نہ جائے یا انہیں ہاتھ نہ لگایا جائے کیونکہ یہ تو جائز ہے۔ بلکہ حائضہ کی شرم گاہ کے علاوہ یا تہہ بند کے اوپر سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبیدۃ سلمانی سے جو مروی ہے کہ حیض کی حالت میں خاوند اپنی بیوی سے بستر الگ کرلے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس میں تمام ائمۃ کا اتفاق ہے کہ حائضہ سے جماع حرام ہے اور یہ دین کے بدیہی احکام میں سے ہے۔

قوله: ''ولا تقربوهن حتی یطهرن'' ''طهر'' سے انقطاع حیض مراد ہے اور ''تطهیر'' سے ''نہانا'' مراد ہے، حضرت قراء کے اختلاف کی وجہ سے اہل علم کا بھی اختلاف ہے، جمہور ائمۃ کا خیال ہے کہ حائضہ جب تک غسل نہ کرے وہ اپنے خاوند کے لیے حلال نہیں ہے، محمد بن کعب' قرطبی اور یحییٰ بن بکیر فرماتے ہیں کہ جب حائضہ پاک ہوجائے اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل کی بجائے تیمّم کرے تو اس سے جماع حلال ہے۔

مجاہد اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ خون کے ختم ہوتے ہی وہ خاوند کے لیے حلال ہے لیکن وضو کرلے، ابو حنیفہ، ابو یوسف اور محمد فرماتے ہیں کہ اگر دس دن گزرنے کے بعد خون ختم ہوا ہے تو پھر غسل سے پہلے ہی جماع کرنا جائز ہے اور اگر دس دن سے قبل ہی خون ختم ہوجائے تو اس سے جماع جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ غسل کرے یا اس

Marfat.com

پر ایک نماز کا وقت آ جائے اور ابن جریر طبری نے تشدید والی قرأت کو ترجیح دی ہے، شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے:

بہت اولیٰ اور اعلیٰ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلت کی دو غائتیں بیان کی ہیں جیسا کہ دو قرأتوں کا تقاضا ہے کہ ایک خون کا اختتام دوسری اس سے طہارت، اور دوسری غایت اول غایت پر زیادہ مشتمل ہے تو اس کی طرف رجوع ہونا چاہیے اور قولہ تعالیٰ: ''فاذا تطهرن '' جو بعد میں مذکور ہے کی دلالت بھی اس پر ہے کہ طہارت وپاکیزگی ہی معتبر ہے محض خون کا ختم ہونا معتبر نہیں ہے، اور یہ بات بھی قانونی ہے کہ دو قرأتیں بمنزلہ دو آیتوں کے ہوتی ہیں تو جس طرح ان دو آیتوں میں تطبیق واجب ہے جن میں سے ایک مشتمل ہو اس زیادتی کے ساتھ زیادہ عمل پر اسی طرح دو قرأتوں میں بھی جمع کرنا واجب ہے۔

قولہ:﴿ فاتوهن من حيث امر كم الله ﴾

''یعنی ان کے پاک ہونے کے بعد ان سے جماع کرو''۔

اور ''اتیان '' جو ''فاتوهن '' میں ہے سے ''کنایۃ '' جماع مراد ہے۔

''یعنی وہ اللہ کے جائز کردہ راستے (قبل) ہی میں جماع کرتے ہیں''۔

بعض نے کہا ہے کہ ''من حيث '' میں ''من '' بمعنیٰ ''فی '' ہے۔ جیسے ''اذا نودی للصلوٰة من يوم الجمعة أی فی يوم الجمعة '' اور جیسے ''ماذا خلقوا من الارض '' میں فی الارض مراد ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس انداز سے تمہیں اجازت دی ہے جماع کرو یعنی کسی کا روزہ نہ ہو تو نہ احرام کی حالت ہو اور نہ اعتکاف کی، بعض نے کہا ہے کہ حلال طریقے سے جماع کرو نہ حرام طریقے سے، بعض نے کہا ہے حلال انداز سے کرو نہ زنی کے طریق پر، بعض نے کہا ہے کہ ''توابون '' سے گناہوں سے توبہ کرنے والے مراد ہیں اور ''متطهرون '' سے جنابت اور احداث (حکمی نجاست)

Marfat.com

سے پاکیزگی مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے والوں کی توبہ مراد ہے اور معنی اول ہی خوب مفید وواضح ہے۔

آیت نمبر ۴۴:

﴿ نساؤكم ....الخ ﴾ (۲۲۳) ہے۔

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آ ؤ''۔

لفظ ''حرث'' اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ حکم صرف فرج کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہی کھیتی ہے جس سے اولاد پیدا ہوتی ہے جیسا کہ کھیتی میں نباتات اُگتی ہیں گویا جو نطفے نسل انسانی کے بقاء ودوام کے لیے ان کے ارحام میں ڈالے جاتے ہیں ان کو بیج سے تشبیہ دی ہے جو زمین میں ڈالا جاتا ہے۔ جس سے نباتات پیدا ہوتی ہیں اور علت مشترکہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ثمرات کی بنیاد ہے۔

یہ جملہ، جملہ اولیٰ ''فاتوهن من حيث امركم الله '' کا بیان ہے، اور قولہ ''انى شئتم ''یعنی جس انداز سے چاہو مثلاً پیچھے سے آگے سے، بٹھا کے، چت لٹا کر اور پہلو کے بل مگر جماع صرف کھیتی کی جگہ میں ہو، شاعر نے کہا ہے کہ

انما الارحام ارضون لنا محترثات

فعلينا الزرع فيها وعلى الله النبات ❶

اللہ سبحانہ نے ''انى شئتم '' میں انی استعمال فرمایا ہے کیونکہ وہ لغت میں ''من اين '' ''كيف'' اور ''متى'' سے عام ہے اور سیبویہ نے اس کا معنی یہاں ''کیف'' سے کیا ہے۔ اور صحابہ، تابعین اور ائمہ میں سے سلف وخلف نے آیت کی وہی تفسیر کی ہے جو ہم نے کی ہے، اور یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ بیوی

---

❶ یقیناً ارحام ہمارے لیے قابل کاشت زمین ہیں۔ ہمارے ذمہ کھیتی کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ اُگانا ہے۔

Marfat.com

کے پاخانہ والی جگہ میں جماع کرنا حرام ہے۔ اور سعید بن المسیب، نافع، ابن عمر، محمد بن کعب قرظی اور عبد الملک بن ماجشون سے مروی ہے کہ یہ فعل جائز ہے اور ان حضرات سے قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ امام مالک سے ان کی ایک کتاب ''کتاب السر'' میں یہی منقول ہے۔ امام مالک کے ماہر تلامذہ اور مشائخ اس بات کے منکر ہیں کہ یہ کتاب امام مالک کی ہے اور کہا ہے مالک بہت بڑے آدمی ہیں کہ ان کی طرف کتاب السر کی نسبت کی جائے اور یہ قول ''العتبیۃ'' میں ہے۔ ابن عربی نے نقل کیا ہے کہ ابن شعبان نے نقل کیا ہے کہ صحابہ وتابعین کی ایک بہت بڑی جماعت اس کے جواز کی قائل ہے اور مالک سے بھی کئی مرویات (جماع النسوان واحکام القرآن) میں موجود ہیں۔

طحاوی نے کہا ہے عبد الرحمٰن بن قاسم سے اصبغ بن فرج نے نقل کیا ہے کہ میں نے کوئی آدمی ''جس کو میں قابل اقتداء سمجھتا ہوں'' نہیں پایا جو شک بھی کرتا ہو کہ عورت کی دبر میں جماع حلال ہے، پھر ''نساؤکم حرث لکم'' آیت تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ اس سے زیادہ واضح بیان کیا ہو سکتا ہے؟ حاکم، دارقطنی، اور خطیب بغدادی نے امام مالک سے کچھ طرق (اقوال) نقل کیے ہیں جن کا تقاضا ہے کہ یہ فعل مباح ہے مگر ان کی اسانید ضعیف وکمزور ہیں، طحاوی نے محمد بن عبداللہ بن عبد الحکم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ اس تحلیل وتحریم کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے کچھ بھی صحیح منقول نہیں ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ وہ حلال ہے اور ابو بکر خطیب نے بھی اس کو نقل کیا ہے، ابن صباغ نے کہا ہے کہ ربیع نے معبود برحق کی قسم کھا کر فرمایا کہ ابن عبد الحکم نے اس مسئلہ کو امام شافعی کی طرف منسوب کر کے کذب بیانی کی ہے۔

کیونکہ امام شافعی نے اپنی کتاب میں اس کی حرمت کی تصریح کی ہے اور ہم نے بھی اس مسئلہ میں بڑی مفصل گفتگو اپنی کتاب ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' میں

Marfat.com

کردی ہے اس کی طرف مراجعت کرنی چاہیے اور صحیح بات یہی ہے کہ وہ حرام ہے امام شافعی نے کتاب (الام) میں ابن ابی شیبۃ، احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن منذر اور بیہقی نے اپنی سنن میں خزیمہ بن ثابت کے حوالہ سے نقل کیا ہے ایک سائل نے آنحضرت ﷺ سے عورتوں کے پچھلے حصے میں جماع کرنے کا سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ حلال ہے۔

جب وہ واپس ہوا تو اسے بلایا اور فرمایا کہ کیا کہا تھا کیا پچھلی جانب سے اگلے حصے میں آنا مراد لیتے ہو تو جائز ہے پچھلے حصے میں آنا مراد ہے تو وہ ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں رکتے۔ تو آیت کا معنی ہوا کہ عورتوں سے ان کی پشتوں میں یہ فعل مت کرو۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اپنی بیوی کے پچھلے حصے میں کاروائی کرنے والے کی طرف اللہ پاک نظر رحمت نہ کریں گے۔ اس کو ابن ابی شیبۃ، ترمذی (نے مع التحسین) نسائی اور ابن حبان نے نقل کیا ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بیوی کی دبر میں یہ فعل کرنا چھوٹی لواطت ہے، اس حدیث کو احمد نے نقل کیا ہے، اور بیہقی نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی اپنی بیوی کے پچھلے حصے میں وطی کرتا ہے وہ لعنتی ہے، احمد، ابوداؤد اور نسائی نے اس کو نقل کیا ہے اور اس فعل کی ممانعت میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔ صحابہ و تابعین کی جماعت سے موقوف و مرفوع دونوں قسم کی روایات منقول ہیں اور کچھ لوگوں نے اس کو حلال بھی کہا ہے۔ امام شوکانی ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے اقوال میں کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ ان حضرات کے اقوال پر کسی کو عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کے پاس اس فعل کے جواز کی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور جس کا خیال ہے کہ یہ مفہوم آیت قرآنی سے سمجھ آتا ہے اس نے غلط سمجھا

Marfat.com

ہے جب کہ ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کی تفسیر اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تفسیر موجود ہے، بخلاف اس آدمی کے جس کے ذہن نے سمجھنے میں غلطی کی ہے خواہ کوئی آدمی ہو اس کی تفسیر قابل قبول نہیں ہے، اور جس شخص نے ان میں سے گمان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کے پچھلے حصے میں یہ فعل کیا تھا تو اس آیت میں اس فعل کے حلال ہونے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

جس شخص کا بھی یہ خیال ہے وہ غلط ہے بلکہ یہ آیت تو اس فعل کی حرمت پر دال ہے۔ تو وہی سبب ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت اسی فعل کی حلت میں نازل ہوئی ہے کیونکہ نزول آیات کے اسباب مختلف ہوتے ہیں کبھی تو سبب کو حلال کرنے کے لیے نازل ہوتیں ہیں اور کبھی تحریم کے لیے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ عزل کرنا چاہو تو بھی ٹھیک ہے اگر نہ کرنا چاہو تو بھی ٹھیک ہے، یہ تفصیل ابن ابی شیبۃ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ضیاء نے ''مختارہ'' میں نقل کی ہے اور اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اس کو ابن ابی شیبۃ نے نقل کیا ہے اور سعید بن میبّب سے ابن ابی شیبۃ اور ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ (اھ)

آیت نمبر ۳۵:

﴿ ولا تجعلوا ....الخ ﴾ (۲۲۴) ہے۔

''نہ بناؤ اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ''۔

"عرضة" بمعنی نشانہ ہے "جوھری" بعض نے کہا ہے کہ بمعنی شدت وقوت ہے اور اہل عرب کا محاورہ ہے کہ جب کوئی عورت نکاح کے لائق وقریب ہو جائے کہا جاتا ہے "عرضة النكاح" اسی طرح ''لفلان عرضة ای قوة'' اور اس کا اطلاق ہمت پر بھی ہوتا ہے اور محاورہ ہے کہ ''فلان عرضة للناس'' لوگ ہمیشہ اس میں واقع ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اوّل معنی کے اعتبار سے عرضہ اس شي کا نام ہوگا جو دوسری شي

Marfat.com

کے سامنے رکاوٹ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو مانع اور رکاوٹ نہ بناؤ'' امور محلوف علیھا '' پر۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی بعض اچھے کام (صلہ رحمی، دوسرے سے احسان کرنا، یا لوگوں میں اصلاح کرنا) نہ کرنے کی قسم اٹھا لیتا تھا پھر وہ کام نہ کرتا تھا اور وجہ یہ بیان کرتا تھا کہ اس نے یہ کام نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہوئی ہے۔

یہی معنی ہے، جس کو جمہور آئمہ تفسیر نے اس آیت کی تفسیر میں مکروہ سمجھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمایا ہے کہ وہ اس کو قسموں کا نشانہ نہ بنائیں۔ یعنی محلوف علیہا امور کے لیے مانع اور رکاوٹ بنائیں، امر محلوف علیہ (جس امر پر قسم اٹھائی جائے) کو یمین اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا یمین سے تعلق ہوتا ہے اس تفسیر کی رو سے یہ قول ''ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس '' ایمان کا عطف بیان ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ نہ بناؤ اللہ کو اس سے روکنے والا اپنی قسموں کی وجہ سے وہ قسمیں جو تمہاری نیکی، تقویٰ اور اصلاح بین الناس ہے اور ''لا یمانکم '' کا تعلق ''لا تجعلوا '' سے ہوگا اور اس کا تعلق ''عرضۃ'' سے بھی ہو سکتا ہے۔ معنی ہوگا کہ نہ بناؤ اس کو سبب جو مانع ہو تمہارے درمیان اور نیکی وغیرہ کے درمیان۔ اور دوسرے معنی (قوت شدت) کی بنا پر آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کی قسم کو اپنے لیے قوۃ نہ سمجھو اور خیر سے رکنے کے لیے ہتھیار مت خیال کرو، اور تیسرے معنی (ہمت) کی بنا پر تفسیر صحیح نہیں ہے اور چوتھے معنی ''فلان لا یزال عرضۃ للناس '' کی بناء پر آیت کا معنی ہوگا کہ:

''نہ بناؤ اللہ پاک کو اپنی قسموں کا نشانہ کہ تم اس کو بہت ہی زیادہ قسمیں اٹھا کر استعمال کرو''

اور اسی سے متعلق ہے کہ قسموں کی حفاظت کرو، اور اللہ نے زیادہ قسمیں اٹھانے والوں کی مذمت کی ہے فرمایا کہ آپ کسی ''حلاف ''

''(زیادہ قسمیں اٹھانے والا) اور حقیر کی اطاعت نہ کریں''۔

اور اہل عرب کم قسمیں اٹھانے کی وجہ سے قابل تعریف سمجھے جاتے تھے۔ اس تفسیر کی رو

Marfat.com

سے ''ان تبروا'' نہی کی علت ہوگی، معنی یہ ہوا کہ:

''نہ بناؤ اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ''

نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور اصلاح کرنے کے لیے کیونکہ جو شخص اللہ کی قسمیں زیادہ اٹھاتا ہے وہ توڑنے پر بھی جرأت کر لیتا ہے اور اپنی قسم میں تنگی بھی محسوس کرتا ہے، اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔ جن کا تعلق انہیں مذکورہ وجوہ سے ہی ہے (اگر مطالعہ کا شوق ہو تو) وہ وجوہ فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہیں۔

آیت نمبر ۳۶:

﴿ لا یواخذکم ....الخ ﴾ (۲۲۵) ہے۔

''تمہاری لغو قسموں کا اللہ مواخذہ نہ کرے گا لیکن مواخذہ کرے گا جو تمہارے دلوں نے کمایا ہے''۔

لغو، '' لغا یلغو لغواً '' اور '' لَغِیَ یَلْغیٰ لَغْیاً '' کا مصدر ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جس وقت کلام میں غیر ضروری اضافہ کیا جائے وہ مفید نہ ہو یعنی وہ غیر مفید شئی جس کا اعتبار نہ کیا جائے، ''یمین'' لغو وہ غیر مفید کلام ہے جس کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے۔

اس لحاظ سے آیت کے معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غیر مفید قسموں کی سزا نہیں دے گا۔ لیکن وہ قسمیں جن میں تمہارے دل کا دخل ہو ان پر مواخذہ کرے گا۔

اسی قسم کا نام یمین منعقدہ ہے اسی طرح رب تعالیٰ کا قول ہے۔

'' ولکن یواخذکم بماعقد تم الایمان ''❶

اسی طرح شاعر کا یہ قول ہے:

ولست بماخوذ بلغو تقوله

اذا لم تعمدعا قدات العزائم ❷

❶ لیکن اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں کا مواخذہ کریں گے جو تم نے قصداً اٹھائی ہیں۔

❷ تو لغوبات کہہ دے تو قابل گرفت نہیں ہے جب تک تو یقین اور پختہ ارادہ نہ کرے۔

Marfat.com

اہل علم نے لغو کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور اکثر ائمہ کا خیال ہے کہ آدمی اپنی کلام و گفتگو میں بغیر قصد وارادہ کہہ جائے لا واللہ خدا کی قسم بلی واللہ کیوں نہیں خدا کی قسم۔ مروزی نے کہا ہے کہ یمین لغو کا یہی معنی ہے جس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے، ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آدمی اس گمان سے ایک کام پر قسم اٹھاتا ہے کہ اس نے وہ کام کیا ہے جب دیکھا تو وہ وقوع پذیر نہیں تھا یہ یمین لغو ہے، یہی خیال حنفیہ کا ہے اور یہی خیال امام مالک کا ہے۔ (موطا)

اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ کا غصے کی حالت میں قسم اٹھانا یمین لغو ہے، یہی خیال طاؤس مکحول کا ہے اور مالک سے بھی مروی ہے۔ بعض نے کہا ہے نافرمانی کی قسم کا نام یمین لغو ہے، سعید بن مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن زبیر اور ان کے بھائی عروہ نے کہا ہے یمین لغو یہ ہے جیسے کوئی قسم اٹھائے کہ وہ ضرور شراب پیئے گا' یا رشتہ داری توڑ دے گا۔ بعض نے کہا ہے کہ آدمی کا اپنے خلاف بددعا کرنا یمین لغو ہے جیسے آدمی کہے کہ اللہ اسے نابینا کر دے، اللہ اس کا مال ضائع کر دے، وہ یہودی ہے، مشرک ہے۔ زید بن اسلم' مجاہد نے کہا ہے کہ یمین لغو یہ ہے کہ آدمی آپس میں لین دین کریں ایک کہے خدا کی قسم میں یہ چیز اتنے روپے کی فروخت کروں گا دوسرا کہے کہ خدا کی قسم میں اتنے کی خریدوں گا۔

ضحاک فرماتے ہیں یمین لغو وہ قسم ہے جس کا کفارہ دے دیا جائے یعنی جب آپ اس کا کفارہ ادا کریں تو وہ قابل مواخذہ نہ رہے گی اور وہ لغو ہو جائے گی قول اول ہی راجح ہے کیونکہ وہ لغوی معنی کے بھی مطابق ہے اور ادلہ بھی اس پر دال ہیں۔

آیت نمبر ۳۷:

﴿ للذين يؤلون .... الخ ﴾ (۲۲۶) ہے۔

''ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے قسمیں کھاتے ہیں''۔

''يؤلون '' بمعنی ''يحلفون '' ہے، ایلاء کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

Marfat.com

اکثر ائمہ کا خیال ہے کہ ایلاء یہ ہے کہ آدمی قسم اٹھائے کہ وہ چار ماہ سے زائد وقت اپنی بیوی سے جماع نہ کرے گا۔ اگر چار ماہ یا اس سے کم کی قسم اٹھائے تو وہ ایلاء کندہ نہیں ہے بلکہ وہ یمین خطاء ہے، یہی خیال امام مالک، شافعی، احمد اور ابوثور کا ہے ثوری اور اہل کوفہ نے کہا ہے کہ چار ماہ یا زائد کی قسم کا نام ایلاء ہے۔

یہی قول حضرت عطاء کا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب کوئی قسم اٹھائے کہ میں ہمیشہ اپنی بیوی سے گریز کروں گا تو پھر وہ ایلا کندہ ہوتا ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ جب آدمی قسم اٹھائے کہ وہ ایک دن یا کم یا زیادہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے گا پھر وہ چار ماہ تک جماع نہ کرے تو اس کی بیوی ایلاء کی وجہ سے اس سے الگ ہو جائے گی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، نسائی، ابن ابی لیلیٰ، حاکم، حماد بن ابی سلیمان، قتادہ اور اسحاق کا یہی خیال ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ کئی اہل علم نے اس قول کا انکار کیا ہے۔ اور ''نسائهم'' کا لفظ آزاد اور لونڈیوں کو شامل ہے جب وہ کسی کے نکاح میں ہوں۔ اسی طرح ''يؤلون'' میں غلام بھی داخل ہے۔ جب وہ اپنی بیوی پر قسم کھائے۔ اور امام شافعی، احمد اور ابوثور کا یہی خیال ہے اور مزید کہا ہے کہ غلام کا ایلاء آزاد ہی کی طرح ہے۔ امام مالک، زہری، عطاء، ابوحنیفہ اور اسحاق نے کہا ہے کہ اس کی مدت دو ماہ ہے۔ شعبی نے کہا ہے کہ لونڈی کا ایلاء حرہ سے نصف ہے۔ قولہ: ''تربص اربعة اشهر'' تربص کا معنی انتظار و تاخیر ہے۔ جیسا کہ شاعر نے استعمال کیا ہے۔

تربص بها ريب المنون لعلها

تطلق يوماً أو يموت خليلها ❶

اللہ تعالیٰ نے یہ مدت اس لیے مقرر کی ہے تا کہ بیوی ضرر سے محفوظ رہے، اور زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو تکلیف دینے کی غرض سے لوگ سال سال دو دو سال

---

❶ اس کے بارے میں حوادث زمانہ کا انتظار کر ہو سکتا ہے کہ وہ کسی دن مطلقہ ہو جائے یا اس کا یار یعنی شوہر مر جائے۔

Marfat.com

اور اس سے بھی زیادہ کا ایلاء کیا کرتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ چار ماہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند سے الگ نہیں رہ سکتی، قولہ: ''فان فاؤ '' فاؤ بمعنی لوٹنا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو سایہ زوال کے بعد ہوتا ہے اسے بھی ''فئي '' کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مشرق سے مغرب کی طرف لوٹتا ہے، ابن المنذر فرماتے ہیں قابل اعتماد ائمہ کا اتفاق ہے کہ غیر معذور آدمی کا رجوع، جماع کرنا ہے، ہاں اگر وہ معذور ہو یعنی بیمار ہو یا قیدی ہو تو وہ اس کی بیوی ہے جب عذر ختم ہو جائے تو پھر وہ جماع سے انکار کر دے تو ان کے درمیان قطع تعلق کر دیا جائے گا اگر وہ مدت ختم ہو چکی ہو (مالک) ایک طائفہ کا خیال ہے کہ حالت عذر میں جب دل سے رجوع کا پختہ ارادہ کرے تو یہ کافی ہے۔ یہی خیال حسن، عکرمہ، نخعی، اوزاعی اور احمد بن حنبل کا ہے، جمہور علماء کا خیال ہے کہ ایلاء کنندہ جب جماع کے ساتھ رجوع کرے گا تو اس پر کفارہ واجب ہے، حسن اور نخعی نے کہا ہے کہ اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ جب اس نے بیوی کو تنگ کرنے سے توبہ کر لی ہے تو اللہ غفور ہے اور تمام توبہ کنندگان پر رحیم ہے۔ قولہ: ''فان عزموا '' عزم بمعنی کسی کام پر پختہ ارادہ کرنا، مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ دلی طور پر طلاق دینے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں۔ طلاق کا معنی ہے نکاح کی گرہ کھولنا۔ اور اس جملہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ محض چار ماہ گزرنے سے طلاق نہ ہوگی۔

جیسا کہ امام مالک کا مذہب ہے جب تک مدت معینہ کے بعد طلاق نہ دی جائے۔ اور یہ بھی قرینہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ سمیع ہے اور سماع کا تقاضا ہے کہ اتنی مدت کے بعد کوئی مسموع ہو۔ ابو حنیفہ کا خیال ہے کہ اس کے ایلاء کو سننے والا ہے اس کے ارادے کو جاننے والا ہے جس پر چار ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔

قاضی شوکانی ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں کہ ہر طبقے نے اس آیت کی تفسیر اپنے مذہب کے مطابق کی ہے، اور آیت میں اس انداز کا تکلف کیا ہے کہ الفاظ کا تقاضا ہے نہ کوئی دوسری دلیل موجود ہے اور اس کا معنی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

Marfat.com

بیویوں سے ایلاء کرنے والے کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کی ہے پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اتنی مدت گزرنے کے بعد اگر ایلاء کندہ اپنی سابقہ زوجیت کو بحال کرنا اور نکاح کو قائم رکھنا چاہے تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔

یعنی اس قسم کا مواخدہ نہ فرمائیں گے بلکہ ان کو معافی دے دیں گے اور ان پر رحم کریں گے۔ قوله: ''وان عزموا'' یعنی اگر طلاق دینے کا قصد وارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان کے اس ارادے کو سنتا اور جانتا ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہے جس میں بالکل شک وشبہ نہیں ہے جو شخص قسم اٹھائے کہ وہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا اور وہ دنوں کی قید نہیں لگاتا یا چار ماہ سے زائد کی قید لگاتا ہے تو ہم اس کو چار ماہ کی مہلت دیں گے اگر وہ مدت گزر گئی تو اسے اختیار ہے یا تو رجوع کر لے اور عدت گزرنے کے بعد بھی وہ اسی طرح اس کی بیوی رہے۔ جیسے وہ پہلے تھی یا اسے طلاق دے دے۔ وہ طلاق دینے میں ایسا ہوگا جیسے اس نے ابتداً طلاق دی ہے۔

اور اگر اس نے چار ماہ سے کم وقت مقرر کیا تھا اگر وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے بیوی سے قطع تعلق کرے یہاں تک کہ عدت گزر جائے تو ٹھیک ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک ماہ کے لیے ایلاء کیا اور قسم پوری کرنے کے لیے مکمل ایک ماہ ان سے الگ رہے، اگر وہ بیوی سے جماع کرنا چاہے تو چار ماہ سے کم مدت میں کرے گا تو وہ حانث ہو جائے گا اسے کفارہ دینا ہوگا اور وہ اسی حکم کی اطاعت کرے گا جو آنحضرت ﷺ سے صحیح منقول ہے کہ جو کوئی شخص کسی چیز پر قسم اٹھائے اور اس کے علاوہ دوسرا کام بہتر ہے تو اسے قسم کا کفارہ دینا چاہیے اور دوسرا فعل کرنا چاہیے۔ مزید بحث کرتے ہوئے فرمایا رجوع کے بارے میں ائمہ سلف کے مختلف اقوال ہیں لہٰذا لغۃً فئی کے معنی کی طرف رجوع کرنا مناسب ہے اور ہم نے اس کو بھی بیان کر دیا ہے اس بارے میں صحابہ وتابعین کے مختلف اقوال ملتے ہیں اور جو آیت کے معنی ہوئے ہیں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اسی پر مضبوط رہنا چاہیے۔ مصنف

Marfat.com

عبدالرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ غلام کا ایلاء دو ماہ ہے اور مالک نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ غلام کا ایلاء آزاد ہی کی طرح ہے۔

آیت نمبر ۲۲۸:

﴿ والمطلقات.........الخ ﴾ (۲۲۸) ہے۔

اس ''مطلقات'' میں عموم ہے اور اس میں ''مطلقه قبل الدخول ''[1] بھی داخل ہے۔ پھر قول باری تعالیٰ:

'' فمالكم عليهن من عدة تعتدونها ''[2] سے اسے خاص کرلیا گیا ہے، اس لیے واجب ہے کہ عام کو خاص پر باقی رکھا جائے اور اس عموم سے ''مطلقه قبل الدخول '' کو خاص کرلیا جائے اور اسی طرح حاملہ بھی، قول باری تعالیٰ:

''واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن ''[3] کی وجہ سے اس حکم سے خارج ہے اسی طرح اس حکم سے ''آئسه ''[4] بھی خارج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ''فعدتهن ثلاثة اشهر ''[5] قوله: "يتربصن بانفسهن" تربص کا معنی ہوتا ہے انتظار کرنا اور یہ جملہ خبریہ ہے مگر امر اور حکم (ليتربصن) [6] کے معنی میں ہے۔ اس طرح کلام کرنے سے تاکید مقصود ہے۔

مستزاد یہ کہ یہ جملہ ''والمطلقات '' کی خبر ہے۔ ابن عربی نے کہا ہے یہ بات غلط ہے۔ یہ حکم الشرع کی خبر ہے اگر کوئی مطلقہ ایسی ہو جو انتظار نہ کرے تو یہ حکم

---

1. مطلقہ قبل الدخول وہ عورت ہے جس کو جماع سے پہلے طلاق دے دی جائے۔
2. تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جس کو شمار کرو۔
3. حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔
4. آئسہ وہ عورت ہے جس کو حیض آنے کی امید نہ ہو۔
5. ان کی عدت تین ماہ ہے۔
6. وہ (مطلقات) اپنے آپ کو روک رکھیں۔

Marfat.com

شرع نہ ہوگا اور نہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر خلاف واقعہ ہے۔

قولہ "ثلاثة قروء" جمہور کا خیال ہے کہ قروء قرء کی جمع ہے۔ اصمعی کا خیال ہے یہ قرو (قاف کے ضمہ اور واؤ کی تشدید سے) کی جمع ہے۔ ابوزید نے کہا ہے زبر اور مذکورہ دونوں ہی صحیح ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اقرأت المراۃ کا معنی حائضہ ہونا ہے اور طاہرہ ہونا دونوں طرح مستعمل ہے، اخفش نے کہا ہے کہ جب عورت حیض کے وقت کو پہنچ جائے تو کہا جاتا ہے۔ "أقرأت المرأة" اور جب بالفعل حیض شروع ہو جائے تو پھر تو بلا اَلف " قرأت " کہے گا۔

ابو عمر بن علا فرماتے ہیں کہ کچھ اہل عرب حیض کو لفظ "قرء" سے تعبیر کرتے ہیں، اور کچھ لوگ طہر کو قرء سے تعبیر کرتے ہیں اور کچھ لوگ دونوں (حیض مع الطہر) کو "قرء" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ لفظ قرء بمعنی وقت کے ہے ایک محاورہ ہے "هبت الرياح لقرئها اى لوقتها "[1] حیض و طہر دونوں کو قرء بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا وقت مقرر و معلوم ہے اور اہل عرب میں اس لفظ کو دونوں معنوں میں استعمال کرتے ہیں خلاصہ گفتگو یہ ہوا کہ قرء لغت عرب میں حیض و طہر میں مشترک ہے اسی اشتراک کی وجہ سے اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ مذکورہ آیت میں قرء کا کیا معنی ہے، اہل کوفہ کا خیال ہے کہ اس سے حیض مراد ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے اور سید محمد الأمیر رحمۃ اللہ علیہ نے "سبل السلام" میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ اور ہم نے "مسک الختام" میں بھی ذکر کیا ہے اور اہل حجاز کا خیال ہے کہ اس سے مراد اطہار ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر رضی اللہ عنہما، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، زہری رحمۃ اللہ علیہ، ابان بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

---

[1] یعنی ہوائیں اپنے وقت میں چلی ہیں۔

Marfat.com

شوکانی نے ''فتح القدیر'' میں کہا ہے کہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ قرء بمعنی وقت کے ہے تو آیت کا بالاتفاق معنی یہ ہوا کہ مطلقات (طلاق والی عورتیں) تین اوقات اپنے آپ کو روک کے رکھیں، اس لحاظ سے یہ آیت عدد میں واضح ہے اور معدود (قروء) میں مجمل ہے، لہٰذا دوسرے دلائل سے معدود کی وضاحت معلوم کرنی ضروری ہے، فریق اول کے نزدیک اس آیت میں قرء سے مراد حیض ہے اور ان کا مستدل یہ حدیث رسول:

''دعی الصلوٰۃ ایام اقرائک'' ❶ اور یہ حدیث ''طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان'' ❷ ہے۔ اور عدت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ رحم صاف ہے اور یہ حیض ہی کے ذریعے معلوم ہوسکتا ہے نہ کہ طہر کے ذریعے، دوسرے گروہ نے ''فطلقوھن لعدتھن'' ❸ سے استدلال کیا ہے۔ اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ طہر کا وقت ہی طلاق کا وقت ہے، اور حدیث رسول سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''مرہ فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتی تطھر ثم تحیض ثم تطھر فتلک العدۃ التی امر اللہ بھا النساء'' ❹

کیونکہ طہر ہی وہ وقت ہے جس میں عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے کہا ہے ہماری جس فقیہہ سے بھی ملاقات ہوئی ہے وہ ہی کہتا ہے کہ اقراء بمعنی اطہار ہے، جب کوئی آدمی ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہیں کیا تو

---

❶ اپنے حیض کے دنوں میں نماز ترک کردے۔

❷ لونڈی کی دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔

❸ عورتوں کو طلاق دو ان کی عدت کے وقت۔

❹ اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے رجوع کرے پھر اس کو روک لے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے پھر حیض آئے پھر پاک ہوجائے یہ وہ عدت ہے جس کے ساتھ اللہ نے عورتوں کو حکم دیا ہے۔

Marfat.com

بقیہ وقت کو عدت شمار کرے گی گو وہ ایک ساعت ہو یا ایک لمحہ ہی ہو پھر حیض کے بعد دوسرے طہر کو شمار کرے گی، جب تیسرے حیض کا خون دیکھ لے تو وہ عدت سے فارغ ہوگئی انتہیٰ ، میرے نزدیک دونوں گروہوں کے دلائل کے بعض حصے کمزور ہیں مثلاً اول گروہ نے ''ایام أقرائک '' سے استدلال کیا ہے مگر اس سے ثابت ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے اقراء کا لفظ حیض پر استعمال کیا ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ لفظ مشترک کا استعمال ایسا ہی ہوتا ہے کبھی اس کا اطلاق ایک معنی پر اور کبھی دوسرے معنی پر البتہ نزاع اس میں ہے کہ زیر بحث آیت میں قرو کا کیا مصداق ہے، گروہ اول کی دوسری دلیل یہ حدیث ''وعدتها حیضتان '' ہے ان کا یہ استدلال کچھ قوی و مضبوط ہے، یہ حدیث ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجۃ، دارقطنی، مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً منقول ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ابن ماجۃ اور بیہقی میں بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی منقول ہے جس کی دلالت پہلوں کے قول کے مطابق قوی ہے۔ اور جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ'' عدت سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ دیکھا جائے عورت کا رحم صاف ہے اور یہ صرف حیض ہی سے معلوم ہوسکتا ہے نہ کہ طہر سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عدت میں حیض نہ ہو پھر بھی عدت پوری ہو جاتی ہے یعنی اقراء کی تفسیر اطہار سے فرض کرتے ہوئے اور معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ جس طرح اطہار پر مشتمل ہے اسی طرح حیض پر بھی مشتمل ہے، دوسرے گروہ کا مستدل، قول باری تعالیٰ:

''فطلقوهن لعدتهن '' ہے اس کا بھی جواب دیا گیا ہے کہ ''لعدتهن'' کی لام میں اختلاف ہے تو پھر اس میں صرف احتمال ہی ہے اور محض احتمال کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور ان کی دوسری دلیل فرمان نبوی ﷺ ہے کہ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ ''اس کو کہو کہ وہ رجوع کرے'' یہ حدیث صحیح ہے اور یہ ان کے مذہب کی قوی دلیل بھی ہے، اس کا بھی جواب ممکن ہے کہ اس نے عدت تین طہر اور تین حیض سے

Marfat.com

گزاری ہو اور اس معنی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، بعض اہل علم نے مشترک کو اس کے دونوں معانی پر عمل جائز قرار دیا ہے اور اس طرح ادلہ میں مطابقت بھی ہو جائے گی اور نزاع بھی ختم ہو جائے گا۔

علامہ زمخشری نے ایک اشکال پیدا کیا ہے کہ قروء جمع کثرت کا صیغہ ہے اس کے لیے ثلاثہ کا لفظ درست نہیں ہے یہاں اقرأ کا لفظ ہوتا تو ٹھیک تھا کیونکہ وہ بھی جمع قلت کا وزن وصیغہ ہے پھر جواب دیا ہے کہ اس میں وسعت ہے ان دولفظوں میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ (جمع ہونے کی وجہ سے) مستعمل ہوتا ہے۔

قولہ: ''ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق الله فی ارحامھن'' [1]

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حیض ہے بعض نے کہا کہ حمل مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ دونوں مراد ہیں، ''کتمان'' سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بعض اوقات اس میں خاوند کو دکھ پہنچانا اور اس کا حق لے جانا مقصود ہوتا ہے، مثلاً جب عورت کہہ دے کہ مجھے حیض آ گیا ہے اور حیض نہ آیا ہوا ہو خاوند کا جو حق رجوع تھا وہ ختم ہو گیا اور جب وہ کہے کہ مجھے حیض نہیں آیا اور حالانکہ اسے حیض آیا ہو تو خاوند کو خرچہ دینا لازم ہو جائے گا اور یہی حمل کی صورت ہے کہ بعض دفعہ حق رجوع کو ختم کرنے کے لیے وہ چھپائے گی اور بعض دفعہ خرچہ وصول کرنے کے لیے حمل کا دعویٰ کر دے گی یا اس قسم کی دیگر صورتیں ہیں جن سے خاوند کو نقصان پہنچانا مقصود ہو، اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں کہ وہ کتنی مدت ہے جس میں اس کی عدت گزرنے کی تصدیق کی جاسکتی ہے زیر بحث آیت میں یہ ہے کہ اس کی بات ''نفیا اور اثباتا'' [2] تسلیم کی جائے گی۔

---

[1] ان کے لیے جائز وحلال نہیں ہے کہ جو کچھ ان کے ارحام میں اللہ نے پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔

[2] نفیا یہ ہے کہ وہ کہے کہ میرے پیٹ میں کچھ نہیں ہے اور اثباتا یہ ہے کہ وہ کہے کہ میرے پیٹ میں کچھ ہے۔

Marfat.com

قولہ: ''ان کن یومن باللہ والیوم الاخر ''[1] اس قول میں چھپانے کی شدید وعید ہے کہ جو بھی اپنے پیٹ کی چیز چھپائے گی اسے ایماندار کہلانے کا حق نہیں ہے۔ ''بعولتھن'' یہ بعل ''بمعنی خاوند'' کی جمع ہے بیوی پر غالب آنے کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھا گیا ہے کیونکہ لوگ اس کا استعمال رب پر بھی کرتے ہیں اور قول باری تعالیٰ ہے:

''اتدعون بعلاً ''یہاں بعل بمعنی رب ہے۔ ''بعل'' جمع ''بعول'' اور ''بعولة'' ہے جیسے ذکر جمع ذکور اور ذکورۃ ہے اور یہ تاء تانیث جمع کی وجہ سے ہے اور یہ وزن خلاف قاعدہ ہے اس پر قیاس کرکے دیگر جموع نہیں بنائی جائیں گی بلکہ یہ مسموع من العرب ہوں گی اور بعولة ''بعل الرجل یبعل ''(منع یمنع کی طرح) کا مصدر بھی ہوسکتا ہے یہ کہا جاتا ہے جب آدمی زوج بن جائے۔

قولہ: ''احق بردھن ''یہاں رد کا معنی رجوع ہے اور صیغہ اسم تفضیل (احق) لانے کا فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی رجوع کرے اور عورت انکار کرے تو عورت کے قول پر ''زوج'' کے قول کو ترجیح دینا واجب ہے یہ معنی نہیں ہے کہ عورت کو حق رجعت ہے (ابو السعود) یہ (رجوع کا) حکم اس زوج کے لیے ہے جس کے لیے رجوع کا حکم باقی ہے لہٰذا یہ قول ''والمطلقات یتربصن بانفسھن ''کے عموم کے لیے مخصص ہے کیونکہ ''والمطلقات..........الخ ''مثلثات[2] وغیرہ سب کو شامل ہے یعنی یہ رجوع صرف مدت تربص (عدت) ہی میں ہوسکتا ہے جب یہ مدت گزر جائے تو پھر عورت خود مختار ہے اور اس کے حلال ہونے کی صرف یہ صورت ہے کہ ولی گواہوں کی موجودگی میں نیا مہر باندھ کر نیا نکاح کرے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے اور

---

[1] اگر وہ اللہ اور قیامت پر ایمان ویقین رکھتی ہیں۔

[2] مثلثات وہ عورتیں ہیں جن کو تین طلاقیں دی گئی ہوں۔

Marfat.com

رجوع کلام سے بھی ہوتا ہے اور جماع کے ذریعے بھی ہوتا ہے اور اتفاقی بات ہے کہ رجوع کرنے والے پر نکاح کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔

قولہ: ''ان ارادوا اصلاحاً''[1] یعنی اگر رجوع سے اپنی اصلاح اور اس کے حال کی درستگی مقصود ہو تو یہ رجوع صحیح ہے اگر اس کو محض تنگ کرنا مقصود ہو تو یہ حرام ہے کیونکہ ارشاد ہے۔'' ولا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا ''[2] بعض کا خیال ہے اگر رجوع سے تکلیف دینا ہی ہو تو پھر بھی رجوع صحیح ہے گو اس نے ظلم اور ارتکاب حرام کیا ہے اور پھر اس لحاظ سے مذکورہ آیت میں ''ان ارادوا'' شرط کا ذکر محض شوہروں کو اصلاح احوال پر ترغیب کے لیے ہوگا اور ضرر و نقصان سے منع کرنے کے لیے ہوگا، قصد اصلاح صحت رجوع کے لیے شرط نہیں ہے۔

آیت نمبر ۳۹:

﴿ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف ﴾ (۲۲۸) ہے۔

''یعنی بیویوں کے حقوق مردوں پر ہیں، جس طرح مردوں کے حقوق بیویوں کے ذمے ہیں''۔

لہٰذا شوہر کو ان سے بہتر سلوک کرنا چاہیے جس طرح لوگ اپنی بیویوں سے عادۃً کرتے ہیں اور وہ عورت بھی اپنے خاوند سے اس معروف طریقے سے زندگی گزارے جس طرح عادۃً مستورات اپنے شوہروں سے گزارتی ہیں یعنی ان کی فرمانبرداری کرنا، ان کے لیے زیب و زینت لگانا ان سے محبت کرنا وغیرہ۔

قولہ: ''وللرجال علیھن درجۃ''[3]

---

[1] گر وہ اصلاح و درستگی کی نیت رکھتے ہوں۔

[2] ان کو محض نقصان دینے کے لیے مت روکیں۔

[3] اور مردوں کے لیے عورتوں پر فضیلت ہے۔

Marfat.com

یہاں درجہ بمعنی مرتبہ ہے۔ وہ عورتوں کو حاصل نہیں ہے اور وہ درجہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کے خرچ کا ذمہ دار ہے۔ اس کا مجاہد ہونا، صاحب عقل وقوت ہونا اور وہ بہ نسبت عورت کے زیادہ میراث کا حق دار ہوتا ہے، عورت پر اس کی اطاعت فرض ہے اور اس کی مرضی کے مطابق چلنا اور اگر مردوں کی عورتوں پر فضیلت اس کے سوا کچھ بھی نہ ہوتی کہ وہ مردوں سے پیدا ہوئی ہیں (تو یہی کافی تھی) کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ جناب حوا علیہا السلام جناب آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں، اہل سنن نے عمرو بن احوص سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سنو! تمہاری بیویوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور تمہارے اوپر ان کے حقوق ہیں، تمہارے حقوق یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے آدمی کو بیٹھنے نہ دیں جن کا گھر میں آنا تمہیں ناگوار گزرتا ہو یعنی وہ ان کو قطعاً اجازت نہ دیں اور ان کے حقوق یہ ہیں کہ تم انہیں لباس وکھانا اچھا مہیا کرو۔ اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے، احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، حاکم (مع التصحیح) اور بیہقی نے معاویہ بن حیدہ قشیری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ عورت کا خاوند پر کیا حق ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

"جب تو کھائے اسے بھی کھلا اور جب تو کپڑا پہنے تو اسے بھی پہنا اس کے منہ پر طمانچہ نہ مار اور اس سے علیحدگی اختیار نہ کر مگر گھر ہی میں رہ کر"۔

عبد بن حمید اور ابن جریر نے قول باری تعالیٰ:

"وللرجال علیهن درجة" کی تفسیر حضرت مجاہد سے نقل کی ہے:

"کہ تو اس کو وہی مقام دے جو اس کو عورت پر اللہ نے دیا ہے کہ وہ جہاد کرتا ہے اور اس کو میراث عورت کی میراث سے زیادہ دے اور جس انداز سے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو فضیلت دی ہے"۔

Marfat.com

آیت نمبر ۴۰:

﴿ الطلاق ﴾ (۲۲۹) ہے۔

''یعنی اس طلاق کی تعداد جس میں رجوع صحیح ہوتا ہے''۔

یہاں طلاق سے مراد طلاق رجعی ہے اس کی دلیل ابھی پہلی آیت میں گزری ہے اور طلاق دو مرتبہ ہے یعنی پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ تیسری طلاق کے بعد نہیں ہو سکتا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''مرتان'' (دو مرتبہ) کہا ہے۔ ''طلقتان'' (دو طلاقیں) نہیں کہا اس طرف اشارہ کیا ہے کہ:

طلاق مرۃً بعد مرۃٍ دینی چاہیے بیک وقت دونوں درست نہیں ہیں، مفسرین کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے، دو طلاقیں دینے کے بعد دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اب تیسری طلاق دے دی جائے جس سے اس کی بیوی بالکل الگ ہو جائے یا اس کو تیسری طلاق نہ دے بلکہ ہمیشہ کے لیے اسے اپنی زوجیت میں رکھے، اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جس خاوند نے اپنی زوجہ کو دو طلاقیں دی ہیں وہ دستور کے مطابق اس کو بیوی بنا کر روک سکتا ہے یعنی اس انداز سے جیسے لوگ اپنی بیویوں سے زندگی بسر کرتے ہیں یا اچھے انداز سے اسے تیسری طلاق دے کر بغیر کسی تکلیف کے اپنی زوجیت سے فارغ کر دے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''امساک بالمعروف'' کا معنی ہے کہ دوسری طلاق کے بعد رجوع کر لے اور ''تسریح بالاحسان'' کا معنی ہے کہ دوسری طلاق کے بعد رجوع نہ کرے حتیٰ کہ عدت گزر جائے مگر مذہب اول ہی اقرب الی الصحۃ ہے۔ ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دینے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تین ہی واقع ہو جاتی ہیں۔

جمہور علماء اسی کے قائل ہیں بعض کا خیال ہے کہ وہ ایک ہی طلاق ہے اور یہی حق ہے۔ امام شوکانی نے ''فتح القدیر'' میں کہا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کی خوب وضاحت اپنی تصنیفات میں کر دی ہے اور میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا

Marfat.com

ہے(اھ) میں بھی کہتا ہوں کہ شیخ الاسلام، احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن تیمیہ اور شیخ حافظ محمد بن ابی بکر بن قیم جوزی دمشقی اور ان کے علاوہ دیگر بڑے بڑے اہل علم پہلے اور اب کے زمانے میں اسی کے قائل ہیں اور میں نے اس پر بحث بڑی تفصیل وبسط سے اپنی کتاب ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' میں کردی ہے۔

آیت نمبر ۴۱:

﴿ ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیأ ﴾ [1] ہے۔(۲۲۹)

یہ شوہروں کو خطاب ہے یعنی:

''تمہارے لیے یہ ہرگز جائز وصحیح نہیں ہے کہ تم نے اپنی بیویوں کو جو مہر دے رکھے ہیں محض عورتوں کو تکلیف دینے کے لیے ان سے کچھ وصول کرو''۔

''شئیا'' کی تنکیر تحقیر کے لیے ہے۔یعنی تھوڑا سا مال چہ جائیکہ زیادہ وصول کیا جائے۔ یہاں خواتین کو دیئے گئے مال کا ذکر ہے جس کو لینے سے منع کیا جارہا ہے حالانکہ ان کے ذاتی اموال ''مہر کے علاوہ'' بھی ہیں جن کو خاوند نہیں لے سکتا، یہاں دیئے ہوئے مال کا ذکر اس لیے کیا جارہا ہے کہ خاوند اس کو لینے کا بڑا ہی حریص ہوتا ہے اور جو مال عورت کی ذاتی ملکیت ہے اس کو لینے کا وہ مجاز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جب دیا ہوا مال نہیں لے سکتا اور اس کا لینا ممنوع ہے تو اس کے علاوہ (عورت کا ذاتی مال) بالاولیٰ ممنوع ہے۔بعض کا خیال ہے کہ یہ ائمہ اور حکام کو خطاب ہے تاکہ یہ حکم ''ان خفتم'' کے مطابق ہو جائے کیونکہ اس میں بھی حکام ہی مخاطب ہیں۔اس تفسیر کے لحاظ سے اخذ کی اسناد مجازاً حکام کی طرف ہوگی کیونکہ حکم انہیں کا چلتا ہے مگر تفسیر اول ''مما اتیتموھن'' کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ غیر ازواج کی طرف اسناد ایک امر بعید ہے کیونکہ ان عورتوں کو رقم دینا تو ان کے

---

[1] اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے اس سے کچھ لو۔

Marfat.com

حکم سے نہیں تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ نظم وعبارت کا تقاضا یہی ہے کہ معنی ثانی ہی مراد ہوں۔ قولہ: ''الا ان یخافا'' یعنی دیئے ہوئے مال میں سے تم کچھ بھی نہیں لے سکتے الا یہ کہ دونوں (میاں بیوی) ڈرتے ہوں کہ وہ حدود الٰہی قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی وہ حدود قائم نہ کرسکیں گے جن کی پابندی اللہ تعالیٰ نے زوجین پر فرض قرار دی ہے۔

یعنی زندگی پرسکون ماحول میں گزاری جائے اور اطاعت وفرمانبرداری کی فضا قائم کی جائے۔

قولہ: ''فان خفتم الایقیما حدود اللہ'' یعنی جب ائمہ اور حکام یا زوجین میں سفیر (معاملہ طے کرنے والا) گو وہ ائمہ اور حکام نہیں ہیں مگر وہ ڈریں کہ زوجین حدود فرضیہ قائم نہ کرسکیں تو پھر کوئی گناہ نہیں ان پر کہ عورت فدیہ دے کر گلو خلاصی کرالے یعنی آدمی پر کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ عورت پر کوئی گناہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی رہائی کے لیے مال وغیرہ خرچ کرکے اپنے آپ کو اس نکاح سے آزاد کرالے اور خاوند اسے طلاق دے دے اس کا نام خلع [1] ہے۔

جمہور اس کے قائل ہیں کہ خاوند مال وغیرہ لے سکتا ہے اور خوف کی صورت میں وہ اس کے لیے حلال ہے اس کی قرآن میں تصریح ہے۔ ابن منذر نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ وہ مال اس کے لیے حلال نہیں ہے اور اس کو مال واپس کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا یہ قول نہایت ہی کمزور ہے اور قاری حمزہ کی قرأت ''الا ان یُخَافَا'' مجہول ہے اور فاعل محذوف ہے۔ یعنی ائمہ اور حکام۔

اسی کو ابوعبید نے پسند کیا ہے انہوں نے ''ان خفتم'' کی وجہ سے یہ کہا ہے کہ اس کے مخاطب غیر زوجین ہیں اور اس سے اس آدمی نے استدلال کیا ہے جس

---

[1] جب میاں بیوی آپس میں اچھی طرح گزارہ نہیں کرسکیں گے تو عورت اپنی طرف سے مہر بطور فدیہ دے کر اس خاوند سے گلوخلاصی کراسکتی ہے اسی کا نام خلع ہے۔

Marfat.com

نے کہا ہے کہ خلع بادشاہ کی اجازت سے ہوتا ہے اس مذہب کے قائل سعید بن جبیر اور ابن سیرین ہیں، ابوعبید کے مذہب کو نحاس نے ضعیف کہا ہے، بکر بن عبداللہ مزنی سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ سورۃ النساء کی یہ آیت ہے:

"وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احداھن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً اتاخذونه بھتانا واثما مبینا" ❶

یہ بات خلاف اجماع ہے اور دونوں آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ اگر شوہر دیئے ہوئے مہر وغیرہ سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہو اور اس کی بیوی اس کا مطالبہ بھی پورا کرنے پر رضا مند ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ قرآن مجید کا ظاہر وسیاق جواز کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اس نے مقدار معین کی قید کوئی نہیں لگائی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ جناب طاؤس رحمۃ اللہ علیہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، انصاری رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ جائز نہیں اور خلع کرنے والی عورتوں کی حرمت میں کئی احادیث مروی ہیں مثلاً حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت نے بغیر کسی تکلیف کے خلع کیا (خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا) اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ مع التحسین، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ مع التصحیح بیان کیا ہے۔ دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلع کرنے والیاں منافقات ہیں۔ اس کو احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ مع التحسین، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ مع التصحیح اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ تیسری حدیث ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے

---

❶ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو اور حال یہ ہے کہ تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتے کیا اس کو بطور ظلم اور گناہ کے لیتے ہو؟

Marfat.com

مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جو عورت بغیر کسی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گی' حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جائے گی۔ خلع کرنے والی عورت کی عدت میں اہل علم کا اختلاف ہے اقرب الی الصواب یہی ہے کہ اس کی ایک حیض عدت ہے کیونکہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ مع التحسین، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مع التصحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی سے کہا تھا کہ ایک حیض عدت گزارے۔ اس بارے میں کئی احادیث مروی ہیں اس مرفوع کے مقابلے میں دوسری کوئی حدیث مروی نہیں ہے، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ مختلعہ کی عدت مطلقہ کی سی ہے اور یہی خیال جمہور کا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور انہوں نے استدلال اس طرح کیا ہے کہ مختلعہ بھی تو مطلقات ہی میں سے ہے لہٰذا وہ عموم قرآن میں داخل ہے حق وصحیح وہی ہے جو ہم نے پہلے کہا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ایسی احادیث منقول ہیں جن سے قرآن کی تخصیص ہوگئی ہے۔ یہ مکمل بحث "مسک الختام شرح بلوغ المرام" میں ہے اس طرف رجوع کرنا چاہیے۔ حلالہ اور حلالہ کرنے والے کی مذمت میں کئی احادیث مروی ہیں ان کو بھی معلوم کر لینا چاہیے۔

آیت نمبر ۴۲:

﴿فان طلقها﴾ (۲۳۰) ہے۔

یعنی وہ تیسری طلاق جس کا اللہ تعالیٰ نے "او تسریح باحسان" کے لفظ سے تذکرہ کیا ہے یعنی اگر وہ تیسری طلاق واقع ہوگئی تو پھر تین طلاقوں کی وجہ سے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ اور اس آیت کے ظاہر سے سعید بن مسیب وغیرہ نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ صرف ایجاب وقبول ہی کافی ہے کیونکہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہٗ

Marfat.com

سے یہی مراد ہے اور جمہور علماء سلف وخلف کا یہ خیال ہے کہ اجاب وقبول کے ساتھ جماع بھی شرط ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کا اعتبار کیا ہے اور اس زیادتی کو قبول کرنا ضروری ہے اور ہوسکتا ہے کہ سعید بن مسیب وغیرہ کو یہ حدیث نہ ملی ہو (اس لیے انہوں نے جماع کو شرط نہ مانا) اور اس آیت میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ یہ نکاح شرعی اور مقصودی ہو تحلیل کے طور پر حیلہ نہ کیا جائے اور اس عورت کو اول شوہر کی طرف لوٹانے کا ذریعہ بنانا مقصود نہ ہو[1] کیونکہ دلائل سے ثابت ہے یہ فعل حرام ہے، اس فعل اور اس کے فاعل کی مذمت مروی ہے اور فرمایا:

''وہ مستعار سانڈ ہے''۔

اس پر شارع علیہ السلام نے لعنت فرمائی ہے اور جس کے لیے کیا جائے اس پر بھی لعنت فرمائی ہے اور اس مسئلہ پر حافظ ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' اور ''اغاثۃ اللھفان'' میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اگر دوسرا شوہر اس کو طلاق دے دے تو پھر اول شوہر اور عورت آپس میں رجوع (نکاح) کرنا چاہیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ اس مسئلہ پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ جب کوئی آزاد آدمی اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دے دے اور اس کی عدت گزر جائے اور وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے وہ اس کے ساتھ جماع بھی کر چکا ہو پھر اس کو طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے پھر شوہر اول اس سے نکاح کر لے تو پھر وہ تین طلاقوں کا مالک ہے۔

---

[1] یہ عبارت بڑی معنی خیز ہے اور یہ ان لوگوں کا جواب ہے جو عوام کو مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ حلالے کا قرآن نے بھی ذکر کیا ہے اب سوال یہ ہے کہ بقول معترض کے قرآن نے حلالہ کو جائز قرار دیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے حرام قرار دیا ہے تو کیا آنحضرت ﷺ نے اپنی طرف سے ایسا کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تو اپنی کوئی بات نہیں ہوتی ان کی بات بھی اللہ تعالیٰ کی ہی بات ہے پھر یہ تعارض کیوں؟

Marfat.com

قولہ: ''ان ظنا ان یقیما حدود الله'' [1] یعنی اگر وہ ایک دوسرے کے حقوق واجبہ قائم کرنے کا خیال کریں اور اگر یہ گمان نہ ہو بلکہ وہ دونوں جانتے ہیں یا ایک کہ حدود اللہ قائم نہ کی جائیں گی یا دونوں متردد ہوں یا ایک اور یہ گمان مذکورہ ان کو حاصل نہ ہو تو پھر یہ نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کا اندیشہ ہے اور جو معاملات زوجیت پر حرام تھے ان میں واقعہ ہونے کا خطرہ ہے۔

آیت نمبر ۴۳:

﴿ واذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فامسكوهن بمعروف اوسرحوهن بمعروف ﴾ (۲۳۱) ہے۔ [2]

''بلوغ الى الشئي'' کا معنی ہوتا ہے اس شئی تک پہنچنا اور بجائے پہنچنے کے قریب ہونے (یعنی عدت ختم ہونے کے قریب ہونا) کا معنی مجازی ہے جو تعلق اور قرینہ سے ہوتا ہے۔ یہاں یہی معنی مراد ہے کیونکہ حقیقی معنی صحیح نہیں ہیں۔ اس لیے کہ عورت جب عدت کے آخری جزء تک پہنچ جائے گی اور رجوع کے لیے یہی آخری وقت مقرر ہے اسی وقت اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اور شوہر کے لیے اب کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا کہ بالاتفاق یہاں ''بلغن'' کا معنی قریب ہونا ہے اور یہ معنی کرنے میں مجبوری ہے کیونکہ مقررہ وقت تک پہنچنے کے بعد تو امساک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی اور امساک بالمعروف کا معنی ہے کہ حقوق زوجیت قائم کیے جائیں اور ادا کیے جائیں بلکہ دو باتوں میں سے ایک کو پسند اور اختیار کیا جائے یا بغیر تکلیف کے انہیں اپنے پاس ٹھہرا لیا جائے یا انہیں اچھے طریقے اور دستور سے چھوڑ دیا جائے۔ رجوع نہ کیا جائے حتیٰ کہ عدت گزر جائے۔

---

[1] اگر دونوں گمان کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم کر سکیں گے۔

[2] اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنی اجل (مقررہ وقت) کے قریب پہنچ جائیں تو انہیں دستور کے مطابق روک لیں یا دستور کے مطابق ان کو چھوڑ دیں۔

Marfat.com

قولہ: ''ولا تمسکوھن ضراراً''[1] جیسے زمانہ جاہلیت میں عورت سے سلوک کیا جاتا تھا اس طرح نہ کرنا کہ عورت کو طلاق دی جائے پھر عدت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو رجوع کر لیا جائے یہ کاروائی بلاضرورت وبلامحبت کی جاتی تھی جس میں سراسر عورت کو ضرر ونقصان پہنچانا مقصود ہوتا تھا اور یہ محض ان پر ظلم وتعدی تھا۔

ابن ماجہ، ابن جریر اور بیہقی میں حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کی حدود سے کھیلتے ہیں کہ آدمی کہتا ہے تجھے میں نے طلاق دے دی ہے پھر کہتا ہے میں نے رجوع کر لیا پھر کہتا ہے میں نے طلاق دیدی پھر کہتا ہے میں نے رجوع کر لیا ہے یہ اہل اسلام کی طلاق نہیں ہے۔ عورتوں کو عدت کے استقبال میں طلاق دو یعنی حیض آنے سے قبل۔

آیت نمبر۴۴:

﴿ واذا طلقتم النساء فبلغن أجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن أزواجھن أذا تراضوا بینھم بالمعروف ﴾[2] (۲۳۲) ہے۔

''واذا طلقتم'' اور ''فلا تعضلوھن'' کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس آیت میں یا تو شوہروں کو خطاب ہے اور ان کی طرف سے روکنے کا معنی یہ ہوگا کہ جاہلی غیرت کی وجہ سے وہ ''ازواج'' ان عورتوں کو عدت گزارنے کے بعد ان خاوندوں کے نکاح سے روک دیں جن سے وہ نکاح کرنا چاہتی ہیں جیسا کہ کئی خلفاء وسلاطین نے غیرت کھاتے ہوئے ایسا کیا بھی تھا کہ یہ ہماری بھی بیویاں رہیں ہوں اور دوسرے شوہروں

---

[1] ان کو محض تکلیف کے لیے نہ روکو۔

[2] اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پس وہ اپنے وقت تک پہنچ جائیں پس ان کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو بشرطیکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں رضامند ہوں۔

Marfat.com

کی بھی بیویاں بنیں کیونکہ ریاست اور ریاست کی پیدا کردہ بدعادات ''نخوت وتکبر'' کی وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ وہ اولاد آدم میں سے ہی نہیں ہیں الا یہ کہ تقویٰ و پرہیزگاری اور عاجزی کی وجہ سے جس کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا وہ بچ گیا۔ یا یہ خطاب اولیاء کو ہے پھر ان کی طرف طلاق کی نسبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہی نکاح کا سبب ہیں کیونکہ اولیاء ہی ان مطلقات کا نکاح ان کو طلاق دینے والے خاوندوں سے کرانے کے ذمہ دار ہیں اور یہاں (بلغن أجلهن میں) بلوغ اجل کا حقیقی معنی مراد ہے یعنی عدت ختم ہو جائے اور جو معنی آیت سابق میں تھا مراد نہیں ہے۔ عضل کا حقیقی معنی ہوتا ہے روکنا، اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی تنگی کرنا اور منع کرنا ہے، مـآل کے اعتبار سے یہ بھی روکنا ہی ہے اور اہل عرب کے ہاں ہر مشکل امر کا نام معضل ہوتا ہے اور داء عضال کا معنی ہوتا ہے ایسی بیماری جو صحیح نہ ہو سکے۔ اور قول باری تعالیٰ:

''ازواجھن'' سے اگر طلاق دینے والے مراد ہیں تو یہ ''ما کان'' کے اعتبار سے مجاز ہے اور اگر اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ان کو بھی ''ازواج مـا یـکـون'' کے اعتبار سے کہا گیا ہے اور یہ بھی مجاز ہے۔ بخاری اور اہل السنن وغیرھم نے حضرت معقل بن یسار سے نقل کیا ہے کہ میری ایک بہن تھی میرے پاس میرے چچا کا بیٹا آیا میں نے اس سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا جب تک اللہ کو منظور ہوا وہ اس کے پاس رہی پھر اس نے اس کو طلاق دے دی اور رجوع نہ کیا حتیٰ کہ عدت گزر گئی پھر اس شوہر نے اس کے نکاح کی خواہش کی اور عورت نے بھی خواہش کی اس نے بھی دیگر منگنی کرنے والوں کے ساتھ پیغام نکاح بھیج دیا، میں نے کہا اے کمینے! میں نے اپنی بہن تیرے نکاح میں دے کر تیری عزت افزائی کی تھی تو نے اس کو طلاق دے دی پھر اب منگنی کے لیے آ گیا ہے وہ اب تیرے نکاح میں نہیں آئے گی ویسے وہ آدمی اچھا تھا عورت اس کو چاہتی بھی تھی اور اللہ کے علم میں تھا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا خواہش مند ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد:

Marfat.com

"واذا طلقتم النساء" نازل فرمایا، لہٰذا یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی پھر میں نے قسم کا کفارہ ادا کیا اور اس کا (بہن کا) نکاح اس سے کر دیا۔

آیت نمبر ۴۵:

﴿ والوالدات یرضعن اولادھن ﴾ [1] (۲۳۲) ہے۔

جب اللہ سبحانہ نے اولاً نکاح اور طلاق کا ذکر کیا ہے پھر اس کے بعد رضاعت (دودھ) کا ذکر کیا ہے کیونکہ بعض دفعہ میاں بیوی آپس میں جدا ہو جاتے ہیں اور انکی دودھ پینے والی اولاد بھی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ یہ حکم مطلقات کے لیے خاص ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ عام ہے۔ "حولین کاملین" کاملین حولین کی تاکید ہے یہ اندازہ تحقیقی ہے نہ کہ تقریبی و تخمینی، اور اس میں امام ابوحنیفہ کے قول کی تردید ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اسی طرح زفر کے قول کی بھی تردید ہے کہ جو اس نے کہا ہے کہ "لمن اراد ان یتم الرضاعة" اس بات کی دلیل ہے کہ حولین ضروری نہیں ہے بلکہ وہ مکمل مدت ہے اور اس سے کم مدت پر بھی اکتفاء جائز ہے اور یہ آیت اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ بچے کو دودھ پلانا ماں پر فرض ہے اور یہی معنی اس وقت بھی ہوں گے جب وہ بچہ کسی دوسری انا کو قبول نہیں کرتا۔

"وعلی المولود له رزقھن و کسوتھن [2]" یعنی باپ (کے ذمے خرچ ہے) جس کی وہ اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والد کی بجائے اس لفظ کو ترجیح دی ہے یہ بتانے کے لیے کہ اولاد باپ کی ہوتی ہے ماں کی نہیں یہی وجہ ہے کہ اولاد آباء کی طرف ہی منسوب ہوتی ہے گویا کہ انہوں نے ان کو صرف ان کے لیے ہی جنم دیا ہے۔ "کشاف" اور رزق سے یہاں وہ کھانا مراد ہے جو کافی بھی ہو اور وہ لوگوں

---

[1] اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو۔

[2] اور "مولود له" (باپ) پر ان کا رزق (کھانا) اور ان کے کپڑے فرض ہیں۔

Marfat.com

میں متعارف بھی ہو اور ''کسوۃ'' سے بھی ایسا ہی متعارف لباس مراد ہے اور اس قول میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ یہ خرچہ دودھ پلانے والی ماؤں کے لیے آباء پر لازم ہے اور یہ حکم ان عورتوں کا ہے جن کو طلاق بائنہ مل چکی ہو اور اگر وہ مطلقات نہیں ہیں تو ان کا خرچہ ولباس شوہروں پر بغیر اولاد کو دودھ پلانے کے ہی واجب ہے۔

''لاتکلف نفس الا وسعھا'' [1] یہ قول بالمعروف کے لیے قید ہے یعنی یہ خرچہ اور لباس جو لوگوں کے ہاں معروف ہے باپ پر واجب ہے اور فرض ہے، اس میں اسے صرف اس بات کی تکلیف دی جائے جو اس کی طاقت ووسعت میں ہے نہ ایسی تکلیف دی جائے جو اس پر گراں ہو اور وہ اس کو مکمل کرنے سے عاجز ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ عورت کو کم اجرت پر مجبور نہ کیا جائے اور شوہر کو اسراف وزیادتی کی تکلیف نہ دلی جائے بلکہ میانہ روی اختیار کی جائے۔

آیت نمبر ۴/۶:

﴿لا تضار والدة بولدها﴾ (۲۳۳) ہے۔

یہ معروف مجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے:

(۱) یعنی (بچے کی والدہ) بچے کی وجہ سے (بچے کے) باپ کو تکلیف نہ دے کہ وہ اس سے اس قدر روزی ولباس کا مطالبہ کرے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتا یا وہ بچے کی حفاظت وخبرگیری اور اس کی ضرورت میں کوتاہی برتے۔

(۲) خاوند کی طرف سے اس کو تکلیف ونقصان نہ پہنچایا جائے کہ وہ مقررہ اجرت سے کم دینے کی کوشش کرے یا بلا کسی عذر کے اس سے بچہ چھین لے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''بولدھا'' میں باء تضار کا صلہ ہو اور تضار بمعنی تضر کے ہو اور معنی یہ ہو کہ والدہ اپنے بچے کی وجہ سے نقصان نہ پہنچائے کہ اس کی تربیت ہی کو بھلا دے یا اس کی

---

[1] کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

Marfat.com

غذا میں کوتاہی برتے، اور کبھی اولاد کی نسبت باپ کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی ماں کی طرف کیونکہ اس کی نسبت کا ہر ایک کو استحقاق حاصل ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اس میں مہربانی وشفقت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اور یہ ماقبل کی ہی تفصیل وتقریر ہے یعنی ان میں سے کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے پس اس کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے۔

اور ''وعلی الوارث مثل ذلک'' کا ''عطف وعلی المولود له'' پر ہے اور معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جو عبارت ہے وہ معروف کی تفسیر ہے یا اس کی علت ہے اور اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ وعلی الوارث میں مذکور وارث سے کون مراد ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے وارث الصبی مراد ہے یعنی جب باپ مرجائے تو اس مولود بچے کے وارث کے ذمے ہے کہ اس کو دودھ پلانے کا بندوست کرے جیسا کہ اس کے باپ کے ذمہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، عطاء رحمۃ اللہ علیہ، احمد رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ، اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا آپس میں اختلاف ہے کیا یہ وجوب اس پر ہے جو میراث کا حصہ دار ہے یا صرف شخص مذکور ہی پر ہے یا ہر نسبی رشتہ دار پر ہے گو وہ وارث نہ بھی ہو۔

بعض نے کہا ہے اس سے باپ کا وارث مراد ہے جس پر دستور کے مطابق مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا خرچہ ولباس فرض ہے یہ ضحاک کا مذہب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تفسیر ضحاک کے قول کے مطابق کی ہے لیکن ساتھ ہی کہا کہ یہ منسوخ ہے اور آدمی کے ذمے اس کے بھائی کا خرچہ لازم نہیں ہے نہ صاحب قرابت کا اور نہ محرم رشتہ دار کا۔ اور ضحاک نے ایک شرط لگائی ہے کہ اس بچے کے پاس مال نہ ہو اور اگر اس کا مال ہے تو اس کے دودھ کی اجرت اس کے مال سے لی جائے گی اور بعض نے کہا کہ آیت مذکورہ میں وارث سے خود بچہ ہی مراد ہے۔

یعنی جب بچے کا باپ فوت ہو جائے اور بچہ باپ کے مال کا وارث ہو

Marfat.com

جائے تو خود اس پر ہی دودھ کا خرچہ ہے قبیصہ بن ذویب اور عمر بن عبدالعزیز کے قاضی بشیر بن نصر کا یہی مذہب ہے۔ یہی امام شافعی سے مروی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مولود کا خرچہ دونوں ماں باپ میں سے کسی ایک کی وفات کے بعد جو باقی رہ جائے ''اس کے ذمے ہے' مثلاً اگر باپ مرجائے اور بچے کا مال بھی نہیں ہے تو اس کی کفالت ماں کے ذمے ہے۔ ''سفیان''۔

بعض نے کہا ہے کہ ''وعلی الوارث مثل ذلک'' سے مرضعہ کا وارث مراد ہے جس پر واجب ہے کہ نومولود کے ساتھ وہ بہتر سلوک کرے جیسے اس کی ماں اس کو دودھ پلاتی ہے اور اس کی خدمت وتربیت کرتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ''الوارث'' کا معنی ہے کہ وہ ماں کو تکلیف وضرر نہ دے یہ حرام ہے جیسے باپ پر یہ فعل حرام ہے اہل علم کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے اور یہی اصل اور قانون ہے، جس آدمی کا خیال ہے کہ اس میں حرف عطف مذکورہ تمام امور پر مشتمل ہے اس کو چاہیے کہ اس کی دلیل بھی بیان کرے قرطبی بیان فرماتے ہیں یہی صحیح ہے کیونکہ جب تمام امور ''رضاعت، انفاق اور عدم ضرر'' کا ارادہ ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی ''وعلی الوارث مثل ھولاء'' معلوم ہوا کہ اس کا عطف لاتضار پر ہے۔ قاضی عبدالوہاب نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کی یہی تاویل وتفسیر اور رائے ہے۔

ابن عطیۃ فرماتے ہیں امام مالک اور ان کے جمیع اصحاب شعبی، زہری، ضحاک اور علماء کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے کہ ''مثل ذلک'' سے بھی مراد لاتضار ہی ہے اور نفقہ ولباس تو واجب نہیں ہے اور ابن قاسم نے مالک سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اس گروہ کے مذہب کی کمزوری بالکل واضح ہے کیونکہ جس لفظ کے ساتھ انہوں نے ''وعلی الوارث مثل ذلک'' کا معنی اس سے خاص کیا ہے یعنی مرضعہ کو تکلیف نہ دینا اور یہ مفاد تو ''لا تضار والدۃ بولدھا'' سے حاصل ہو جاتا ہے یہ تو ہر تکلیف پر صادق آتا ہے خواہ وہ مولود کی طرف

Marfat.com

سے ہو یا غیر کی طرف سے ہو۔

اور قرطبی کا کہنا کہ ''اگر تمام امور مراد ہوتے تو عبارت ''مثل ھولاء'' ہوتی''۔ اس میں جو واضح ضعف و کمزوری ہے وہ ہر آدمی جانتا ہے کیونکہ اسم اشارہ جیسے جمع کے لیے مستعمل ہوتا ہے اسی طرح مذکور وغیرہ کی تاویل کر کے واحد کے لیے بھی مستعمل ہو سکتا ہے۔

اور قول اول کے قائلین کا یہ مذہب کہ ''وارث سے مراد بچے کا وارث ہے'' اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ وہ حقیقت میں وارث نہیں ہے جب کہ بچہ زندہ ہے بلکہ وہ وارث اس بنا پر ہے کہ آئندہ چل کر اس نے وارث بننا ہے اور قول ثانی کے قائل حضرات کے جواب میں کہا جائے گا، کہ ان کے قول میں گو وارث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے مگر بچے کے مال دار ہوتے ہوئے خرچہ واجب کرنے میں اعتراض ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قائل نے کہا ہے کہ بچہ فقیر ہو۔ اور وارث کی تفسیر میں اس قدر اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ پہلے والدات، مولودلہ (باپ) اور ولد کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی طرف وارث کی نسبت ہو سکتی ہے۔

آیت نمبر ۴۷:

﴿فان ارادا فصالاً﴾ (۲۳۲) ہے۔

''ارادا'' کی ضمیر والدین کی طرف راجح ہے اور ''فصال'' کا معنی دودھ چھڑا دینا۔ یعنی بچے کو پستان سے الگ کرنا اور اونٹنی کے بچے کو فصیل اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی اپنی ماں سے الگ کر دیا گیا ہے۔

قولہ: ''عن تراض منھما''

''یعنی والدین جب دو سال سے قبل دودھ چھڑانا چاہیں تو باہم رضامندی سے یہ فیصلہ ہو''۔

Marfat.com

''تشـــاور ''یعنی اہل علم سے معلوم کرلیا جائے کہ دوسال سے قبل دودھ چھڑانا نقصان تو نہیں دیتا اگر وہ کہیں کہ کوئی نقصان نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔ ''فلا جناح علیھما ''تو دودھ چھڑانے میں ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیونکہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ مدت رضاعت پورے دوسال ہے لیکن یہ اس کے لیے ہے جو مدت رضاعت مکمل کرنا چاہتا ہے۔ اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اکیلا باپ اگر دوسال سے قبل دودھ چھڑانا چاہے تو اس کے لیے جائز وصحیح ہے۔

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی رضامندی اور ان کے مشورے کا اعتبار ولحاظ کیا ہے لہٰذا اب دونوں باتوں کا جمع کرنا ضروری ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ''لمن اراد ان یتم الرضاعۃ ''میں دونوں کی رضامندی شرط ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ مذکورہ ارادہ اس وقت ہے جب بچے کے دونوں ماں باپ زندہ نہ ہوں بلکہ ان میں سے ایک زندہ ہو یا وہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) بچے کی والدہ نہ ہو۔

آیت نمبر ۴۸:

﴿ وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم ﴾ [1] (۲۳۳) ہے۔

امام زجاج نے کہا ہے کہ اصل عبارت اس طرح ہے۔

"أن تسترضعوا لاولادکم غیر الوالدۃ"

اور سیبویہ کا خیال ہے یہاں لام حذف ہے کیونکہ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور اول مفعول محذوف ہے اور معنی یہ ہوا کہ:

"ان تسترضعوا المراضع اولادکم"، "فلا جناح علیکم اذا سلمتم ما آتیتم" [2]

---

1. اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی دوسری عورت سے دودھ پلانا چاہو۔
2. تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو وہ معروف طریقے سے ادا کرو۔

Marfat.com

بعض نے کہا ہے اس جملے کا مقصد یہ ہے کہ:

''جب تم ان کی ماؤں کو ان کے دودھ پلانے کی مزدوری پورے حساب سے ادا کرو اور تم دوسری عورتوں سے دودھ پلانا چاہو تو اس میں کوئی حرج وگناہ نہیں ہے''۔

یہ سفیان ثوری اور مجاہد کا خیال ہے۔ حضرت قتادہ اور زہری نے کہا ہے کہ جب تم دودھ پلانے کے ارادے کو بیان کردو یعنی ہر ایک ماں باپ میں سے اپنا ارادہ بیان کردے اور وہ راضی بھی ہوں تو یہ ان کا اتفاق ہوگا اور خیر کا ارادہ ہوگا اور معاملے میں سے معروف ارادہ ہوگا۔

اس تفسیر کی رو سے قول باری تعالیٰ ''سلمتم'' میں تغلیباً مرد وعورت دونوں داخل ہیں، اور قول اول کے اعتبار سے صرف مخاطب مرد ہوں گے، اور بعض نے کہا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم دودھ پلانا چاہو تو ان کی مزدوری دے دو (تو ٹھیک ہے) معنی یہ ہوا کہ ''اذا سلمتم ما أردتم ایتاء ہ أی إعطاء ہ الی المرضعات''[1] بالمعروف یعنی لوگوں کے ہاں جو مرضعات (دودھ پلانے والیوں) کی اجرت معروف ہے وہ انہیں دی جائے نہ ان کو ٹالا جائے اور نہ ان کے طے شدہ حصے کو کم کیا جائے کیونکہ ان کو مکمل مزدوری نہ ملنا ان کو اس پر برانگیختہ کرے گا کہ وہ بچے کے معاملہ میں سستی اور تساہل سے کام لیں اور اس کی تربیت میں عدم توجہ کا مظاہرہ کریں۔

آیت نمبر ۴۹:

﴿والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا﴾[2] (۲۳۴) ہے۔

---

[1] جب تم مرضعات کو جو کچھ دینا چاہو دے دو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

[2] اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور ان کے پیچھے ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔

Marfat.com

جب اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کا ذکر کیا اور اس کے ساتھ دودھ پلانے کا ذکر بھی کر دیا اس کے بعد وفات کی عدت کا تذکرہ شروع کرتے ہیں تا کہ یہ وہم نہ ہو جائے کہ وفات کی عدت طلاق کی عدت کی طرح ہی ہے۔

زجاج کا خیال ہے آیت کا معنی یہ ہوا کہ ''والرجال الذین یتوفون منکم ولھم زوجات والزوجات یتربصن'' ابوعلی فارسی فرماتے ہیں اصل عبارت ایسے ہے ''والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بعدھم'' اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اصل عبارت یہ ہے'' وازواج الذین .... الخ'' (کشاف للزمخشری) اس پر یہ اعتراض ہے کہ ''وازواج الذین '' کہہ کر بعد میں ''یذرون ازواجا'' کہنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ جب نکرہ کا تکرار کیا جائے تو قانوناً وہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں اس تقدیر پر معنی ٹھیک نہیں ہوتا۔

وفات کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کرتے ہیں اس میں یہ حکمت ہے کہ بچہ بعض دفعہ کمزور ہوتا ہے حرکت نہیں کر سکتا کچھ دنوں تک وہ مؤخر ہو سکتی ہے مگر مذکورہ میعاد سے مؤخر نہیں ہو سکتی اس آیت کے ظاہری الفاظ کا تقاضا عموم ہے۔ یعنی ہر وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو اس کی یہ عدت ہے لیکن اس عموم سے قول باری تعالیٰ: ''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ''[1] نے تخصیص کر دی ہے، یہی مذہب جمہور علماء کرام کا ہے، بعض صحابہ اور بعض اہل علم نے عام اور خاص دونوں پر عمل کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ حاملہ عورت کی عدت ''آخر الاجلین''[2] ہے۔

---

[1] حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔

[2] ''آخر الاجلین'' کی صورت یہ ہے کہ خاوند کی وفات کے وقت عورت حاملہ ہو اگر وفات کی مدت (چار ماہ دس دن) لمبی ہو یہ اس کی عدت ہے اور اگر وضع حمل کی مدت زیادہ ہے تو یہ اس کی عدت ہے۔

Marfat.com

جمہور علماء کا مذہب ہی حق ہے اور عام و خاص کو جمع کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ قوانین لغت کے مطابق ہے اور نہ وہ قواعد شرع کے مناسب ہے۔

اور عام کے افراد سے خاص کو نکالنے کا مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اس (خاص) کا حکم حکم عام کے مغائر و مخالف ہے۔ اور آنحضرت ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ وضع حمل کے بعد آپ نے سبیعہ اسلمیہ کو نکاح کی اجازت دی تھی۔ اور تربص بمعنی تانی (تاخیر) اور نکاح سے رکنا ہے۔

آیت کا ظاہری مفہوم صغیرہ، کبیرہ، آزاد، لونڈی، حیض والی عورتوں اور آئسہ سب کو شامل ہے اور ان سب کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ لونڈی کی عدت آزاد کی عدت سے آدھی ہے، یعنی دو ماہ پانچ دن ہے۔ ابن عربی نے کہا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے سوائے (امام اصم) کے کہ وہ آزاد اور لونڈی میں مساوات کا قائل ہے اور امام باجی نے کہا ہے اس مسئلہ میں بالکل اتفاق ہے۔

سوائے ابن سیرین کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لونڈی کی عدت آزاد کی سی ہے۔ اور یہ ان سے ثابت نہیں ہے، اصم اور ابن سیرین آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور ان کے علاوہ اس مذہب کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے عدت وفات کو حد پر قیاس کیا ہے کیونکہ حد لونڈی پر نصف ہوتی ہے کیونکہ ارشاد ہے:

''فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب ''❶ اور ''طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان '' ❷ پہلے گزر چکی ہے اور وہ قابل احتجاج و لائق استناد ہے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ لونڈی کی طلاق بہ نسبت آزاد کی طلاق کے نصف تسلیم کی جائے۔

---

❶ ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو محصنات (شادی شدہ عورتوں) کے لیے مقرر ہے۔
❷ لونڈی کی دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔

Marfat.com

اور اس کی عدت بھی بہ نسبت آزاد کے نصف ہو لیکن جب یہ کہنا (لونڈی کی طلاق ایک اور نصف ہے اور اس کی عدت بھی ایک حیض اور نصف ہے) غیر معقول ہے (کیونکہ اس صورت پر عمل نہیں ہو سکتا) تو حدیث میں یہ طلاق اور عدت بیان فرما کر اس کی وکسر کو پورا کر دیا گیا ہے، لیکن جمہور نے جس قیاس پر عمل کیا ہے اس کو تسلیم کرنے میں ایک رکاوٹ ہے وہ یہ ہے کہ وفات کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کرنے میں جو حکمت پہلے گزر چکی ہے کہ عورت کا حمل سے خالی ہونا معلوم ہو جائے اور وہ صرف اسی مدت میں متصور ہو سکتا ہے۔

اس مسئلہ میں آزاد اور لونڈی دونوں برابر ہیں بخلاف اس کے کہ غیر وفات کی عدت دو حیض ہے کیونکہ اس سے عورت کا رحم خالی ہونا معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور ام ولد کی عدت بھی اس تفریق کو ختم کرنے کی مؤید ہے (کما سیأتی) اور جس ام ولد کا آقا مر جائے اس کی عدت میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

سعید بن میسب، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، ابن سیرین، زہری، عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور ایک روایت امام احمد بن حنبل کی ہے کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ ان کی دلیل حضرت عمرو بن العاص کی حدیث:

"لا تلبسوا علينا سنة نبينا محمد ﷺ عدة ام الولد اذا توفى عنها سيدها اربعة اشهر وعشرا" ❶

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ابن ماجۃ اور حاکم نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔ امام احمد اور ابو عبید نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دار قطنی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ حضرت طاؤس اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت

---

❶ ام ولد کی عدت کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ کا طریقہ ہم پر مشتبہ نہ کرو وہ یہ ہے کہ جب ام ولد کا آقا مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

Marfat.com

دو ماہ پانچ راتیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی امام ثوری اور حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہے۔ حضرت علی، ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی خیال اور مذہب ہے، امام مالک، شافعی اور احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہے اور غیر حائضہ کی عدت ایک ماہ ہے۔

ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور اور جمہور کا بھی یہی خیال ہے، ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت گو تلاوت میں مقدم ہے مگر بعد میں آنے والی آیت' جس میں ایک سال کی عدت کا تذکرہ ہے' کے لیے ناسخ ہے۔

''فاذا بلغن أجلهن ''❶ یہاں بلوغ سے مطلوب اختتام عدت ہے۔''فلا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن ''❷ یعنی زینت لگانا اور منگنی کرنے والوں کو پیش آنا، بالمعروف یعنی وہ طریقہ جو نہ شرع کے خلاف ہو اور نہ عرف مستحسن کے خلاف ہو۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ معتدہ کے لیے سوگ واجب ہے۔ اور کئی اسناد سے بخاری، مسلم اور دیگر کتب میں احادیث مرقوم ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جس عورت کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے اسے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں ہے سوائے اس عورت کے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو وہ چار ماہ دس دن سوگ کر سکتی ہے''۔

اور اسی طرح بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں منقول ہے کہ وفات کی عدت گزارنے والی عورت کے لیے سرمہ لگانا بھی ممنوع ہے، ''احداد'' کا معنی ہے ترک زینت یعنی

---

❶ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے۔

❷ تو انہیں اختیار ہے کہ اپنی ذات کے بارے میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں۔

Marfat.com

اس عورت کے لیے خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا اور زیور وغیرہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور بائنہ کی عدت میں ائمہ کے دو قول ہیں۔

اس آیت سے اصحاب ابی حنیفہ نے استدلال کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز ہے کیونکہ فعل کی نسبت فاعل کی طرف مباشرت (خود کام کرنے پر) محمول ہے۔ جواب دیا گیا ہے یہ خطاب اولیاء کو ہے اور اگر ان کے بغیر بھی عقد نکاح صحیح ہے تو وہ مخاطب نہ کیے جاتے، ان مسائل پر بحث کرنے کا مقام احکام کی کتابیں ہیں۔

آیت نمبر ۵۰:

﴿لا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء﴾ [1] (۲۳۵) ہے۔

''جناح'' سے گناہ مراد ہے معنی یہ ہوں گے اس مسئلہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ تعریض صراحت کی ضد ہے اور یہ عرض الشئ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے وہ اس شئ سے الگ ہے گویا کہ وہ ایک شئ کے گرد گھومتا ہے اور ظاہر نہیں کرتا، کلام کے ذریعے ساتھی کی طرف ایسا اشارہ کرنا کہ وہ کلام کا معنی سمجھ جائے۔

زمخشری نے کشاف میں کنایہ اور تعریض کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی شئ کو لفظ موضوع لہ کے علاوہ کسی دوسرے لفظ سے ذکر کرنا کنایہ ہے۔ اور ایک شئ کو تو ذکر کرے جس کے ذریعے سے غیر مذکور پر دلالت کی جائے تو یہ تعریض ہے جیسے محتاج محتاج الیہ سے کہے کہ میں تجھے سلام کرنے آیا ہوں اور تیرا باعزت چہرہ دیکھنے آیا ہوں، اسی لیے لوگوں نے کہا ہے۔

حسبک بالتسلیم منی تقاضیاً [2]

---

[1] تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان عورتوں سے اشارۃً منگنی کی بات کرو۔

[2] کافی ہے تجھے میری طرف سے سلام مطالبہ کے لحاظ سے گویا سلام کے ساتھ مطالبہ بھی ہے۔

Marfat.com

اور جیسے کلام کو مائل کرنا ایک جانب جو غرض اور مقصود پر دال ہے' تو اس کا نام تلویح (اشارہ) ہے گویا کہ وہ مراد کی طرف اشارہ کرتا ہے اور خطبہ (خاء کے کسرا اور زیر سے) وہ فعل ہے جس کو طالب اختیار کرتا ہے یعنی طلب اور قول وفعل سے لطف کا خواہش مند ہونا اور خطبہ (خاء کے ضمہ اور پیش سے) وہ کلام ہے جو آدمی خطیب بن کر کرتا ہے، ''أو أكننتم في انفسكم ''[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد تم اپنے دل ودماغ میں نکاح کی خواہش کو چھپاؤ، اور اکنان بمعنی چھپانا اور پوشیدہ کرنا ہے۔ ''بيض مكنون ''اور'' در مكنون ''اسی سے ماخوذ ہے۔ ''علم الله انكم ستذكرونهن ''[2] یعنی تم ان کے سامنے رغبت کی باتیں کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو رب تعالیٰ نے تمہیں اشارۃً بات کی اجازت دی ہے صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکتے۔

''ولكن لا تواعدوهن سرًا ''[3] اصل عبارت "علی سر" ہے، اہل علم نے سر کے معنی میں اختلاف کیا ہے، بعض نے اس کا معنی نکاح کیا ہے اور جمہور علماء کا یہی خیال ہے یعنی آدمی اس معتدہ سے یہ نہ کہے کہ مجھ سے نکاح کر لے بلکہ اشارۃً کہہ سکتا ہے بعض نے کہا ہے کہ سر بمعنی زنا ہے مطلب یہ ہوا کہ عدت میں تم ان سے زنا کرنے کا وعدہ نہ کرو پھر بعد میں نکاح کرنے کا وعدہ، جابر بن زید، ابومجلز، حسن، قتادہ، ضحاک اور نخعی کا یہی مذہب ہے اور ابن جریر طبری نے اس کو پسند کیا ہے۔

بعض نے کہا کہ سر بمعنی جماع ہے یعنی اپنی کثرت جماع کی خوبی ان کے سامنے بیان نہ کرو کہ تمہارا مقصد ان کو نکاح کی رغبت دلانا ہو اس آیت کی تفسیر شافعی

---

1. یا دل میں چھپائے رکھو۔
2. اللہ جانتے ہیں کہ ان کا خیال تمہارے دل میں آئے گا۔
3. اور لیکن خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا۔

Marfat.com

نے یہی کی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ ساری امت متفق ہے کہ معتدہ کے ساتھ ایسی گفتگو کرنا جس میں جماع کا ذکر ہو یا اس پر انگیخت ہو بالکل ناجائز ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ امت اس پر بھی متفق ہے کہ عورت کے لیے عدت کے دوران اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کرنا مکروہ ہے اور باپ کا اپنی باکرہ بیٹی کے لیے بھی اور آقا کا اپنی لونڈی کے لیے فیصلہ کرنا مکروہ ہے۔ ''الا ان تقولوا قولاً معروفاً'' [1] بعض نے کہا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے جو بمعنی لکن کے ہوتا ہے اور قول معروف سے مراد وہ بات ہے جو اشارۃً کہی جائے اور صاحب کشاف (زمخشری) نے کہا ہے کہ یہ مستثنیٰ منقطع نہیں ہے اور مستثنیٰ منہ قول باری تعالیٰ: ''لا تواعدوھن'' ہے معنی یہ ہوگا کہ ان سے بالکل کوئی وعدہ نہ کرو سوائے اس وعدہ کے جو معروف غیر منکر ہو تو اس لحاظ سے یہ استثناء مفرغ ہوگا اور استثناء منقطع کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں اس طرف اشارہ ہوگا کہ تعریض موعود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ تعریض تو وعدہ کا طریقہ ہے نہ کہ وہ موعود فی نفسہ ہے۔

آیت نمبر ۱۵:

﴿ ولا تعزموا عقدة النكاح............الخ ﴾ [2] (۲۳۵) ہے۔

اصل عبارت یہ ہے۔ ''علی عقدة النكاح'' یہاں سے علیٰ حذف کر دیا گیا ہے اور سیبویہ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، نحاس نے کہا ہے ''لا تعزموا'' بمعنی ''لا تعقدوا'' ہے کیونکہ ''تعزموا'' اور ''تعقدوا'' کا ایک ہی معنی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عزم فعل سے مقدم ہوتا ہے تو اس لحاظ سے اس

---

[1] الا یہ کہ تم نے معروف طریقے سے بات کرنی ہو تو کریں۔

[2] اور عقد نکاح کرنے کا فیصلہ نہ کرو۔

Marfat.com

نہی میں مبالغہ ہوگا۔ کیونکہ جب کسی شئی سے تقدم منع ہے تو وہ شئی بالاولیٰ ممنوع ہوگی، ''حتی یبلغ الکتاب اجلہ''[1] اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی عدت ختم ہو جائے، اور یہاں کتاب بمعنی حدود مقررہ ہیں جو کسی کے لیے مقرر کی جائیں، اور اس مقررہ مدت کا نام کتاب بھی اسی لیے ہے کہ یہ مدت محدود اور مفروض ہوتی ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے۔''ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً''[2] اور یہ حکم کہ عدت کے دوران عقد نکاح حرام ہے، تمام امت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

آیت نمبر۵۲:

﴿لا جناح علیکم﴾[3] (۲۳۶) ہے۔

یہاں ''جناح'' سے مہر وغیرہ کی ڈانٹ مراد ہے۔ جناح کی نفی سے مہر کی نفی ہوگئی ہے یعنی تمہارے اوپر مہر وغیرہ کی کوئی ڈانٹ نہیں ہے۔''ان طلقتم النساء''[4] یعنی اگر مذکورہ صورت کے مطابق طلاق دو۔''ما لم تمسوھن''[5] میں ما مصدریہ ظرفیہ ہے۔ یہاں مضاف مقدر ہے اصل عبارت یہ ہے''ای مدۃ عدم مسیسکم''یعنی اس زمانے میں طلاق دو جس میں تم نے جماع نہیں کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شرطیہ ہے۔ یہاں شرط، شرط پر داخل ہے۔

ایسے مقام پر شرط ثانی اول کی قید ہوتی ہے معنی یہ ہوا کہ اگر تم انہیں طلاق دو اس حالت میں کہ تم نے ان سے جماع نہیں کیا، بعض نے کہا ہے کہ ما موصولہ ہے تو

---

1. یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔
2. نماز مومنوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے۔
3. تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔
4. اگر اپنی عورتوں کو طلاق دو۔
5. جب تک تم نے ان کو چھوا نہ ہو۔

Marfat.com

عبارت یہ ہوگی ''ان طلقتم النساء اللائی لم تمسوھن '' اسی طرح ''او تفرضوا لھن فریضۃً''❶ میں ائمہ کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ او بمعنی الا ہے عبارت اس طرح ہوگی '' الا ان تفرضوا '' بعض نے کہا ہے کہ او بمعنی حتیٰ ہے ''ای حتیٰ تفرضوا '' بعض نے کہا ہے کہ یہ بمعنی واؤ ہے۔ ''ای وتفرضوا '' اس بحث کو طول دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے آیت میں کوئی التباس نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ طلاق دینے والا گنہگار نہیں جب تک کہ دو میں سے ایک نہ ہو یعنی احد الأمرین کے انتفاء کی مدت میں اور جب دونوں کی نفی نہ ہوگی ایک مبہم کی بھی نہیں ہوسکتی۔ جب جماع ہوگیا تو مقرر مہر یا مہر مثلی واجب ہوگا۔ اور اگر فرض پایا جائے تو نصف مہر واجب ہے بشرطیکہ اس نے جماع نہ کیا ہو اور ان میں سے ہر ایک جناح ہے یعنی مقررہ مہر یا مہر مثلی یا نصف مہر۔

یاد رکھیں کہ مطلقات چار قسم پر ہیں ایک وہ مطلقہ جس سے جماع بھی ہوا ہے اور مہر بھی مقرر ہے اس آیت سے قبل اس کا تذکرہ ہوچکا ہے اور اس میں شوہروں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ دیئے ہوئے مہر کو واپس لیں اور ان عورتوں کی عدت تین حیض ہے۔

دوسری مطلقہ وہ ہے جس کا مہر مقرر نہیں ہے اور نہ اس سے جماع ہوا ہے اس عورت کا اس آیت میں ذکر ہے کہ اس کو مہر نہیں ملے گا بلکہ متعہ ملے گا اور سورۃ احزاب میں ہے کہ جس عورت سے جماع نہ ہوا ہو جب اس کو طلاق دی جائے تو اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔

تیسری وہ مطلقہ ہے جس کا مہر مقرر ہے مگر جماع نہیں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے ''وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃً''❷

---

❶ یا تم نے مہر مقرر نہیں کیا۔

❷ اور اگر تم ان کو جماع سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کا مہر بھی مقرر کر چکے ہو۔

Marfat.com

میں بیان کیا ہے۔

چوتھی وہ مطلقہ ہے جس سے جماع ہوا ہے مگر مہر مقرر نہیں ہے اس کا تذکرہ "فما استمتعتم به منهن فأتوهن اجورهن فريضة" ❶ میں ہے۔اور "ما لم تمسوهن" کا معنی ہے کہ جب تک تم نے ان سے جماع نہیں کیا اور یہاں فریضہ سے مہر کی تعیین مراد ہے۔"ومتعوهن" ❷ کا معنی ہے کہ انہیں کوئی شئی دے دو جوان کا سامان بنا رہے۔

یہ امر ہے جس کا ظاہری تقاضا وجوب ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمر، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابوقلابہ، زہری، قتادہ اور ضحاک کا یہی مذہب ہے اور یہ آیت بھی وجوب کی دلیل ہے۔

"يا ايها الذين آمنوا اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحاً جميلاً" ❸

امام مالک، ابوعبید اور قاضی شریح وغیرھم کا خیال ہے کہ زیر بحث مطلقہ کے لیے متعہ مستحب ہے واجب نہیں ہے اور حقا علی المحسنین اس کی دلیل ہے اور اگر واجب ہوتا تو پھر علی الاطلاق ساری مخلوق پر لازم ہوتا جواب دیا گیا ہے کہ یہ وجوب کے منافی نہیں بلکہ وہ تاکید ہے جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ "حقا علی المتقين" یعنی اس حکم کو پورا کرنا اور اسے قائم کرنا متقین کی ہی شان ہے۔ اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ سبحانہ سے ڈرے۔

---

❶ پھر جواز دواجی زندگی کا لطف ان سے اٹھاؤ تو اس کے بدلے ان کو ان کا مقرر مہر دے دو۔

❷ اور ان کو فائدہ دو۔

❸ اے اہل ایمان جب تک مومنات سے نکاح کرو پھر جماع سے پہلے ... دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں ہے جس کو تم شمار کرو پھر ان کو کچھ فائدہ دو اور اچھے طریقے سے ان کو چھوڑ دو۔

Marfat.com

اور اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کہ کیا جماع اور مہر مقرر کرنے سے قبل مطلقہ کے علاوہ دوسری کے لیے متعہ مشروع و جائز ہے یا صرف اسی کے لیے ہی مشروع ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ متعہ ہر مطلقہ کے لیے مشروع ہے، حضرت ابن عباس، ابن عمر، عطاء، جابر بن زید، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، حسن بصری، شافعی کا بھی ایک قول ہے، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے، لیکن ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا جماع اور مہر مقرر کرنے سے قبل مطلقہ کے علاوہ دوسری عورت کے لیے متعہ واجب ہے یا صرف مستحب ہے؟ اور ان کی دلیل یہ قول باری تعالیٰ ہے:

"وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً علی المتقین" ❶

اور یہ قول باری تعالیٰ بھی ہے:

"یاایھا النبی قل لا زواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلا" ❷

آیت اولیٰ ہر مطلقہ کے حق میں عام ہے اور دوسری آیت آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ اور ان کے لیے مہر مقرر تھا اور وہ مدخولہ بھی تھیں۔ سعید بن مسیب کا خیال ہے کہ متعہ اس مطلقہ کے لیے واجب ہے جس کو جماع سے قبل طلاق دی جائے گو اس کے لیے مہر بھی مقرر ہو۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے:

"یاایھا الذین اٰمنوا اذا نکحتم المومنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا فمتعوھن.....الخ" ❸

---

❶ اور طلاق والی عورتوں کو مناسب طریقے سے خرچہ دینا یہ متقی لوگوں پر حق ہے۔

❷ اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں کچھ فائدہ دوں اور تمہیں اچھی طرح چھوڑ دوں۔

❸ اس کا ترجمہ ابھی گزرا ہے۔

Marfat.com

انہوں نے کہا ہے کہ یہ آیت سورۃ احزاب کی ہے۔ اس سے سورۃ البقرۃ کی آیت منسوخ ہوگئی ہے اور اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ متعہ صرف اس عورت کو ملے گا جسے جماع اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دی گئی، کیونکہ مدخولہ تو سارے مہر کی حق دار ہے یا مہر مثلی کی، اور غیر مدخولہ جس کے لیے اس کے خاوند نے مہر مقرر کیا ہے اور دخول سے قبل اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی تو وہ نصف مہر کی مستحق ہے اور اس مذہب کے قائل ابن عمر اور مجاہد ہیں اور اس میں تمام علماء متفق ہیں کہ جس عورت کو دخول و جماع اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دی جائے وہ صرف متعہ کی مستحق ہے بشرطیکہ وہ آزاد ہو اور جب وہ لونڈی ہو تو جمہور کا خیال ہے کہ اس کے لیے متعہ ہے اور اوزاعی اور ثوری کا خیال ہے کہ اس کو متعہ نہیں ملے گا، کیونکہ وہ متعہ اس کے آقا کو ملے گا اور وہ اپنی لونڈی کی تکلیف کے مقابلے میں مال کا مستحق نہیں ہے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے متعہ اس عورت کے لیے مشروع کیا ہے جس کو دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دی گئی ہو کیونکہ اس سے پہلے وہ طلاق کی تکلیف برداشت کر چکی ہے۔ پھر ائمہ کا خیال ہے کہ متعہ مشروعہ کی تحدید و تعیین ہے یا نہیں؟ امام مالک اور شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی تعیین معلوم نہیں ہے بلکہ وہ ہر شئی اس میں داخل ہے جس پر لفظ متعہ بولا جائے۔

ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب میاں بیوی کا تنازع ہو جائے تو نصف مہر مثلی واجب ہے اور پانچ دراہم سے کم نہ ہو کیونکہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے اور اس میں سلف کا اختلاف ہے۔ ”علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ“[1] یہ جملہ اس پر دال ہے کہ اس بارے میں شوہر کی حالت کا اعتبار و لحاظ ہے لہٰذا مالدار کا متعہ فقیر و اجیر سے زیادہ ہوگا۔

اس بارے میں عورت کے مرتبہ کو نہ دیکھا جائے گا۔ کہا گیا ہے یہ مذہب

---

[1] خوش حال پر اس کی قدرت کے مطابق اور غریب پر اس کی قدرت کے مطابق ہے یہ حق نیک آدمیوں پر ہے۔

Marfat.com

شافعی میں ضعیف ہے بلکہ حاکم دونوں کی حالت اچھی طرح دیکھ کر فیصلہ کرے گا، یہ وجہ بہت زیادہ ظاہر ہے۔ متاعاً منصوب اس لیے ہے کہ اصل عبارت یہ ہے ''متعوھن متاعاً بالمعروف'' اور معروف سے وہی معنی مراد ہے جو شرع اور عرف عام میں لیا جاتا ہے، ''حقاً علی المحسنین'' یہ متاعاً کی صفت ہے یا فعل محذوف کا مصدر ہے ''ای حق ذلک حقاً''۔

آیت نمبر ۵۳:

﴿وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن﴾ [1] (۲۳۷) ہے۔

''تمسوھن'' کا معنی ہے جماع کرنا، یہ دلیل ہے کہ متعہ اس قسم کی مطلقہ کے لیے واجب نہیں ہے کیونکہ اس کا تقابل اس مطلقہ سے ہے جس کو جماع اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دی گئی ہو اور ایسی مطلقہ متعہ کی مستحق ہے۔

''وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف مافرضتم'' [2]

''یعنی جو تم نے مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف تم پر واجب ہے''۔

یہ متفق علیہ امر ہے اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ جس عورت کے ساتھ اس کے خاوند نے جماع نہیں کیا اور فوت ہوگیا مگر اس کے لیے مہر مقرر کر چکا تھا وہ عورت خاوند کی وفات کی وجہ سے کامل مہر کی مستحق ہے اور اسے میراث بھی ملے گی اور اس پر عدت [illegible] ہے اور خلوۃ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ جماع کے قائم مقام ہے اور عورت اس سے مہر کامل کی حق دار ہے جیسے وہ جماع سے ہوتی تھی یا نہیں؟ مذہب اول کے قائل امام مالک اور شافعی ہیں (یہ ان کا پہلا قول ہے) کوفی علماء، خلفاء راشدین اور جمہور اہل علم کا بھی یہی خیال ہے، ان

---

[1] اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی۔

[2] اور اگر تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو اور جو تم نے مقرر کیا ہے اس کا نصف ان کو دے دو۔

Marfat.com

کے نزدیک اس عورت پر عدت بھی واجب ہے اور شافعی کا نیا دوسرا قول ہے کہ نصف مہر ہی واجب ہے اور آیت کا ظاہر اسی کا مؤید ہے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے مسیس بمعنی جماع ہے اور اس کے نزدیک اس پر عدت واجب نہیں ہے اور سلف کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔

﴿ الاان یعفون ﴾

''ہاں اگر وہ مطلقات معاف کر دیں، چھوڑ دیں اور درگزر کریں''۔

یہ اعم العام سے استثناء مفرغ ہے بعض نے کہا ہے کہ عام سے ہے بعض نے کہا ہے کہ استثناء منقطع ہے یعنی جو نصف شوہروں پر واجب تھا یہ اسے چھوڑ دیں اور یعفون کا ن اس لیے نہیں ساقط ہوا کہ وہ علامت اعراب نہیں بلکہ ضمیر ہے یہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے۔ محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ یعفون کی ضمیر مردوں کی طرف راجع ہے اور یہ لفظاً ومعناً ضعیف ہے۔

''او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح'' ❶

اس سے مراد زوج ہے، حضرت جبیر بن مطعم، سعید بن مسیب، شریح، سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی، عکرمہ، نافع، ابن سیرین، ضحاک، محمد بن کعب، قرظی، جابر بن زید، ابومخلد، ربیع بن انس ایاس بن معاویہ، مکحول اور مقاتل بن حیان کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی کا بھی یہی ہے اور یہی خیال امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، ثوری، ابن شبرمۃ اور اوزاعی کا ہے اور ابن جریر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اس قول میں قوۃ وضعف دونوں ہیں۔ قوت اس طرح کہ حقیقۃً جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ و اختیار ہے وہ خاوند ہی ہے کیونکہ وہی طلاق کے ذریعے نکاح کو توڑ سکتا ہے اور ضعف اس طرح کہ اس کی طرف سے معاف کرنا امر غیر معقول ہے اور

❶ یا وہ معاف کر دے جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے۔

Marfat.com

عفو کا یہ معنی کرنا کہ وہ اس عورت کو کامل مہر دے دے کوئی واضح نہیں ہے کیونکہ زیادتی پر عفو کا اطلاق واستعمال نہیں ہوتا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ''او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح '' سے ولی مراد ہے۔ حضرت نخعی، علقمہ، حسن، طاؤس، عطاء، ابوالزناد، زید بن اسلم، ربیعہ، زہری اسود بن یزید، شعبی، قتادہ، مالک اور شافعی کا قدیم قول یہی ہے اور اس میں بھی قوۃ وکمزوری ہے۔ قوت اس طرح ہے کہ ولی کی طرف عفو کی نسبت معقول ہے اور ضعف یہ ہے کہ عقدۃ النکاح تو شوہروں کے ہاتھ میں ہے نہ کہ ولی کے ہاتھ میں اور اس قول میں مزید یہ ضعف ہے کہ جس چیز کا ولی مالک ہی نہیں ہے اسے معاف کرنے کا قطعاً حق نہیں ہے اور امام قرطبی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ولی عورت کے مال کا مالک نہیں ہے اور مہر اس کا مال ہے۔ دو وجوہ سے مذہب اول راجح ہے وجہ اول یہ ہے کہ عقدۃ النکاح حقیقۃً خاوند کے اختیار میں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ پورا مہر دے کر معاف کرنا اسی سے ہوسکتا ہے جو ہر طرح کا تصرف کرنے کا مالک ہو۔

بخلاف ولی کے اور زیادتی کا نام عفو رکھنا گو خلاف ظاہر ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عقد کے وقت ہی شوہر پورا مہر ادا کردیتے ہیں اس لحاظ سے عفو کا معنی معقول ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو وہ چھوڑ دیا جائے اور اس سے نصف مال کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اس کو مشاکلت سے تعبیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے (کشاف) کیونکہ یہ حقیقی معافی ہے یعنی جس مطالبے کی وہ حق دار تھی اسے ترک کرنا ہے الا یہ کہ کہا جائے کہ یہ مشاکلت ہے یا غلبہ دینا ہے پورا مہر دینے میں اس سے پہلے کہ خاوند اس کو مہر دے۔

آیت نمبر ۵۴:

﴿ حافظوا علی الصلوات ﴾(۲۳۸) [1] ہے۔

---

[1] نمازوں کی نگہداشت کرو۔

Marfat.com

کسی چیز پر محافظت کا معنی ہوتا ہے ہیشگی کرنا اور پابندی کرنا، اور امر وجوب وفرض کے لیے ہے اور صلوٰت سے پانچ فرضی نمازیں مراد ہیں معنی یہ ہوا کہ ارکان اور شرائط کی رعائت کرتے ہوئے ان پر ہیشگی کرو۔ "والصلوٰۃ الوسطی "[1] "الاوسط" "اوسط الشئی "اور"وسط الشئی " کا معنی ہے پسندیدہ اور بہتر" وکذلک جعلنا کم امۃ وسطاً" کا بھی یہی معنی ہے۔

تعظیم وتشریف کے لیے اس نماز کو الگ کیا ہے ورنہ صلوات کے عموم میں یہ داخل تھی، اس کی تعیین وتحدید میں علماء کے اٹھارہ قول ہیں۔ علامہ شوکانی نے منتقی کی شرح میں ان کو نقل کیا ہے اور ہر ایک گروہ کی دلیل بھی بتائی ہے اور تمام اقوال میں سے زیادہ راجح اور اصح وہ ہے جس کے جمہور قائل ہیں کہ وہ عصر کی نماز ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری، مسلم اور سنن میں ہے کہ ہم صلوٰۃ وسطیٰ فجر کی نماز سمجھتے تھے یہاں تک کہ احزاب والے دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ہمیں کفار نے صلوٰۃ وسطیٰ (صلوٰۃ العصر) سے روک دیا ہے اللہ ان کی قبریں اور پیٹ آگ سے بھرے، اور اسی طرح ابن مسعود کی مرفوع روایت مسلم، ترمذی اور ابن ماجۃ وغیرہ میں موجود ہے۔

اور یہی روایت ابن جریر، ابن منذر اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے اور بزار نے صحیح سند کے ساتھ جابر کی روایت اس طرح مرفوع نقل کی ہے اور ام سلمہ کی ضعیف روایت مرفوعاً طبرانی نے نقل کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مرفوعہ، صحیحہ اور واضحہ مروی ہیں کہ یہ عصر کی نماز ہے مگر ان میں یوم الاحزاب کا ذکر نہیں ہے اور صحابہ کرام کے بہت سے آثار مروی ہیں کہ یہ عصر کی نماز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں سے

[1] اور خصوصاً درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔

Marfat.com

اثبات کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔

اور موطا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ یہ صبح کی نماز ہے اور ابن جریر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے اور دیگر کئی محدثین ومفسرین نے ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا ہے، یہ سب ان کے اقوال ہیں ان میں کوئی بھی مرفوع حدیث نہیں ہے، اور اس قسم کی احادیث قابل استناد نہیں ہیں۔

خصوصاً جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت ہو کہ جس میں تواتر کا دعویٰ کرنا ممکن ہو، جب اصحاب الرسول رضی اللہ عنہم کے اقوال قابل استدلال نہیں ہیں تو ان کے بعد تابعین اور اتباع التابعین کے اقوال تو بالاولیٰ لائق التفات نہیں ہیں، اور اسی طرح یہ بھی قابل حجت نہیں ہے کہ یہ مغرب کی نماز ہے۔ (ابن ابی حاتم باسناد حسن عن ابن عباس) اس طرح ان اقوال کا بھی اعتبار نہیں ہے جو اصحاب الرسول رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہیں کہ یہ ظہر کی نماز ہے یا دوسری نمازیں ہیں۔ لیکن زید بن ثابت کی جو مرفوع حدیث ابن جریر نے نقل کی وہ ضرور قابل توجہ ہے کہ یہ ظہر کی نماز ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ زید (بن ثابت) کا قول ہے اور اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کی نماز ادا کرتے تھے اور یہ نماز آپ کے اصحاب پر بہت ہی گراں تھی۔

اسی لیے اسے بطور خاص ذکر کیا ہے مگر یہ استدلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح احادیث کا کہاں مقابلہ کرسکتا ہے، اور اسی طرح ان روایات کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ان کے اقوال کی صورت میں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ہوتے ہوئے یہ حجت نہیں ہیں اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، عائشہ رضی اللہ عنہا، اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ قرآن میں الصلوۃ الوسطیٰ وہ صلوۃ العصر ہے اس سے (صلوۃ العصر کے صلوۃ وسطیٰ پر

Marfat.com

عطف کرنے سے) زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ عصر، صلوٰۃ وسطیٰ کا غیر ہے اور یہ استدلال اس کے مخالف نہیں ہے جو آنحضرت ﷺ سے بڑے مضبوط طریقے سے ثابت ہے کہ یہ عصر کی نماز ہے۔

اور امہات المومنین کی نقل کردہ قرأت (وصلوٰۃ العصر) اس قرأت کے مخالف ہے جو ابن جریر نے حضرت عروہ سے نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں لکھا ہوا ہے کہ "وھی صلوۃ العصر" اور ایک روایت میں بغیر واؤ کے صلوٰۃ العصر بھی ہے۔

اسی طرح ابن جریر، طحاوی اور بیہقی نے حضرت عمر بن رافع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں "وھی صلوٰۃ العصر" لکھا ہوا تھا، تلاوت ونقل کی رو سے یہ روایات ان روایات کے مخالف ہیں اور وہ روایت بالکل صحیح اور درست ہوگئی جس میں کسی قسم کا معارضہ بھی نہیں ہے اور تعیین بھی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قرأت منسوخ ہے جس کے قرائن ودلائل موجود ہیں جب آپ نے ہماری پیش کردہ تحقیق کو سمجھ لیا جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر ہی ہے۔

اس کا کوئی معارضہ نہیں ہے اور باقی دیگر اقوال سے بحث کرنا اشتغال بمالا یعنی ہے کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ سے منقول ہی نہیں ہیں، اور بعض لوگوں نے ایسی چیز پر اعتماد کیا ہے جس پر اعتماد کرنا نہیں چاہیے تھا وہ یہ ہے کہ فلاں نماز ہے اور وہ اس لحاظ سے وسطیٰ ہے کہ اس سے پہلے مثلاً دو نمازیں ہیں، اور بعد میں دو نمازیں ہیں، یہ محض ایک رائے ہے اور خالص اندازہ ہی ہے جس پر احکام شرعیہ کا ترتب نہیں ہونا چاہیے باوجود اس کے کہ فرض کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ سے اس رائے کے خلاف کچھ بھی منقول نہیں ہے آپ اندازہ کریں کہ کس قدر اعلیٰ درجے کی صحیح اور قوی حدیث آنحضرت ﷺ سے اس تعیین میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب ہے اس

Marfat.com

قوم پر جنہوں نے علم سنت میں اپنی کمی اور بہت بہتر اور نفع بخش علم سے اعراض پر اکتفاء نہ کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آپ کو بتکلف احکام الٰہیہ میں کلام کرنے کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اللہ کی کتاب کی تفسیر بغیر علم وہدایت کے کرنے کی جرأت کی ہے لہٰذا انہوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں جن پر ہنسی آتی ہے اور رونے کو بھی جی چاہتا ہے۔

''قوموا للہ قانتین'' ❶

''قنوت'' بمعنی طاعت ہے حضرت جابر بن زید، عطاء، سعید بن جبیر، ضحاک اور شافعی کا یہی خیال ہے بعض نے کہا کہ اس کا معنی عاجزی ہے اور ابن عمر اور مجاہد کا یہی خیال ہے بعض نے کہا کہ اس کا معنی دعا ہے (ابن عباس)

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبیلہ رعل اور ذکوان پر ایک ماہ بددعا کی تھی، ایک جماعت کا خیال ہے قنوت بمعنی لمبا قیام ہے۔ بعض نے کہا کہ ''قانتین'' کا معنی ہے خاموش رہنے والے (سدی) اور اسی معنی پر حضرت زید بن ارقم کی حدیث جو صحیحین وغیرہ میں ہے دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے کی بات ہے کہ آدمی نماز میں اپنے ساتھی سے کلام کرلیا کرتا تھا یہاں تک کہ ''وقوموا للہ قانتین'' قول باری نازل ہوا پھر ہمیں خاموشی کا حکم ہوا۔

بعض نے کہا ہے لغت میں قنوت بمعنی شئی پر دوام کرنا، جو معنی بھی دوام کے مناسب ہے اس پر قنوت کا اطلاق درست ہے۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ قنوت کے تیرہ معنی ہیں۔ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور اسی آیت میں حدیث مذکور کی روشنی میں قنوت بمعنی سکوت ہے اور اصطلاح شرع میں جو لفظ قنوت مستعمل ہوتا ہے اس میں احادیث مختلف ہیں کیا وہ رکوع سے قبل ہے

---

❶ اور کھڑے ہو جاؤ خاموش ہو کر۔

Marfat.com

یا بعد؟ کیا جمیع نمازوں میں ہے یا بعض میں لیکن وہ حوادث ومصائب کے ساتھ مخصوص ہے یا نہیں؟

راجح امر یہی ہے کہ وہ حوادث کے ساتھ ہی خاص ہے منتقی کی شرح میں شوکانی نے اس کی خوب وضاحت فرمائی ہے اور میں نے اپنی کتاب الروضۃ الندیہ اور مسک الختام میں اس کا کچھ عمدہ حصہ ذکر کیا ہے۔ ''فان خفتم فرجالاً او رکباناً'' [1] بمعنی گھبراہٹ ہے اور رجال رجل کی جمع ہے یا راجل کی اور عربوں کا محاورہ ہے۔ ''رجل الانسان یرجل رجلاً'' جو اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی کو سواری میسر نہ ہو۔

اور وہ پیدل چلے اسی میں سے رجل اور راجل ہے اہل حجاز بولا کرتے ہیں ''مشیٰ فلان الی بیت اللہ حافیا رجلا'' ابن جریر، طبری وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ جب اللہ سبحانہ نے نمازوں پر پابندی کا ذکر کیا پھر حالت خوف کا ذکر فرمایا اور ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جو وہ ممکن حد تک کر سکتے تھے اور وہ اس پر قادر بھی تھے کہ نمازیں ادا کرتے رہیں۔

خواہ پیدل چل رہے ہوں خواہ سوار ہوں جیسے بھی میسر ہو ادا ضرور کریں، اور اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ ممکن حد تک یہ عبادت ہر حالت میں تم پر لازم ہے، جس خوف کی وجہ سے یہ اجازت ملتی ہے اس کی تعیین وتحدید میں ائمہ کا اختلاف ہے جس کی مکمل بحث کتب فروعات میں ہے۔

''فاذا أمنتم'' [2]

''یعنی جب خوف کی حالت دور ہو جائے تو پھر مکمل شرائط وارکان کا لحاظ

---

[1] پس اگر تمہیں ڈر ہو خواہ پیدل خواہ سوار ہر حالت میں نماز پڑھو۔

[2] پس جب تم امن میں ہو جاؤ۔

Marfat.com

رکھتے ہوئے قبلہ رخ ہو کر مکمل طریقے سے نماز ادا کریں''۔

اس کی طرف اس قول میں اشارہ ہے۔

''فاذکروا اللہ کما علمکم''❶

''یعنی جیسے اس نے شرائع کی تعلیم دی ہے''۔

''مالم تکونوا تعلمون''❷ کما کا کاف مصدر محذوف کی صفت ہے''ای ذکراً کائناً کتعلیمہ ایاکم ''اور اس میں اللہ کی نعمت و تعلیم کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ ہمیں تعلیم نہ دیتا تو ہمیں کسی چیز کا بھی علم نہ ہوتا۔''فللّٰہ الحمد کما یلیق''

آیت نمبر ۵۵:

﴿ وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً علی المتقین﴾ (۲۴۱)❸ ہے۔

اس آیت میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ متاع سے مراد متعہ ہے اور وہ ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت خاص ان شادی شدہ عورتوں کے لیے ہے جن سے جماع کیا گیا ہو۔

کیونکہ اس آیت سے قبل ان عورتوں کا متعہ کا ذکر گزرا ہے جن سے جماع نہیں کیا گیا اور ہم نے اس متعہ پر بحث کر دی ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ یہ متعہ ان عورتوں کے لیے خاص ہے جن کو جماع اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دی گئی یا یہ تمام مطلقات کو شامل ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت متعہ واجبہ کو شامل ہے یہ وہی متعہ ہے جو مطلقہ قبل البناء والفرض کو دیا جاتا ہے اور غیر واجبہ کو بھی شامل ہے یعنی دیگر مطلقات کا متعہ

---

❶ تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم دی ہے۔

❷ جو تم نہیں جانتے۔

❸ اس کا ترجمہ ابھی گزر چکا ہے۔

Marfat.com

ان کے لیے صرف مستحب ہے اور عند البعض متعہ سے مراد خرچہ ہے۔

آیت نمبر ۵۶:

﴿ یاایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم ﴾[1] (۲۶۴) ہے۔

صدقات کو باطل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اثر (ثواب) ختم ہو جائے اور اس کا نفع و اجر برباد ہو جائے۔

معنی یہ ہوا کہ احسان و تکلیف دے کر یا کسی ایک کے ساتھ صدقات باطل نہ کرو، اس کے ممنوع ہونے پر احادیث صحیحہ کتب احادیث میں منقول ہیں۔

آیت نمبر ۵۷:

﴿ یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ﴾[2] (۲۶۷) ہے۔

جمہور نے کہا ہے طیبات بمعنی جید و پسندیدہ ہے عبارت یہ ہوگی

''من جید ما کسبتم و مختارہ'' ایک گروہ کا خیال ہے یہاں طیبات سے حلال مراد ہے۔ دونوں معانی مراد لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ عمدہ اور پسندیدہ کمائی کا لفظ شریعت میں حلال ہی پر بولا جاتا ہے گو اہل لغت بلا امتیاز حلال وحرام ہر عمدہ شئی کو جید کہتے ہیں۔ معنی شرعی لغوی معنی پر مقدم ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں اباحت کسب (کمائی کرنا جائز ہے) کی دلیل ہے۔

بخاری نے مقدام سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ کوئی آدمی اپنے ہاتھ سے کمائے ہوئے کھانے سے بہتر کھانا نہیں کھاتا۔ ''ومما اخرجنا لکم من الارض''[3] یعنی

---

[1] اے اہل ایمان اپنے صدقات کو برباد نہ کرو۔

[2] اے اہل ایمان اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو۔

[3] اور جو کچھ ہم نے نکالا زمین سے۔

Marfat.com

زمین کی پاکیزہ چیزیں، یہاں ارض سے پہلے طیبات تھا ماقبل گزر جانے کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اور اس سے مراد نباتات، کانیں اور دفینہ جاہلیت ہے۔ آیت کا تقاضا ہے کہ زمین کی ہر قسم کی پیداوار میں زکوٰۃ (عشر) ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پیداوار ہے جسے لوگ اپنے اختیار سے کاشت کریں اور وہ نصاب کو پہنچ جائے جیسے کھجور اور انگور ہیں۔ مسائل کی کتب میں مذاہب کی تفصیل موجود ہے۔

''ولا تیمموا الخبیث'' یعنی ردی مال کے خرچ کا ارادہ نہ کرو، اس آیت میں اچھا مال خرچ کرنے کا حکم ہے اور ردی مال خرچ کرنے سے منع کیا گیا ہے، سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس آیت میں فرضی صدقے (زکوٰۃ) کا ذکر ہے دوسری کا خیال ہے کہ یہ فرضی ونفلی دونوں کو شامل ہے اور ظاہر ہے بھی یہی۔ اور تنفقون سے پہلے ظرف (منہ) کے بیان سے تخصیص پیدا ہوگئی ہے یعنی ردی چیز خرچ کرنے کو مت خاص کرو کہ تم انفاق کے لیے اسی کو متعین کرو۔

''ولستم باخذیہ'' [1]

''اور حالت یہ ہے کہ تم کسی وقت بھی اپنے معاملات میں اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہو''۔

جمہور نے یہی معنی بیان کیے ہیں بعض نے کہا ہے کہ اگر ردی چیز بازار میں فروخت ہو رہی ہو تو تم کبھی بھی اس کو نہ خریدو گے۔ ''الا ان تغمضوا فیہ'' [2] ایک محاورہ ہے۔ ''اغمض الرجل فی امر کذا'' ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی آدمی سستی کرے اور جو کچھ ملتا ہے اسی کو وصول کرے اور چشم پوشی کرے۔

---

[1] حالانکہ تم خود وہ لینے کو تیار نہیں ہو۔

[2] الا یہ کہ اس کے قبول کرنے میں تم اغماض برتو۔

Marfat.com

آیت نمبر ۵۸:

﴿ واحل الله البيع وحرم الربوٰا ﴾[1] (۲۷۵) ہے۔

لغت میں ربا کا معنی ہوتا ہے مطلق زیادتی اور شرع میں اس کے دو استعمالات ہیں۔

(۱) اضافے کا سود۔

(۲) ادھار کا سود، جیسا کہ کتب فروع میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آتا تو مالک مقروض سے کہتا کہ تو قرضہ ادا کرے گا یا سود دے گا؟ جب وہ قرض ادا نہ کرتا تو وہ قرضے میں اضافہ کر دیتا اور ایک وقت تک اسے مزید مہلت دے دیتا اور یہ بالاتفاق حرام ہے۔

آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ نے بیع حلال کی ہے اور اس کی ایک قسم جو سود ہے اسے حرام کر دیا ہے اور ''بیع'' ''بـاع يبيع'' کا مصدر ہے یعنی عوض دیا اور معوض لیا' اور احادیث کا وافر ذخیرہ موجود ہے جن سے سود کے گناہ کا بڑا ہونا معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک حدیث عبداللہ بن مسعود کی ہے جو حاکم اور بیہقی میں ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''سود کے تہتر درجات ہیں سب سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے اور سب سے بڑا درجہ مسلمان کی بے عزتی کرنا ہے''۔

اور یہ معنی کچھ کمی کے اختلاف کے ساتھ کئی صحابہ سے مروی ہے ان میں سے عبداللہ بن سلام، کعب اور ابن عباس ہیں اس مسئلہ میں مکمل گفتگو 'مسک الختام' بلوغ المرام کی شرح میں ہے اس طرف رجوع کرنا چاہیے۔

---

[1] اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال و جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر ۵۹:

﴿ وان تبتم .... الخ ﴾ [1] (۲۷۹) ہے۔

''یعنی اگر تم سود سے توبہ کرو تو تمہیں تمہاری اصل رقم مل جائے گی یعنی تم اس کے وصول کرنے کے مجاز ہو تو اپنے مقروضوں سے زیادہ وصولی کر کے ظلم نہ کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا ان کی طرف سے''۔

کہ وہ ٹالنے کی کوشش کریں یا کم دینے کی، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ باوجود ان کی عدم توبہ کے ان کے مال ان کے لیے حلال ہیں مگر اس آدمی کے لیے جو ائمہ وغیرہ سے وصول کرے اور اس سے پہلی آیت ''فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ'' نے اس مسئلہ پر دلالت کی ہے کہ سود کھانا اور یہ عمل کرنا کبیرہ گناہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

آیت نمبر ۶۰:

﴿ وان كان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة ﴾ [2] ہے۔(۲۸۰)

پہلی آیت میں جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ سودی لوگ اپنے اصل مال کے مستحق ہیں یعنی جن لوگوں کے پاس وہ اپنا مال موجود پائیں (لے لیں) تو اس آیت میں تنگ دست لوگوں کو آسانی وخوشحالی تک مہلت دینے کا حکم دیا ہے۔ اور عسرۃ بمعنی مال نہ ہونے کی وجہ سے مفلوک الحال ہونا، اور اسی سے جیش العسرۃ بھی ماخوذ ہے۔ اور نظرۃ بمعنی تاخیر ومہلت ہے۔ اور میسرۃ مصدر ہے بمعنی آسانی 'اور ذو کان تامہ (بمعنی وجد)

---

[1] اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں تمہارے اصل اموال مل جائیں گے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

[2] اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تمہیں علم ہو تو خیرات کرنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔

Marfat.com

کی وجہ سے مرفوع ہے یہ سیبویہ اور ابوعلی فارسی وغیرہ کا قول ہے اور حضرت ابی کے مصحف میں ''وان کانَ ذا عسرة'' ہے اصل عبارت یہ ہوگی۔

''وان کان المطلوب ذا عسرة'' اس لحاظ سے یہ آیت سودی لوگوں سے متعلق ہوگی اور جس نے ذو پڑھا ہے تو اس کے نزدیک یہ مقروض لوگوں کے لیے خاص ہوگی اور جمہور ائمہ کا یہی خیال ہے۔ اور تمہارا صدقہ کرنا اپنے تنگ دست مقروضوں کو معاف کر کے تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس میں انہیں رغبت دلائی جارہی ہے کہ وہ اپنے کل مال یا ان سے کچھ حصہ تنگ دست کو معاف کر دیا کریں اور اس کو مہلت دینے سے بہتر قرار دیا ہے یہ سدی، ابن زید اور ضحاک کا قول ہے۔

دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ آیت کا معنی ہے کہ تمہارا صدقہ کرنا مالدار اور فقیر پر تمہارے لیے بہتر ہے، اول ہی صحیح ہے، اس آیت میں غنی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ''ان کنتم تعلمون'' اس کا جواب محذوف ہے یعنی اگر تم جانتے کہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے تو تم اس کے ساتھ عمل کرتے۔ اور صحیحین وغیرہ میں احادیث مروی ہیں جن میں مالک کو ہدایت وترغیب دی گئی ہے کہ وہ تنگ دست کو مہلت دے۔

آیت نمبر ۶۱:

﴿ یاایها الذین آمنوا اذا تداینتم بدین ﴾ [1] (۲۸۲) ہے۔

سود کے بیان کے بعد مداینت کا تذکرہ ہے جو لوگوں میں واقع ہے یعنی جب بعض بعض سے قرضے کا معاملہ کرے اور لین دین کرے عام اس سے کہ وہ دینے والا ہے یا لینے

---

[1] اے ایمان والو! جب کسی مقررہ وقت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو فریقین میں انصاف سے ایک شخص (کاتب) تحریر کرے۔

Marfat.com

والا (تو لکھنا ضروری ہے) دَین ہر وہ معاملہ ہے جس میں سے ایک عوض نقد ہو اور دوسرا واجب الاداء ادھار ہو اور اہل عرب کے ہاں عین کا معنی ہے حاضر اور دَین وہ ہے جو غائب ہو اور اسی معنی کو اللہ نے الی اجل مسمیٰ کہہ کر بیان کیا ہے اور اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ وقت مجہول (پر بیع کرنا) جائز نہیں ہے۔

اور خصوصاً بیع سلم میں، اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو بیع سلم کرے اسے چاہیے کہ معلوم ناپ، معلوم وقت تک کرے، جمہور کا یہی خیال ہے اور انہوں نے شرط لگائی ہے کہ اس میں دنوں یا مہینوں یا سالوں کی قید ہو اور یہ شرط لگانا صحیح نہیں کہ کھیتی کٹنے تک یا گاہنے تک یا قافلہ لوٹنے تک یا اس قسم کی کوئی دوسری قید لگانا، اور مالک نے اسے جائز قرار دیا ہے ''فاکتبوہ'' یعنی دَین کا ٹائم لکھ لو خواہ وہ بیع ہو یا ادھار ہو یا قرض ہو کیونکہ اس سے جھگڑا بالکل ختم ہوتا ہے اور اختلاف بھی رفع ہوتا ہے۔

''ولیکتب بینکم کاتب'' یہ اس کتابت کی کیفیت کا بیان ہے جس کا حکم دیا گیا ہے اور امر کا ظاہر وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور عطاء اور شعبی وغیرہ نے یہی کہا ہے اور انہوں نے کاتب پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ لکھے جب اس سے مطالبہ کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی کاتب نہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ امر ندب کے لیے ہے۔ جمہور کا یہی خیال ہے۔ بالعدل یہ کاتب کی صفت ہے یعنی کاتب کائن بالعدل یعنی وہ بالکل برابر لکھے نہ اضافہ کرے اور نہ کم کرے اور کسی ایک طرف مائل نہ ہو جائے۔ اور یہ مداینین کو حکم ہے کہ وہ ایسے کاتب کو پسند کریں جو اس صفت سے متصف ہو۔ اس کے دل اور قلم میں کسی کے لیے (دوسرے کے خلاف) نرمی نہ ہو بلکہ وہ ان کے درمیان حق وعدل تلاش کرے۔

''ولا یأب کاتب'' [1] یہ کاتب (نکرہ ہے) نفی کے بعد آنے کی وجہ سے

---

[1] کوئی کاتب اللہ کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق لکھنے سے انکار نہ کرے۔

Marfat.com

عام ہے یعنی کوئی بھی کاتب کتابت دَین لکھنے سے انکار نہ کرے جس طریقے سے اسے اللہ نے کتابت کی تعلیم دی ہے یا جیسے اس کو اللہ نے عدل کی تعلیم دی ہے اسے لکھنا چاہیے۔

''ولیملل الخ'' [1] املال او املاء دو لغت ہیں پہلی لغت اہل حجاز اور بنی اسد کی ہے اور دوسری بنی تمیم کی لغت ہے، اس آیت میں ''لیملل'' پہلی لغت کے مطابق ہے اور دوسری لغت کے مطابق بھی قرآن میں الفاظ ہیں جیسے ''فھی تملیٰ علیہ بکرۃ و اصیلاً''، ''الذی علیہ الحق'' یہ وہ شخص ہے جس کے ذمے قرضہ ہے اس کو اللہ نے لکھانے کا حکم دیا ہے کیونکہ شہادت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے ذمے قرضے کا اقرار کرے اور اللہ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ کاتب کو لکھاتے وقت ڈرے۔

اس بارے میں اللہ نے ''ولیتق اللہ ربہ'' مبالغہ کیا ہے بایں طور کہ اسم اور وصف دونوں جمع کیے ہیں۔ اور ''ولا یبخس منہ شیئاً'' کہہ کر نقصان و کمی سے منع کیا ہے۔ بعض نے کہا یہ کاتب کو خطاب ہے مگر پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ جس شخص کے ذمے قرض ہے اس سے تو کمی کا احتمال ہے اور اگر یہ نہی کاتب کو ہوتی تو پھر کمی روکنے پر اکتفاء نہ ہوتا کیونکہ اس سے تو زیادتی کی بھی توقع ہے جس طرح اس سے کمی کی توقع ہے۔

آیت ۶۲:

﴿فان کان الذی علیہ الحق﴾ [2] (۲۸۲) ہے۔

---

[1] اور جس کے ذمے قرض کی ادائیگی ہے وہ لکھائے اور اپنے رب سے ڈرے کسی قسم کی کمی نہ کرے۔

[2] یعنی جس کے ذمے حق ہے اگر وہ بیوقوف ہو یا کمزور ہو یا لکھا نہ سکتا ہو تو اس کا ولی عدل و انصاف سے لکھا دے۔

Marfat.com

خوب وضاحت اور بیان کے لیے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا گیا ہے۔

''سفیہ'' وہ ہے جو اچھی طرح تصرف کرنے پر قادر نہ ہو اور وہ لینے دینے کا عمل اچھی طرح نہ کر سکتا ہو۔ ''سفیہ'' کو ''ثوب سفیہ'' (جو ہلکا بنا ہوا ہو) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ قصہ مختصر کہ سفیہ سے یہاں فضول خرچ مراد ہے یا اس لیے کہ وہ تصرفات سے ناواقف ہے یا وہ مال کو بیکار ضائع کرتا ہے، حالانکہ وہ صحیح امر سے ناواقف نہیں ہوتا۔

بعض نے کہا ہے کہ اس سے وہ بچہ مراد ہے جو لکھوا نہ سکتا ہو ''او ضعیفاً'' اور ضعیف سے مراد شیخ کبیر یا بچہ ہے، اہل لغت کا خیال ہے کہ ضعف (ضاد کے ضمہ سے) کا تعلق بدن سے ہے اور ضعف (ضاد کے فتح سے) کا تعلق رائے سے ہوتا ہے۔ ''او (الذی) لا یستطیع ان یمل ھو'' یعنی یا وہ شخص لکھوا نہ سکتا ہو کہ وہ گونگا ہے یا عاجز ہے یا قیدی ہے یا غائب ہے کہ کاتب کے پاس آ نہیں سکتا، مقصد یہ ہوا کہ جسے لکھوانا تھا لکھوا نہ سکتا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضعیف وہ ہے جس کی عقل کمزور ہو سمجھ ناقص ہو لکھوانے سے عاجز ہو اور جو لکھوا نہ سکتا ہو مثلاً وہ بچہ ہے۔

''فلیملل ولیه بالعدل'' (ولیہ کی) ضمیر ''الذی علیه الحق'' (جس پر حق ہے) کی طرف راجع ہے، یعنی بیوقوف کے عدم تصرف کی بناء پر اس کا ولی بااختیار لکھوائے، اور بچے کی طرف سے اس کا وصی (جس کو وصیت کی جائے) یا ولی لکھوائے اور اس طرح ضعف کی بنا پر جو لکھانے سے عاجز ہے اس کا بھی ولی لکھوائے کیونکہ وہ بچے کے حکم میں داخل ہے یا امام اور قاضی کی طرف سے قائم کردہ ولی لکھوائے، جب ایک آدمی صحیح العقل ہو مگر اس کی زبان میں کوئی رکاوٹ ہو یا وہ جاہل ہو۔ اچھی طرح لکھوا نہیں سکتا تو اس کی طرف سے اس کا وکیل لکھوائے۔

طبری فرماتے ہیں کہ ولیہ کی ضمیر حق کی طرف راجع ہے مگر یہ قول بہت ہی ضعیف ہے۔ امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ سفیہ جس کو تصرفات سے روک

Marfat.com

دیا گیا ہو ولی کے ورے اس کا تصرف بالاجماع فاسد ہے ہمیشہ منسوخ ہے نہ کوئی حکم واجب کرتا ہے اور نہ وہ موثر ہے، وہ سفیہ جس کو تصرفات سے منع کیا گیا اس کے تصرف میں اختلاف ہے۔

آیت نمبر ۶۳:

﴿ واستشهدوا ﴾ (۲۸۲) ہے۔

''استشہاد'' کا معنی ہوتا ہے شہادت طلب کرنا، یہاں شاہدین کو شہادت سے قبل ہی شاہدین سے تعبیر کرنا مجاز ہے۔ کیونکہ بعد میں وہ شہادت دیں گے۔

''من رجالکم'' یہ ''استشھدوا'' کے متعلق ہے یعنی مسلمانوں کو گواہ بناؤ، اس سے کفار کا گواہ بننا ختم ہو گیا اور ایسی کوئی بھی دلیل نہیں ہے جس سے غلاموں کو نکالا جائے کیونکہ جب وہ مسلمان ہیں تو ''رجال المسلمین'' میں داخل ہیں۔ یہی خیال شریح، عثمان بتی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ اور ابوثور کا ہے۔

ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور جمہور فرماتے ہیں کہ غلام کی شہادت جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں غلامی کی کمزوری ہے، شعبی اور نخعی کا خیال ہے کہ تھوڑی سی چیز میں صحیح ہے زیادہ میں نہیں، اور جمہور علماء نے عدم جواز کی دلیل یہ دی ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں کو خطاب ہے جو مدینہ میں کاروبار کرتے تھے اور وہاں غلاموں کے پاس مال ہی نہ تھا جس میں یہ معاملہ جاری ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ احکام میں لفظ کے عموم کا لحاظ رکھا جاتا ہے سبب نزول کا نہیں ہوتا اور دوسری بات یہ ہے کہ غلام کو جب آقا اجازت دے دے تو اس کے تمام معاملات اور مداینت صحیح ہے، اور لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ گواہ مقرر کرنا واجب ہے یا مندوب؟

حضرت ابوموسیٰ اشعری، ابن عمر، ضحاک، عطاء، سعید بن مسیب، جابر بن زید، مجاہد، داؤد بن علی ظاہری اور اس کا بیٹا کہتا ہے کہ واجب ہے۔ ابن جریر طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ امام شعبی، حسن، مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی اس بات

Marfat.com

کے قائل ہیں کہ یہ مندوب ہے، ائمہ کا یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ بیع میں گواہ بنانا واجب ہے جولوگ وجوب کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ قول باری تعالیٰ:

'' واشهدوا اذا تبايعتم '' ہے۔

اس امر اور '' استشهدوا '' میں کوئی فرق نہیں ہے تو جولوگ بیع میں گواہ مقرر کرنا واجب سمجھتے ہیں انہیں لازم ہے کہ وہ مداینت میں بھی قائل رہیں۔ '' فان لم يكونا '' اگر گواہ دو آدمی نہ ہوں تو ایک آدمی اور دو عورتیں گواہی دیں۔ '' ممن ترضون من الشهداء '' یعنی جو گواہ تمہیں پسند ہوں یعنی ان کا دین وعدالت تمہیں پسند ہے، اس میں اشارہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے ساتھ قبول ہوگی۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اکیلی عورتوں کی شہادت لائق قبول نہیں ہے، سوائے ان معاملات کے جن کا انہی سے علم ہوسکتا ہے، اس میں اختلاف ہے جس طرح ایک آدمی کی گواہی اور مدعی کی قسم سے فیصلہ ہو جاتا ہے تو کیا اس طرح دو عورتوں کی شہادت اور مدعی کی قسم سے فیصلہ ہوسکتا ہے مالک اور شافعی جائز کہتے ہیں، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کو ایک آدمی کے قائم مقام کیا ہے۔

ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی عدم جواز کے قائل ہیں اور اس اختلاف کی بنیاد اس اختلاف پر ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے فیصلہ ہوسکتا ہے، صحیح بات یہی ہے کہ دلیل سے ثابت ہے کہ جائز ہے اور وہ زیادتی کتاب عزیز کے خلاف نہیں ہے۔ اسے قبول کرنا ضروری ہے۔ علامہ شوکانی نے منتقی کی شرح اور دیگر اپنی تالیفات میں اس مسئلہ کو خوب وضاحت سے لکھا ہے۔

ہر سمجھدار آدمی سمجھتا ہے کہ اس آیت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے جس سے آنحضرت ﷺ کے فیصلے کو رد کیا جائے جو آپ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم سے کیا ہے اس فیصلہ کو رد کرنے کے لیے لوگوں کے پاس صرف ایک قاعدہ ہے جس کی بنیاد گرنے والی وادی کے کنارے پر ہے یعنی بے بنیاد ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نص پر زیادتی نسخ

Marfat.com

ہے۔ اور یہ دعویٰ باطل ہے بلکہ نص پر زیادتی شریعت سے ثابت ہے جس نے نص مقدم بیان کی ہے اسی نے یہ بھی بیان کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کو چاہیے کہ مطلوب کے الٹ جانے کے ساتھ نہ فیصلہ کریں اور مدعی پر یمین رد نہ کریں حالانکہ انہوں نے ایسا کیا ہے یہ خوب جواب ہے اسے یاد کرلو، اور ہم نے اپنے رسالہ ''حصول المامول من علم الاصول'' میں زیادتی کا حکم خوب واضح کر دیا ہے اور ''مسک الختام'' میں ہم نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ شاہد اور قسم سے فیصلہ ہوسکتا ہے، ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ''ان تضل احدھما'' ابو عبید نے کہا ہے کہ ''تضل'' کا معنی بھول جانا، یعنی وہ عقل وضبط کی کمی کی وجہ سے بھول جائے، اور شہادت کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ حصہ بھول جائے اور کچھ حصہ یاد ہو۔

حمزہ قاری نے ''ان تضل'' (ہمزہ کی زیر سے) پڑھا ہے اس قرأت کی بنا پر جواب شرط فتذکر ہوگا اور جمہور کے نزدیک اس کا عطف تضل پر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور جس نے مرفوع پڑھا ہے اس کے ہاں الگ جملہ ہوگا۔ ابن کثیر اور ابو عمر نے ذال اور کاف کی تخفیف سے پڑھا ہے معنی یہ ہوگا کہ اس کو خوب یاد کرے، عام لوگوں کی قرأت تشدید سے ہے یعنی جب وہ غافل ہوجائے اور بھول جائے تو اسے تنبیہ کردے۔

یہ آیت عورتوں کے متعدد ہونے کی علت وسبب ہے۔ معنی یہ ہوا کہ ایک آدمی گواہ بنایا جائے اور دوسرے آدمی کی جگہ دو عورتیں گواہ بنائی جائیں تاکہ جب ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرادے، اس انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ عبارت محذوف ہے وہ یہ ہے کہ کوئی پوچھنے والا کہہ سکتا ہے ایک آدمی کی جگہ دو عورتوں کی کیا ضرورت تھی، تو جواب دیا جائے گا اس لیے کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے فی الحقیقۃ علت تذکیر (یاد دلانا) ہے مگر بھول جانا تذکیر کا سبب ہے تو اس کو اس کے قائم مقام کردیا گیا ہے۔

Marfat.com

اور تضل اور تذکر میں فاعل کو مبہم رکھا گیا ہے کیونکہ اس پر بھی دونوں وصف جاری ہو سکتے ہیں، معنی یہ ہوا کہ اگر یہ بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے اور اگر وہ بھول جائے تو یہ اسے یاد دلا دے یہاں تعیین نہیں ہے اور دونوں میں تذکیر کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے کمزور ہیں۔

اس ابہام کی وجہ کبھی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ بھولنا اور یاد دلانا ان میں باری باری واقع ہوتا ہے یعنی ایک ان میں سے ایک وجہ سے بھول جاتی ہے اور دوسری کسی دوسری وجہ سے بھول جاتی ہے تو ہر ایک دوسری کو یاد دلاتی ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ ''فتذکر احدا ھما الاخری '' کا معنی ہے وہ اس کو مذکر بنا دے یعنی دو عورتوں کی اجتماعی شہادت ایک آدمی کی شہادت کے برابر ہے، اسی طرح ابو عمرو بن علاء سے بھی مروی ہے کہ بلا شک یہ مذہب غلط ہے اس کو نہ شرع کی تائید حاصل ہے اور نہ اس پر لغت و عقل کی دلالت ہے۔

آیت نمبر ۶۴:

﴿ ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا ﴾ ہے۔(۲۸۲)

یعنی جب گواہوں کو شہادت دینے کے لیے بلایا جائے (جو شہادت وہ پہلے سے اٹھائے ہوئے ہیں) تو وہ انکار نہ کریں، اور بعض نے کہا ہے کہ شہادت کو اٹھانے کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں اور اس صورت میں ان کو شہداء کہنا مجاز ہے۔

''کما تقدم'' حسن بصری نے اس کو دونوں معنوں پر حمل کیا ہے، اور نہی کا تقاضا ہے شہادت نہ دینا حرام ہے۔

آیت نمبر ۶۵:

﴿ ولا تسئموآ ﴾ (۲۸۲) ہے۔

''اے اہل ایمان! یا اے معاملات کے وارثو! یا اے گواہو! جو تم نے لین

Marfat.com

دین کیا ہے اس کے لکھنے سے اکتاؤ مت"۔

بعض نے کہا ہے کہ حق مراد ہے، بعض نے کہا ہے کہ شاہد ہے، بعض نے کہا ہے کتاب ہے۔ ان سب سے رب تعالیٰ نے منع کیا ہے کیونکہ بعض دفعہ کثرت مداینت سے لوگ لکھنے سے اکتا جاتے ہیں پھر مبالغۃً فرمایا کہ تھوڑا ہو یا زیادہ یعنی کسی بھی وقت لکھنے سے مت گریز کرو ہر حالت میں لکھو قرض تھوڑا ہو یا زیادہ، اہتمام کے لیے یہاں صغیر کو مقدم کیا گیا ہے اور وہم دور کرنے کے لیے ہوسکتا ہے کہ کہا جائے یہ تھوڑا سا مال ہے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ حکم مفروض (جس کی طرف تکتبوہ میں اشارہ ہے) اللہ کے ہاں بہت عدل والا، حفاظت والا اور صحیح ہے اور شہادت قائم کرنے پر خوب معاون ہے اور مثبت ہے اور یہ اُقام سے ماخوذ ہے اور اسی طرح اُقسط فعل اُقسط سے ماخوذ ہے۔ اور سیبویہ کا بیان ہے کہ یہ "افعل التفضیل" کا وزن قانونی وقیاسی ہے، اور یہ اس بات کے بہت قریب ہے کہ تم اس میں شک نہ کرو یعنی تمہارے معاملات میں شک وریب بالکل ختم ہو جائے گا کیونکہ تمہارے اس عمل سے ہر قسم کا شک لاحق ہونے کا وہم ختم ہو جائے گا۔

"الا ان تکون" عربی قاعدے کے مطابق یہ اول کلام سے استثناء ہے اور یہ منصوب ہے (اعمش) اور کان (عربی قاعدے کے مطابق) تامہ ہے معنی یہ ہوگا کہ "الا ان یقع اویوجد" اور استثناء منقطع ہے یعنی جب تمہاری خرید وفروخت میں بدلین موجود ہوں کہ ہر ایک اپنا اپنا قبضہ کرلے اس کا مطلب یہ ہے کہ ادھار نہ ہو بلکہ نقد بنقد ہو تو ایسی صورت میں عدم کتابت باعث گناہ نہیں ہے یعنی کتابت وتحریر نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" واشھدوا اذاتبایعتم "یہاں" تبایعتم" سے مراد ہے کہ تجارت نقد وبنقد ہو تو اس میں صرف گواہ بنانا ہی کافی ہے "کذا قیل" اور یہ بھی ہے کہ تم جس انداز کی بیع کرو خواہ نقد ہو یا ادھار (گواہ بنالو) کیونکہ اس سے اختلاف کی جڑ کٹ جائے گی، اور غیر سے جھگڑے کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور ابھی

Marfat.com

ائمہ کا اختلاف گزرا ہے کہ یہ گواہی واجب ہے یا مندوب۔

آیت نمبر ٦٦ :

﴿ ولا یضار کاتب ولا شهید ﴾ (۲۸۲)

''یضار''میں دو احتمال ہیں کہ یہ معروف ہے یا مجہول، اول صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ نہ تکلیف دے کاتب وشہید اس کو جس نے ان سے کتابت وگواہی طلب کی ہے بایں انداز کہ اس کی دعوت قبول نہ کی جائے یا کتاب میں تحریف وتبدیل، زیادہ ونقصان کا ارتکاب کیا جائے، اسی معنی کی تائید میں حضرت عمر بن خطاب، ابن عباس اور ابن ابی اسحاق کی قرأت ہے''ولا یضارر''رائے اولیٰ کی زیر سے بھی ہے۔

صورت دوم میں''لا یضار کاتب ولا شهید''کا معنی ہوگا کہ انہیں کتابت وگواہی کے لیے اس وقت بلایا جائے کہ وہ اپنے کسی اہم کام میں مصروف ہوں اور ان کو تنگ کیا جائے اگر ان کی طرف سے رضا مندی بھی ظاہر ہو تو پھر بھی ان کو تکلیف دی جائے یا انہیں بڑی دور سے بلایا جائے۔

عبداللہ بن مسعود کی قرأت''ولا یضارر''(رائے اولیٰ کی فتح سے) اس کی تائید کرتی ہے اور باب مفاعلہ کا صیغہ ان دونوں معنی کے اختیار کرنے پر دلالت کرتا ہے اور اگر تم نے ممنوعہ تکلیف کسی کو دی تو یہ تمہارا فعل برا ہے یعنی تم نے نیکی چھوڑ کر معصیت کا راستہ اختیار کیا ہے۔

آیت نمبر ٦٧ :

﴿ وان کنتم علی سفر ﴾ (۲۸۳) ہے۔

جب اللہ نے اموالْ کے تحفظ اور شک وشبہ دور کرنے کے لیے کتابت وگواہی کا ذکر کیا تو اس کے بعد اس کی دوسری حالت کا ذکر کیا ہے کہ جب کاتب مفقود ہو۔ اور سفر کا خاص ذکر اس لیے کیا ہے کہ عذر کی شکلوں میں سے حالت سفر ایک عذر ہے۔

اور ہر وہ عذر جو قائم مقام سفر کے ہو وہ بھی اسی سے ملحق ہے اور رھان

Marfat.com

مقبوضہ (وہ گروی چیز جس پر قبضہ ہو) کتابت کا قائم مقام ہے یعنی اگر تم مسافر ہو اور سفر میں کاتب نہیں ملتا تو پھر کوئی چیز گروی رکھ لی جائے۔

اہل علم کا خیال ہے کہ نص قرآنی سے سفر میں گرو ثابت ہے۔ اور فعل رسول ﷺ سے حضر میں گرو ثابت ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم میں آتا ہے آپ ﷺ نے بطور گرو اپنی ایک زرع ایک یہودی کے پاس رکھی تھی۔

جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ مرہونہ چیز پر قبضہ ضروری ہے اور دلیل میں لفظ مقبوضہ پیش کیا جاتا ہے۔ امام مالک کا خیال ہے کہ گرو ایجاب وقبول سے صحیح ہے خواہ قبضہ نہ بھی ہو۔

آیت نمبر ۶۸:

﴿ولا تکتموا الشهادة﴾ ہے۔

گواہوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ جب ان کو شہادت کے لیے بلایا جائے تو انہیں شہادت چھپانی نہیں چاہیے اور یہ قول ''ولا یضار کاتب ولا شهید'' کی تفسیر ہے یعنی وہ تکلیف نہ دے یہ اس صورت میں ہے کہ جب رائے اولیٰ مکسور ہو، پہلے جو دو تفسیریں گزری ہیں ان میں سے ایک کے مطابق ہے

''ومن یکتمها فانه آثم قلبه'' یہاں دل کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ چھپانا اس کا کام ہے اور وہ اعضاء بدن کا سردار ہے اور یہ وہی ٹکڑا ہے کہ اگر وہ صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے اور اگر وہ خراب ہے تو سارا جسم خراب ہے اور فعل کی اسناد دل کی طرف بہت بلیغ ہے اور اس میں صراحت ہے کہ آدمی اپنے اعمال قلبی کے سبب قابل مواخذہ ہوگا۔

اور قلب پر رفع (پیش) فاعل ہونے کی وجہ سے یا مبتدا ہونے کی بنا پر ہے اور آثم خبر ہے جیسا کہ علم نحو میں موجود ہے اور یہ بھی جائز ہے ''قلبه'' آثم سے ''بدل البعض من الکل'' ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے یہ آثم کی ضمیر سے بدل ہو جو من کی طرف

Marfat.com

راجع ہے اور قلبہ (زبر) سے بھی پڑھا ہے جیسا کہ

''الا من سفہ نفسہ ''میں ہے، بخاری نے اپنی تاریخ میں ابوداؤد، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن ماجۃ، ابونعیم اور بیہقی نے ابوسعید خدری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے یہ آیت ''یاایھا الذین امنو اذا تداینتم بدین '''' فان امن بعضکم بعضاً '' تک پڑھی اور یہ کہ اس نے ماقبل کو منسوخ کر دیا ہے۔ شوکانی مرحوم فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ اس جلیل الشان صحابی سے راضی ہو جائے، کہ یہ منسوخ ہونے والی آیت نہیں ہے، البتہ یہ امن (بے خوف) سے متعلق ہے اور اول عدم امن سے تعلق رکھتی ہے۔

لہٰذا یہ محکم غیر منسوخ الحکم ہے (اھ) میرا خیال ہے کہ جب تک تطبیق وتاویل کا راستہ ممکن ہو اسے اختیار کرنا بہت بہتر ہے تاکہ نسخ کا دعویٰ کرنا اور دو حکموں میں سے ایک کو لغو قرار دینا پڑے جیسا کہ میں نے: ''افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ ''میں تحقیق کر دی ہے۔

ابن جریر نے صحیح سند سے سعید بن میتب سے نقل کیا ہے کہ ان کے علم کے مطابق سب سے آخری آیت یہ ہی نازل ہوئی ہے۔

(سورۃ البقرہ کی غیر منسوخہ آیات کی تفسیر ختم ہوگئی ہے)

Marfat.com

سورۃ آل عمران

یہ سورۃ آل عمران ہے، اس کی دوسو آیات ہیں ۔ یہ مدنی سورت ہے، قرطبی نے کہا ہے یہ بالاتفاق مدنی ہے، آل عمران اور سورۃ البقرۃ کے مشترکہ فضائل کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں۔

آیت نمبرا:

﴿لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین﴾ ہے۔(۲۸)

اس آیت میں اہل ایمان کو روکا گیا ہے کہ وہ کسی انداز کی بھی کفار سے دوستی نہ رکھیں، دوسری جگہ ارشاد ہے: "لا تتخذوا بطانة من دونکم" (الآیہ)[1]
ایک دوسرے مقام پر ہے "ومن یتولھم منکم فانه منھم"[2] (الآیہ) ایک دوسرے مقام پر ہے "لا تجد قوماً یومنون بالله"[3] قول باری تعالیٰ ہے: "لا تتخذوا الیھود و النصاریٰ اولیاء"[4] ایک دوسری جگہ ہے" یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء"[5]، "ومن یفعل ذلک" یعنی جو شخص ان سے دوستی کرے گا (ذلک کا اشارہ اتخاذ کی طرف ہے جو لا یتخذ میں ہے)

---

[1] نہ بناؤ اپنے علاوہ کسی کو دوست۔

[2] جس نے ان سے دوستی کی تم میں سے وہ انہیں میں سے ہوگا۔

[3] نہیں تو پائے گا کوئی قوم جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے......الخ۔

[4] نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست۔

[5] اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو مت دوست بناؤ۔

Marfat.com

اس کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی دوستی نہیں ہے بلکہ وہ ہر حال میں لاتعلق ہے، ''الا ان تتقوا منھم تقاۃ'' (یہ بطور التفات صیغہ خطاب ہے) الا یہ کہ تمہیں ان سے کسی قسم کا خوف ہو جس سے بچاؤ ضروری ہو تو پھر دوستی ہوسکتی ہے ورنہ کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے، یہی مفاد ''وھو استثناء مفرغ من اعم الاحوال'' کا ہے اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ خوف کے ہوتے ہوئے ان سے دوستی ہوسکتی ہے مگر یہ دوستی بالکل ظاہری انداز کی نہ باطنی و حقیقی، سلف کی ایک قوم نے اس امر کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے غالب آنے کے بعد کوئی (تقیہ) خوف نہیں ہے۔

آیت نمبر۲:

﴿ولله على الناس حج البيت﴾ (۹۷) ہے۔

''لله'' کے لام کو لام الایجاب والالزام (فرضیت و جوب کا لام) کہا جاتا ہے پھر اس حکم کی تائید کے لیے حرف علیٰ کا اضافہ کیا ہے جو اہل عرب کے ہاں وجوب و فرضیت پر واضح دال ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''لفلان علی کذا'' [1] اللہ سبحانہ نے فریضہ حج کی تاکید و تعظیم کرتے ہوئے اس کا تذکرہ (جو دال علی الوجوب ہے) بڑے بلیغانہ انداز سے کیا ہے۔

یہ خطاب تمام افراد انسانی کے لیے ہے صرف دلیل مخصص سے کسی کی تخصیص کی جا سکتی ہے جیسے بچہ اور غلام ہیں۔ '' من استطاع اليه سبيلاً'' اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ استطاعت کیا ہے؟ تو کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد، زاد اور راحلہ ہے، یہی تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے بھی کی ہے۔

مستدرک حاکم وغیرہ، صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے

---

[1] فلاں آدمی کا میرے ذمہ اتنا قرضہ ہے۔

Marfat.com

اور امام ترمذی نے اکثر اہل علم سے یہ نقل کیا ہے اور یہی حق ہے، امام مالک کا خیال ہے کہ جب آدمی کو قوت پر اعتماد ہو اور کمائی کرنے پر قادر ہو اس پر حج فرض ہے گو اس کے پاس زاد و راحلہ نہیں ہے، یہی خیال عبداللہ بن زبیر، شعبی اور عکرمہ کا ہے، ضحاک کا خیال ہے کہ اگر وہ نوجوان وطاقتور ہے اور اس کے پاس مال نہیں ہے تو وہ مزدوری کر کے حج ادا کرے۔ اور استطاعت میں (بحیثیت دخول اولی) یہ بھی داخل ہے کہ راستہ پر امن ہو اور اس انداز سے کہ حاجی اپنے جان و مال (جس کے علاوہ اس کے پاس دوسرا کوئی مال نہیں ہے) کو محفوظ سمجھتا ہو، اگر وہ راستہ میں مطمئن نہیں ہے تو اس کے پاس استطاعت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "من استطاع الیہ سبیلا" اور یہ بلاشبہ اپنی جان و مال پر خائف، اس طرف جانے والے راستے پر قادر نہیں ہے۔

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ جب راستے میں کچھ ایسے ظالم لوگ بیٹھے ہوں جو لوگوں کا کچھ مال چھین لیں اور حاجی کا سارا زادراہ ہلاک نہ کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟ شافعی کا خیال ہے کہ اس کو کچھ نہ دے اور اس سے فریضہ حج ساقط ہو جاتا ہے ایک جماعت نے امام شافعی سے موافقت کی ہے اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو آدمی زاد و راحلہ پر قادر ہے اور راستہ بھی پر امن ہے کہ اسے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے (گو وہ ظالموں کو کچھ دے کر ہی جائے جس سے اس کے زادراہ میں کمی نہ ہو اور نہ وہ اس کو ہلاک کریں)

..........تو حج اس سے ساقط نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کیونکہ تھوڑا بہت مال دے کر وہ اس طرف پہنچ جانے کی طاقت رکھتا ہے، لیکن یہ جو راستے میں مال دیا گیا ہے وہ بھی اس میں سے ہے جس پر استطاعت موقوف ہے اگر ایک آدمی کے پاس زاد و راحلہ ہے راستے میں چونگی دینے کے لیے اس کے پاس مال نہیں ہے تو اس پر حج ہی فرض نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس وہاں تک پہنچنے کی ہمت ہی نہیں

Marfat.com

ہے۔ حالانکہ یہ ضروری ہے اور یہ معنی اس تفسیر کے خلاف نہیں جس میں استطاعت کی تفسیر زادوراحلہ سے کی گئی ہے۔

کیونکہ زادوراحلہ کے ہوتے ہوئے بھی حج کے لیے جانا مشکل ہے الا یہ کہ اس کے پاس چونگی دینے کے لیے رقم ہو، ہوسکتا ہے کہ امام شافعی کے قول کہ (حج اس سے ساقط ہے) کی دلیل یہ ہو کہ چونگی لینا حرام ہے اور حاجی کو حرام کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے اور وہ اس صورت میں مفقود الاستطاعۃ ہے، اور استطاعت میں یہ بھی داخل ہے کہ حاجی صحت مند ہو کہ سواری کرنے پر قادر ہو اور اگر وہ اپاج ہو کہ چلنے پر قادر نہیں ہے اور نہ سواری پر، لہٰذا یہ آدمی ''اگر چہ اس نے زادوراحلہ پالیا ہے'' سبیل کی طاقت نہیں رکھتا، جس آدمی کے پاس زادوراحلہ موجود ہے پھر بھی حج نہیں کرتا اس کی مذمت میں کئی احادیث مروی ہیں۔

علامہ شوکانی نے فتح القدیر میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان پر گفتگو بھی کی ہے۔

آیت نمبر۳:

﴿ ومن یغلل یات بما غل یوم القیامۃ ﴾ (۱۶۱) ہے۔

یعنی وہ خیانت والی شئی اپنی پشت پر اٹھائے آئے گا، اور تمام مخلوق کے سامنے رسوا ہوگا، جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے صحیح منقول ہے، یہ جملہ خیانت کی حرمت کو شامل ہے اور اس کی تفسیر ہے کہ اس کا عامل وفاعل تمام خلائق کے سامنے سزا پائے گا اور تمام اہل محشر اسے دیکھیں گے کہ وہ حساب وکتاب اور عذاب وسزا سے پہلے قیامت والے دن اسے اٹھا کر لائے گا۔

Marfat.com

سورۃ النساء

یہ ساری سورت مدنی ہے۔ علامہ قرطبی کا خیال ہے کہ صرف اس کی ایک آیت مکی ہے جو عثمان بن طلحہ حجبی کے بارے میں فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی وہ آیت ''ان اللہ یأمرکم الخ'' ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا﴾ [1] (۳) ہے۔

شرط ''ان خفتم'' اور جزاء'' فانکحوا'' کا تعلق یہ ہے کہ ایک آدمی یتیم بچی کا ولی ہونے کی بنا پر اس کی کفالت کرتا تھا اور پھر اس سے نکاح کا بھی متمنی اور خواہشمند ہوتا تھا مگر مہر دینے میں وہ انصاف کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا اور دوسرے لوگ جتنا مہر دیتے تھے وہ اتنا دینے کو تیار نہ تھا رب تعالیٰ نے ان کو منع فرمایا کہ جب تم انصاف نہ کرو اور وہی مہر نہ دو جو دوسری خواتین کو دیتے ہو تو تمہیں نکاح کی اجازت نہیں ہے ان کے علاوہ جو عورتیں تمہیں پسند ہیں ان سے نکاح کرو یہی اس کا سبب نزول ہے یہ نہی صرف اس مذکورہ صورت کو خاص کرتی ہے۔ سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ زمانہ جاہلیت اور ابتداء اسلام میں یہ دستور تھا کہ آدمی جتنی چاہتا شادیاں کرسکتا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف چار عورتوں کی اجازت دی ہے اس صورت میں شرط و جزا کا تعلق اس طرح ہوگا۔

''انھم اذا خافوا ان لایقسطوا فی النساء'' [2]

---

[1] اگر تم خائف ہو کہ تم یتامیٰ میں انصاف نہ کرسکو گے تو پھر دیگر عورتوں سے نکاح کرلو۔

[2] ''جب وہ خائف ہوں کہ وہ عورتوں میں انصاف نہ کرسکیں گے''۔

Marfat.com

کیونکہ یتامیٰ کے بارے میں وہ تنگی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے اور عام عورتوں کے بارے میں نہ کرتے تھے۔ خوف کا لفظ اضداد میں سے ہے کیونکہ مخوف❶ بھی معلوم ہوتا ہے اور کبھی مظنون، یہی وجہ ہے کہ اس مقام پر آئمہ نے اس لفظ کے مفہوم کی تعیین وتحدید میں اختلاف کیا ہے جناب ابوعبید نے کہا تھا کہ'' خفتم بمعنی ایقنتم'' ہے یعنی تمہیں یقین ہو جائے اور کچھ دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ خفتم بمعنی گمان کرنے کے ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ آیت کا معنی ہے جس کا غالب گمان ہو کہ وہ یتیمہ سے انصاف نہ کر سکے گا تو وہ اسے چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے نکاح کر لے اور ماطاب کا ماصولہ ہے معنی یہ ہوں گے کہ جو عورت حلال وطیب ہو اس سے نکاح کر لو اور جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے وہ طیب نہیں ہے۔ بعض ائمہ کا خیال ہے کہ ''ما'' ظرفیہ ہے معنی'' ما دمتم مستحسنین للنکاح''❷ ابن عطیہ نے اس تفسیر کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام فراء کا خیال ہے کہ یہ ''ما'' مصدریہ ہے۔ نحاس نے جواب دیا ہے یہ بہت بعید ہے۔ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں شرط مذکور کا مفہوم (مخالف) مراد نہیں ہے۔

اور اس پر بھی اتفاق ہے ہاں جو شخص یتامیٰ میں عدل کرنے سے خائف نہیں اس کے لیے ایک سے زائد عورتوں سے نکاح جائز ہے اور قول باری تعالیٰ'' من النسآء'' میں لفظ'' من'' یا بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے کیونکہ اس سے غیر یتامیٰ مراد ہیں۔ مثنیٰ بمعنی دو، دو اور ثلاث بمعنی تین تین اور رباع بمعنی چار چار۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ چار سے زائد عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے اور علماء نے تصریح کی ہے یہاں ساری امت کو خطاب ہے اور ہر نکاح کرنے والا جس گنتی کو پسند کرے ٹھیک ہے جیسا کہ ایک جماعت سے کہا جائے کہ یہ ہزار درہم ہیں یا یہ مال کی ایک تھیلی

---

❶ یہ خاف یخاف کا اسم المفعول ہے بمعنی وہ شی جس سے خوف محسوس کیا جائے۔

❷ معنی یہ ہوگا کہ جس وقت تک تم نکاح کو اچھا اور مستحسن سمجھتے ہو نکاح کرو۔

Marfat.com

ہے اس میں دو دو تین تین چار چار تقسیم کرلو تو انہوں نے کچھ مال آپس میں دو دو درہم کچھ تین تین اور کچھ چار چار تقسیم کرلیا تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ عربیت کا یہی تقاضا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب کوئی کہتا" جاء القوم مثنی " اور آنے والی قوم کی تعداد ایک لاکھ تھی تو اس صورت میں معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ ساری قوم میرے پاس دو دو کی ٹولیوں میں آئی اور" جاء نی القوم ثلاث ورباع " کا بھی یہی مفہوم ومعنی ہے اور لفظ جمع سے خطاب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خطاب ہر ایک کو ہے جیسے" اقتلوا المشرکین، اقیموا الصلوۃ اور آتوا الزکوۃ "وغیرہ میں ہے لہٰذا" فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنی وثلاث ورباع " کا معنی یہ ہے کہ ہر آدمی تم میں سے اپنی پسند کی دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے شادی کرے اور لغت عرب کا بھی یہی تقاضا ہے یہ معنی ان ان لوگوں کے خلاف ہے جو خلاف واقعہ تفسیر کرتے ہیں اور اس آیت کے آخر میں آنے والا جملہ" فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ "[1] اس کی تائید کرتا ہے اس میں بھی گو خطاب جمع کے صیغے سے ہے مگر ہر ہر فرد مراد ہے۔

اولیٰ یہ ہے کہ قرآن کی بجائے حدیث وسنت کی طرف مراجعت کی جائے کہ (حدیث میں ہے) چار عورتوں سے زائد نکاح حرام ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نو (۹) عورتوں سے شادی جائز ہے کیونکہ یہاں لفظ واؤ استعمال کیا گیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ ان اعداد کا مجموعہ مراد ہے مگر ان کا استدلال عربی زبان سے عدم تعلق اور جہالت کا نتیجہ ہے۔ ان کا یہ استدلال تب مکمل ہوسکتا تھا جب عبارت اس طرح ہوتی:

" انکحوا اثنین و ثلاثاً واربعاً "[2]

---

[1] اگر تم انصاف کرنے سے ڈرتے ہو تو پھر صرف ایک عورت سے شادی کرو۔

[2] معنی یہ ہوگا کہ تم دو تین اور چار عورتوں سے نکاح کرلو یعنی ان کے مجموعے سے۔

Marfat.com

اور عدل وانصاف کا جو حکم آیا ہے اس کا بھی تقاضا ہے (کہ نو عورتوں سے نکاح صحیح نہیں ہے) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں واو (جو برائے جمع ہے) استعمال کی ہے اور لفظ او (جو برائے تخییر ہے) استعمال نہیں کیا کیونکہ تخییر کا تقاضا ہے کہ ان اعداد میں سے صرف ایک عدد سے نکاح صحیح ہے اور یہ معنی نظم قرآن کے خلاف ہے۔[1] یعنی اگر عدم انصاف کا خطرہ ہو تو پھر ایک عورت سے نکاح کرلو (قرآن کی اصل عبارت اس طرح ہوگی) "فانکحوا واحدة" جیسا کہ "فانکحوا ما طاب لکم" اس پر دال ہے کہ بعض کا خیال ہے "الزموا واحدة" یا "اختاروا واحدة" [2] ہے لیکن اول صورت زیادہ بہتر ہے۔

معنی یہ ہوگا کہ اگر تم اپنی بیویوں کی تقسیم میں عدل نہ کرسکو تو ایک عورت سے ہی نکاح کرلو۔ یہ کس قدر واضح قرینہ ہے کہ جو آدمی انصاف نہ کرسکے وہ صرف ایک عورت سے نکاح کرے یا جتنی لونڈیوں سے چاہو نکاح کرلو جس طرح کہ "ما" موصولہ کا تقاضا ہے کیونکہ آزاد عورتوں کے جو حقوق ہیں وہ ان کے نہیں ہوتے (یہ بھی یاد رکھنا کہ) ان سے عام عورتوں کی طرح نکاح نہیں ہوتا بلکہ ان سے ملکیت کے اعتبار سے نکاح ہوتا ہے اس قول باری تعالیٰ میں یہ بھی دلیل ہے کہ تقسیم میں لونڈیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔[3] اور اس کو واحدة کے مقابلہ میں بیان کرنے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس میں عدل کا خدشہ نہیں ہے یمین (دایاں ہاتھ) چونکہ مال لینے، دینے اور دیگر امور

---

1. دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں واو بمعنی او ہے جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے۔
2. اس طرح تقدیر عبارت نکالنے کا مطلب ہے کہ واحدة منصوب کیوں ہے یعنی اس پر دو زبریں کیوں ہیں جواب دیا ہے کہ اس کا عامل ناصب ہے جو محذوف ہے۔
3. یعنی جس طرح عام عورتوں میں دنوں کی تقسیم کی جاتی ہے کہ ایک دن ایک عورت کے ہاں دوسرا دن دوسری بیوی کے پاس وھلم جرا اس تقسیم میں لونڈیاں داخل نہیں ہیں۔

Marfat.com

کے لیے جو عموماً انسان کی طرف منسوب ہوتے ہیں کا آلہ اور فاعل ہے تو '' ملکت ایمانکم '' میں '' ملکت '' کی نسب '' ایمانکم '' کی طرف صحیح ہے۔

'' ذلک '' یہ یعنی چار عورتوں سے نکاح کرنا یا ایک سے یا صرف لونڈی رکھنا' بہت قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو' یہ '' عال الرجل یعول '' کے محاورے سے لیا گیا ہے جب کوئی مائل ہو جائے یا ظلم کرے (تو یہ جملہ بولا جاتا ہے)

آیت کا معنی یہ ہوگا کہ '' ان خفتم عدل العدول بین الزوجات فھذہ التی امرتم بھا اقرب الی عدم الجور ''[1] اور اکثر مفسرین کا یہی خیال ہے امام شافعی نے کہا ہے '' الا تعولوا '' کا معنی کہ تمہارے بچے زیادہ نہ ہو جائیں۔ ثعلبی کا خیال ہے کہ یہ تفسیر صرف شافعی نے ہی کی ہے ابن عربی نے کہا ہے کہ '' اعال الرجل '' کا محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بچے زیادہ ہو جائیں اور عال کثرت کے معنی میں آتا ہے مگر یہ تحقیق ٹھیک نہیں ہے (ابن عربی کا) جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام شافعی سے قبل زید بن اسلم اور جابر بن زید بھی یہی معنی کرتے ہیں اور یہ دونوں ائمہ مسلمین میں شمار ہیں امام شافعی اور یہ دونوں امام کوئی ایسی تفسیر نہیں کرتے جس کا عربی میں کوئی قرینہ نہ ہو۔

امام قرطبی نے یہی وجہ کسائی' ابو عمر دودی اور ابن اعرابی سے بیان کی ہے۔ امام ابو حاتم نے کہا ہے کہ امام شافعی ہم سب سے زیادہ لغت دان ہیں ہوسکتا ہے کہ دوسری یہی لغت ہو۔ امام دوری نے کہا ہے کہ یہ بنو حمیر کی لغت ہے۔

وان الموت یاخذ کل حی
بلاشک وان امشی وعالا

---

[1] اگر تمہیں ڈر ہے کہ تم بیویوں میں عدل نہ کرسکو گے تو پھر یہ حکم جس کا تمہیں پابند کیا جا رہا ہے اقرب الی العدل ہے۔

Marfat.com

ای وان کثـرت مـاشیتـه وعیالـه ❶

آیت نمبر 2:

﴿ ولا توتوا السفهآء اموالکم التی جعل الله لکم قیاماً ﴾ ❷ (۵)

ہے۔

اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ'' سفھآء '' سے کیا مراد ہے سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یتامیٰ ہیں معنی یہ ہوگا کہ ان کو ان کے اموال نہ دو۔ نحاس نے کہا ہے کہ یہ بہت اچھی تفسیر ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس سے چھوٹے بچے مراد ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ ان کو ان کے مال نہ دو' ضائع کردیں گے اور کنگال ہو جائیں گے۔ مجاہد کا خیال ہے کہ اس سے عورتیں مراد ہیں۔ نحاس وغیرہ نے کہا کہ یہ تفسیر ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اہل عرب (عورتوں سے)'' سفیھة ''یا'' سـفیھـات '' استعمال کرتے ہیں۔ ائمہ تفسیر نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اموال کی نسبت مخاطبین کی طرف کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ وہ مال بھی'' سفھآء '' کا ہی ہے۔ جواب میں کہا گیا ہے کہ چونکہ وہ مال ان کے (متولیوں کے) ہاتھ میں ہونے کی بنا پر ان کی طرف منسوب ہے اور وہی اس کے محافظ ہیں۔

بعض نے کہا ہے ان کے اموال انہیں کے اموال کی جنس میں سے ہیں گویا کہ تمام اموال اصولی طور پر ساری مخلوق میں مشترکہ ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ مخاطبین کے حقیقی اموال مراد ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری' ابن عباس' حسن اور قتادہ کا یہی خیال ہے پھر معنی یہ ہوگا کہ جو اموال کی دیکھ بھال نہیں کرسکتے ان کو اموال نہ دیئے جائیں جیسے

---

❶ یقیناً موت ہر زندہ پر وارد ہونے والی ہے۔ گو اس کے جانور (مویشی) اور بچے زیادہ ہوں۔ یہاں امشیٰ بمعنی جانوروں کا زیادہ ہونا اور عال بمعنی بچوں کا زیادہ ہونا ہے۔

❷ تم بیوقوفوں کو اپنے وہ اموال نہ دو جن کو رب تعالیٰ نے تمہارے لیے ذریعہ معاش بنایا تھا۔

Marfat.com

مستورات اور بچے ہیں اور ہر ہر فرد جس میں عقل کی کمی ہو جو حصول منافع کے لیے مال استعمال نہیں کرسکتا اور موجب نقصان امور سے بچنے کی اس میں استطاعت نہیں ہے۔

"وارزقوھم فیھا واکسوھم". ❶

ان اموال میں سے ان کا رزق مقرر کرو اور ان کو دے دو۔ یہ حکم ان ازواج اور اولاد وغیرہ کے بارے میں ہے جن کا خرچہ اور لباس (تمہارے ذمہ ہے) اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے یتامیٰ کا مال مراد ہیں ان کے نزدیک معنی یہ ہوگا کہ اس میں تجارت کرو تاکہ فائدہ تمہیں پہنچے اور منافع میں سے ان پر خرچ کرو اور ان کو ان کے اموال سے رزق دے دو کہ وہ اپنے اوپر خرچ کریں اور لباس بنوائیں۔ اور اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ "سفہآء" پر پابندی لگانا جائز ہے جمہور ائمہ کا یہی خیال ہے۔ امام ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ عاقل بالغ پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی اور اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ قرابتداروں کا خرچہ بھی ضروری ہے اور اس بارے میں اختلاف اپنے مقامات پر معروف ہیں۔

آیت نمبر 3:

﴿وابتلوا الیتامیٰ﴾ (٦) ہے۔

کہ ابتلاء کا معنی ہے۔ امتحان "اختبار" کے معنی میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کا خیال ہے کہ "وصی" (جس کو وصیت کی گئی) یتیم کے اخلاق میں غور وفکر کرے تاکہ اس کی شرافت اور حسن تصرف کو جان لے پھر جب وہ بالغ ہو جائے اور اس سے رشد اور عقل کی درستگی ظاہر ہونے لگ جائے تو اس کو اس کا مال دے دیا جائے اور بعض کا خیال ہے کہ وصی اسے کچھ رقم دے اور اس کو اس کے استعمال کی اجازت دے تاکہ اسے حقیقت حال کا علم ہو جائے۔

---

❶ ان کے لیے اس مال سے کھانے پینے اور لباس کی ضرورت مہیا کرو۔

Marfat.com

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گھر کے اخراجات کے بارے میں اس سے گفتگو کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا تدابیر اور رائے اختیار کرتا ہے اور اگر وہ بچی ہو تو اس سے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے گھر کی تدابیر کے متعلق گفتگو کی جائے۔ "حتی اذا بلغوا النکاح" یہاں سے بلوغت احتلام مراد ہے کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے" واذا بلغ الاطفال منکم الحلم " ❶ بلوغت کی علامات میں سے موئے زیریں کا پیدا ہونا اور عمر کا پندرہ سال تک پہنچنا ہے۔ ❷ امام مالک اور ابوحنیفہ وغیرہ کا خیال ہے کہ عدم اختلاف کی وجہ سے بلوغت کی عمر سترہ سال ہوگی اور یہ علامات مذکر و مؤنث سب کی صفتیں اور خاص مؤنث کی علامات حمل کا ٹھہرنا اور حیض کا جاری ہونا ہے۔ " فان انستم منهم رشدا " ❸ یہاں آنستم بمعنی دیکھنے کے ہے اور قول باری تعالیٰ "آنس من جانب الطور ناراً " ❹ اسی قبیل سے ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بمعنی جاننے اور پالینے کے ہے۔ " رشد " (راء اور شین کی زبر) دونوں لغتیں ہیں۔ " رشد " کے معنی میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عقل اور دین کی درستگی مراد ہے اور بعض نے صرف عقل کی درستگی مراد لی ہے۔

سعید بن جبیر اور شعبی کا خیال ہے جب تک یتیم میں رشد نہ معلوم کر لی جائے اسے مال نہ دیا جائے چاہے وہ بوڑھا ہی کیوں نہ ہو جائے اور جناب ضحاک

---

❶ یہ سورہ نور کی آیت ہے معنی یہ ہوگا کہ جب تمہارے بچے بلوغت احتلام کو پہنچ جائیں۔ گھر میں آنے کی وہ اجازت لیں الخ۔

❷ " اقرب الی الصحة والصواب " یہی مذہب ہے اور حدیث سے اس کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔ (بخاری، ترمذی)

❸ پس اگر تم ان میں عقل و شعور محسوس کرو تو ان کو الخ۔

❹ یہ سورہ قصص کا ٹکڑا ہے معنی یہ ہے کہ اس نے طور کی جانب سے آگ دیکھی۔

Marfat.com

نے کہا گو وہ سو سال کا بھی ہو جائے۔ جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ بلوغت کے بعد کی عمر کا نام رشد ہے اور اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر بلوغت کے بعد بھی رشد پیدا نہیں ہوتی تو وہ پابندی بحال رہے گی۔ امام ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ آزاد بالغ پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی اگرچہ وہ بہت بڑا فاسق اور فضول خرچ ہی ہو۔ نخعی اور زفر کا بھی یہی خیال ہے اور قرآنی نظم کا ظاہر (بھی) تقاضا کرتا ہے کہ جب تک وہ نکاح کی مدت کو نہ جا پہنچیں انہیں مال نہ دیا جائے مگر یہاں بھی (یہی) شرط ہے کہ رشد کو معلوم کر لیا جائے لہٰذا دونوں چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ بلوغت سے قبل یتامیٰ کو ان کے اموال نہ دیئے جائیں گو ان میں رشد پیدا ہو چکی ہو اور بلوغت کے بعد بھی نہ دیا جائے جب تک کہ ان میں رشد کو معلوم نہ کر لیا جائے اور یہاں رشد سے نوع (رشد) مراد ہے کہ وہ اپنے اموال کو اچھی طرح استعمال کر سکتا ہو اور فضول خرچ نہ ہو بلکہ صحیح مقامات پر خرچ کرنے والا ہو۔

جب یہ کیفیت ہو تو بلا تاخیر ان کو ان کے اموال دے دیئے جائیں" ولا تاکلوھا اسرافاً وبدارا ان یکبروا "[1] لغت میں اسراف کا معنی ہوتا ہے زیادتی کرنا اور حد سے تجاوز کرنا۔ نضر بن شمیل کا خیال ہے کہ سرف بمعنی فضول خرچی ہے اور بدار بمعنی جلدی کرنا ہے یعنی یتیموں کے اموال فضول خرچی سے نہ کھاؤ اور ان کے بڑے ہونے سے پہلے جلدی نہ کھاؤ یا پھر عبارت یہ ہوگی" لا تاکلوا لاجل السرف والمبادرة "[2] یا یہ ہوگی" لاتاکلوا مسرفین ومبادرین لکبرھم "

---

[1] اور نہ کھاؤ ان کے اموال فضول خرچی کرتے ہوئے اور جلدی جلدی کہ کہیں یہ بڑے ہو جائیں۔

[2] " لا تاکلوا لاجل السرف والمبادرة " کہہ کر اشارہ کیا ہے یہ مفعول لہ ہے اور مسرفین ومبادرین کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ " اسرافاً وبداراً " اسم الفاعل کے معنی میں ہو کر حال واقع ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

اور تم کہو کہ ہم یتیموں کا مال جہاں چاہیں ان کے بالغ ہونے سے پہلے پہلے خرچ کرلیں وہ (بڑے ہوکر) ہم سے چھین لیں گے۔'' ومن کان غنیاً فلیستعفف ومن کان فقیراً فلیاکل بالمعروف'' ❶ اس ٹکڑے میں رب تعالیٰ یتیموں کے مال کو جائز طریقے سے کھانے کا ذکر کرتے ہیں لہٰذا غنی کو پرہیز کرنے کا حکم دیا' بچے کے مال کو محفوظ رکھنے کا اور اس کو استعمال نہ کرنے کا۔ فقیر و محتاج کو دستور اور قاعدے کے مطابق کھانے کی اجازت ہے۔ لفظ معروف کے معنی میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس کا کیا معنی ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بطور قرض وہ مال لے سکتا ہے مگر یہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک یہ کہ وہ محتاج ہو دوسری یہ کہ جب اسے وافر مال مل جائے تو وہ لی ہوئی رقم واپس کردے۔

حضرت عمرؓ ابن عباسؓ عبیدہ سلمانی' ابن جبیر' شعبی' مجاہد' ابوالعالیہ اور اوزاعی کا یہی خیال ہے۔ امام نخعی' عطاء' حسن اور قتادہ کا خیال ہے کہ دستور کے مطابق کھائی ہوئی رقم کی کوئی قضاء نہیں ہے اور جمہور فقہاء کا بھی یہی خیال ہے اور یہی معنی نظم قرآن کے بھی خوب مطابق ہے کیونکہ جب اس کو کھانے کی اجازت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرض نہیں ہے معروف کا وہی طریقہ مراد ہے جو لوگوں کے ہاں متعارف ہے لہٰذا یتیموں کے اموال سے وہ (متولی) خوشحال بننے کی کوشش نہ کرے کھانے پینے اور لباس کے ذریعے نعمت کے اظہار میں مبالغہ نہ کرے اور اپنے آپ کو غربت ختم کرنے اور ستر عورت سے نہ روکے۔ ❷ اس آیت میں یتامیٰ کے اولیاء سے خطاب ہے جو ان کی مصالح کے نگران ہیں جیسے باپ' دادا اور ان کا وصی۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس سے یتیم مراد ہے اگر وہ مالدار ہے تو اس پر وسعت سے خرچ کیا

---

❶ جو شخص مالدار ہو وہ ان کے مال سے بچے اور جو محتاج وفقیر ہو وہ دستور کے مطابق کھالے۔

❷ یعنی ضرورت کے مطابق اپنے کھانے اور لباس کے لیے ان کی جائیداد میں سے کچھ لے سکتا ہے۔

Marfat.com

جائے اگر وہ فقیر ہے تو اس کو اس کے حصے کے مطابق دیا جائے مگر یہ قول انتہائی کمزور اور ضعیف ہے۔

" فإذا دفعتم اليهم اموالهم فاشهدوا عليهم " ❶

یہ گواہی اس لیے ہوگی کہ انہوں نے اپنا مال وصول کرلیا ہے تاکہ تمہارے اوپر (اے متولی حضرات) کوئی تہمت نہ آئے اور تم ان کے دعاوی سے بچ سکو۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ گواہی اس امر کی ہے کہ ان کی سن ورشد سے قبل ان کے اولیآء نے ان پر یہ خرچ کیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ گواہی اس پر ہے کہ ان کے اموال سے جو قرض لیا ہے وہ واپس کردیا گیا ہے (مگر) قرآن کا نظم اس امر کا متقاضی ہے کہ یہ گواہی اس پر ہے کہ ان کے اموال ان کو واپس کردیئے گئے ہیں اور یہ تفسیر سن رشد سے پہلے خرچ کو بھی اور اس کے بعد دیئے گئے کو بھی شامل ہے کہ سورۂ انعام میں ہے ''ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتي هي احسن حتى يبلغ اشده '' ❷ اور سورۂ اسرآء میں اسی طرح ہے۔ ❸

آیت نمبر 4:

﴿ واذا حضر القسمة ﴾ (۸) ہے۔

یعنی تقسیم میراث کے وقت جب کوئی غیر وارث قریبی رشتہ دار اور اسی طرح یتیم اور مساکین آجائیں تو (ان کو کچھ دے دو) اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ مذکورہ لوگ جب تقسیم وراثت کے وقت حاضر ہوں اور ان کو کچھ ملنے کی امید ہو تو

---

❶ جب تم ان کو ان کے اموال دے دو تو اس پر (دو) گواہ بنایا کرو۔

❷ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ الا یہ کہ دستور اور اچھے انداز سے حتیٰ کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔

❸ وہ قول باری تعالیٰ یہ ہے'' ولا تقربوا مال اليتيم الا بالتي هي احسن حتىٰ يبلغ اشده واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا''

Marfat.com

تقسیم کنندگان اس میں سے تھوڑا سا ان کو دے دیں۔ اور ایک قوم کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ امر برائے ندب ہے۔ ❶ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ "یوصیکم اللہ فی اولادکم" سے یہ آیت منسوخ ہے مگر تفسیر اول زیادہ لائق ترجیح ہے کیونکہ اس آیت میں اُن قرابتداروں کا ذکر ہے جو وارث نہیں ہیں لہٰذا میراث کی آیت کے ذریعے اس کو منسوخ کرنے کی ضرورت نہیں ہے الا یہ کہ کہا جائے کہ اس آیت میں "اولوا القربی" سے مراد وارث ہوں (پھر) تو نسخ کی کچھ وجہ بن سکتی ہے۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ قریبی غیر وارث کو اتنا مال دینا واجب ہے جس سے ورثہ خوش رہیں اور امر حقیقی کا یہی تقاضا ہے۔ لہٰذا بغیر قرینے کے ندب کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں اور "فارزقوھم منه" میں جو ضمیر ہے وہ مال مقسوم کی طرف راجع ہے جس پر قسمت و تقسیم کا لفظ دال ہے بعض کا خیال ہے کہ یہ ترکہ کی طرف راجع ہے۔

"وقولوا لھم قولاً معروفاً" یعنی ان سے ایسی بات کہو کہ اس سے نہ ان پر احسان جتلانا مقصود ہو نہ تکلیف دینا مطلوب ہو۔

آیت نمبر 5:

﴿یوصیکم اللہ﴾ (۱۱) ہے۔

یہ آیت: "للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون" ❷

---

❶ امر مندوب کے بارے میں علامہ جرجانی (المتوفی) نے لکھا ہے "المندوب عند الفقھآء: ھو الفعل الذی یکون راجحاً علی ترکه فی نظر الشارع ویکون ترکه جائزا" (کتاب التعریفات) جو فعل شارح کے نزدیک راجح ہو یعنی اس کا کرنا لائق ترجیح ہو اور اس کا ترک جائز ہو تو وہ مندوب ہے۔

❷ یہ سورۂ نسآء کا ہی ایک ٹکڑا ہے معنی یہ ہے کہ مردوں کے لیے والدین اور اقرباء کے متروکہ مال سے حصہ مقرر ہے اور عورتوں کے لیے الخ۔

Marfat.com

کی تفصیل ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ کسی چیز کی ضرورت کے وقت اس کو تاخیر سے بیان کرنا بھی جائز ہے اور یہ آیت ارکان دین میں سے ایک رکن ہے اور احکام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے اور بنیادی آیات میں سے ایک آیت ہے کیونکہ یہ آیت علم الفرائض کی اہم دفعات پر مشتمل ہے اور یہ علم صحابہ کرام کے ہاں بہت بڑا علم تھا اور اس بارے میں ان کی اکثر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ علم فرائض کے سیکھنے اور سکھانے کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں۔

مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم الفرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو کیونکہ میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا اور علم بھی کم ہونا شروع ہو جائے گا اور فتنے نمودار ہوں گے حتیٰ کہ میراث میں دو آدمیوں کا اختلاف ہوگا جس کو ختم کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

امام حاکم اور بیہقی نے یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''علم المیراث پڑھو اور پڑھاؤ کیونکہ وہ آدھا علم ہے اور وہ بھول جاتا ہے سب سے پہلے میری امت سے یہی قبض کیا جائے گا''۔ [1] جناب عمرؓ، جناب ابن مسعودؓ اور انسؓ سے علم فرائض سیکھنے کی ترغیب میں کئی آثار مروی ہیں اسی طرح تابعین کی جماعت اور ان کے بعد والے کئی حضرات سے یہی مروی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کی میراث کے بارے میں وصیت کرتے ہیں۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے اولاد کے لفظ میں اولاد الاولاد داخل ہے یا نہیں؟ شوافع کا

---

[1] عام روایات میں علموھا ہے مگر بعض روایات میں علموہ بھی ہے۔ یہ ضمیر منصوب بھی فرائض ہی کی طرف راجع ہے مگر باعتبار مضاف مقدر کے'' ای علموا علم الفرائض ''اس کو نصف العلم اس لیے قرار دیا ہے کہ اس کا تعلق مابعد الحیوۃ کے ساتھ ہے اور عام مسائل کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے۔

Marfat.com

خیال ہے کہ مجازاً داخل ہے نہ کہ حقیقۃً ۔حنفیہ کا خیال ہے کہ اولاد الاولاد حقیقۃً اولاد میں داخل وشامل ہے مگر اس وقت جب میت کی صلبی اولاد نہ ہو۔ ❶ یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ جب صلبی بیٹے نہ ہوں تو پھر پوتے وارث ہوتے ہیں البتہ اختلاف اس میں ہے کہ لفظ اولاد حقیقی اولاد کی عدم موجودگی میں پوتوں کو شامل ہے؟ لفظ اولاد میں اولاد کافر (بیٹا بیٹی) داخل ہے البتہ حدیث کی روشنی میں خارج ہے اس طرح عمداً قاتل بھی داخل ہے سنت اور اجماع امت سے خارج ہو گیا اور ہیجڑا بھی اس میں داخل ہے۔

امام قرطبی نے کہا ہے کہ علماء اس پر متفق ہیں کہ وہ پیشاب کی حیثیت سے وارث ہو گا اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ دونوں جگہ سے پیشاب کرتا ہے تو جس جگہ سے وہ پہلے کرتا ہے اس پر حکم لگایا جائے گا اور اگر وہ دونوں جگہ سے بیک وقت پیشاب کرتا ہے تو اس کو مذکر کے حصے کا نصف اور مؤنث کے حصے کا بھی نصف دیا جائے گا۔ بعض کا خیال ہے کہ اسے اقل النصیبین (مؤنث کا حصہ) ملے گا۔ یہی خیال یحییٰ بن آدم اور امام شافعی کا ہے۔ ابتداء اسلام میں جو وراثت' حلف' ہجرت اور معاہدے سے ملتی تھی وہ اس سے منسوخ ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جب اولاد کے ساتھ دوسرے حصہ دار موجود ہوں تو ان کو ان کا حصہ دیا جائے گا اور جو کچھ باقی بچے گا اس میں سے مذکر کو بمقابلہ مؤنث دوگنا حصہ دیا جائے گا کیونکہ بخاری مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ اہل حصص کو ان کے حصص دے دو اور جو ان کے سے زائد بچ جائے وہ قریبی مذکر کا حصہ ہے الا یہ کہ وہ ان کے ساتھ حصہ دار نہ بنتا ہو جیسے ماں میں شریک بھائی۔ ''للذکر مثل حظ الانثیین ''۔ ❷ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ''یوصیکم اللہ فی اولادکم '' کا بیان ہے لہٰذا ''منھم '' کا اضافہ کرنا چاہیے تھا۔

---

❶ یاد رکھنا صحیح بات یہ ہے کہ اولاد کے لفظ میں اولاد الاولاد داخل نہیں ہے۔

❷ مذکر کو بمقابلہ مؤنث دوگنا دیا جائے گا۔

Marfat.com

عبارت اس طرح ہوگی'' للذکر منھم ''اور یہ حکم اس وقت ہوگا جب حصہ دار مذکر و مؤنث دونوں ہوں اور اگر الگ الگ ہوں تو پھر مذکر سارے مال کا وارث ہوگا۔ مؤنث ہوتو وہ نصف کی مستحق ہے اور دو یا دو سے زائد ہوں تو وہ دوثلث کی مستحق ہیں۔'' فان کن ''❶ کن کا اشارہ اولاد کی طرف ہے (پھر سوال یہ ہے کہ اولاد کی طرف ضمیر مؤنث کے ذریعے کیوں اشارہ کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے) کہ اس کی خبر مؤنث ہے یعنی نسآء لہٰذا اس طرح جائز ہے یا پھر کن کا اشارہ بنات کی طرف ہے یا مولودات کی طرف ہے (یہ حصہ) اس صورت میں ہے کہ'' فوق'' ''نسآء'' کی صفت ہو یا پھر یہ کان کی دوسری خبر'' منھن ثلثا ما ترک ''میں ترک کا فاعل میت ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ نظم قرآن کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ تین یا تین سے زائد لڑکیاں ہوں تو وہ دو تہائی حصہ کی مالک ہیں اور دو کا حصہ بیان نہیں کیا اسی لیے دو لڑکیوں کے حصے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ جب صرف دو لڑکیاں ہوں لڑکے نہ ہوں تو وہ بھی دو تہائی جائیداد کی مستحق ہیں۔ جناب ابن عباس کا خیال ہے کہ وہ نصف مال کی مستحق ہیں۔

جمہور علماء نے ان کو'' اختین ''پر قیاس کیا ہے کیونکہ'' اختین ''(دو بہنوں) کے بارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:'' فان کانتا اثنتین فلھما الثلثان ''❷ اس آیت کی روشنی میں علماء نے دو لڑکیوں کو دو بہنوں کے ساتھ ثلثین (دو تہائی) کی مستحق ہونے میں ملا دیا ہے جیسا کہ ثلثین میں اشتراک کی بنا پر دو سے زائد بہنوں کو بنات (لڑکیوں) کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں ایسا مرتبہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ دو

---

❶ اگر میت کی اولاد صرف دو بیٹیاں ہیں تو ان کو میت کے ترکہ سے دوثلث ملیں گے۔

❷ پس اگر بہنیں دو ہوں تو ان کو دوثلث جائیداد ملے گی۔ یہ مسئلہ اسی سورت کے آخر میں آئے گا۔

Marfat.com

بیٹیاں دو ثلث کی حق دار ہیں وہ یہ کہ جب ایک بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ مل کر وارث ہو تو وہ ایک ثلث کی حق دار ہے تو جب صرف دو لڑکیاں ہوں گی تو وہ دو ثلث کی حقدار ہوں گی۔ اسماعیل بن عباس اور مبرد کی یہی دلیل ہے۔ نحاس فرماتے ہیں کہ اہل تحقیق کے نزدیک یہ استدلال غلط ہے کیونکہ جب صرف دو لڑکیاں ہوں (اور لڑکا نہ ہو) تو اس میں بھی اختلاف ہے اور مخالف یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہو تو دو لڑکیوں کو نصف جائیداد ملے گی۔

لٰہذا یہ دلیل ہے کہ ان کا یہ حصہ مقرر ہے۔ ائمہ جمہور کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک بیٹی کے لیے نصف حصہ مقرر کیا ہے۔ الفاظ قرآن یہ ہیں: ''فان كانت واحدة فلها النصف ''❶ تو ظاہر ہے کہ جب دو لڑکیاں ہوں گی تو ان کا حصہ ایک سے زائد ہوگا۔ '' قياس على الاختين نے بنتین'' کے لیے دو ثلث واجب کر دیتے ہیں۔❷ بعض آئمہ کا خیال ہے کہ ''فوق'' کا لفظ زائد ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اگر عورتیں دو ہوں (تو ان کا حصہ ہے) جیسا کہ ارشاد ہے کہ '' فاضربوا فوق الاعناق ای الاعناق ''❸ نحاس اور ابن عطیہ نے جواب دیا ہے کہ یہ توجیہہ غلط ہے کیونکہ ظروف اور جمیع اسماء کلام عرب میں بغیر معنی کے زائد نہیں ہوتے۔

ابن عطیہ نے کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ '' فوق الاعناق '' ہی فصیح ہے اور فوق کا لفظ زائد نہیں بلکہ محکم غیر زائد ہے کیونکہ گردن پر مارنے کا مقصد یہ ہے کہ جوڑ کی

---

❶ پس اگر میت کی صرف ایک بیٹی ہے تو وہ نصف جائیداد کی مستحق ہے۔

❷ یہی قول زیادہ واضح اور راجح ہے کیونکہ قیاس کے علاوہ کتب حدیث میں حضرت سعد بن ربیع کی اہلیہ کا واقعہ اس کی تائید کرتا '' كما سياتي '' دیگر ائمہ کے پاس نہ قرآن کی تائید ہے نہ حدیث سے کوئی ثبوت ہے۔

❸ جب لفظ فوق کو زائد مانا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ گردنوں کو اڑاؤ۔ یہ ٹکڑا سورۂ انفال کا ہے۔

Marfat.com

ہڈیوں پر مارنا واجب ہے نہ کہ دماغ پر مارنا اور اسی طرح اگر لفظ فوق زائد مانا جائے جیسا کہ کچھ علماء کا خیال ہے تو عبارت یہ ہونی چاہیے تھی'' فلھما ثلثا ما ترک اور فلھن '' نہ ہوتا اور اس سے بھی واضح دلیل جس سے جمہور ائمہ نے استدلال کیا ہے وہ حدیث ہے جو ابن ابی شیبہ' احمد' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' ابویعلی' ابن ابی حاتم' ابن حبان' حاکم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت جابر سے نقل کی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع کی اہلیہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ اے اللہ کے رسول! سعد آپ کے ساتھ احد کی جنگ میں شہید ہو گئے ہیں یہ ان کی دو لڑکیاں ہیں۔ ان کے چچا نے ان کا سارا مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا اور ان کا نکاح ہی تب ہوگا جب ان کے پاس مال ہوگا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ پاک ہی کوئی اس بارے میں فیصلہ فرمائے گا تو اس وقت آیت میراث'' یوصیکم اللہ فی اولادکم'' نازل ہوئی۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے چچا کو پیغام بھیجا کہ سعد کی دو لڑکیوں کو دو تہائی مال دے دو اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچ جائے وہ آپ کا ہے۔ کئی اسانید سے ائمہ حدیث نے اس کو عبداللہ بن محمد بن عقیل عن جابر نقل کیا ہے۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف انہیں کی سند سے معروف و معلوم ہے۔

'' ولابویہ لکل واحد منھما السدس '' ❶ '' ابوین '' سے ماں باپ مراد ہیں'' تغلیباً '' لفظ'' ابٌ '' کو تثنیہ کیا گیا ہے۔ دادے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا وہ بمنزلہ باپ کے ہیں کہ اس کی موجودگی میں بھائی وراثت سے محروم ہو جائیں یا نہیں۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ دادا بمنزلہ باپ ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان سے کسی نے اختلاف نہیں کیا مگر ان کی وفات

---

❶ میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک لیے چھٹا چھٹا حصہ ہے۔

Marfat.com

کے بعد یہ اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباس' عبداللہ بن زبیر' جنابہ عائشہ' معاذ بن جبل' ابی بن کعب' ابوالدرداء' ابو ہریرہ' عطاء' طاؤس' حسن' قتادہ' ابوحنیفہ' ابوثور اور اسحاق حضرت صدیق اکبر والے نظریہ کے قائل تھے اور بطور دلیل یہ بات انہوں نے پیش کی ہے۔ ''ملة ابیکم ابراھیم'' ❶ اور یہ قول ''یا بنی آدم'' اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ارموا یابنی اسماعیل جناب علی بن ابی طالب' زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود اس کے قائل ہیں کہ دادا حقیقی بھائیوں یا باپ کی طرف سے بھائیوں کی موجودگی میں وارث ہوگا اور ان کے ساتھ ثلث سے کم کا حصہ دار نہ ہوگا اور اصحاب الفروض کے ساتھ سدس سے کم کا حصہ دار نہ ہوگا۔ ❷ جناب زید' مالک' اوزاعی' یوسف' محمد اور شافعی کا یہی خیال ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ دادے اور بھائیوں میں سے چھٹے حصہ تک اشتراک رہے گا اور ذوالفروض وغیرہ ساتھ چھٹے حصہ سے کم نہ کیا جائے گا۔

ابن ابی لیلیٰ اور کچھ ائمہ کا یہ خیال ہے۔ جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ دادا ''بنو الاخوۃ'' کو ساقط کر دیتا ہے۔ ❸ امام شافعیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اس تقسیم میں ''بنو الاخوۃ'' کو اخوۃ کے قائم مقام سمجھتے تھے اور ائمہ نے اتفاق کیا ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا وارث نہیں ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب میت کی ماں نہ ہو تو جدہ کو چھٹا حصہ ملے گا اور اسی پر بھی اتفاق ہے کہ جب میت کی ماں زندہ ہوگی تو جدہ محروم رہے گی اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ باپ نانی کو محروم نہیں کر سکتا اور ائمہ کا اختلاف ہے کہ جدہ کا بیٹا زندہ ہو تو وہ وارث ہے؟ حضرت زید بن ثابت' عثمان اور

---

❶ لازم پکڑو اپنے باپ ابراہیم کے مذہب وملت کو' یہاں ساری امت کو خطاب ہے کہ ابراہیم تمہارے باپ ہیں گویا جد بمنزلہ باپ ہے۔

❷ اصحاب الفروض وہ لوگ ہیں جن کے حصص کتاب اللہ میں مقرر ہیں۔

❸ بنو الاخوۃ یعنی بھائیوں کے بیٹے۔

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ کا یہی خیال ہے کہ وہ وارث نہیں ہے۔ امام مالک' ثوری' اوزاعی' ابوثور اور اہل رائے کا بھی یہی خیال ہے۔ قاضی شریح' جاوید بن زید' عبیداللہ بن حسن' شریک' احمد' اسحاق اور ابن المنذر کا بھی یہی مذہب ہے۔ '' مما ترک ان کان له ولد '' ❶ ولد کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے اور اگر اولاد میں صرف ایک مذکر ہو یا پھر اس کے ساتھ ایک مونث بھی ہے تو دادا کا فرض حصہ ہے اور باقی بطور عصبہ لے جائے گا۔ میت کے بیٹے کی اولاد میت کی اولاد کی طرح ہے '' فان لم یکن له ولد '' یعنی بالاجماع ثابت ہے کہ نہ میت کی اولاد ہو اور نہ اولاد الابن ہو اور صرف ماں باپ وارث ہوں۔ ❷ جیسا کہ جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ ماں ثلث مال کی مستحق ہوگی بشرطیکہ میت کے وارث صرف ماں باپ ہوں ❸ اگر ماں باپ کے ساتھ خاوند یا بیوی میں سے کوئی ہو تو ماں اس وقت اس باقی مال کے ثلث کی حق دار ہوگی جو خاوند یا بیوی کو دینے کے بعد بچ گیا۔ ❹ جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ بیوی یا خاوند کے ساتھ ماں حصہ دار ہو تو ماں کو کل مال کا تیسرا حصہ ملے گا اور وہ صورت اس مسئلہ (زوج' ماں اور باپ کی صورت میں) باپ پر ماں کی فضیلت کو مستلزم ہے جب کہ یہ امر اتفاقی ہے کہ باپ ماں سے افضل ہے بوقت ان دونوں کے الگ ہونے کے

---

❶ یہ چھٹا چھٹا حصہ اس مال میں سے ہوگا جو میت نے چھوڑا ہے بشرطیکہ اس کی اولاد ہو۔

❷ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہیں ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اسی طرح اگر اولاد الابن نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے۔

❸ مثلاً عبدالمالک میت ہے اس کے وارث ماں اور باپ ہیں کل جائیداد کا تہائی ماں کا حصہ ہے باقی سارا مال باپ کا ہے۔

❹ مثلاً زاہد میت ہے اس کے وارث صرف ماں باپ اور بیوی ہے یا زاہدہ میت ہے وارث ماں باپ اور خاوند ہیں تو اس صورت میں خاوند یا بیوی کو حصہ دے کر باقی مال کا ثلث ماں کو دیا جائے گا۔

Marfat.com

زوجین سے۔[1] ''فان کان له اخوة فلامه السدس ''[2] یہاں بھائی سے مراد وہ بھائی ہیں جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوں یا ایک کی طرف سے ہوں اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ دو بھائی' تین اور اس سے زائد کے قائم مقام ہیں کہ ماں کو وہ ثلث سے سدس کی طرف لے جاتے ہیں صرف جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ دو بھائی ایک کے قائم مقام ہیں کہ وہ ماں کے لیے رکاوٹ نہیں ہوں گے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ حاجب ہونے میں دو بہنیں ہوں یا زائد وہ دو بھائیوں کی طرح ہیں'' من بعد وصية يوصى بها او دين ''[3] وصیت کو دَین پر مقدم کرنے میں اہل علم کا اختلاف ہے جب کہ بالاتفاق دین (قرضہ) مقدم ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ دونوں کام میراث کی تقسیم سے مقدم ہیں ان میں ترتیب نہیں ہے بعض نے کہا ہے کہ وصیت کو بطور اہتمام مقدم کیا ہے کیونکہ یہ قرضے سے کم درجہ کی شی سمجھی جاتی ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ اس کو اس لیے مقدم کیا ہے کہ یہ کثرت سے واقع رہی ہے تو یہ ایسا ہے جیسے ہر میت پر لازم ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اس لیے مقدم کی گئی ہے کہ یہ فقراء ومساکین کا حق ہے اور دَین کو مؤخر کیا گیا ہے کیونکہ وہ غریم کا حق ہے جو قوت اور حاکم کے ذریعے لیا جاسکتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وصیت میت کی طرف سے پیدا ہوتی ہے بخلاف قرضے کے وہ تو اپنی جگہ ثابت ہے ادا کیا جائے گا خواہ کرنے والا

---

[1] یعنی جب میت کے وارث صرف ماں باپ ہوں تو کل جائیداد کا ثلث (ایک تہائی) ماں کا حصہ ہے باقی سارا مال باپ کا ہے یہ افضلیت کی علامت ونشانی ہے متن میں ذکر کردہ صورت حضرت ابن عباس کی بڑی اچھی رائے ہے جس کو تسلیم کرنے میں مضائقہ نہیں ہے جب کہ قرآن کا نظم بھی یہی تقاضا کرتا ہے۔

[2] یعنی اگر میت کے بھائی بھی ہیں تو اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

[3] یہ تقسیم کی گئی وصیت کی ادائیگی اور قرضہ ادا کرنے کے بعد کی جائے گی۔

Marfat.com

اس کا ذکر کرے یا نہ کرے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ میراث کے مشابہ ہے کیونکہ یہ بھی بغیر عوض کے لی جاتی ہے بعض دفعہ ورثہ پر یہ گراں گزرتی ہے بخلاف قرضہ کے کہ اس کی ادائیگی میں سب مطمئن ہوتے ہیں۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ وصیت ایسی ہو جو نقصان دہ نہ ہو کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ۔ "آباء کم وأبناء کم لا تدرون ایهم اقرب لکم نفعا "❶ آباء کم وابناء کم کی خبر هم المقسوم علیهم" ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ " لاتدرون الخ "خبر ہے اور آگے" ایهم "مبتداء ہے اقرب اس کی خبر ہے اور نفعاً تمیز ہے" ای لا تدرون ایهم قریب لکم نفعه فی الدعاء لکم والصدقة عنکم "❷ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے" او ولد صالح یدعوله "ابن عباس اور حسن بصری نے کہا ہے کہ کبھی بیٹا افضل ہوتا ہے تو اپنے باپ کے حق میں سفارش کرتا ہے۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ آخرت میں جب بیٹا باپ سے اونچا مرتبہ حاصل کرلے گا تو اللہ سے سوال کرے گا کہ میرے باپ کو بھی میرا مرتبہ دیا جائے اور جب باپ کا مرتبہ بلند ہوگا تو وہ اللہ سے سوال کرے گا کہ میرے بیٹے کو یہ بلند مقام دیا جائے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد دنیا اور آخرت کا نفع ہے۔ (ابن زید) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معنی یہ ہے کہ" انکم لا تدرون من انفع لکم من آباء کم وابناء کم من اوصیٰ منهم فعرضکم لثواب الاخرة بامضاء وصیته فهوا قرب لکم نفعاً او من ترک الوصیة ووفر علیکم عرض الدنیا"❸

---

❶ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے ان کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ تمہارے لیے کون مفید ہے۔

❷ یعنی تم نہیں جانتے تمہارے لیے دعاء کرنے اور تمہاری طرف سے صدقہ دینے میں کون مفید ہے۔

❸ تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ زیادہ فائدہ بخش ہیں یا تمہارے بیٹے (دیکھئے) جس نے ان میں سے وصیت کی اور تمہیں آخرت کے ثواب کی دعوت دی وصیت کو نافذ کرنے کی بنا پر پس وہ تمہارے لیے بہتر ہے یا وہ جس نے وصیت ہی نہیں کی اور سارا مال چھوڑ گیا (اور مر گیا اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں)

Marfat.com

صاحب کشاف نے اسی کو قوی قرار دیا ہے کیونکہ یہ جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کا حق ہے کہ جن دو جملوں کے درمیان آرہا ہو ان کی تاکید کرے اور فریضۃً منصوب اس لیے ہے یہ مصدر موکد ہے یعنی مفعول مطلق ہے مکی وغیرہ کا خیال ہے یہ حال مؤکدہ ہے اس کا عامل یوصیکم ہے۔ پہلی تحقیق زیادہ مناسب ہے۔ ان اللہ کان علیما اور اللہ پاک میراث کی تقسیم جانتا ہے۔ حکیم ہے جب ہی تو اس کی تقسیم کا حکم دیا ہے اور میراث کے حق دار لوگوں کے حصے بھی بیان کیے ہیں۔ زجاج معنی کرتے ہیں "علیماً بالاشیاء قبل خلقھا حکیماً فیما یقدرہ ویمضیہ" ۔ ❶

"ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد " ❷ اسی آیت میں مردوں کو خطاب ہے اور ولد سے مراد بالاتفاق حقیقی اولاد ہے یا اولاد الاولاد ہے۔

"فان کان لھن ولد فلکم الربع مماترکن " ❸ یہ بھی اتفاقی مسئلہ ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خاوند نصف جائیداد کا مالک ہے اولاد ہو تو چوتھا حصہ ملے گا اگرچہ اولاد الاولاد ہی ہے اور اس سے بھی نیچے ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

"من بعد وصیۃ یوصیٰ اَو دین " ❹ اس مسئلہ پر گفتگو گزر چکی ہے۔

"ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم

---

❶ اللہ پاک تخلیق اشیاء سے پہلے ہی ان کو جانتے ہیں اور جو کچھ آئندہ کرتا ہے اس کا بھی اندازہ اس نے کر رکھا ہے۔ اس میں فرقہ قدریہ کا رد ہے جن کا عقیدہ ہے کہ تخلیق اشیاء سے قبل اللہ پاک ان کو نہیں جانتے ان اشیاء کے وقوع پذیر ہونے کے بعد وہ اللہ کے علم میں آتی ہیں" تدبر ولا تغفل"۔

❷ اے خاوندو! تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے مال سے نصف مال ملے گا بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو۔

❸ اگر ان کی اولاد ہے (خواہ اس خاوند سے یا پہلے خاوند سے) تو تمہارا چوتھا حصہ ہوگا۔

❹ یہ مال اس وقت ملے گا جب قرضہ اور وصیت پوری کر دی جائے۔

Marfat.com

ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین"۔ [1] یہ حصہ اولاد ہونے کی صورت میں ہے اور نہ ہونے کی صورت میں ہے' ایک بیوی بھی اسی حصے کی مستحق ہے اور ایک سے زائد ہوں تو پھر بھی اسی کی حق دار ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وصیت اور دَین کا اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔" وان کان رجل یورث کلالة" [2] رجل سے مراد میت ہے اور یورث ورث کا مجہول ہے اور اورث کا مجہول نہیں ہے اور یہ کان کی خبر ہے اور کلالة یورث کی ضمیر سے حال ہے اس کے علاوہ دوسری تراکیب بھی ہیں۔ کلالة تکللہ النسیب کا مصدر ہے جس کا معنی ہوتا ہے احاطہ کر اسی لیے تاج کو بھی اکلیل کہا گیا ہے کیونکہ وہ سر کا احاطہ کر لیتا ہے کلالہ سے مراد وہ میت ہے جس کی نہ اولاد ہو نہ باپ ہو۔ حضرت ابوبکر' عمر' علی رضی اللہ عنہم اور جمہور اہل علم کا یہی قول ہے اور یہ خیال کتاب العین کے مصنف کا' ابومنصور لغوی' ابن عرفہ' قتیبی' ابوعبید اور ابن انباری کا بھی ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں اہل مدینہ' اہل کوفہ' اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول سات قاضیوں اور آئمہ اربعہ کا بھی ہے اور جمہور سلف وخلف بلکہ تمام لوگوں کا ہے اور کئی آئمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اس بارے میں ایک حدیث مرفوع بھی منقول ہے۔اھ۔

ابوحاتم اور اثرم نے ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے کہ جس میت کا وارث نہ ہو باپ نہ ہو یا بیٹا نہ ہو یا بھائی نہ ہو وہ اہل عرب کے ہاں کلالة ہے۔ ابوعمر اور ابن عبدالبر نے

---

[1] عورتوں کے لیے چوتھا حصہ ہے اس مال سے جو تم نے چھوڑا اگر تمہاری اولاد نہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے وصیت اور قرضہ ادا کرنے کے بعد۔

[2] اگر وہ آدمی جس کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہے کلالہ ہے (اس کا حکم آ رہا ہے)

Marfat.com

کہا ہے کہ کلالہ کی تفسیر میں یہاں ابو عبیدہ کا باپ اور بیٹے کے ساتھ بھائی کا ذکر کرنا غلط ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ کسی سے بھی منقول نہیں ہے اور یہ جو حضرت ابو بکر اور عمر سے منقول ہے کہ کلالہ وہ ہے کہ جس کی صلبی اولاد نہ ہو اس سے ان کا رجوع ثابت ہے۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ کلالہ زندہ اور مردہ دونوں کا نام ہے۔ قرابت کا نام بھی انہوں نے کلالہ رکھا ہے کیونکہ انہوں نے میت کو ہر جانب سے احاطہ کیا ہے اور وہ اس میں سے نہیں ہوتے اور وہ ان میں سے نہیں ہوتا ہے بخلاف بیٹے اور باپ کے وہ اس کے دو طرف ہوتے ہیں جب وہ نہ ہوں تو نسب کنارے میں ہو جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ کلالہ' کلال سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے تھکا دینا گویا کہ اس نے دور سے اور تھکا کر وارث کو میراث دی ہے۔ ابن کا خیال ہے کہ کلالہ چچا کے دور والے بیٹے ہیں قصہ مختصر یہ کہ جس نے یورث (راء مشدد اور زیر سے) پڑھا ہے جیسا کہ بعض اہل کوفہ کا خیال ہے یا مختصر پڑھا ہے جیسے کہ حسن اور ایوب کا خیال ہے' اس نے کلالہ کو قرابت بنا دیا ہے اور جس نے یورث (راء کی زبر سے) پڑھا ہے جیسا کہ جمہور کا خیال ہے اس صورت میں احتمال ہے کہ کلالہ میت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قرابت ہے۔ حضرت علی' ابن مسعودؓ زید بن ثابت' ابن عباس اور شعبی سے منقول ہے کہ کلالہ وہ ہے جو اولاد اور باپ کے علاوہ ورثاء ہوں۔ طبری نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ کلالہ وہ لوگ ہیں جو میت کے وارث ہوتے ہیں اولاد اور باپ کے علاوہ کیونکہ حضرت جابر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میں کلالہ ہوں کیا میں سارا مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کر دوں۔ آنحضرت نے فرمایا نہیں۔ عطاء نے کہا ہے کہ کلالہ کا معنی مال ہے۔ ابن عربی نے کہا ہے کہ یہ قول ضعیف بلا دلیل ہے۔

صاحب کشاف نے کہا ہے کہ کلالہ کے تین مصداق ہیں۔ (۱) جس نے پیچھے نہ اولاد چھوڑی نہ باپ۔ (۲) اور اس پر جس کی نہ اولاد ہے نہ

Marfat.com

باپ۔ [1] (۳) اس کا اطلاق اس رشتہ داری پر بھی ہوتا جو نہ اولاد کی طرف سے ہو نہ باپ کی طرف سے" اوامرأة "یہ رجل یورث پر معطوف ہے جو قیود وہاں ہیں یہاں بھی مراد ہیں اصل عبارت یہ ہوگی۔" وامرأة تورث كلالة" "وله اخ او أخت "سعد بن ابی وقاص نے" أخت من ام "پڑھا ہے اور ابھی ذکر آ رہا ہے جنہوں نے اس کو ان سے روایت کیا ہے۔" فلكل واحد منهما السدس " [2] قرطبی فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ یہاں اخوۃ سے مراد ماں میں شریک بھائی ہیں اس میں بھی اتفاق ہے کہ ماں باپ میں شریک بھائی یا صرف باپ میں شریک بھائی کے لیے یہ حصہ نہیں ہے اس اجماع سے معلوم ہوتا ہے کہ قول باری تعالیٰ" وان كان له اخوة رجالاً ونساء "میں" اخوة لا بوين يالاب "مراد ہیں۔

یعنی ماں باپ میں شریک بھائی یا باپ میں شریک بھائی مراد ہیں اور" وله اخ أو اخت "میں ضمیر مفرد اسی لیے لائی گئی ہے کہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے کہ وہ جب دو ایسے اسموں کو ذکر کرتے ہیں جو حکم میں برابر ہوں تو ان کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو وہ مفرد لاتے ہیں جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:" واستعينوا بالصبر والصلوة وانها لكبيرة "میں اور قول باری تعالیٰ "يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فى سبيل الله "میں ہے۔ [3] اور کبھی

---

[1] یہاں پہلی اور دوسری صورت میں کوئی فرق مجھے محسوس نہیں ہوا یا تو درمیان میں سے کوئی لفظ ساقط ہوگیا ہے یا پھر علامہ زمخشری (وفات ۵۳۸) سے تسامح ہوگیا ہے۔ زمخشری کے علاوہ اس انداز کی تقریر کسی نے بھی نہیں کی ہے اور پہلا معنی ہی صحیح ہے واللہ اعلم۔

[2] کلالہ کا وارث ایک بھائی ہو یا ایک بہن تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

[3] صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے استعانت طلب کرو اور وہ بھاری ہے یہاں "ھا" کی ضمیر مفرد ہے پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے اور ضمیر مفرد لائی گئی ہے۔ دوسری مثال یہ دی ہے کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (ان کو عذاب الیم کی بشارت دے دو) یہاں بھی" ينفقونها "میں" ھا "ضمیر مفرد ہے جب کہ پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے۔

Marfat.com

کبھی تثنیہ بھی ذکر کر دیا جاتا ہے جیسے اس آیت میں ہے'' وإن كان غنيا أو فقيرا فالله أولى بهما ''[1] میں ہے۔

'' فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث'' ذلک کا اشارہ'' وله أخ أو أخت '' کی طرف ہے یعنی ایک بھائی اور ایک بہن ہے۔ایک بھی زائد ہو (تو وہ ثلث میں شریک ہوں گے) اس کی صورت یہ ہے کہ موجود (وارث) دو ہوں یا زائد دونوں مذکر ہوں یا دونوں مؤنث ہوں یا ایک مذکر دوسرا مؤنث ہو۔اور اسی سے استدلال کیا گیا ہے کہ مذکر اس مونث کی طرح ہے جو اخوۃ لام میں سے ہے[2] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ثلث میں شریک کیا ہے اور مونث پر مذکر کی فضیلت کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ بیٹوں اور ماں باپ میں شریک یا باپ میں شریک بھائیوں کے بارے میں کیا ہے۔قرطبی نے کہا ہے کہ یہ علماء کا اتفاقی مسئلہ ہے اور اس آیت نے یہ بھی بتایا ہے کہ جب اخوۃ لام کے ساتھ مسئلہ مکمل ہو جائے تو وہ اخوہ لابوین یا اخوۃ لاب سے مقدم ہیں اور یہ مسئلہ حماریہ میں ہوگا جس کی صورت یہ ہے کہ میت کے وارث ''زوج' ماں' دو بھائی ماں جائے اور اخوۃ لابوین'' ہوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں وہ شرط پائی گئی ہے جس کی موجودگی میں اخوۃ لام وارث ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ میت کلالہ ہے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ''اہل فرائض کو ان کے حصے دے دو اور جو بچ جائے وہ قریبی مذکر کے لیے ہے''۔(بخاری و مسلم وغیرہ) علامہ شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ ہم نے اپنے رسالے ''المباحث الدریہ فی المسألۃ الحماریۃ'' میں بتا دیا ہے کہ اس آیت اور حدیث کی اس مسئلے پر واضح دلالت موجود ہے اس مسئلہ

---

[1] اگر وہ مالدار ہو یا فقیر پس اللہ تعالیٰ ان کے زیادہ لائق ہے یہاں ''بھما'' میں تثنیہ کی ضمیر ہے۔

[2] ''اخوۃ لام'' ماں میں شریک بھائی'' اخوۃ لاب'' باپ میں شریک بھائی'' اخوۃ لابوین'' ماں باپ میں شریک بھائی۔

Marfat.com

میں صحابہ اور تابعین وغیرہ کا اختلاف مشہور ہے۔

''من بعد وصیة یوصی بھا أو دین ''اس جملے کی تفصیل گزر چکی ہے۔

''غیر مضار'' یعنی میت وصیت میں ورثہ کو نقصان دہ صورتوں میں سے کسی صورت کا ارتکاب کر کے تکلیف نہ دے جیسا کہ وہ کسی کے حق میں ویسے ہی اقرار کرے یا وہ محض ورثہ کو تکلیف دینے کی غرض سے وصیت کرے یا وہ کسی بھی وارث کے لیے وصیت کر جائے یا غیر وارث کے لیے کرے مگر ثلث سے زائد اور دیگر وارثوں نے اسے اجازت نہیں دی ہو اور یہ قید (غیر مضار کی) وصیت اور دَین دونوں کی طرف راجع ہے جب یہ دونوں کی قید ہے تو مرنے والا جو بھی کسی کے لیے قرضے کا اقرار کرے یا ممنوع وصیت کا یا اس وصیت کا جس کا مقصد صرف ورثہ کو تکلیف دینا ہے ایسی تمام چیزیں باطل اور مردود ہوں گی ان میں سے کوئی بھی نافذ العمل نہیں ہوگی۔ خواہ وہ ثلث یا ثلث سے کم کی وصیت ہو اور قرطبی فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔ اھ

اور یہ قید یعنی عدم ضرر کی مذکورہ تمام چیزوں ''وصیت و دَین'' کے لیے ہے۔

ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اس مقام پر قید خصوصی اس لیے لگائی ہے کیونکہ عموماً ورثہ کا خیال ہوتا ہے کہ میت انکے حق میں کوتاہی کرے گی۔ ''وصیة من اللہ'' ''یوصیکم بذلک وصیة'' کا مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے جیسے ''فریضة من اللہ'' میں ہے۔ ابن عطیہ کا خیال ہے وصیة کا عامل مضار ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اسکے ساتھ یا اس کے سبب تکلیف واقع ہو۔ اس کا وقوع اس پر مجازاً ہے اس صورت میں وصیۃ مفعول بہ ہوگا کیونکہ اسم الفاعل کا ذوالحال پر اعتماد ہے' یا یہ معنوی لحاظ سے منفی ہے۔ لہٰذا یہ مضار کا مفعول بہ بن سکتا ہے۔

اور حسن نے وصیۃ من اللہ کو مجرور پڑھا ہے کہ اسم الفاعل کی اس کی طرف اضافت ہو رہی ہے جیسے یہ مثال ہے ''یا سارق اللیلة اھل الدار'' واللہ علیم حلیم

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت ہونے میں دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان مذکورہ تفاصیل کے ساتھ فرائض کے بارے میں وصیت کی ہے اور جو وصیت ان تفاصیل کے خلاف ہوگی اس سے اللہ کی وصیت مقدم ہے جیسے وہ وصایا جن میں بعض ورثاء کو بعض پر فوقیت دی گئی ہو یا ایسی وصیت جو مشتمل ہو ان کو کسی طرح کی بھی تکلیف و نقصان دینے کے لیے۔ اور کئی احادیث میں وصیت کے ذریعے نقصان پہنچانے کی شدید مذمت آئی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

نسائی' بیہقی' ابن جریر' ابن منذر اور دیگر لوگوں نے اسے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ امام احمد' عبید بن حمید' ابوداؤد' ترمذی (ترمذی نے اس کو حسن بھی کہا ہے) ابن ماجہ (آئندہ الفاظ حدیث ابن ماجہ کے ہیں) اور بیہقی نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی ستر سال تک (تقریباً) اعمال صالحہ کرتا ہے پھر جب وہ وصیت کرتا ہے اور اس میں ظلم کر جاتا ہے تو اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے تو وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے اور آدمی زندگی بھر (مثلاً ستر سال) بے عمل رہتا ہے اپنی وصیت میں انصاف کرتا ہے اچھے خاتمہ کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قرآن پڑھ کر دیکھ لو" تلک حدود اللہ الخ"

اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ایک راوی ہے جس کو امام احمد اور ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام نسائی کی رائے ہے کہ وہ قوی نہیں ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ کمزور ہے ابن عون نے کہا ہے کہ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

فائدہ: قاضی محمد بن علی شوکانی ؒ نے اپنی مختصر کتاب "الدر البہیۃ" میں زیر عنوان کتاب المواریث لکھا ہے کہ احکام میراث کتاب اللہ میں بڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اولاً اصحاب الفروض میں مال تقسیم ہوگا جو بچ جائے گا وہ عصبہ کا حق ہے اور بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہیں اور پوتی بیٹی کے ساتھ چھٹے حصے کی مستحق ہے دو ثلث مکمل

Marfat.com

کرنے کے لیے یہی حصہ اخت لاب کا ہے۔ اخت لابوین کے ساتھ جدہ اور جدات کا چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ میت کی ماں نہ ہو۔ یہی حصہ دادا کا ہے ان کے ساتھ جن کے ساتھ وہ ساقط نہیں ہوتا۔ اخوت اور اخوات کا بیٹے' پوتے کے ساتھ کوئی حصہ نہیں ہے' جب وہ دادا کے ساتھ آئیں تو اس میں اختلاف ہے۔ اور وہ بیٹیوں کے ساتھ وارث ہوتے ہیں سوائے اخوۃ لام کے۔ اخ لابوین کی موجودگی میں اخ لاب وارث نہیں ہوتا اور ذووالارحام [1] بھی وارث ہوتے ہیں اور وہ بیت المال سے مقدم ہیں

اگر فرائض میں مزاحمت (کمی) ہو جائے تو عول پر عمل ہوگا۔ [2] لعان والی عورت کی اولاد اور زانیہ کی اولاد اپنی ماں اور اس کی قرابت سے وراثت پائے گی اور ان کی ماں ان کی وارث ہوگی۔ بچہ جب تک آواز نہ نکالے وارث نہیں ہوتا اور عتیق کی وراثت معتق کو ملے گی اور وہ عصبات کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور اہل حصص کے بعد بچا ہوا اس کا ہے۔ ولاء کی بیع اور ہبہ حرام ہے۔ دو ملتوں والے (مسلم و کافر) آپس میں وارث نہیں ہوتے' قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا۔ اھ

شوکانی نے اس کی شرح الدراری المضیۃ میں کہا ہے کہ وراثت کی جو تفاصیل کتاب عزیز میں ہیں وہ بالکل ظاہر ہیں جس کو بیان کرنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے اور ہم نے صرف وہ تفاصیل بیان کی ہیں جو سنت اور اجماع سے ثابت ہیں اور جن

---

[1] وراثت پانے والوں کی تین اقسام ہیں۔ (۱) اصحاب الفروض: جن کے حصص کتاب اللہ میں متعین ہو چکے ہیں۔ (۲) عصبات: اصحاب الفرائض جب اپنے حصص لے لیں تو بقیہ مال کے مالک عصبات ہیں یا صاحب فرض نہ ہو تو وہ سارے مال کے وارث ہوتے ہیں۔ (۳) ذوالارحام: اصحاب الفرائض اور عصبات کے علاوہ وہ قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔

[2] اہل حصص زیادہ ہوں اور مسئلہ کی تقسیم ان پر پوری نہ ہوتی ہو تو اہل حصص کے تھوڑے تھوڑے حصص کم کر کے مسئلہ کو صحیح کرنے کا نام عول ہے۔

Marfat.com

مسائل کی کوئی دلیل نہیں ہے انہیں صرف رائے سمجھ کر چھوڑ دیا ہے جیسا کہ اس کتاب میں ہمارا یہی طریقہ ہے اور محض خیال ورائے تدوین کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ دلیل نہ ہونے کی بنا پر عالم کی رائے اور اجتہاد ہوتا ہے ایک عالم کا اجتہاد دوسرے عالم پر کوئی دلیل نہیں ہے، جب کتاب اللہ اور ہمارے بیان کردہ مسائل آپ کے ذہن میں آ گئے ہیں تو یوں سمجھیں کہ کتاب وسنت میں بیان کردہ علم الوراثۃ کو آپ نے سمجھ لیا ہے ان کی روشنی میں دوسرے مسائل کو بھی قیاس سے معلوم کرنے کی کوشش کریں اور حدیث معاذ کی رو سے قیاس کر لیں۔ اھ

اس حدیث کو امام ترمذی (التوفی ۲۷۹ھ)، ابوداؤد (التوفی ۲۷۵ھ) احمد (التوفی ۲۴۱ھ) اور دارقطنی (التوفی ۳۸۵ھ) نے نقل کیا ہے، یہ حدیث ضعیف ہے (ابن حزم) اس حدیث کی دو سندیں ہیں دونوں ضعیف ہیں (ابن طاہر) حافظ ابن حجر (التوفی ۸۵۴ھ) نے کہا ہے کہ امام بخاری (التوفی ۲۵۶ھ) نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں حارث بن عمرو اس کے مشائخ اور اس کا شاگرد سب ضعیف ہیں (تلخیص بحوالہ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۷۶) بعض ائمہ نے کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے مگر یہ ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ سوائے ابوعون کے حارث سے بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ حدیث تو غریب ہے متواتر کیسے ہوئی؟ امام ابن قیم (التوفی ۷۵۱ھ) نے اس کی صحت ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر حافظ عبدالرحمان مبارکپوری (التوفی ۱۳۵۲ھ) نے کہا ہے کہ پھر بھی حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ میری اس کاوش کا یہ معنی نہیں ہے کہ قیاس واجتہاد ٹھیک نہیں ہے بلکہ قیاس کرنا اور اجتہاد کے ذریعے مسائل کا اثبات بالکل درست ہے۔ حدیث میں آتا ہے جناب ابوہریرہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فأخطأ فلہ اجر واحد'' (ترمذی ابواب الاحکام) کہ جب حاکم اپنی سوچ اور اجتہاد سے فیصلہ کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اگر غلط ہوجائے تو ایک اجر ضرور ملتا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 6:

﴿ یایھاالذین آمنوا ﴾ (۱۹) ہے۔

آیت کا مفہوم سبب نزول کے ذکر سے واضح ہوگا اور سبب نزول بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس سے اس طرح منقول ہے کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اولیآء اس کی عورت کے زیادہ حق دار ہوتے تھے اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو خود اس سے شادی کر لیتا اگر اولیآء چاہتے تو کہیں اور جگہ اس کی شادی کر دیتے اور اگر چاہتے تو اس کی بالکل شادی نہ کرتے وہ اس کے اہل سے اپنے آپ کو زیادہ حق دار سمجھتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابوداؤد میں آتا ہے کہ ایک آدمی اپنے قرابتدار کی عورت کا وارث ہوتا تھا پھر وہ اس کو روکے رکھتا یہاں تک کہ وہ مرجاتی یا مہر چھوڑ دیتی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اگر عورت حسین ہوتی تو اس سے شادی کر لیتا اور اگر وہ بدصورت ہوتی تو اس کو روکے رکھتا کہ وہ مرجائے تو اس کا وارث بن جائے۔ مختلف الفاظ سے یہ سبب نزول مروی ومنقول ہے۔ تمہیں جائز نہیں کہ تم عورتوں کے جبراً وارث بنو اور نہ ہی حلال ہے کہ تم انہیں روکو کسی دوسرے سے شادی کرنے سے تاکہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو یعنی تم ان کی میراث لے لو جب وہ مریں یا پھر جب تم انہیں نکاح کی اجازت دو تو وہ تمہیں اپنا مہر دے دیں۔

زہری اور ابومجلز نے کہا ہے کہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوجاتا اور اس کی بیوی ہوتی تو اس کا بیٹا (جو اس عورت سے نہ ہوتا) اس پر کپڑا ڈال دیتا یا کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار یہ کام کر لیتا تو وہ اس کا زیادہ استحقاق رکھتا تھا اس کی ذات سے بھی اور اس کے اولیآء سے بھی۔ اگر وہ چاہتا تو میت کے دیئے ہوئے مہر پر اکتفا کرتے ہوئے خود نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا تو کسی سے نکاح کر دیتا اور

Marfat.com

مہر خود وصول کر لیتا اور اسے کچھ نہ دیتا اور اگر چاہتا تو اس کو اسی طرح ہی رکھتا کہ وہ مجبور ہو کر میت سے ملنے والی وراثت اسے دے دیتی یا وہ مرجاتی تو یہ اس کا وارث بن جاتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شوہروں کو خطاب ہے جب وہ ان کو بدسلوکی سے روکیں ان کی وراثت میں طمع کرتے ہوئے یا وہ مہر کا کچھ حصہ فدیہ میں دے دیں۔ ابن عطیہ نے اسی تفسیر کو پسند کیا ہے اور یہ ارشاد الٰہی '' الا ان این یاتین بفاحشة مبينة ''[1] ان کی دلیل ہے کیونکہ جب وہ برائی کا ارتکاب کرے گی تو ولی اس کو روکنے کا مجاز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اپنا مال لے جائے۔ یہ اجتماعی مسئلہ ہے اور یہ خاوند کے لیے جائز ہے۔

حسن بصری نے کہا ہے کہ جب باکرہ زنا کرے تو اسے سو کوڑا لگایا جائے اور جلا وطن کیا جائے اور جو کچھ اس نے خاوند سے لیا ہے واپس کرے۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی کی بیوی زنا کرے تو وہ اس کو تکلیف دے سکتا ہے اور اس پر سختی کر سکتا ہے یہاں تک کہ وہ فدیہ دے دے۔ سدی کا فرمان ہے کہ جب وہ یہ کام کر لیں تو ان سے مہر لے لو۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے گفتگو اور گھریلو ماحول کی خرابی مراد ہے خواہ قولاً یا فعلاً۔

امام مالک اور بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بدزبان عورت سے خاوند سارا مال لے سکتا ہے۔ یہ ساری تقریر اسی صورت میں ہے کہ '' ولا تعضلوھن '' میں خطاب مردوں سے ہے۔ شان نزول کے سبب کے بیان میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ '' لا تعضلوھن '' میں انہیں کو خطاب ہے جن کو '' لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھاً '' میں ہے تو معنی یہ ہوگا کہ تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم ان کو شادی سے روکو اور اس کے ذریعے تم ان کا کچھ مال کھا جاؤ یعنی جو کچھ ان کے مورث نے دیا ہے الا یہ کہ وہ فاحشہ مبینہ کا ارتکاب کر بیٹھیں، پھر تم ان کو روک سکتے ہو ازواج سے۔

[1] الا یہ کہ وہ کوئی واضح فاحشہ کی مرتکب ہوں۔

Marfat.com

اس تفسیر میں جو تعسف وکج روی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے نیز ایسی فاحشہ عورت کو نکاح سے روکنا اور زنا سے محفوظ رہنے سے روکنا جائز نہیں ہے جیسے ''لا تعضلوهن ''میں اولیاء سے خطاب ماننے میں تعسف ہے اسی طرح'' لا یحل لکم ان ترثوا النسآء ''میں ازواج (شوہروں) کو خطاب ماننے میں بالکل تعسف ہے جب کہ یہ ہمارے بیان کردہ شان نزول کے بھی خلاف ہے۔ بہت بہتر یہ ہے کہ'' لایحل لکم ''میں مسلمانوں سے خطاب مان لیا جائے یعنی اے مسلمانو! تمہارے لیے یہ جائز وحلال نہیں ہے کہ تم جبراً عورتوں کے وارث بنو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔

حاصل یہ کہ اے مسلمانو! تم اپنی ازواج کو اپنے پاس روک کر نہ رکھو جب کہ تمہیں ان میں کوئی رغبت ومحبت بھی نہیں ہے بلکہ اس لیے روکتے ہو کہ وہ اپنی جان بخشی اور آزادی کے لیے اور تمہاری ملک میں نہ رہنے کی وجہ سے (جب کہ تم انہیں ناپسند بھی کرتے ہو) تمہیں مہر واپس کر دیں الا یہ کہ وہ فاحشہ مبینہ کی مُرتکب ہوں پھر تمہارے لیے جائز ہے کہ دیا ہوا کچھ مال لے کر خلع کرلو۔

آیت نمبر 7:

﴿ وعاشروهن بالمعروف ﴾ .[1] (١٩) ہے۔

معروف کا وہی معنی ہے جو شریعت اور اہل شرع کے ہاں معروف ہے یعنی اچھی زندگی گزارنا اور یہ شوہروں سے خطاب ہے یا عام ہے یہ حکم شوہروں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتا ہے یعنی یہ حکم مالداری' فقر وغربت' بلندی اور کمینگی کے اعتبار سے ہوگا اگر کسی وجہ سے (علاوہ فاحشہ مبینہ کے اور نشوز کے) تم انہیں کراہت کی نگاہ سے دیکھتے ہو'' فعسى ان تكرهوا شيئا ويجعل الله فيه خيراً كثيراً ''[2] یعنی

---

[1] ان کے ساتھ اچھی زندگی گزارو۔

[2] تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک شی کو ناپسند سمجھتے ہو مگر اللہ تعالیٰ اس میں بہت خیر ودیت فرمادے۔

Marfat.com

ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ تمہاری پسندیدہ شی کی طرف لوٹ آئے کراہت ختم ہو جائے اور وہ محبت میں بدل جائے تو اس میں خیر کثیر ہو جائے یعنی اس کی صحبت ہمیشہ رہے اور اس سے اولاد حاصل ہوتی رہے اس صورت میں (قانونی اعتبار سے) جزاء محذوف ہو گی جس پر اس کی علت کے ساتھ دلالت کی جاتی ہے یعنی" فان کرھتموھن فاصبروا ولا تفارقوھن بمجرد ھذہ النفرۃ فعسیٰ ان تکرھوا شیئا یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً "❶ بعض نے کہا ہے کہ آیت میں حکم ہے کہ بیوی کو ناپسندیدگی کی حالت میں بھی روکے رکھو مگر یہ حکم مندوب ہے کیونکہ جب وہ اس کی صحبت کو مکروہ سمجھتا ہے اور حصول ثواب کی خاطر وہ کراہت کو بھی برداشت کرتا ہے اور اس پر خرچہ بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ اچھی طرح زندگی گذارتا وہ دنیا میں بھی اچھی تعریف کا مستحق ہے اور آخرت میں بھی بہت زیادہ ثواب کا حق دار ہے۔

آیت نمبر 8:

﴿وان اردتم استبدال زوج﴾ ای زوجۃ ﴿مکان زوج اخری وآتیتم احداھن قنطاراً﴾ (۲۰) ہے۔ ❷

یہاں قنطار سے مال کثیر مراد ہے اور یہ آیت مہر کے زیادہ سے زیادہ ہونے کی دلیل ہے (مگر حسب استطاعت) " فلا تاخذوا منہ شیئا "بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت " ولا تاخذوا مما

---

❶ اگر تم ان عورتوں کو ناپسند کرتے ہو تو صبر کرو صرف اس نفرت سے ان کو اپنے سے الگ نہ کرو ہوسکتا ہے تم ایک شی کو ناپسند سمجھتے ہو مگر اس میں اللہ پاک بہت خیر ودیعت فرما دے۔ یہاں " فاصبروا " ہے جو محذوف تھی۔

❷ یعنی اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو اور تم اس کو بطور مہر ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو پھر اس کی واپسی کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

آتیتموھن شیئاً الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ ''[1] سے یہ آیت منسوخ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں آیات محکم (غیر منسوخ) ہیں اور یہاں مراد غیر مختلعہ ہے کہ اس سے کچھ نہ لیا جائے۔[2]

آیت نمبر 9:

﴿ ولا تنکحوا مانکح آباء کم من النسآء ﴾ (۲۲)[3] ہے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ اپنے باپ کی منکوحہ سے (جب باپ مرجاتا) شادی کر لیتے تھے۔ اس آیت میں اس فعل سے روک دیا گیا ہے۔ یہاں سے ان نکاحوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو حرام ہیں اور جو حرام نہیں ہیں'' الا قد سلف ''۔[4] یہ استثناء منقطع ہے معنی یہ ہوگا لیکن زمانہ جاہلیت میں جو کچھ گزر چکا ہے اس سے بچو اور اس کو چھوڑ دو۔ بعض کا خیال ہے کہ الا بمعنی بعد ہے عبارت یہ ہوگی بعد ما سلف۔ بعض کا خیال ہے یہ عبارت اس طرح ہے'' ولا ما سلف '' بعض کا خیال ہے کہ یہ '' مانکح اباء کم '' سے استثناء متصل ہے جو تحریم میں مبالغۃً بولا گیا ہے۔ یہ کلام تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے معنی یہ ہوگا کہ اگر تمہیں گزری ہوئی عورتوں سے نکاح کی طاقت ہے تو کر لو صرف

---

❶ تم نے جو کچھ اپنی بیویوں کو دیا ہے ان سے بالکل کچھ نہ لیا جائے الا یہ کہ وہ دونوں میاں بیوی حدود اللہ قائم رکھنے میں اندیشہ محسوس کریں تو پھر کچھ لینا چاہیں تو لے لیں۔

❷ یعنی سورہ نسآء کی آیت میں مطلقہ کا حکم ہے اور سورہ بقرہ کی آیت میں مختلعہ (خلع کرنے والی) کا حکم ہے دونوں کے محل جدا جدا ہیں۔

❸ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نکاح کر چکے ہیں۔

❹ ہاں جو نکاح پہلے گزر چکے ہیں وہ معاف ہیں۔ اہل عربیت کے ہاں جس الا کو لکن سے تعبیر کیا جائے اس کا مطلب ہوتا ہے الا کا مابعد ماقبل کے حکم میں داخل نہیں ہے اس کو استثناء منقطع کہا جاتا ہے جہاں مابعد ماقبل میں داخل ہو اس کا نام استثناء متصل ہوتا ہے۔

Marfat.com

لیے حلال ہیں۔ جناب عبدالرزاق' ابن شیبہ' احمد' حاکم (انہوں نے اس کی تصحیح بھی کی ہے) اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت براء سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے ماموں سے ملا' ان کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا میں نے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں انہوں نے کہا مجھے آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد اس کی منکوحہ سے شادی کرلی ہے مجھے اس کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اس کا مال چھین لوں' پھر رب کائنات نے اس نہی کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے:'' انہ کان فاحشۃ ومقتا وسآء سبیلا ''۔ (1) گویا یہ نہی کا سبب ہے' یہ تین صفات بتاتی ہیں کہ یہ بڑا قبیح اور شدید حرام فعل ہے اور اہل جاہلیت نے اس نکاح کا نام نکاح المقت رکھا ہے وہ یہ کہ آدمی اپنے باپ کی بیوی (مطلقہ ہو یا بیوہ) سے نکاح کرے اور اس کا دوسرا نام ضیزن بھی ہے اور مقت بمعنی عداوت ہے۔

آیت نمبر 10:

﴿ حرمت علیکم امھاتکم ﴾ (۲۳) ہے۔

یعنی تمہارے لیے تمہاری ماؤں سے نکاح حرام ہے۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے حلال وحرام عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ سات نسبی رشتے حرام کیے ہیں اور چھ رضاعی اور رشتہ دامادی۔ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ عورت اور اس کی پھوپھی عورت اور اس کی خالہ ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتا اور اس مسئلہ پر ائمہ کا اتفاق ہے' سات حرام نسبی رشتوں میں سے ایک رشتہ ماں کا ہے دوسرا حرام رشتہ بیٹیوں کا ہے تیسرا بہنوں کا چوتھا پھوپھیوں کا پانچواں خالاؤں کا چھٹا حرام رشتہ بھتیجیوں کا ساتواں بھانجیوں کا ہے۔

---

(1) یقیناً وہ یعنی ماں سے نکاح کرنا بڑا بے حیائی کا کام ہے اور اللہ پاک کی ناراضگی ہے اور یہ بڑا ہی برا طریقہ ہے۔

Marfat.com

''وامھاتکم اللاتی ارضعنکم ''۔❶ یہاں دودھ پلانے کی مدت کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ سنت سے ثابت ہے کہ رضاعت دو سال کے اندر اندر ثابت ہوگی سوائے ایک واقعہ کے جو ابوحذیفہ کے غلام سالم کو پیش آیا تھا۔❷ قرآن کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ لغۃً اور شرعاً جس پر رضاعت کا معنی صادق آتا ہے وہاں رضاعت کا حکم صادق آئے گا اور رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

صحیح احادیث میں صحابہ سے پانچ چوسوں کی تحدید مروی ہے اس قول کی تحقیق میں گفتگو خاصی طویل ہے۔ علامہ شوکانی نے اپنی تصنیفات میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کر دی ہے اور جس کو حق سمجھا ہے اس کو ترجیح بھی دی ہے ہم نے اس کا کچھ حصہ بلوغ المرام کی شرح میں نقل کیا ہے۔'' واخواتکم من الرضاعۃ ''۔❸ رضاعی بہن وہ ہوتی ہے جس کو تیری ماں تیرے باپ سے پیدا شدہ دودھ پلائے خواہ تیرے ساتھ پلائے یا تجھ سے پہلے یا تیرے بعد بھائیوں اور بہنوں میں سے۔'' اخت من الام '' وہ

---

❶ تمہاری وہ مائیں بھی تم پر حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔

❷ حدیث میں آیا ہے کہ ابوحذیفہ کی بیوی (سھلہ) آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میرا خاوند (اپنے آزاد کردہ غلام) سالم کے گھر آنے سے کچھ کراہت محسوس کرتا ہے میں اس پر پریشان ہوں آپ نے فرمایا کہ تو سالم کو دودھ پلا دے تو اس کی رضاعی ماں بن جائے گی اور اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اس نے ایسا ہی کیا تو اس کا مسئلہ حل ہو گیا (نسائی کتاب النکاح) صحیح بات یہ ہے کہ دو سال کے بعد پلایا ہوا دودھ حرمت پیدا نہیں کرتا ہے یہ ایک مخصوص واقعہ ہے۔ ازواج مطہرات (سوائے حضرت عائشہؓ کے) صحابہ تابعین نے اور محدثین نے اس کو عام نہیں مانا کہ اس کا حکم ہر ایک پر لگا دیا جائے بلکہ یہ انہیں سے خاص تھا خصوص کی دلیل حولین کاملین کے الفاظ ہیں

❸ تمہاری دودھ کی بہنیں بھی حرام ہیں۔

Marfat.com

ہوتی ہے جس کو تیری ماں دودھ پلائے مگر دودھ دوسرے آدمی کا ہو۔'' وامھات نسآء کم وربائبکم اللآتی فی حجورکم من نسآء کم اللاتی دخلتم بھن ''❶ صہرا دودھ اور ذریعے حرام ہونے والی عورتیں یہ ہیں۔ دودھ پلانے والی مائیں، رضاعی بہنیں، عورتوں کی مائیں، ربائب، بیٹوں کی بیویاں، دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا یہ چھ قسم کی عورتیں ہیں۔ ساتویں وہ عورت جو باپ کی منکوحہ ہو۔ آٹھویں عورت اور اس کی پھوپھی کو ایک نکاح میں جمع کرنا۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ یہ سب احکام صحیح اور متفق علیہ ہیں۔ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہو چکا ہے سوائے ان عورتوں کی ماؤں کے جن کے ساتھ ان کے شوہروں نے جماع نہیں کیا کیونکہ اہل علم کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ کسی کے عقد میں کسی کی بیٹی ہے تو اس کی ماں اس پر حرام ہے مگر بیٹی اس وقت تک حرام نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کی ماں سے جماع نہ کیا جائے۔

سلف میں سے بعض کا خیال ہے کہ ماں اور ربیبہ دونوں برابر ہیں ان میں سے ایک تب حرام ہوتی ہے جب دوسری سے جماع کیا جائے۔ علماء نے کہا ہے کہ '' امھات نساء کم '' کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ان بیویوں کی مائیں جن سے تم نے جماع کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ دخول کی قید امھات اور ربائب دونوں کی طرف راجع ہے۔ اسی روایت کو خلاس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور ابن عباس، جابر، زید بن ثابت اور مجاہد سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔

امام قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بواسطہ خلاس قابل حجت نہیں ہے اور اہل الحدیث کے ہاں اس کی روایت صحیح نہیں ہے اور حضرت علیؓ سے وہی

---

❶ تمہاری بیویوں کی مائیں، تمہاری ربیبہ بچیاں جو تمہاری گود میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے جماع کیا ہے۔

Marfat.com

روایت صحیح ہے جو دیگر اصحاب سے مروی ہے۔

''قد اجیب ''اوران کا یہ کہنا کہ دخول کی قید امہات اورربائب دونوں کی طرف راجع ہے غلط ہے جو اعرابی لحاظ سے جائز نہیں ہے کیونکہ جب دوخبروں کے عامل مختلف ہوں تو ان کی صفت ایک نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ یہ مثال'' مررت بنسائکم وھویت نساء زید الظریفات ''۔[1] ائمہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اس شرط پر کہ ظریفات دونوں نساء کی صفت ہے۔اسی طرح اس آیت میں یہ جائز نہیں ہے کہ'' دخلتم بھن ''سب کی صفت ہو کیونکہ خبریں مختلف ہیں۔ابن منذر نے کہا ہے کہ جمہور ائمہ کا قول صحیح ہے کہ تمام امہات نساء قول باری تعالیٰ'' وامھات نسائکم ''[2] میں داخل ہیں۔

اوروہ مذہب جمہور کے مذہب کی تائید کرتا ہے جس کو عبدالرزاق' عبد بن حمید' ابن جریر' ابن منذر اور بیہقی نے اپنی سنن میں دوطریقوں سے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح کرے تو اب وہ اس کی ماں سے نکاح نہیں کرسکتا خواہ بیٹی سے جماع کیا ہے یا نہیں اور جب کوئی کسی کی ماں سے نکاح کرے اور دخول نہیں کیا پھر اس کو طلاق دے دی تو اب اس کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

---

[1] مثال کا معنی یہ ہے میں تمہاری عورتوں کے پاس سے گزرا اور میں نے زید کی عورتوں سے محبت کی جو خوش طبع ہیں۔یہاں یہ ظریفات دونوں نساء کی صفت واقع ہوا ہے اس لیے درست نہیں صرف آخری نساء کی صفت ہوسکتی ہے اسی طرح'' دخلتم بھن'' امہات اور ربائب'' دونوں کی قید وصفت نہیں ہوسکتی صرف آخری (ربائب) کی قید بن سکتی ہے۔وھوالحق۔

[2] عورتوں (بیویوں) کی مائیں یہ عام ہے اس میں منکوحہ سے جماع ودخول کی کوئی قید نہیں ہے جو بھی منکوحہ کی ماں ہوگی اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔

Marfat.com

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں جمہور کی تائید میں استدلال کرتے ہوئے کہا ہے اس کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے مگر اس کی سند کمزور ہے پھر وہ حدیث ذکر کی ہے پھر فرماتے ہیں کہ گو اس حدیث میں کمزوری ہے مگر امت کا جو اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری حدیث سے استدلال کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

زمخشری کشاف میں فرماتے ہیں کہ ائمہ اس پر متفق ہیں امہات نساء کی تحریم مبہم ہے بخلاف ربائب کے جیسا کہ کلام اللہ کا ظاہر اس پر دال ہے۔اھ (نواب صاحب فرماتے ہیں) کہ اجماع کا دعویٰ کرنا غلط ہے بخلاف ان کے جن کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ امہات کے لفظ میں مائیں' نانیاں' دادیاں اور باپ کی تمام مائیں داخل ہیں کیونکہ وہ تمام مائیں ہیں اس کی کہ جنم دیا ہے اس کو انہوں نے جنہوں نے اس کو جنم دیا تھا وھلم جراً۔ [1]

اور بنات کے لفظ میں بنات الاولاد اور آگے ان کی اولاد بھی داخل ہے اور لفظ اخوات حقیقی بہنوں' اخیافی اور علاتیوں کو شامل ہے۔ [2] پھوپھی ہر وہ عورت ہے جو تیرے باپ یا دادے کے ساتھ دونوں اصلوں (ماں' باپ) میں یا ایک میں شریک ہو اور کبھی پھوپھی کا اطلاق نانے کی بہن پر بھی ہوتا ہے اور خالہ ہر وہ عورت ہے جو تیری ماں کے ساتھ دونوں احول میں یا ایک میں شریک ہے اور کبھی خالہ باپ کی طرف سے بھی ہوتی ہے جیسے دادی کی بہن' بھائی کی بیٹی وہ ہوتی ہے جو تیرے بھائی کے ہاں پیدا

---

[1] یعنی ماں باپ بیٹوں کی ولادت کے اسباب ہیں اس لحاظ سے دادی اور نانی اپنے نیچے والوں کے اسباب ہیں اور وہ امہات میں داخل ہیں گو مجازاً ہی ہیں۔

[2] حقیقی بہنیں جو ماں باپ میں شریک ہوں اخیافی بہنیں جو باپ میں شریک ہوں علاتی بہن جو ماں میں شریک ہو۔

Marfat.com

ہو اور اس عورت سے ہو جس سے اس نے جماع اور مباشرت کی ہو اگر چہ رشتہ بعید ہی کا ہو۔ یہی حکم بہن کی لڑکی کا ہے۔

اور محرمات مصاہرۃ چار ہیں: بیوی کی ماں اور اس کی بیٹی' باپ کی بیوی اور بیٹے کی بیوی۔

"ربیبة" آدمی کی بیوی کی وہ بیٹی ہے جو دوسرے خاوند سے ہو اور اسے ربیبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عورت اس کی تربیت اس کی یعنی خاوند کی گود میں کرتی ہے یہ مربوبہ کے معنی میں ہے جیسے فعیلہ بمعنی مفعولہ ہوتا ہے۔ امام قرطبی نے کہا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ ربیبہ اپنی ماں کے اس شوہر پر حرام ہے جس نے اس کی ماں سے جماع کیا ہے اگر چہ ربیبہ اس کی زیر تربیت نہ بھی ہو۔ بعض متقدمین اور اہل ظاہر نے ایک شاذ بات کہہ دی ہے کہ ربیبہ تب حرام ہوتی ہے جب وہ متزوج کی سرپرستی میں ہو اگر وہ کسی دوسرے شہر میں ہے اور اپنی ماں سے الگ ہے تو (متزوج) کے لیے حلال ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

ابن منذر اور طحاوی نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کا انتساب صحیح نہیں ہے کیونکہ ابراہیم بن عبید بواسطہ مالک بن اوس حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہے اور یہ مجہول آدمی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے کہا ہے اس کی سند قوی ہے۔ مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) حجور حجر (حا کی زبر اور زیر دونوں جائز ہیں) کی جمع ہے معنی یہ ہوا کہ وہ اپنی ان ماؤں کی زیر تربیت ہوں جو اپنے شوہروں کی حفاظت و نکاح میں ہیں جیسا کہ عموماً ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ حجور سے مراد گھر ہیں گویا کہ اصل میں فی بیوتکم ہے۔ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے: "فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم"۔ [1] یہ پہلی عبارت کی وضاحت و تفصیل ہے۔ اہل علم کا اس

[1] اگر تم نے ان سے جماع نہیں کیا تو پھر تمہارے اوپر وہ حلال ہیں اور ان کے نکاح میں گناہ نہیں ہے۔

Marfat.com

میں اختلاف ہے کہ حرمت پیدا کرنے والا دخول کون سا ہے؟ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس دخول سے جماع مراد ہے اور یہی قول حضرت طاؤس' عمرو بن دینار وغیرہ کا ہے' امام مالک' ثوری' ابوحنیفہ' اوزاعی اور لیث سے مروی ہے کہ جب خاوند اس کی ماں کو شہوت سے ہاتھ لگا دے تو اس کی بیٹی (ربیبہ) اس پر حرام ہو جاتی ہے ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ آدمی کا اپنی بیوی سے تنہائی اختیار کرنا اس کی بچی کے حرام ہونے کا موجب نہیں ہے بشرطیکہ وہ اسے چھونے اور جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دے۔

بعض کا خیال ہے کہ کسی عورت کی فرج (شرم گاہ) کو شہوت سے دیکھنے کا معنی یہ نہیں ہے کہ کسی آدمی نے اس سے جماع کر لیا ہے اور یہ تحقیق پیش کرنے کے بعد اس پر قرطبی نے اجماع بھی نقل کیا ہے کہ علماء اس پر متفق ہیں کہ جب آدمی عورت سے شادی کرے پھر اسے طلاق دے دے یا وہ جماع سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو اس کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔

ائمہ نے (عورت کو) دیکھنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے علماء کوفہ نے کہا ہے جب کوئی آدمی عورت کی فرج (شرمگاہ) کو شہوت سے دیکھے تو یہ ایسا ہی ہے کہ اس نے اس کو شہوت سے چھو لیا ہے۔ سفیان ثوری کا بھی یہی خیال ہے اور انہوں نے شہوت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے۔ نظر سے حرمت ثابت نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ اس کو چھوئے یہی امام شافعی کا خیال ہے۔ اس قسم کے اختلافات میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ یہاں دخول کی لغوی و شرعی تحقیق کرنی چاہیے اگر وہ خاص جماع کے معنی میں مستعمل ہے تو پھر اس کے ساتھ لمس' نظر وغیرہ کو ملانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر اس کا معنی جماع سے عام لیا جائے کہ جس قسم کا استمتاع بھی ہو تو پھر تحریم کی علت وہی ہے اور ربیبہ جو ملک یمین میں ہوتی ہے اس بارے میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ وہ مکروہ ہے۔

Marfat.com

جناب عبداللہ بن عباس نے کہا ہے کہ ایک آیت اس کو حلال کرتی ہے اور دوسری آیت اس کو حرام کرتی ہے اگرچہ میں خود یہ کام نہیں کرتا ہوں۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ علماء اس پر متفق ہیں کہ کسی آدمی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی عورت اور اسکی بچی سے جماع کرے ملک یمینی سے کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے" وامھات نسآء کم ربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسآء کم "اور ملک یمینی ان کے ہاں نکاح کے تابع ہے۔ ہاں حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس کے خلاف مروی ہے مگر مفتی حضرات اور ان کے تابعین نے اسکی پیروی نہیں کی۔ اھ

"حلائل" حلیلۃ کی جمع اور حلیلہ کا معنی ہے بیوی اس لیے کہ حل تحل سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے اترنا اور ظاہر ہے کہ جہاں خاوند رہتا ہے یہ بھی وہاں ہی رہتی ہے اور یہ بمعنی فاعلہ ہے۔ امام زجاج اور دیگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حلال سے ماخوذ ہے معنی یہ ہوگا کہ یہ وہ عورت ہے جو حلال ہے۔ بعض کا خیال ہے اس لفظ کا معنی ہوتا ہے ازار بند کھولنا اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی ازار کھولتا ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ باپ کی منکوحہ بیٹوں پر حرام ہے اور بیٹوں کی بیویاں آباء پر حرام ہیں خواہ عقد کے ساتھ جماع بھی ہوا ہے یا نہیں؟ (پہلے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ) اللہ پاک نے کہا ہے" ولا تنکحوا ما نکح آباء کم من نسآء کم "اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب عقد فاسد ہو تو جماع حرام ہے یا نہیں جیسا کہ فروعات کی کتب میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔

ابن منذر نے کہا ہے کہ علماء امصار میں سے جید علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح فاسد کے ذریعے وطی (جماع) کرے تو وہ اس کے باپ اور بیٹے اور داداوں پر حرام ہو جاتی ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ لونڈی کا عقد شراء (لونڈی کا خریدنا) اس کو اس کے خریدنے والے کے باپ اور بیٹے پر حرام نہیں کرتا اور جب لونڈی خریدی پھر اس کو چھو لیا یا بوسہ دیا تو وہ اس کے باپ اور بیٹے

Marfat.com

پر حرام ہو جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی اتفاقی ہے ان کی حرمت کا عقیدہ بھی رکھنا ضروری ہے اور جب نظر شہوت میں ائمہ کا اختلاف ہے بخلاف لمس کے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا اختلاف ہے۔ اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے کسی ساتھی سے بھی ہماری تحقیق کے خلاف کچھ بھی منقول نہیں ہے۔

'' الذین من اصلابکم'' ''ابنآء'' کی صفت ہے یعنی (ان حقیقی) ابناء کے علاوہ جن کو تم نے اپنا منہ بولا بیٹا کہا ہے جو تمہاری اولاد نہیں ہوتی جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی (یہ اس کی تائید ہے) '' فلما قضیٰ زید منها وطرا زوجنا کها لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاء هم اذا قضوا منهن وطراً ''۔ ❶ نیز فرمایا '' وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ''۔ ❷ یہ بھی ہے: '' ما کان محمد ابا احد من رجالکم ''۔ ❸ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کے بارے میں اکثر ائمہ کا خیال ہے کہ وہ اس کے باپ پر حرام ہے۔ یہ بات بھی مسلم ہے اور مجمع علیہ ہے کہ رضاعی بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا ہے اور اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: '' یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ''۔ ❹ اور یہ بھی اتفاقی بات ہے کہ '' اولاد الاولاد بمنزلہ حقیقی اولاد '' ہے کہ ان کی عورتیں بھی ان کے آباء پر حرام ہیں۔

---

❶ یہ سورہ احزاب کی آیت ہے معنی یہ ہوگا جب زید نے اپنی حاجت پوری کرلی تو اس کا نکاح ہم نے آپ سے کردیا تاکہ مؤمنوں پر کوئی تنگی نہ ہو جب وہ (پہلے) اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔

❷ یہ بھی احزاب کا ٹکڑا ہے معنی یہ ہوا کہ اللہ پاک نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا۔

❸ یہ بھی سورہ احزاب کا حصہ ہے یعنی محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

❹ جو رشتہ نسب سے حرام ہوتا ہے وہ دودھ پینے سے بھی ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ زنا سے بھی نکاح حرام ہوتا ہے یا نہیں؟ اکثر اہل علم کا خیال ہے جب کوئی آدمی کسی عورت سے زنا کرتا ہے تو اس کا نکاح اس آدمی پر حرام نہیں ہوتا اسی طرح اس کی بیوی بھی حرام نہیں ہوتی جب آدمی اس کی ماں سے زنا کرے یا اس کی بیٹی سے اور اسے حد لگائی جائے گی۔ اسی طرح جمہور کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ آدمی مزنیہ کی ماں اور بیٹی سے بھی نکاح کرسکتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زنا محرم ہے جن میں ابن عمران بن حصین،❶ شعبی، عطاء، حسن، سفیان ثوری، احمد، اسحاق اور دوسرے اہل الرائے کے نام ملتے ہیں۔

امام مالک سے بھی یہی مروی ہے اور ان کا صحیح قول جمہور مطابق ہے۔ جمہور کی دلیل یہ آیات ہیں '' وامھات نساء کم '' اور '' وحلائل ابناء کم '' اور جس عورت سے زنا کیا گیا اس کو بیویوں میں سے کوئی بھی شامل نہیں کرتا اسی طرح وہ بیٹوں کی بیویوں میں بھی داخل نہیں ہے۔ دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو دارقطنی میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کسی عورت سے زنا کرتا ہے پھر اس سے یا اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔ اور جو لوگ منکر ہیں ان کی دلیل وہ واقعہ ہے جو جریج ولی کو پیش آیا تھا جس کا تذکرہ صحیح بخاری میں ہے کہ جریج نے اس کو کہا تھا اے بچے تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا فلاں چرواہا تو اس لڑکے نے اپنی نسبت اپنے زانی باپ کی طرف کی ہے مگر یہ استدلال لائق قبول نہیں ہے۔❷

---

❶ یہاں نسخے میں ابن عمران بن حصین لکھا ہوا ہے مگر عموماً ان اصحاب کے ساتھ عمران بن حصین ہی کا تذکرہ آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

❷ یہاں تو الزام دور کرنا مقصود تھا نہ اثبات ابوۃ اور جریج کا من ابوک؟ کہنا بھی بظاہر تھا ورنہ تو حدیث کے خلاف ہے۔

Marfat.com

اور دوسرا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے'' لا ینظر الله إلی رجل نظر الی فرج امرأة و ابنتها ''۔ ❶ اس میں حلال حرام کی تفصیل نہیں ہے۔ جمہور ائمہ نے جواب دیا ہے کہ یہ حدیث مطلق ہے اور دوسری ادلہ سے اسے مقید کیا جائے گا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام' حلال کو حرام نہیں کرسکتا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا لواطت سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ امام ثوری کا خیال ہے کہ جب کوئی آدمی کسی بچے سے بدفعلی کر لیتا ہے تو اس کی ماں اس پر حرام ہو جاتی ہے اور یہی خیال امام احمد بن حنبل کا ہے انہوں نے فرمایا ہے'' اذا تلوط بابن امرأته او ابنها او اخیها حرمت علیه امرأته ''۔ ❷ امام اوزاعی کا خیال ہے کہ جب کوئی کسی بچے سے بدفعلی کرے اور اس کے بعد بچے کے ہاں (شادی کے بعد) لڑکی پیدا ہوئی تو یہ بدکار اس بچی سے شادی نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اس کی بیٹی ہے جس سے وہ خلوت اختیار کر چکا ہے۔

ان لوگوں کے قول کی کمزوری بالکل واضح ہے اور (معرض استدلال) سے گر جانا ان قائلین کے استدلال سے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حرام وطی (جماع) تحریم نکاح کا تقاضا کرتی ہے (یہ قول کسی درجہ میں بھی ان کی تائید نہیں کرتا) کیونکہ اس میں کئی قسم کے شبہات ہیں جن کی وجہ سے وہ اس استدلال کے قابل نہیں ہیں کہ کہا جائے کہ لواطت بھی حرمت کا تقاضا کرتی ہے۔

'' وان تجمعوا بین الاختین ''۔ ❸ یعنی تم پر دو بہنوں کو ایک نکاح میں

---

❶ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہیں دیکھیں گے جس نے کسی عورت کی فرج اور اس کی بیٹی کا فرج دیکھا ہو۔

❷ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے بیٹے یا اس کے بیٹے سے یا اس کے بھائی سے لواطت کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔

❸ یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو۔

Marfat.com

جمع کرنا حرام ہے یہ عبارت محلاً مرفوع ہے کیونکہ اس کا عطف محرمات سابقہ (امھاتکم) پر ہے جس طرح یہ قول ملک نکاحی کو شامل ہے اسی طرح ملک یمینی کو بھی شامل ہے یعنی دونوں بہنیں مملوک ہوں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا تعلق ملک نکاح کے ساتھ ہے نہ کہ ملک یمینی کے ساتھ البتہ ملک یمینی کی وطی (جماع) نکاح کے ساتھ ملحق ہے یعنی قسم میں دونوں برابر ہیں۔ ساری امت اس پر متفق ہے کہ دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا منع ہے۔ ملک یمینی کی صورت میں دو بہنوں کے جمع ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ کا خیال ہے کہ دونوں کے ساتھ ملک یمینی کے طور پر جماع کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے اس وطی میں دو بہنوں کو جمع کرنے کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے اور ائمہ کا اختلاف ہے کہ ایک لونڈی جس سے ملک یمینی سے وطی (جماع) ہوئی ہے اب اس کی بہن سے نکاح ہوسکتا ہے۔ امام اوزاعی کا خیال ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی ملک یمینی والی لونڈی سے جماع کرے تو اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہے۔ امام شافعی کا خیال ہے کہ ملک یمینی قطعاً حائل نہیں ہے اس کی بہن کے نکاح میں۔ اہل ظاہر کا خیال ہے کہ ملک یمین کے ساتھ دو بہنوں کو جمع کرنا وطی میں جائز ہے جیسے انہیں ملک میں جمع کرنا جائز ہے۔

ابن عبدالبر نے حضرت عثمان بن عفان کا قول کہ ''دو بہنوں کی وطی میں ملک کے طور پر جمع کرنا جائز ہے'' بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ سلف کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ ان میں جناب ابن عباس بھی شمار ہیں مگر ان سے سخت اختلاف کیا گیا ہے۔ حجاز و عراق کے فقہاء امصار اور اس کے علاوہ علماء مشرق، علماء شام اور علماء مغرب میں سے کسی نے بھی ان سے اتفاق نہیں کیا سوائے ان چند لوگوں کے جنہوں نے ظاہر پر بنیاد رکھی ہے اور قیاس کی نفی کی ہے اور جس نے اس کا قصد کیا اسے ترک کر دیا گیا ہے۔ اور فقہاء کا گروہ اس پر متفق ہے کہ ملک یمینی کی بنا پر دو بہنوں کے ساتھ جماع کرنا جائز نہیں جس طرح ان دونوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے تحقیق اہل اسلام کا

Marfat.com

اس پر اتفاق ہے کہ" حرمت علیکم امہاتکم الخ " کا معنی ہے کہ ان سب میں ملک یمینی کے ساتھ نکاح برابر ہے اسی طرح قیاساً اور جمع میں " بین الاختین " کو دیکھتے ہوئے اور عورتوں کی مائیں اور ربائب کو ایک نکاح پر جمع کرنے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مذکورہ تحقیق ہی واجب ہے اور اسی طرح جمہور علماء کے نزدیک ہے اور نہی حجت ودلیل ہے اس کے خلاف جو اس کا مخالف ہے۔ واللہ المحمود انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ یہ مسلمہ بات ہے کہ لفظ نکاح کا اطلاق صرف عقد پر ہوتا ہے اور صرف وطی پر ہوتا ہے اور اس بارے میں اختلاف معروف ہے کہ ان میں سے ایک حقیقت ہے اور دوسرا مجاز ہے اور ایک قول ہے کہ دونوں حقیقت ہیں (پس تمہید کے بعد اشکال یہ ہے کہ) اگر قول باری تعالیٰ " حرمت علیکم امہاتکم الخ "میں حرمت مذکورہ کو تحریم میں عقد پر محمول کریں (کہ ان سے عقد حرام رکھیں) تو " ان تجمعوا بین الاختین "میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو " جمع بین المملوکین فی الوطی بالملک " کی حرمت پر دلالت کرتا ہے اور اہل اسلام کا اجماع ہے کہ " حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم واخواتکم الخ "میں آزاد اور لونڈیاں سب برابر ہیں (تو اس سے) لازم نہیں آتا کہ محل اختلاف " جمع بین الاختین فی الوطی لملک الیمین "محل اجماع کی مثل ہوجائے (اگر قیاس کیا جائے تو کہا جائے گا کہ) صرف قیاس اس قسم کی جگہ میں حجت نہیں بن سکتا کیونکہ اس پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

اور اگر ہم مذکورہ آیت میں تحریم کو صرف تحریم علی الوطی پر حمل کریں تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء کا اجماع ہے کہ از اول تا آخر تمام مذکورہ عورتوں سے عقد حرام ہے تو اب نہیں باقی رہا مگر یہ کہ تحریم مذکور کو حمل کرنا تحریم عقد النکاح پر جو 'تحریم الجمع بین الاختین فی الوطی بالملک " کا قائل ہے وہ دوسری دلیل کا محتاج ہوگا اور یہ کہنا کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے اس کے لیے مفید نہیں ہے حق افراد ورجال سے

Marfat.com

معلوم نہیں تھا پس اگر وہ اس کو تکدر کے شائبہ سے خالص کر کے لائے تو فبھا ونعمت ورنہ تو اصل میں حلت ہی ہے۔تو آیت میں نکاح کا لفظ دونوں معنی (عقد اور وطی) پر حمل کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقت ومجاز کو جمع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے یا یہ مشترک کے دونوں معنوں کو جمع کرنا ہے اس میں اختلاف ہے جو کتب اصول میں معروف ہے فتدبر ھذا۔اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ جب آدمی اپنی زرخرید لونڈی سے وطی کرے پھر اس کی بہن کو بھی مملوکہ بنا کر وطی کرنا چاہے تو اس کے بارے میں حضرت علی' ابن عمر' حسن بصری' اوزاعی' شافعی' احمد اور اسحاق کا خیال ہے کہ وہ آدمی اس کی بہن سے وطی نہیں کرسکتا الا یہ کہ دوسری کا فرج حرام کرے بایں طور کہ اس کو اپنی ملک سے نکال دے تو پھر جائز ہے مثلاً اس کو فروخت کردے یا آزاد کردے یا اس کا کسی سے نکاح کردے۔

ابن منذر نے کہا ہے کہ اس بارے میں حضرت قتادہ کا دوسرا قول ہے کہ وہ پہلی لونڈی کی حرمت کی نیت کرے اور اس سے وطی نہ کرے اور اس سے اجتناب کرے یہاں تک کہ اس محرمہ کے رحم صاف ہونے کا یقین ہو جائے پھر دوسری سے وطی کرے اس بارے میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ وہ دونوں سے وطی نہیں کرسکتا' حاکم اور حماد کا یہی قول ہے اس سے ملتا جلتا مطلب ابراہیم نخعی سے بھی مروی ہے۔امام مالک نے کہا کہ جب ملک یمینی کے طور پر کسی کے قبضے میں دو بہنیں ہوں جس سے چاہے وہ وطی کرسکتا ہے اور دوسری سے رک جانا اس کی امانت اور دیانت پر موقوف ہے اگر دوسری سے وطی کرنا چاہے تو پہلی کو اپنے اوپر حرام کرلے یعنی اپنے فعل واختیار سے اسے اپنی ملک سے نکال دے یا شادی کردے یا بیچ دے یا آزاد کردے یا کتابت کرے یا طویل مدت کے لیے کسی کو بطور خدمت دے دے۔پس اگر وہ ایک سے وطی کرتا ہے پھر پہلی کو حرام کیے بغیر وہ دوسری سے وطی کرنا چاہے تو دونوں سے توقف کرنا ہوگا اور کسی ایک کے قریب بھی نہیں جاسکتا یہاں تک کہ وہ دوسری کو حرام کرے اور

Marfat.com

اب یہ اس کی امانت پر موقوف نہیں ہے کیونکہ وہ اب مورد تہمت میں ہے قرطبی نے کہا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دے تو اس کی بہن سے اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتا جب تک اس کی عدت نہ گزرے اور اس میں اختلاف ہے کہ جب بیوی کو ایسی طلاق دی جس کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا اور ابھی تک عدت بھی نہیں گزری تو اس صورت میں حضرت علی' زید بن ثابت' مجاہد' عطاء' نخعی' ثوری' احمد بن حنبل اور اصحاب الرائے کا خیال ہے کہ اس کی بہن سے بھی نکاح نہیں کرسکتا اور چوتھی بیوی سے بھی نہیں کرسکتا۔

ایک طائفہ کا خیال ہے جن میں سعید بن میسیب' حسن' قاسم' عروہ بن زبیر' ابن ابی لیلیٰ' شافعی' ابوثور' ابوعبید شامل ہیں ان کا خیال ہے کہ اس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے اور اس صورت میں چوتھی بیوی سے بھی نکاح کرسکتا ہے ابن منذر فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے یہ قول صرف امام مالک کا ہے اور یہ ایک روایت زید بن ثابت اور عطاء سے بھی مروی ہے اور قول باری: " الا ما قد سلف " کے بارے میں احتمال ہے کہ اس کا وہی مفہوم ہو جو قول باری تعالیٰ " ولا تنکحوا ما نکح آباء کم من النساء الا ما قد سلف " کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا دوسرا معنی ہو کہ جو کچھ گزرا ہے وہ جائز ہے اور یہ بھی کہ جب زمانہ جاہلیت میں دو بہنوں سے نکاح جائز تھا اور جب اسلام آیا تو اس نے بہنوں میں اختیار دیا ہے اول احتمال ہی درست ہے۔

جو کچھ قبل از نہی گزر چکا ہے یقیناً اللہ اسے معاف کرنے اور رحم کرنے والا ہے اور " والمحصنات من النساء " مذکورہ محرمات پر عطف ہے اور تحصن کا معنی ہوتا ہے حفاظت' ارشاد ہے: " لتحصنکم من باسکم ای تمنعکم "[1] اور

---

[1] تاکہ تمہیں تمہاری لڑائی میں محفوظ رکھیں۔

Marfat.com

حصان کا معنی پاکیزہ عورت کیونکہ اس نے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا ہے اور حصانۃ (بفتح الحاء) مصدر ہے اور یہاں محصنات سے مراد شادی شدہ عورتیں ہیں اور قرآن میں حصان کے متعدد معانی مستعمل ہیں ایک یہ دوسرا آزادی ہے اور'' ومن لم یستطیع منکم طولا ان ینکح المحصنات ''میں یہی معنی ہے ❶ اور'' والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ''❷ میں بھی یہی ہے تیسرا معنی پاکدامن ہے اور'' محصنات غیر مسافحات ''اور'' محصنین غیر مسافحین ''میں یہی معنی مراد ہیں۔ ❸

اور چوتھا معنی مسلمان عورت ہے اور'' فاذا احصن ''میں یہی معنی ہے'' محصنات من النساء '' کی تفسیر میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس' ابوسعید خدری' ابوقلابہ' مکحول اور زہری کا خیال ہے کہ یہاں محسنات سے وہ عورتیں مراد ہیں جو شادی شدہ ہوں اور گرفتار ہو کر مسلمانوں کی غنیمت بنیں اصل عبارت یہ ہوگی'' ھن محرمات علیکم الا ما ملکت ایمانکم بالسبی من ارض الحرب ''❹ ایسی عورتیں حلال ہیں اگرچہ ان کے خاوند بھی ہیں۔ یہی خیال ابن وہب اور ابن عبدالحکم کا ہے اور انہوں نے یہی قول امام مالک سے نقل کیا ہے یہی خیال ابوحنیفہ' ان کے اصحاب' احمد' اسحاق اور ابوثور کا ہے۔

---

❶ جو شخص تم میں سے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا (وہ لونڈی سے کرے)

❷ آزاد مومنات اور اہل کتاب کی آزاد عورتوں کا نکاح حلال ہے۔

❸ پاکدامن عورتوں سے نکاح جائز ہے جو محض شہوت پرست نہ ہوں۔ یہی معنی محصنین غیر مسافحین کا ہے۔

❹ یعنی شادی شدہ عورتیں حرام ہیں ان سے نکاح جائز نہیں بجز اس کے کہ وہ دارالحرب سے گرفتار ہو کر آئیں پھر مسلمانوں کے لیے حلال ہیں گو وہاں ان کے خاوند بھی موجود ہوں۔

Marfat.com

استبراء رحم کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے جیسا کہ فرعی مسائل کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس آیت میں محصنات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں اور یہی خیال ابوالعالیہ' عبیدہ سلمانی' طاؤس' سعید بن جبیر اور عطاء کا ہے اور یہی معنی عبیدہ نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے اور اس کا معنی سب کے نزدیک یہ ہے کہ تمام عورتیں حرام ہیں سوا ان کے جن کے تم مالک ہو جاؤ یعنی تم نکاح کے ذریعے ان کی عصمت کے مالک بن جاتے ہو اور خریدنے سے گردن کے مالک بن جاتے۔

اور ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے سعید بن جبیر سے کہا آپ کو نہیں پتہ کہ جب ابن عباس سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تو سعید نے کہا کہ وہ جانتے نہیں تھے اور ابن جریر نے مجاہد سے بھی نقل کیا ہے کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس آیت کی کوئی تفسیر جاننے والا ہے تو میں اس کے سامنے زانوتلمذ طے کرنے کے لیے اونٹوں کو دوڑا دوڑا کر پہنچتا۔ اھ

آیت کے معنی بالکل واضح ہیں جس میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے یعنی تمہارے لیے شادی شدہ عورتیں حرام ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں خواہ کافر ہوں ہاں جن کے تم مالک بن جاؤ وہ حلال ہیں۔ مالک بننے کی صورت یہ ہے شادی شدہ عورت گرفتار ہو کر آئے یا وہ خرید کی جائے گو وہ شادی شدہ ہو اور اس کا کیا ہوا نکاح بھی ختم ہو جائے جونہی وہ اس (مزوج) آقا کی ملکیت سے وہ نکلے گی اور اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے اس کے خاص سبب کا نہیں ہوتا۔ " کتاب اللہ علیکم "۔ [1] یہ بنا بر مفعول مطلق ہونے کے منصوب ہے۔ " کتب اللہ ذلک کتاباً "۔

زجاج اور اہل کوفہ کا خیال ہے کہ یہ اغراء کی بنا پر منصوب ہے اور وہ قول باری

---

[1] اللہ پاک نے تمہارے اوپر یہ احکام فرض کر دیئے ہیں۔

Marfat.com

تعالیٰ "حرمت علیکم الخ" میں مذکور تحریم کی طرف اشارہ ہے: " واحل لکم ما وراء ذلکم "۔ ❶ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ان مذکورہ عورتوں کے علاوہ دوسری تمام عورتیں حلال ہیں اور یہ قول عام ہے اور حدیث نے بعض دیگر رشتے خاص کیے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ عورت اور اس کی پھوپھی اس طرح عورت اور اس کی خالہ ایک نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح معتدہ سے نکاح جائز نہیں ہے اسی طرح آزاد لونڈی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح آزاد سے نکاح کرنے پر قادر ہو وہ بھی لونڈی سے نکاح نہ کرے اسی طرح پانچویں عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اسی طرح لعان کرنے والی عورت ملاعن سے نکاح نہیں کرسکتی۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں ان عورتوں کا ذکر ہے جن کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور ان احادیث میں ان محرمات کا ذکر ہے جو کسی عارض کی بنا پر ہیں جس کا زوال ممکن ہے ہاں ملاعنہ کے بارے میں حکم عارضی نہیں ہے غور کیجیے ❷ تحقیق دور چلا گیا وہ شخص جس نے کہا ہے کہ مذکورہ خواتین کے اجتماع کی حرمت اس آیت سے اس طرح ثابت ہے کہ اس آیت نے " جمع بین الاختین " کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا جو بھی صورت اس کے مشابہ ہوگی وہ بھی حرام ہوگی جیسے پھوپھی بھتیجی کا اجتماع' خالہ اور بھانجی کا اجتماع' ایسے شخص نے بڑی بعید بات کہی ہے۔ اسی طرح اس آدمی کا لونڈی سے نکاح کرنا جو آزاد سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے کیونکہ یہ عموم کے لیے مخصص ہے۔" ان تبتغوا" ماقبل کی علت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے عبارت یہ ہوگی" وحرم علیکم ما حرم واحل لکم ما احل لاجل ان تبتغوا باموالکم النسآء اللاتی احلهن الله لکم ولا تبتغوا به

---

❶ ان عورتوں کے علاوہ باقی دیگر عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔

❷ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر آدمی کو قابل اعتراض حالت میں پائے تو ایک دوسرے پر لعنت کرکے الگ ہوجانے کا نام لعان ہے۔

Marfat.com

الحرام فیذم حال کونکم محصنین ای متعففین عن الزنا غیر مسافحین ای غیر زانین''۔ ❶ سفاح کا معنی ہوتا ہے بہانا۔ گویا رب تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ اپنے اموال کے ذریعے عورتوں سے نکاح کرو زنا نہ کرو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے: ''ان تبتغوا باموالکم'' ''ما وراء ذلکم'' کے ما سے بدل ہے یعنی تمہارے مال کے ذریعے تلاش حلال ہے اور اول ہی زیادہ مناسب ولائق ہے اور اللہ کے ہاں ان اموال سے آزاد عورتوں کے مہر اور لونڈیوں کی قیمتیں مراد ہیں۔ ''فما استمتعتم بہ منھن''۔ ❷ یہاں کلمہ ماء موصولہ ہے اور ''فاتوھن'' میں فاء جزائیہ ہے کیونکہ ما موصولہ شرط کے معنی کو متضمن ہے اور عائد (ضمیر مثلاً) محذوف ہے عبارت یہ ہوگی: ''ای فاتوھن اجورھن علیہ''۔ ❸

اس آیت کے مفہوم میں اہل علم کا خاصا اختلاف ہے۔ حسن' مجاہد اور دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ آیت کا معنی ہے کہ جب تم نے بذریعہ شرعی نکاح عورتوں سے جماع کر کے لذت وفائدہ اٹھایا تو اب ان کو ان کا مہر بھی دو۔ جمہور کا خیال ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد متعہ ہے جو ابتداء اسلام میں ممنوع نہ تھا اور ابی بن کعب' ابن عباس اور سعید بن جبیر کی قرأتیں اس کی تائید کرتی ہیں وہ یہ ہے: ''فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمی فاتوھن اجورھن''۔ ❹ پھر اس سے نبی ﷺ نے منع

---

❶ حرام کیا گیا تم پر جو حرام کیا گیا ہے اور حلال کیا گیا ہے جو حلال کیا گیا ہے اس لیے کہ تم اپنے مال کے ذریعے ان عورتوں کو تلاش کرو جن کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کے ذریعے حرام کاری نہ کرو جو لائق خدمت ہے محصنین کا معنی ہے زنا سے پرہیز کرنے والے غیر مسافحین کا معنی ہے زانی نہ ہوں' یہ دونوں حال واقع ہیں۔

❷ پس جس عورت سے تم فائدہ اٹھاؤ ان میں سے تو ان کو ان کے مہر دے دو۔

❸ گویا یہاں علیہ کا اظہار کرنا مقصود ہے جو محذوف تھا۔

❹ جس عورت سے تم ایک وقت مقررہ تک فائدہ اٹھاؤ ان کو ان کے مہر دے دو۔

Marfat.com

کردیا تھا جیسا کہ حدیث میں مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خیبر والے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے روک دیا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ) اور مسلم میں سبرہ بن معبد جہنی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن فرمایا:

''اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اللہ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے جس کے پاس کوئی متعہ والی عورت ہو تو وہ اسے چھوڑ دے جو کچھ دیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کرنا''۔

اور مسلم ہی میں ہے کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے لہٰذا یہ ناسخ ہے سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ متعہ میں میراث کا کوئی حق نہیں۔ قاسم بن محمد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال ہے کہ اس کی حرمت اور تنسیخ دونوں قرآن میں ہیں۔ آیت یہ ہے: ''والذین هم لفروجهم حافظون الا علىٰ ازواجهم او ماملكت ايمانهم فانهم غير ملومين''۔ ❶ جس عورت سے متعہ کیا جائے نہ وہ زوجہ ہوتی ہے اور نہ وہ مملوکہ لونڈی ہوتی ہے کیونکہ جو بیوی ہوتی ہے وہ خاوند کی وارث ہوتی ہے اور خاوند عورت کا وارث ہوتا ہے اور جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعہ کا جواز منقول ہے وہ تنسیخ کے بالکل قائل نہیں ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اس جواز سے رجوع کر لیا تھا جب انہیں ناسخ کا پتہ چلا اور روافض کی ایک جماعت بھی اس کی قائل ہے اور اس کے جواز میں ان کے پیش کردہ اقوال غیر معتبر ہیں اور متاخرین میں سے بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں طویل بحث چھیڑ کر اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا ہے اور مجوزین کی تائید وتقویت

---

❶ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کے محافظ ہیں سوائے اپنی عورتوں کے یا جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ پس ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔

Marfat.com

میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کیا ہے مگر ان کے دلائل کو باطل کرنے کے لیے یہ کتاب متحمل نہیں ہے اور علامہ شوکانی نے منتقی کی شرح (نیل الاوطار) میں اس مسئلے پر بڑی بسط و تفصیل سے گفتگو کی ہے اور مخاطبین کے شبہات و دلائل کا خوب رد کیا ہے اور ہم نے بھی اپنی کتاب ''مسک الختام'' شرح بلوغ المرام میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فریضۃً یہ مصدر مؤکد ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا یہ بمعنی مفروضہ ہے اور یہ حال ہے۔

''ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضۃ''۔[1] یعنی مہر میں کمی زیادتی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ یہ معاملہ رضامندی سے ہو۔ یہ تفسیر ان کے ہاں درست ہے جو اس جگہ نکاح شرعی کے قائل ہیں اور جمہور کے ہاں جو اس آیت میں متعہ کے قائل ہیں معنی یہ ہوگا متعہ کی مدت میں کمی زیادتی رضامندی سے ہو یا جو مال اس کو فائدہ اٹھانے کی صورت میں دینا طے کیا ہے اس میں کمی زیادتی رضامندی سے ہو۔

آیت نمبر 11:

﴿ومن لم یستطیع منکم طولا﴾ (۲۵) ہے۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، سدی، مہدی، ابوزید، مالک، شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور اور جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ طول بمعنی مالداری اور وسعت ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جو شخص اتنی مالی وسعت نہیں رکھتا کہ جس کے ذریعے محصنات اور مومنات سے شادی کر سکتا ہے (تو اسے مومنہ لونڈی سے شادی کر لینی چاہیے) ''طال یطول طولا'' کا استعمال ایک محاورہ ہے فلان ذوطول یعنی ذوقدرۃ اور طول (بضم الطاء) بمعنی لمبائی یہ قصر کی ضد ہے۔ حضرت قتادہ، نخعی، عطاء

---

[1] کوئی گناہ نہیں ہے تمہارے اوپر اس چیز میں جس پر تم مقررہ مہر کے بعد رضامند ہو جاؤ۔

Marfat.com

اور ثوری کا خیال ہے ''طول'' کا معنی صبر ہے ان کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ایک آدمی کی حالت ہے کہ وہ صرف لونڈی کو چاہتا ہے اس کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ لونڈی سے ہی نکاح کرے جب وہ اپنے اوپر کنٹرول نہ کرسکتا ہو اور وہ ڈرتا ہے کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا اگرچہ وہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی گنجائش پاتا ہے یہی بجز امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا خیال ہے کہ طول کا معنی ہے آزاد عورت لہٰذا جس آدمی کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو وہ لونڈی سے نکاح نہیں کرسکتا اور جس کے نکاح میں آزاد عورت نہیں وہ باوجود مالدار ہونے کے لونڈی سے نکاح کرسکتا ہے۔

اور قاضی ابو یوسف کا بھی یہی خیال ہے اور ابن جریر نے بھی اس کو پسند کیا ہے اور اس کی انہوں نے دلیل بھی پیش کی ہے مگر اول معنی ہی آیت کے مطابق ہے اس توجیہ کے علاوہ باقی سب میں تکلف ہے لہٰذا جب آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہو تو لونڈی سے نکاح جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ آزاد سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو کیونکہ اس کے پاس مہر وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ''من لم یستطع'' چونکہ مبتداء ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے اس لیے ''فمن ما ملکت ایمانکم ''میں فا داخل ہے۔ ''من فتیاتکم المومنات'' ''المومنات حال ''ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

آپ پہلے جان چکے ہیں کہ آزاد آدمی لونڈی سے اس وقت شادی کرسکتا ہے جب وہ آزاد سے نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو اور دوسرا قرینہ اس آیت کا آخر میں رب تعالیٰ نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ'' ذلک لمن خشی العنت منکم ''۔ [1] لہٰذا فقیر کے لیے لونڈی سے نکاح اس وقت ہوسکتا ہے جب وہ زنا سے ڈرتا ہو۔ فتیات کے ساتھ مومنات کی قید کا تقاضا ہے کہ کتابی لونڈیوں سے نکاح جائز نہیں

---

[1] یہ حکم اس کے لیے ہے جو زنا میں مبتلا ہونے سے ڈرتا ہے۔

Marfat.com

ہے۔ یہی خیال اہل حجاز کا ہے اور اہل عراق جواز کے قائل ہیں اور یہاں لونڈی سے مملوکہ غیر مراد ہے اور خود انسان کا اپنی لونڈی سے نکاح بالاجماع جائز نہیں ہے کیونکہ وہ تو اس کی ملکیت میں ہے۔ کیونکہ حقوق کا تعارض واختلاف آ جائے گا۔ اور فتیات' فتاۃ کی جمع ہے۔ اہل عرب مملوک کو فتی اور مملوکہ کو فتاۃ کہتے ہیں اور حدیث میں آتا ہے کہ تم عبدی (میرا غلام) اور امتی (میری لونڈی) نہ کہو بلکہ فتاۃ (میرا جوان) اور فتاتی (میری جوان) کہا کرو۔

''واللہ اعلم بایمانکم''۔ [1] اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تسلی دی جا رہی ہے جو دو شرطوں کی بنا پر لونڈی سے شادی کر سکتا ہے یعنی تم سب آدم کی اولاد ہو تم میں سے باعزت وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے لہٰذا ضرورت کے وقت لونڈیوں سے نکاح کرنے سے کراہت نہ محسوس کریں کیونکہ بعض لونڈیوں کا ایمان بسا اوقات بعض آزاد عورتوں کے ایمان سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

یہ جملہ معترضہ ہے۔ ''بعضکم من بعض''۔ [2] یہ مبتداء اور خبر ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ نسب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متصل ہیں کیونکہ وہ سب نسل آدم ہیں یا دین کے لحاظ سے بھی وہ ایک دوسرے سے متصل ہیں کیونکہ ان کی ایک ملت ایک کتاب اور سب ایک نبی کے قائل ہیں اس جملے میں اہل عرب کو اس کام میں ترغیب دلائی گئی ہے کیونکہ وہ لونڈیوں کی اولاد کو قبیح سمجھتے تھے اور ان کو حقیر و کمینہ سمجھتے تھے اور اس کو لونڈی کا حقیر بچہ کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ بہت بری بات ہے جس کی طرف التفات ہی نہیں کرنی چاہیے لہٰذا تمہارے ہاں اترانا اور تکبر بالکل نہ آنے پائے بلکہ جب ان کے نکاح کی ضرورت محسوس کرو تو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لیا کرو۔ مالکوں کی اجازت اس لیے ضروری ہے کہ وہی ان کے

---

[1] اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ [2] تم میں بعض بعض کے نزدیک عزیز ہیں۔

Marfat.com

حقوق کے مالک ہیں دوسرے کو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر ان سے فائدہ حاصل کریں۔

"واتوھن اجورھن بالمعروف"۔ [1] ان کو ان کے مہر دے دو جو شرعی طور پر معروف ہیں اس آیت سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ لونڈی اپنے مالک کی نسبت مہر وصول کرنے کا زیادہ حق رکھتی ہے یہی خیال امام مالک کا ہے اور جمہور کا یہ خیال ہے کہ اس کا حق دار آقا ہے باقی ان کی طرف مہر کی نسبت مجازی ہے کیونکہ ان کو ادا کرنا ایسا ہے جیسے آقا کو دینا ہے کیونکہ یہ بھی اپنے مالک کا مال ہیں۔ محصنات یعنی پاکدامن۔ امام کسائی نے کہا ہے پورے قرآن میں صاد کے کسرہ (زیر) سے یہ لفظ پڑھا جاتا ہے سوائے" والمحصنات من النساء "کے اور دیگر قراء سارے قرآن میں فتح (زبر) سے پڑھتے ہیں۔

"غیر مسافحات "یعنی" علی الاعلان "زنا کرنے والی نہ ہوں "ولا متخذات اخدان "اور نہ وہ پوشیدہ دوست بنانے والی ہوں۔ خدن خدین بمعنی مخادن ہے جس سب کا معنی ہے ساتھی' بعض کا خیال ہے کہ ذات الخذن وہ عورت ہوتی ہے جو چھپ کر زنا کرنے والی ہو یا یہ مسافحہ کا مقابل ہے اور مسافحہ کا معنی ہوتا ہے علی الاعلان زنا کرنے والی' بعض نے کہا ہے کہ مسافحہ کا معنی ہے وہ عورت جو عام زنا کرتی ہو اور ذات الخذن وہ عورت ہے کہ جو ایک آدمی سے زنا کرتی ہو اور اہل عرب علی الاعلان زنا کو عیب و عار سمجھتے تھے اور پوشیدہ زنا کرنے کو قابل ملامت نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے ان تمام قبیح امور پر پابندی لگادی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:" ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن"۔ [2]

---

[1] دستور کے مطابق ان کو ان کے مہر دے دو۔

[2] تم فواحش و بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہیں اور جو مخفی اور پوشیدہ ہیں۔

Marfat.com

آیت نمبر 12:

﴿فاذا احصن﴾ (۲۵) ہے۔

قاری عاصم' حمزہ اور کسائی نے ہمزہ کے فتح (زبر) سے پڑھا ہے دیگر قاریوں نے ضمہ (پیش) سے پڑھا ہے یہاں احصان سے اسلام مراد ہے یہی معنی ابن مسعود' ابن عمر' انس' اسود بن یزید' زر بن حبیش' سعید بن جبیر' عطاء' ابراہیم نخعی' شعبی اور سدی سے مروی ہے اور حضرت عمرؓ سے بھی ایک منقطع سند سے منقول ہے اور امام شافعی اور جمہور کا یہی خیالؒ ہے۔ حضرت ابن عباس' ابوالدرداء' مجاہد' عکرمہ' طاؤس' سعید بن جبیر' حسن اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے شادی کرنا اور شافعی سے بھی منقول ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ کافرہ لونڈی پر کوئی حد نہیں اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس لونڈی پر کوئی حد نہیں ہے۔ جس نے شادی نہیں کی ہے۔ قاسم اور سالم کا خیال ہے کہ اس سے اسلام اور پاکدامنی مراد ہے ابن جریر فرماتے ہیں کہ دو قراأتوں کے معنی مختلف ہیں جس نے احصن (ہمزہ کو ضمہ کے ساتھ) پڑھا ہے اس کے ہاں معنی ہے نکاح کرنا اور جس نے فتح (زبر) پڑھا ہے اس کے نزدیک معنی ہے اسلام بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت میں مذکور احصان سے مراد شادی کرنا ہے اور سنت سے ثابت ہے کہ مسلمان لونڈی سے جب شادی سے پہلے زنا کرے تو اس پر حد واجب ہے یہی خیال زہری کا ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ لونڈی گو مسلمان ہو شادی سے پہلے اس پر حد نہیں ہے ہاں سنت سے ثابت ہے کہ اسے حد لگائی جائے گو وہ محصنہ نہ ہو اور خوب واضح بیان ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ مسلمان کی پشت محفوظ ہے یقین کے بغیر اسے حد نہیں لگائی جائے گی اور اختلاف کی صورت میں یقین نہیں ہوتا۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ ویسے تو اللہ زیادہ جانتا ہے لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ بیان احصان بمعنی شادی ہے کیونکہ آیت کا سیاق و بیان اسی

Marfat.com

پر دال ہے دیکھئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں'' ومن لم یستطع منکم طولا '' سے لے کر'' فاذا احصن '' تک فتیات مؤمنات کا ذکر ہے (ان قرائن کی بنا پر) احصن سے ان کی شادی ہی مراد ہوگی جیسا کہ حضرت ابن عباس اور ان کے شاگردوں کا خیال ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان تفسیروں کی روشنی میں جمہور ائمہ کے مذہب پر اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ لونڈی جب زنا کرے تو اس پر پچاس کوڑے ہیں وہ مسلمان ہو یا کافر' ثیبہ ہو یا باکرہ اور آیت کا تقاضا ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد نہیں ہے۔ ائمہ جمہور نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ پھر حافظ ابن کثیر بطور وضاحت فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ احادیث کا منطوق اس مفہوم پر مقدم ہے۔ یہ کچھ ائمہ کا خیال ہے کہ کچھ لوگوں نے مفہوم آیت پر عمل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ جب غیر محصنہ لونڈی زنا کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔ ہاں تادیباً حد لگائی جائے گی۔

اور یہی خیال حضرت ابن عباس' طاؤس' سعید بن جبیر' ابو عبید کا ہے اور ایک روایت داؤد ظاہری سے بھی یہی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے آیت کو عموم پر متقدم کیا ہے اور جو احادیث بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ اور زید بن ثابت سے مروی ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ غیر شادی شدہ لونڈی سے زنا کرے تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ پھر کرے پھر سزا دو پھر کرے پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر اسے فروخت کردو خواہ بالوں کی رسی کے بدلے فروخت کرنا پڑے۔

ان احادیث کا جواب دیتے ہیں کہ یہ تادیباً ہے مگر یہ غلط جواب ہے۔ اس طرح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب کسی کی لونڈی زنا کرے تو وہ اسے حد لگائے اور ملامت نہ کرے پھر زنا کرے تو پھر حد لگائے اور مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اے لوگو! اپنے غلاموں پر حد قائم کرو خواہ شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کیا تھا مجھے آپ نے حکم دیا تھا کہ میں اس کو کوڑے لگاؤں اور

Marfat.com

سعید بن منصور، ابن خزیمہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب تک لونڈی شادی نہ کرے اس پر حد نہیں ہے۔ جب وہ شادی کرے تو اس پر آزاد کی نسبت آدھی سزا ہے۔ علامہ ابن خزیمہ اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس کو مرفوع کہنا غلط ہے۔ ہاں یہ موقوف ہے (لہٰذا پہلی بات صحیح ہے) ''فان اتین بفاحشة ''❶ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہے یعنی ان عورتوں پر نصف سزا ہے بہ نسبت اس کے جو آزاد عورتوں پر پڑتی ہے محصنات سے یہاں آزاد باکرہ عورتیں مراد ہیں کیونکہ شادی شدہ پر تو رجم ہے اور اس میں نصف ہونے کا احتمال نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے یہاں محصنات سے مزوجات (شادی شدہ عورتیں مراد ہیں) کیونکہ ان پر کوڑے اور رجم دونوں سزائیں ہیں۔ رجم کا نصف تو ہو نہیں سکتا لہٰذا کوڑوں کی سزا نصف ہوگی۔ اور عذاب سے یہاں مراد کوڑے ہی ہیں۔ لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں سے اس لیے نصف ہے کہ وہ کمزور ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اس لیے ہے کہوہ آزاد عورتوں کی طرح اپنی مراد کو نہیں پا سکتی ہیں لونڈیوں کے حقوق تھوڑے ہوتے ہیں بہ نسبت آزاد عورتوں کے۔ بعض کا خیال ہے کہ سزا بقدر نعمت ہوتی ہے جیسے ارشاد الٰہی ہے'' یضاعف لها العذاب ضعفين ''۔❷ اللہ تعالیٰ نے یہاں غلاموں کا ذکر نہیں کیا مگر وہ قیاساً اس سزا کے مستحق ہیں جس کی لونڈیاں مستحق ہیں اور جس طرح غلام اور لونڈیوں پر زنا کی نصف سزا ہے اس طرح ان پر قذف اور شراب نوشی کی بھی نصف سزا ہے۔

آیت نمبر 13:

﴿ ذلک لمن خشی العنت منکم ﴾(۲۵) ہے۔

---

❶ پس اگر وہ کسی فاحشہ کا ارتکاب کرلیں تو آزاد کی نسبت ان پر آدھی حد ہے۔

❷ ان کے لیے عذاب دوگنا کیا جائے گا یہاں بھی منصب کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کیا گیا ہے۔

Marfat.com

ذلک کا اشارہ نکاح کی طرف ہے۔[1] عنت کا معنی ہوتا ہے گناہ میں واقع ہونا اور لغوی معنی ہے کہ ہڈی ٹھیک ہونے کے بعد پھر ٹوٹ جانا' پھر مجازاً پر مشقت کے لیے استعمال ہونے لگا اور لونڈیوں کے نکاح سے باز رہنا تمہارے لیے بہتر ہے ان سے نکاح کرنے سے کیونکہ ان سے نکاح کرنا بچوں کو غلام بنانے اور اپنی ذات کو ذلت سے دوچار کرنا ہے۔

آیت نمبر 14:

﴿ یأیھاالذین آمنو لاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل ﴾(۲۹) ہے۔[2]

باطل سے مراد وہ شی ہے جو حق نہ ہو اور اس کے کئی دلائل ہیں اور باطل سے مراد وہ خرید و فروخت بھی ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ '' الا ان تکون تجارۃ '' لغت میں تجارت بمعنی معاوضہ ہے یہ استثناء منقطع ہے جو بمعنی لکن ہے عبارت یہ ہوگی '' لکن تجارۃ صادرۃ عن تراض منکم جائزۃ بینکم '' یا یہ عبارت ہوگی '' لکن کون تجارۃ عن تراض منکم حلالا لکم ''۔[3] اللہ تعالیٰ نے یہاں دیگر معاوضات کے علاوہ صرف تجارت کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اکثر واغلب ہے اور تجارت کا اطلاق اللہ کی طرف سے ملنے والے بدلے کا نام ہے مگر یہ مجازی استعمال ہے جیسے فرمایا کہ: '' ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ''۔[4]

---

❶ یہ حکم اس کے لیے ہے جس کو یہ خطرہ ہو کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور صبر کرنا یعنی ان سے نکاح نہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

❷ اے اہل ایمان تم اپنے مالوں کو آپس میں غلط و باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔

❸ استثناء منقطع کا معنی ہے کہ یہ پہلے قسم سے بالکل الگ ہے یعنی رضامندی سے تجارت کے ذریعے مال کھانا جائز و حلال ہے۔

❹ کیا تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے نجات دے۔

Marfat.com

اور قول باری تعالیٰ بھی ہے'' ویرجون تجارۃ لن تبور ''۔ [1] اہل علم کا اختلاف ہے کہ رضامندی سے کیا مراد ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ بیع کا مکمل ہونا مراد ہے اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ عقد بیع کے بعد دونوں (بائع مشتری) الگ الگ ہو جائیں یعنی مجلس تبدیل ہو جائے یا ایک ساتھی دوسرے سے کہہ دے کہ تجھے اختیار ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بائع اور مشتری کو اختیار ہے جب تک وہ الگ الگ نہ ہوں یا ایک دوسرے سے کہہ دے تجھے اختیار ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت کا یہی خیال ہے اور ایک جماعت تابعین کا بھی یہی خیال ہے۔ امام شافعیؒ ثوری اوزاعیؒ لیث' ابن عیینہ اور اسحاق وغیرہم کا بھی یہی خیال ہے۔ امام مالک اور ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ صرف زبان سے بیع طے پانے سے خرید و فروخت مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ انہوں نے حدیث مذکورہ کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

اور تجارۃ (پیش کے ساتھ) بھی پڑھا گیا ہے اس طرح کہ کان تامہ ہوگا اور نصب (زبر) اس بنا پر ہے کہ کان ناقصہ ہو۔ علامہ شوکانی نے مختصر میں لکھا ہے کہ بیع میں صرف رضامندی شرط ہے اگرچہ بولنے والا اشارۃً ہی ظاہر کر دے اور شوکانی نے شرح مختصر میں لکھا ہے کیونکہ جو الفاظ مخصوصہ لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں ان پر دلالت کرنے کے لیے کوئی نص وارد نہیں ہے اور اس پر بھی کوئی نص نہیں ہے کہ ان کے بغیر بیع جائز نہیں ہے اور ان کے لیے یہ الفاظ بعت واشتریت جو بعض روایات میں منقول ہیں ''مفید نہیں'' کیونکہ ہم اس کے منکر نہیں ہیں کہ اس طرح بیع درست ہے البتہ نزاع اس میں ہے کہ ان کے علاوہ دیگر الفاظ سے بیع نہیں ہوتی اور اس کے بارے میں بھی کوئی نص نہیں آئی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ'' تجارۃ عن تراض '' ان الفاظ کا تقاضا

---

[1] وہ ایسی تجارت کی امید کرتے ہیں جو ہلاک نہ ہوگی۔

Marfat.com

صرف تراضی ورضامندی ہے اور اس پر دلالت کرنے کے لیے لفظ ہو یا اشارہ ہو یا کسی بھی لفظ سے کنایہ ہو اور کسی صفت پر واقع ہو اور کسی بھی مفید اشارے سے حاصل ہو بیع صحیح ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

''کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضامندی کے استعمال کرنا حلال نہیں ہے۔ جب طیب خاطر کے ساتھ رضامندی شامل ہو جائے تو پھر کسی دوسری چیز کے اعتبار کی ضرورت نہیں ہے''۔

آیت نمبر 15:

﴿ ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ﴾(۲۹) ہے۔[1]

اے اہل ایمان تم ایک دوسرے کو مت قتل کرو بجز اس سبب کے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسے گناہ نہ کرو جن کا انجام قتل ہوتا ہے وہ یوں کہ ایک آدمی دوسرے کو قتل کرے تو وہ خود مارا جائے گا یا یہ مراد ہے کہ آدمی خودکشی نہ کرے اور ان تمام معانی پر آیت کی دلالت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور اس کی مزید تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب عمرو بن عاص جنگ ذات سلاسل میں جنبی ہو گئے اور انہوں نے ٹھنڈے پانی سے (سردی کے ڈر سے) غسل نہ کیا آنحضرت ﷺ نے ان کے استدلال کو تسلیم کیا' یہ حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے۔

آیت نمبر 16:

﴿ الرجال قوامون علی النسآء ﴾(۳۴) ہے۔[2]

یہ جملہ مستأنفہ ہے اس میں اس علت کا تذکرہ ہے جس کی وجہ سے آدمیوں کو فوقیت حاصل ہے گویا یہاں ایک سوال پیدا ہوا کہ وہ کون سی خوبی ہے جس کی بنا پر

---

❶ اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ پاک تمہارے ساتھ رحم کرنے والے ہیں۔

❷ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔

Marfat.com

آدمیوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے اور وہ عورتوں میں نہیں ہے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ ان سے دفاع کے ذمہ دار ہیں جس طرح حکام وامراء رعیت سے دفاع کے ذمہ دار ہوتے ہیں مزید یہ کہ مرد اس بات کے بھی پابند ہیں کہ عورتوں کے لیے نان ونفقہ' لباس اور مکان کا بندوبست کریں اور قوامون کا لفظ بتاتا ہے کہ وہ اس معاملہ میں خودمختار ہیں اور بما فضل اللہ میں باء سبب کی ہے اور بعضھم علی بعض میں ضمیر رجال اور نساء کی طرف راجع ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ مردوں کو عورتوں پر مقام اس لیے حاصل ہے کہ ان کو اللہ نے بہت خوبیوں سے نوازا ہے کیونکہ ان میں خلفاء' حکام' سلاطین' امراء اور مجاہدین وغیرہ ہوتے ہیں اور '' بما انفقوا '' میں بھی باء سبب کے لیے ہے یعنی بسبب '' ما انفقوا من اموالھم '' یہ '' ما '' مصدریہ ہے یا موصولہ ہے جس طرح فرمان باری تعالیٰ ''بما فضل اللّٰہ'' میں بھی ما دونوں طرح کا ہوسکتا ہے اور من تبعیضیہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو یہ مقام اس لیے حاصل ہے کہ وہ عورتوں کے اخراجات اور مہر کے ذمہ دار ہوتے ہیں اسی طرح وہ جہاد اور ادائیگی دیت میں مال خرچ کرتے ہیں اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کے نان ونفقہ اور لباس سے عاجز آجائے تو عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے۔ امام مالک اور شافعی وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

آیت نمبر 17:

﴿ واللاتی تخافون نشوزھن ﴾ (۳۴) ہے۔ [1]

یہ شوہروں کو خطاب ہے یہاں خوف کی وہ قلبی حالت مراد ہے جو کسی ناپسندیدہ شی کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے یا امر مکروہ کے ظاہر ہونے کے اندیشے سے لاحق ہوتی ہے بعض نے کہا ہے یہاں خوف بمعنی علم کے ہے اور نشوز بمعنی نافرمانی اور ناچاکی

---

[1] وہ عورتیں کہ جن کی بددماغی سے تم ڈرتے ہو۔

Marfat.com

کے ہے۔ ابن فارس نے ایک محاورہ پیش کیا ہے کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند کی نافرمانی کرے تو کہا جاتا ہے'' نشزت المرأة ''اور خاوند جب اپنی عورت کو مارے اور زیادتی کرے تو کہا جاتا ہے'' نشز بعلها'' ''فعظوهن ''یعنی ان سے بطور نصیحت کہو کہ تم پر ہماری فرمانبرداری فرض ہے اور اچھی زندگی گزارنے کا حکم ہے انہیں رغبت بھی دلاؤ اور ڈراؤ بھی'' واهجروهن فی المضاجع ''مضجع کی جمع ہے یعنی لیٹنے کی جگہ معنی یہ ہوا کہ تم بستر الگ کرلو اور لیٹتے وقت ان کو اپنے لحاف وغیرہ میں نہ سلاؤ۔ بعض نے کہا ہے کہ سوتے وقت ان کی طرف اپنی پشت پھیرلو۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ترک جماع سے کنایہ ہے۔ بعض نے کہا ہے جہاں وہ آدمی رات گزارتا ہے وہ عورت اس کمرے میں نہ سوئے۔'' واضربوهن ''(پھر بھی وہ نہ مانیں تو) انہیں مارو مگر ہڈی نہ ٹوٹے اور کوئی عیب نہ پیدا ہو جائے اور قرآن کا ظاہر یہی تقاضا کرتا ہے کہ جب ان کی طرف سے ناچاکی کا اندیشہ ہو تو شوہر ان تینوں امور پر عمل کرسکتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اگر وعظ کا اثر نہ ہو تو پھر بستر الگ کرے کیونکہ وعظ کا اثر ھجر تک نہیں پہنچا اور اگر ناراضگی ہی سے کام چل جائے تو مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فان اطعنكم ''اگر دستور کے مطابق وہ تمہاری اطاعت کریں اور ناراضگی چھوڑ دیں تو ان کے خلاف پھر کوئی راستہ نہ تلاش کرو یعنی ان کو خواہ مخواہ قول وعمل کے ذریعے (جو ان کی طبیعت کے خلاف ہو) مت تنگ کرو۔ بعض نے کہا ہے کہ انہیں محبت کے بارے میں تکلیف نہ دو کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے۔

آیت نمبر 18:

﴿وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من اهله وحكماً من اهلها﴾ (۳۵) [1]

---

[1] اگر تم ان کے آپس کے اختلاف سے خائف ہو تو ایک فیصل مرد کی طرف سے اور ایک عورت کی طرف سے مقرر کیا جائے۔

Marfat.com

لغۃً شقاق کا معنی ہے دو آدمیوں کا آپس میں ایک دوسرے سے منہ پھیرنا اور اعراض کرنا۔ظرف کو مفعول بہ کے قائم مقام کرتے ہوئے (مصدر) شقاق کی اس کی طرف اضافت کردی گئی ہے جیسے قول باری تعالیٰ ''بل مکر اللیل والنھار ''میں ہے اور جس طرح اس محاورے میں ہے''یاسارق اللیلۃ اھل الدار ''اس آیت میں یہ حکم امراء اور حکام کو ہے اور'' بینھما '' کی ضمیر زوجین (میاں بیوی) کی طرف راجع ہے کیونکہ پہلے مردوں اور عورتوں کا ذکر ہو چکا ہے لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ میاں بیوی کی طرف ایک حکم بھیجو جو ان میں عقل' دیانتداری اور عدل وانصاف کے موافق صلح کرادے۔اللہ پاک نے خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ دونوں حکم میاں بیوی کے اعزہ میں سے ہوں کیونکہ وہ ان کے حالات سے خوب واقف ہوں گے ہاں اگر مصلح زوجین کے اقرباء میں سے نہ ہوں تو پھر یہ حکم اغیار سے بھی لئے جاسکتے ہیں یہ ساری تقریر اس وقت ہوگی جب ان میں سے کسی کی غلطی واضح نہ معلوم ہو۔

اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ غلطی فلاں کی ہے تو اس سے دوسرے کو حق دلوایا جائے گا اور ان فیصل حضرات کا فرض اور ذمہ داری ہے کہ یہ ان کی صلح میں اپنا پورا پورا اثر ورسوخ استعمال کریں جب یہ اصلاح کراسکتے ہیں تو انہیں یہ کام ضرور کرنا چاہیے اور اگر اصلاح حال کے راستے مسدود ہو جائیں اور وہ جدائی اور علیحدگی کو ان کا علاج سمجھتے ہوں تو وہ حاکم شہر کی اجازت کے بغیر ہی تفریق کر سکتے ہیں اور زوجین سے تفریق کا وکالت نامہ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔امام مالک' اوزاعی اور اسحاق کا بھی یہی خیال ہے اور یہی نظریہ جناب عثمان' علی' ابن عباس' شعبی' نخعی اور امام شافعی کا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے جمہور کا بھی یہی مسلک بیان کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے۔ ''فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا''۔[1] یہ اللہ کا فرمان واضح ہے کہ وہ

---

[1] ایک فیصل آدمی کی طرف سے اور ایک فیصل عورت کی طرف سے بھیجو۔

Marfat.com

فیصل ہیں نہ کہ وکیل اور شاہد۔ اہل کوفہ عطاء ابن زید حسن اور ایک قول شافعی کا بھی یہی ہے کہ تفریق امام یا حاکم شہر کرسکتا ہے فیصل نہیں کرا سکتے ہاں امام اور حاکم ان کو حکم دے تو پھر وہ تفریق کرا سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں ایلچی (اور) شاہد ہیں۔

وہ اپنے طور پر تفریق کے مجاز نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''ان یریدا اصلاحاً یوفق الله بینهما''۔[1] اس کی پوری پوری تائید کرتا ہے یعنی زوجین میں اللہ تعالیٰ موافقت پیدا کریں گے پھر وہ الفت اور حسن سلوک کی طرف لوٹ آئیں گے۔ ارادہ کا معنی ہے کہ خلوص نیت سے زوجین میں صلح کی کوشش کرنا۔

بعض ائمہ کا خیال ہے کہ ''بینهما'' کی ضمیر ''حکمین'' (فیصلہ کندگان) کی طرف راجع ہے جس طرح ''ان یریدا اصلاحاً'' میں۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کندگان کو اتحاد کی توفیق دے گا اور حصول مقصد کو آسان کردے گا۔ بعض ائمہ کا خیال ہے کہ یہ دونوں ضمیریں زوجین کی طرف راجع ہیں اصل عبارت اس طرح ہوگی: ''ان یریدا اصلاح ما بینها من الشقاق اوقع الله تعالیٰ بینهما الالفة والوفاق''۔[2] اور جب فیصل حضرات آپس میں مختلف ہو جائیں تو ان کا حکم نافذ نہ ہوگا اور نہ ان کی بات مانی جائے گی یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

آیت نمبر 19:

﴿ وبالوالدین احسانا ﴾ (۳۶) ہے۔

احسانا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے عبارت یہ ہوگی: ''احسنوا بالوالدین احساناً''۔ ابن ابی عبلہ نے اس کو مرفوع پڑھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم

---

[1] اگر دونوں حکم اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ پاک ان میں موافقت پیدا فرمادے گا۔

[2] اگر دونوں میاں بیوی اپنی اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ پاک ان کے درمیان الفت ومحبت پیدا فرمادے گا۔

Marfat.com

کے بعد اور شرک سے منع کرنے کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا تذکرہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا بہت زیادہ حق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے'' اشکر لی ولوالدیک ''یعنی رب تعالیٰ کا حکم ہے میرے ساتھ ان کا بھی شکریہ ادا کرو۔

'' وبذی القربی ''یعنی صاحب قرابت کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے یہ وہ رشتہ دار ہے جس پر قرابت کا لفظ بولا جائے خواہ وہ بعید کا رشتہ دار کیوں نہ ہو'' والیتامی والمساکین ''ان کی تشریح گزر چکی ہے یعنی یتامیٰ اور مساکین اور دیگر رشتہ داروں پر احسان کیا جائے۔

'' والجار ذی القربی ''اس سے ہر وہ فرد مراد ہے جس کو پڑوسی سمجھا جائے گو اس کا گھر دور ہی ہو اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ سب پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے خواہ ان کے گھر قریب ہوں یا دور۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ پڑوس ایک مقدس رشتہ ہے جس کے تقدس کا حکم ہو رہا ہے۔ اور یہ آیت ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ پڑوسی صرف وہی ہوتا ہے جو بالکل ساتھ ملا ہوا ہو وہ نہیں ہے جس کے درمیان دوسرا گھر حائل ہو (اور ان کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ) یہ قریبی ہمسایہ کے ساتھ خاص ہے بعید والے مستحق نہیں ہیں' بعض ائمہ کا خیال ہے کہ'' الجار الجنب'' سے مراد مسافر ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد وہ اجنبی ہے جس کی اپنے ہمسایہ کے ساتھ قرابتداری نہ ہو۔ امام اعمش اور مفضل نے اس کو جنب یعنی جیم کی زبر اور نون کے سکون سے پڑھا ہے بمعنی پہلو والا اور جنب بمعنی ناحیہ (کنارہ) ہے اور اخفش نے یہ مصرع پڑھا ہے۔'' الناس جنب والامیر جنب ''۔ ❶ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قریبی جار سے مراد مسلمان ہیں اور جار جنب سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں اس

---

❶ لوگ ایک طرف اور امیر ایک طرف۔

Marfat.com

مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ پڑوسی کی مقدار کیا ہے جس سے حق جوار ثابت ہوتا ہے امام اوزاعی اور حسن بصری سے منقول ہے کہ ہر طرف سے چالیس چالیس گھر مراد ہیں۔امام زہری کا بھی یہی خیال ہے۔بعض کا خیال ہے کہ جہاں تک اقامت نماز کی آواز سنی جائے۔بعض کا خیال ہے جہاں تک محلہ ایک ہے۔بعض کا خیال ہے کہ جہاں آذان کی آواز سنائی دے اصل بات یہ ہے کہ شریعت کی طرف رجوع کرنا چاہیے اگر شریعت میں کوئی حکم مل جائے کہ فلاں گھر تک پڑوسی ہیں یا اتنی مسافت تک پڑوس ہے تو اس کو قبول کرنا ہوگا اگر وہاں نہ ملے تو پھر لغت اور عرف عام کے لحاظ اس کا معنی متعین کیا جائے۔شریعت میں کہیں بھی منقول نہیں ہے کہ پڑوس اور ہمسائیگی وہاں تک ہے اور نہ ہی لغت عرب میں کوئی ایسا معنی ملتا ہے بلکہ لغت میں جار (پڑوسی) بمعنی مجاور (سائل) ہے' یاد رکھنا کہ اس لفظ کے کئی معانی ہیں (فیروز آبادی) نے کہا ہے کہ جار معنی پڑوسی' وہ آدمی جس کی آپ حفاظت کریں کہ اس پر کوئی ظلم نہ کرے' پناہ دینے والا' پناہ مانگنے والا' تجارت کا ساتھی' خاوند (کیونکہ) اس کی بیوی اس کی جارہ ہوتی ہے' عورت کا فرج (شرمگاہ) اور اس کے قریب قریب جگہ' سرین بھی جارہ کی طرح ہے'

مقاسم' حلیف اور مددگار (قاموس) امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں فلاں قوم کے محلے میں رہائش پذیر ہوں اور میرا سب سے زیادہ قریبی ہمسایہ میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف کا باعث ہے۔آنحضرت ﷺ نے جناب ابوبکر' عمر اور علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ مساجد کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اعلان کردیں کہ خبردار! چالیس گھروں تک پڑوس ہوتا ہے اور جس کا پڑوسی اس کی تکلیف سے محفوظ نہ ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔اھ

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو فبھا ونعمت یعنی بڑا اچھا ہے کہ اب کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے مگر آپ نے دیکھ لیا ہے کہ یہ کسی بھی

Marfat.com

حدیث کی معروف کتاب میں نہیں ہے۔شوکانی فرماتے ہیں کہ قرطبی اگرچہ امام حدیث ہیں لیکن بلاسند ذکر کردہ حدیث پھر بھی قابل قبول نہیں ہے اور بلا کسی معتبر کتاب کے حوالہ کے بھی حدیث قابل قبول نہیں ہے جب کہ وہ کئی واہی تباہی باتیں بیان کردینے کے عادی ہیں۔اھ

میں کہتا ہوں (منذری) نے اس کو بحوالہ طبرانی اپنی ترغیب وترہیب میں نقل کیا ہے اور سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے کہ پڑوس چالیس گھروں تک ہوتا ہے۔امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کو نقل کیا ہے جامع صغیر کی شرح میں علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبریل نے مجھے وصیت کی ہے کہ پڑوس چالیس گھروں تک ہوتا ہے یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں ہاں ایک مرسل حدیث بھی مشہور ہے جو ابوداؤد میں ہے۔

ایسے ہی سیوطی سے منقول ہے علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کی مرسل حدیث یہ ہے:'' حق الجوار بعون داراً هكذا وهكذا واشار قداماً ويميناً وخلفا ''۔پڑوس چالیس گھر ہیں آگے دائیں اور پیچھے۔زرکشی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے راوی پختہ ہیں انہی الفاظ کے ساتھ ابویعلیٰ نے حضرت ابوھریرہ سے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے مگر حافظ صاحب نے کہا ہے اس کی سند میں عبدالسلام نامی ایک راوی ہے جو منکر الحدیث ہے اسے خوب محفوظ کرلیں' قرآن عظیم میں ایک اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں قیام کرنے کا نام مجاورۃ ہے جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:'' لئن لم ينته المنافقون'' الیٰ قولہ ''ثم لا يجاورونك فيها الا قليلا''۔[1] یعنی ان کے اس شہر میں اکٹھ کو جوار

[1] یہ سورہ احزاب کی آیت ہے معنی یہ ہوگا کہ اگر منافق باز نہ آئے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلانے والے بھی تو ہم آپ کو ان پر مسلط کردیں گے پھر وہ آپ کے ساتھ مدینہ میں بہت کم ٹھہریں گے۔

Marfat.com

(پڑوس) کہا گیا ہے اور عرف عام میں جوار کا معنی اپنے اپنے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے قرآن عظیم کو عرف عام اور طے شدہ اصطلاحات پر حمل کرنا درست نہیں ہے۔ الصاحب بالجنب سے سفر کا ساتھی مراد ہے حضرت ابن عباس' سعید بن جبیر' عکرمہ' مجاہد اور ضحاک کا یہی خیال ہے۔

جناب علی' ابن مسعود اور ابن ابی لیلیٰ کا خیال ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے ابن جریج فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو تیرے ساتھ اس لیے رہے کہ تجھ سے فائدہ اٹھائے۔ بعید نہیں ہے کہ یہ تمام شقیں آیت کے مفہوم میں داخل ہوں مزید یہ کہ جس پر بھی صاحب بالجنب صادق آتا ہے وہ اس میں داخل ہے جیسا کہ کوئی علم کے حصول کے دوران آپ کا ساتھی ہو یا کوئی دوسرا فن سیکھنے' تجارت کرنے یا دیگر اسی قسم کے معاملات میں شریک ہو۔

''وابن السبیل'' جناب مجاہد کا خیال ہے کہ ابن سبیل سے وہ آدمی مراد ہے جو تیرا شریک سفر ہو' سبیل بمعنی راستہ ہے اور مسافر کو سبیل کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ اس راستے سے گزرتا ہے اور اس کے ساتھ لازم رہتا ہے یعنی اس پر چلتا ہے لہٰذا اس کی تفسیر مسافر کرنا ہی صحیح ہے مقیم (غیر مسافر) کو چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے بعض لوگ فرماتے ہیں کہ جو آدمی راستہ بھول جائے وہ ابن سبیل ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد مہمان ہے۔ ''واحسنوا'' یعنی غلام اور لونڈیوں سے اچھا سلوک کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو مالک کھائیں انہیں بھی وہی کھلایا جائے اور جو مالک کپڑا استعمال کریں انہیں بھی وہی کپڑا دیا جائے والدین کے ساتھ حسن سلوک' اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی' یتامیٰ کے ساتھ اچھا برتاؤ' پڑوسی کے ساتھ خندہ پیشانی اور غلاموں کے ساتھ عمدہ رویہ رکھنے کے بارے میں بے شمار احادیث مروی ہیں جو کتب حدیث میں موجود ہیں ہمیں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 20:

﴿ یاایھاالذین آمنوا ﴾ (۴۳) ہے۔

اس آیت میں خاص اہل ایمان کو خطاب ہے کیونکہ نشے کی حالت میں وہی نماز کے قریب جایا کرتے تھے اور کفار کا نماز کے قریب جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ نشے کی حالت میں اور نہ بغیر نشے کے۔

'' لا تقربوا الصلوۃ '' اہل لغت کا خیال ہے کہ '' لا تقرب '' (راء کے زبر سے) کا معنی ہے کہ یہ فعل نہ کرو اور '' لا تقرب '' (راء کے پیش سے) کا معنی ہے کہ قریب نہ جاؤ یہاں اول معنی مراد ہے کہ ایسی حالت میں نماز کے ساتھ میل جول نہ رکھو یعنی نماز نہ پڑھو۔ مفسرین کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ ابوحنیفہ کا بھی خیال ہے دیگر کچھ لوگوں نے کہا ہے اس سے نماز ادا کرنے کی جگہ مراد ہے یعنی مساجد یہی خیال امام شافعی کا ہے اس تفسیر کی رو سے یہاں مضاف مقدر ماننا ہوگا اور '' ولا جنبا الا عابری '' سبیل اس کی تائید کرتا ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس سے نماز اور نماز ادا کرنے کی جگہ دونوں مراد ہیں کیونکہ وہ لوگ مسجد میں نماز پڑھنے ہی آتے تھے اور جب نماز ادا کرتے تو اکٹھے ہی ادا کرتے تھے لہٰذا یہ ایک دوسرے سے لازم ہیں۔ '' وانتم سکاریٰ '' یہ جملہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ '' سکاریٰ '' سکران کی جمع ہے جیسے کسالیٰ کسلان کی جمع ہے۔ نخعی نے اس جگہ سَکاری (سین کی زبر سے) پڑھا ہے جو سکران کی جمع مکسر ہے' اعمش نے سکری بروزن '' حبلیٰ '' پڑھا ہے اس صورت میں یہ صفت کا صیغہ ہوگا اور مفرد بھی ہوگا۔ تمام ائمہ کا خیال ہے کہ یہاں نشے سے شراب کا نشہ مراد ہے صرف ضحاک کا خیال ہے کہ اس سے نبیذ کا نشہ مراد ہے نہ کہ شراب کا۔

اور عبد بن حمید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے اونگھ مراد ہے اور عبد بن حمید' ابوداؤد' ترمذی (ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے)'

Marfat.com

نسائی' ابن جریر' ابن منذر' ابن ابی حاتم اور حاتم نے (حاکم نے مختارہ میں اس کو صحیح کہا ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن (بن عوف) نے کھانے کی ہماری دعوت کی انہوں نے ہمیں گھر بلایا اور شراب پلائی شراب کا نشہ ہمارے اوپر خوب سوار تھا اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ساتھیوں نے مجھے امامت کے لیے مصلے پر کھڑا کر دیا تو میں نے قرأت شروع کی کہ'' یاایھا الکافرون اعبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون ''۔ ❶ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نماز کی امامت کرانے والے حضرت عبدالرحمان بن عوف تھے۔ ابن منذر نے جناب عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر' عمر' علی' عبدالرحمان بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھانے کی دعوت کی تھی صحابہ آئے۔ انہوں نے کھانا کھایا' شراب پی اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا انہوں نے نماز پڑھائی جب سورت اختتام کو پہنچی تو انہوں نے پڑھ دیا'' لیس لی دین ولیس لکم دین ''۔ ❷ تو یہ آیت نازل ہوئی یہ (بھی) آیت کا شان نزول ہے۔ ان اقوال میں جو قول درست نہیں ہے وہ خود بخود ساقط ہو جاتا ہے۔

'' حتی تعلموا ما تقولون ''۔ ❸ یہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی غایت ہے یعنی نشے کے آثار ختم ہو جائیں اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کو جانتے بھی ہو (تو پھر نماز پڑھو) کیونکہ جس آدمی پر نشے کے آثار ہوتے ہیں اسے نہیں پتہ ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' اس سے بعض اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ نشے کی حالت

---

❶ اے کافرو جن کو تم پوجتے ہو میں بھی ان کو پوجتا ہوں اور ہم سب ان کو پوجتے ہیں جن کو تم پوجتے ہو۔

❷ نہیں ہے میرا کوئی دین اور نہ ہی تمہارا کوئی دین ہے۔

❸ یہاں تک کہ تم جانو جو کچھ کہہ رہے ہو۔

Marfat.com

میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ جب وہ جانتا ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کا ارادہ نہیں ہے (لہٰذا طلاق نہیں ہوگی) حضرت عثمان بن عفان' ابن عباس' طاؤس اور عطاء کا یہی خیال ہے۔ قاسم اور ربیعہ کہتے ہیں اور لیث بن سعد' اسحاق' ابوثور اور مزنی کا بھی یہی خیال ہے اسی کو طحاوی نے پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ ائمہ کا اتفاق ہے "معتوہ" کی طلاق جائز نہیں ہے اور سکران بھی معتوہ ہی ہوتا ہے جیسے وہ آدمی جس کو وسوسہ کی مرض لاحق ہوتی ہے۔ اور ایک طائفہ کا خیال ہے کہ ایسے آدمی کی طلاق مؤثر ہے۔ حضرت عمر' معاویہ اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے یہی خیال ابوحنیفہ' ثوری اور اوزاعی کا ہے اس بارے میں امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں۔ امام مالک نے فرمایا ہے کہ اس کی طلاق صحیح ہے' زخم اور قتل کا قصاص بھی صحیح ہے مگر اس کا نکاح اور بیع صحیح نہیں ہے۔ "ولا جنبا" یہ جملہ حالیہ "وانتم سکاریٰ" کے محل پر عطف ہے۔ جنب کا لفظ نہ مؤنث ہے نہ تثنیہ اور نہ جمع ہے کیونکہ ملحق بالمصدر ہے جیسے بعد اور قرب ہے۔

امام فراء کا خیال ہے یہ محاورہ "جنب الرجل اور اجنب" جنابۃ سے ماخوذ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ لغت میں جب کی جمع اجناب ہے جیسے "عنق اعناق" اور طنب اطناب ہے۔ "الا عابری سبیل" یہ استثناء مفرغ ہے یعنی تم کسی حالت میں بھی قریب نہ جاؤ سوائے گذرنے کی حالت کے یہاں مراد سفر ہے اور یہ استثناء مفرغ ضمیر "لا تقربوا" سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور دوسرا حال ولا جنبا بھی اس کی قید ہے اور "حال اولیٰ" "وانتم سکاری" قید نہیں ہے لہٰذا معنیٰ یہ ہوا کہ تم حالت جنابت میں نماز کے قریب نہ جاؤ الا یہ کہ تم مسافر ہو تو پھر تیمم کے ذریعے نماز پڑھ سکتے ہو۔

جناب علی' ابن عباس' ابن جبیر' مجاہد' حاکم وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ حالت جنابت میں کسی کو نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے الا یہ کہ وہ غسل کرے ہاں

Marfat.com

صرف مسافر کو حالت جنابت میں تیمّم کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت ہے کیونکہ کبھی سفر میں پانی معدوم ہوتا ہے اور حضر میں نہیں ہوتا کیونکہ عموماً حضر میں وہ معدوم نہیں ہوتا۔ جناب ابن مسعودؓ عکرمہ، نخعی، عمرو بن دینار، مالک اور شافعی سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو مسجد سے گزرنے والا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ حالت جنابت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ الا یہ کہ تم ایک جانب سے دوسری جانب جانا چاہو تو مسجد سے گزر کر جانے کی اجازت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ پہلا قول اس لحاظ سے قوی ہے کہ اس میں نماز کا حقیقی وجود موجود ہے اور اس میں کمزوری یہ ہے کہ عابر السبیل کا معنی مسافر کیا گیا ہے۔ معنی یہ ہوا کہ جب پانی معدوم ہو تو آدمی تیمّم سے نماز پڑھے تو یہ جس طرح سفر میں ہے اسی طرح حضر میں بھی ہے۔

اور دوسرا قول اس لحاظ سے قوی ہے کہ اس میں ''عابر السبیل'' کے معنی میں تکلف کی ضرورت نہیں ہے اور کمزوری یہ ہے کہ وہاں تاویل کر کے نماز سے نماز کے مواضع مراد ہیں یعنی مساجد، خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلا حال ''وانتم سکاریٰ'' اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں نماز کا حقیقی معنی ہی ہے اور مضاف مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور سبب نزول بھی اس کی تائید و تقویت کرتا ہے اور ''الا عابری سبیل'' مضاف کو مقدر ماننے کا تقاضا کرتا ہے معنی یہ ہوا کہ ''لا تقربوا مواضع الصلوۃ''۔ [1]

اور ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ ''لا تقربوا'' کی جو قید ''وانتم سکاریٰ'' ہے اس کا تقاضا ہے کہ مراد ''مواضع الصلوۃ'' ہوں اور کوئی مانع نہیں ہے کہ ہر ایک معنی اس کی قید کے ساتھ مراد لیا جائے تو یہ عبارت گویا دو نہی ہیں ہر ایک ان میں

---

[1] یہاں یہ بتایا ہے ''لا تقربوا الصلوۃ'' کی اصل یہ ہوگی ''لا تقربوا مواضع الصلوۃ'' یعنی مساجد مراد ہیں۔

Marfat.com

سے مقید ہے عبارت یہ ہوگی: '' لاتقربوا الصلوٰة هی ذات الاذکار و الارکان وانتم سکاری' ولا تقربوا مواضع الصلوٰة حال کونکم جنبا الا حال عبورکم فی المسجد من جانب الی جانب ''۔ [1] زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں تو حقیقت ومجاز دونوں جمع ہو جائیں گے مگر ان کا یہ اجتماع بنا برتاویل کے جائز ہے۔

امام ابن جریر نے دو قول نقل کئے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس کی تحقیق صحیح تر ہے جس نے یہ معنی کیا ہے '' الا عابری سبیل الا مجتازی طریق فیه ''۔ [2] وہ اس طرح کہ بیان کیا گیا کہ حکم مسافر کا جب وہ پانی کو معدوم پائے اور وہ جنبی ہو اللہ تعالیٰ نے اس قول:'' وان کنتم مرضیٰ اوعلی سفر او جآء احد منکم من الغائط او لامستم النسآء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیبا '' [3] میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر'' ولا جنباً الا عابری سبیل حتی تغتسلوا '' سے مراد مسافر ہو تو'' وان کنتم مرضی او علی سفرٍ '' کا کوئی مفہوم ہی نہ ہوگا حالانکہ اس کے حکم کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے جب اس آیت کا یہ معنی ہے تو عبارت یہ ہوگی'' یاایها الذین آمنوا لا تقربوا المساجد للصلوٰة مصلین فیها وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون ولا تقربوها ایضا جنبنا حتی تغتسلوا الا عابری سبیل '' عابر سبیل کا معنی ہے کہ گزر کر کسی جگہ کو پار کرنا ایک محاورہ ہے

---

[1] اس نماز کے قریب نہ جاؤ جس میں ذکر واذکار ہوتا ہے اس کے ارکان بھی ہیں اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو اور تم جنابت کی حالت میں بھی نماز کی جگہوں کے قریب نہ جاؤ الا یہ کہ تم کو مسجد کو عبور کر کے دوسری طرف جانا ہو تو اجازت ہے۔ [2] یہ کہ امام دوسرے معنی کو ترجیح کی طرف مائل ہیں۔

[3] اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم بیمار ہو یا مسافر یا تم میں سے کسی کو پیشاب پاخانہ آئے یا تم پانی ہی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔

Marfat.com

''عبرت هذا الطريق فأنا اعبره عبراً وعبوراً ''اسی سے یہ محاورہ ہے''عبر فلان النهر ''یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی راستہ کو طے کرے اور پار کرے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابن جریر کی تحقیق قول جمہور کے مطابق ہے اور یہی آیت کا ظاہری معنی ہے۔اھ

''حتی تغتسلوا'' حالت جنابت میں یہ نماز کے قریب جانے کی یا مواضع نماز کے قریب جانے کی نہی کی غایت ہے اور معنی یہ ہوگا'' لا تقربوها حال الجنابة حتى تغتسلوا الا حال عبوركم السبيل ''۔

''وان كنتم مرضى ''بدن کا حد اعتدال سے ٹیڑھا پن اور خرابی کی طرف نکلنے کا نام مرض ہے۔مرض و بیماری دو قسم کی ہے ایک بڑی دوسری چھوٹی۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اس بات سے خائف ہو کہ پانی کے استعمال سے ہلاکت ہو جائے گی یا مرض میں اضافہ ہو جائے گا یا بدن میں اتنی کمزوری ہے کہ پانی کی جگہ پر پہنچنا بھی دشوار ہے (تو تیمم کرے) جناب حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ مر بھی جائے مگر پانی سے طہارت حاصل کرے یہ قول بالکل باطل و مردود ہے اور'' وما جعل عليكم في الدين من حرج'' ''ولا تقتلوا انفسكم ''اور'' يريد الله بكم اليسر '' یہ اقوال باری تعالیٰ واضح طور پر ان کی تفسیر کی تردید کر رہے ہیں۔ [1]

''اوعلى سفر ''ہر قسم کا مسافر اس لفظ میں داخل ہے اس اختلاف کی تفصیل کتب فقہ میں تلاش کی جا سکتی ہے۔جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ اس میں مسافت سفر کی شرط نہیں ہے جب کہ ایک طبقہ اسی کا قائل بھی ہے۔تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ

---

[1] یہ تین مختلف مقامات سے ماخوذ ہیں اول ٹکڑا سورہ کا حج ہے۔تمہارے اوپر اللہ نے تنگی نہیں کی ہے۔ یہ ٹکڑا سورہ نساء کا ہے۔اپنے آپ کو قتل نہ کرو' تیسرا ٹکڑا سورۂ بقرہ کا ہے اور اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

Marfat.com

مسافر کے لیے تیمّم جائز ہے ہاں اختلاف اس آدمی کے بارے میں ہے جو مسافر نہ ہو' امام مالک' ابوحنیفہ اور محمد کا خیال ہے کہ حضر ہو یا سفر دونوں صورتوں میں تیمّم جائز ہے' امام شافعی فرماتے ہیں کہ مسافر نہ ہو اور صحیح (صحتمند) ہو تو اس کے لیے تیمّم جائز نہیں ہے الا یہ کہ ہلاکت کا خوف وخطرہ ہو۔

"او جاء احد منکم من الغائط" غائط پست زمین کو کہا جاتا ہے اور اس سے آنے کا معنی ہے کہ وہ بے وضوء ہو جائے' غائط کی جمع غیطان اور اغواط ہے قضاء حاجت کے لیے اہل عرب لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے ایسی جگہ کے متلاشی ہوتے تھے پھر مجازاً پاخانے کو غائط کہا جانے لگا اور غائط میں تمام احداث داخل ہیں جن سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

"او لامستم النسآء" حضرت نافع' ابن کثیر' ابوعمرو' عاصم اور ابن عامر کی یہ قرأت ہے اور قاری حمزہ اور کسائی نے "لمستم" پڑھا ہے' کہا گیا ہے کہ دونوں قرأتوں کا مفاد ایک ہی ہے یعنی جماع کرنا۔ بعض نے کہا ہے کہ مطلق مباشرت مراد ہے بعض کا خیال ہے کہ اس سے دونوں ہی مراد ہیں۔ محمد بن زید کا خیال ہے کہ لغۃً بہتر یہ ہے کہ "لامستم" بمعنی بوسہ دینا وغیرہ ہے اور "لمستم" بمعنی ڈھانپنا۔ اس لفظ کی تعیین مراد میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ایک طبقہ کا خیال ہے کہ ملامسۃ خاص ہاتھ سے چھونا ہے' جماع مراد نہیں ہے۔ باقی رہا جنبی تو اس کے لیے تیمّم کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ غسل کرے یا جب تک پانی نہ ملے نماز ترک کردے' حضرت عمر اور ابن مسعود کا یہی خیال ہے۔ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ اس بارے میں اہل الرائے شہری فقہآء اور حاملین آثار میں سے کسی نے بھی حضرت عمر اور ابن مسعود کی تائید نہیں کی ہے۔ اھ

اور احادیث صحیحہ بھی اس کا ابطال کرتی ہیں جو جناب عمار' عمران بن حصین اور ابوذر سے جنبی کے تیمّم کے بارے میں مروی ہیں۔ دوسرے طائفہ کا خیال ہے کہ

Marfat.com

''لا مستم'' سے مراد جماع ہے جیسے ''ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن''۔ ❶
اور'' وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن'' ❷ میں بھی جماع مراد ہے۔
جناب علی' ابی بن کعب' ابن عباس' مجاہد' طاؤس' حسن بصری' عبید بن عمیر' سعید بن جبیر' شعبی' قتادہ' مقاتل بن حیان اور ابوحنیفہ سے یہی مروی ہے۔

امام مالک نے فرمایا کہ جماع سے چھونے والا تیمّم کرے اور ہاتھ سے چھونے والا بھی تیمّم کرے مگر شرط یہ ہے کہ اسے لذت محسوس ہو اور بغیر شہوت کے چھوئے تو پھر وضوء نہیں ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے بدن کا کوئی حصہ ہاتھ وغیرہ عورت کے بدن سے لگادے تو اس کی طہارت ختم ہو جائے گی اور اگر اس طرح نہ ہو تو پھر ناقص نہیں ہے۔

قرطبی نے یہی مسلک ابن مسعود' ابن عمر' زہری اور ربیعہ کا نقل کیا ہے' اوزاعی فرماتے ہیں کہ جب آدمی ہاتھ کے ذریعے چھوئے تو وضوٹوٹ جائے گا اور اگر بغیر ہاتھ لگائے ہوئے چھوئے تو پھر ناقص نہیں ہے دلیل یہ قول الٰہی ہے:'' فلمسوہ بایدھم''۔ ❸ علماء نے کئی دلائل سے احتجاج واستدلال کیا اور ہر گروہ یہ سمجھتا ہے کہ آیت میں ملامسۃ سے جماع مراد ہے (تو بھی کوئی حرج نہیں ہے) کیونکہ قاری حمزہ اور کسائی کی قرأت'' أولمستم'' س معنی کا احتمال رکھتی ہے یعنی لمس بالید۔ اور احتمال کی صورت میں تو محتمل کے ساتھ احتجاج درست نہیں ہے اور یہ حکم ایسا ہے جس کے ساتھ عام لوگوں کا واسطہ ہے اور اس کے ساتھ تکلیف عام بھی ثابت ہے یعنی ہر آدمی

---

❶ اس سے ثابت کرتا ہے کہ میس کا معنی جماع ہے یہ سورۂ احزاب کا ٹکڑا ہے اگر تم جماع سے قبل طلاق دو ایسی صورت میں عورت پر عدت نہیں ہوتی۔

❷ یہ سورۂ بقرہ کا ٹکڑا ہے۔

❸ یہ سورہ انعام کا ٹکڑا ہے اس میں لمس بمعنی ہاتھ سے چھونا ہے۔

Marfat.com

اس کا مکلّف ہوتا ہے لہٰذا احتمال شی کے ساتھ اس کا اثبات درست نہیں ہے جس کے مفہوم میں اختلاف ونزاع ہے۔

جب آپ نے یہ بات سمجھ لی (تو یہ بھی یاد رکھنا) کہ سنت صحیحہ سے ثابت ہے کہ جو آدمی جنبی ہو جائے اور پانی بھی موجود نہ ہو تو اس پر تیمّم واجب ہے لہٰذا جنبی اس سے دلیل سے داخل ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ اس میں داخل نہیں ہے تو پھر سنت ہی کافی ہے۔ اور رہا یہ مسئلہ کہ جو آدمی بیوی کو ہاتھ یا بدن کا کوئی حصہ لگائے تو اس پر وضوء یا تیمّم واجب ہے اس آیت سے ان کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ احتمال سے وجوب ثابت کرنا دشوار ہے اور انہوں نے اس مسئلہ کی تائید کے لیے ایک حدیث بھی پیش کی جس کو امام احمد' ترمذی اور نسائی نے حضرت معاذ سے نقل کیا ہے آنحضرت ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ یہ بتائیں کہ ایک آدمی کسی عورت سے ملا ہے وہ اس کو جانتا بھی نہیں ہے اس آدمی نے اس عورت سے جماع کے علاوہ سب کچھ کرلیا ہے جو ایک آدمی اپنی بیوی سے کرتا ہے تو اس موقع پر یہ ارشاد الٰہی: ''اقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکریٰ للذاکرین''۔ [1] علماء حدیث نے اس کی توضیح یہ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو وضوء کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے صرف ہاتھ لگایا تھا جماع نہیں کیا تھا مگر یہ یاد رکھیں کہ یہ حدیث محل

---

[1] یہ سورۂ ھود کی ایک آیت ہے۔ معنی یہ ہوگا دن کے دونوں اطراف اور رات کے حصے میں نماز قائم کر بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے ذاکرین کے لیے۔ فائدہ: اس آیت سے مفسرین نے پانچ نمازوں کا اثبات کیا ہے دن کے دو طرف سے مراد غداۃ وعشی ہے غداۃ سے فجر کی نماز مراد ہے عشی کا معنی ہے پہلا پہر اس میں ظہر وعصر داخل ہے زلفاً من اللیل میں مغرب اور عشاء داخل ہے۔

Marfat.com

نزاع پر بالکل دلالت نہیں کرتی کیونکہ وضوء کا حکم تو آپ نے اس کو نماز ادا کرنے کے لیے دیا تھا جس کا اس آیت میں بھی ذکر ہے اور کوئی نماز بغیر وضوء ادا نہیں ہوسکتی دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی منقطع ہے کیونکہ ابن ابی لیلیٰ معاذ سے نقل کرتے ہیں حالانکہ ابن ابی لیلیٰ کی معاذ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

جب آپ کو یہ علم ہوگیا ہے تو اب یہ بھی یاد رکھیں کہ اس حکم میں اصل برأت ہے لہٰذا یہ حکم ثابت نہ ہوگا مگر ایسی دلیل سے جو ایسے عیوب سے محفوظ ہو جو اس کی حجیت کے لیے نقصان دہ ہیں۔

اور یہ بھی کئی سندوں سے جنابہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضوء کرتے پھر بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز ادا کرتے اور نیا وضوء نہ فرماتے یہ حدیث کئی قسم کے الفاظ سے مروی ہے یہ حدیث مسند احمد' مصنف ابن ابی شیبہ' سنن ابی داؤد' سنن النسائی اور ابن ماجہ میں ہے اور یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی سند اس طرح ہے حبیب بن ابی ثابت عن عروہ عن عائشہ اور حبیب نے عروہ سے یہ حدیث نہیں سنی (جواب یہ ہے کہ) امام احمد نے اپنی مسند میں یہ حدیث ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ نقل کی ہے۔

اور ابن جریر نے عن لیث عن عطاء عن عائشہ اور امام احمد' ابوداؤد اور امام نسائی نے ابوروق الھمدانی سے عن ابراھیم التیمی عن عائشہ نقل کی ہے اور ابن جریر نے ام سلمہ سے بھی نقل کیا ہے اور ابن جریر نے زینب سہمیہ سے بھی بیان کیا ہے حدیث ام سلمہ کے لفظ یہ ہیں ''ان رسول اللہ کان یقبلھا وھو صائم ولا یفطر ولا یحدث وضوء''۔[1] اور زینب سہمیہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ''ان النبی ﷺ کان یقبل ثم یصلی ولا یتوضا'' اور امام احمد نے عن زینب السہمیہ عن عائشہ بھی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کی حالت میں ام سلمہ کا بوسہ لیا روزہ بھی نہ ٹوٹا اور دوبارہ وضوء بھی نہ کیا۔

Marfat.com

نقل کیا ہے۔

''فلم تجدوا ماءً ''۔[1] اگر چہ یہ قید شرط کے بعد تمام مذکورات (مرض' سفر' پاخانہ سے واپس آنا اور عورتوں سے جماع کرنا) کی طرف راجع ہے تو اس میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صرف مرض اور سفر کی بنا پر تیمّم جائز نہیں بلکہ ان دو کے ساتھ ضروری ہے کہ پانی موجود نہ ہے لہٰذا مریض جب تک پانی معدوم نہ پائے اس کو تیمّم نہیں کرنا چاہیے۔ اس طرح مسافر جب تک پانی معدوم نہیں پاتا اس کو تیمّم کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ تندرست آدمی جب پانی معدوم پائے تو وہ مریض ہی کی طرح ہے تو ضروری ہے کہ وضاحت کی جائے کہ مرض اور سفر کے ساتھ یہ قید لگانے کی کیا ضرورت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے بیان کی غرض یہ ہے کہ مریض کے بارے میں یہی گمان ہے کہ وہ پانی تک نہیں پہنچ سکتا اسی طرح مسافر کے حق میں بھی غالب یہی ہے کہ پانی معدوم ہے اور اگر یہ صرف دو آخری صورتوں میں'' او جآء احد منکم من الغائط او لامستم النسآء '' کی طرف راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے تو اس صورت میں ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ جس پر مریض یا مسافر کا لفظ صادق ہے اس کے لیے تیمّم جائز ہے گو وہ پانی بھی پاتا ہو اور استعمال پر بھی قادر ہو۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ قید دو آخری شقوں کی طرف راجع ہے مگر اوّل دو صورتوں میں بھی معتبر ہے البتہ ان میں اس کا وقوع نادر ہے آپ جانتے ہیں کہ یہ کلام ساقط الاعتبار ہے اور غیر مقید توجیہ۔ امام مالک اور ان کے متبعین کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی شرط میں مرض اور سفر کا ذکر اس آدمی کے حق میں اغلب کے اعتبار سے کیا ہے جو پانی کو معدوم پاتا ہے بخلاف حاضر اور موجود آدمی کے کہ عموماً اس کے

---

[1] پس اگر تم پانی نہ پاؤ یعنی پانی نہ ملے۔

Marfat.com

حق میں پانی موجود ہی ہوتا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے اس پر نص نہیں کی ہے۔ اھ

ظاہر ہے کہ صرف مرض ہی تیمم کے جواز کے لیے مفید ہے اگرچہ پانی موجود ہی ہو مگر شرط یہ ہے کہ فی الحال اس کا استعمال نقصان دہ ہو یا انجام کے اعتبار سے نقصان دہ ہو۔ ہلاکت کے خوف کا کوئی اعتبار نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر"۔ ❶ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وما جعل علیکم فی الدین من حرج" ❷ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "الدین یسر"۔ ❸ اور فرمایا: "یسروا و لا تعسروا" ❹ اور فرمایا "قتلوہ قتلھم اللہ" ❺ اور فرمایا کہ: "امرت بالشریعۃ السمحۃ"۔ ❻

اگر ہم کہیں کہ پانی کے معدوم ہونے کی قید سب کی طرف راجع ہے پھر مرض کے تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی موجودگی میں تیمم جائز ہے جب اس کا استعمال نقصان دہ ہو تو اس کے حق میں اس قید کا تب اعتبار ہوگا جب اس کا استعمال نقصان نہ دے کیونکہ صرف پانی کے استعمال سے نقصان نہ ہونے کے باوجود مرض میں اس بات کا احتمال ہے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ طلب سے عاجز ہو کیونکہ اس کو مرض کی وجہ سے کچھ کمزوری لاحق ہوسکتی ہے اور مسافر کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اس کو پانی نہ ملنا کوئی انوکھا امر نہیں ہے کیونکہ سفر میں پانی کے معدوم ہونے کا احتمال ہے اور (مشاہدہ ہے کہ)

---

❶ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتے ہیں تنگی نہیں چاہتے۔

❷ اللہ نے تمہارے اوپر دین میں تنگی نہیں کی۔

❸ دین آسان ہے۔

❹ آسانی کرو اور تنگی نہ کرو۔

❺ انہوں نے اس کو قتل کیا اللہ ان کو قتل کرے انہوں نے خواہ مخواہ سختی کر کے بندہ مار دیا ہے۔

❻ مجھے آسان شریعت دی گئی ہے۔

Marfat.com

بعض جگہ پانی تھا اور بعض جگہ پانی معدوم ہوتا تھا۔

"فتیمموا" لغۃً تیمم کا معنی ہوتا ہے قصد وارادہ کرنا پھر اس کا عام استعمال شروع ہوا تو اس کا معنی ہوا کہ چہرے اور ہاتھوں پر مٹی ملنا۔ ابن انباری نے کہا ہے کہ اہل عرب بولتے ہیں "تیمم الرجل" یعنی اس نے اپنے منہ پر مٹی لگائی ہے مگر اسی معنی لغوی کو معنی (اصطلاحی) شرعی کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے کیونکہ اہل عرب چہرے اور ہاتھوں کے معنی میں اس کے استعمال سے واقف نہیں ہیں یہ تو صرف اس کا شرعی معنی ہے' امر کا تقاضا ہے کہ یہ حکم واجب ہے اور اس پر اتفاق امت ہے اور اس بارے میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں تیمّم کا مفہوم اور اس کی صفات سنت مطہرہ (حدیث) میں تفصیل سے موجود ہیں اور اہل علم کی موشگافیاں بھی کتب فقہ میں پائی جاتی ہیں۔

"صعیداً" بمعنی زمین کی سطح خواہ اس پر مٹی ہو یا نہ ہو (خلیل' ابن اعرابی اور زجاج) امام زجاج نے مزید کہا ہے کہ اہل لغت سب اس پر متفق ہیں رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وانا لجاعلون ما علیها صعیدا جرزاً"۔ ❶ صعیداً جرزاً کا معنی ہے وہ سخت زمین جس میں اگانے کی طاقت نہ ہو دوسرا ارشاد ہے "فتصبح صعیداً زلقاً"۔ ❷ زمین کی سطح کو صعید اس لیے کہا جاتا ہے کہ نیچے سے جو کچھ اوپر آتا ہے وہ اس کی انتہاء ہے جمع صعدات ہے' ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز کے ساتھ تیمم ہوسکتا ہے' امام مالک' ابوحنیفہ' ثوری اور طبری کا خیال ہے کہ زمین کی سطح سے تیمم جائز ہے خواہ وہ مٹی ہو' ریت ہو یا پتھر ہو۔

اور انہوں نے طیباً کا معنی کیا ہے پاکیزہ' امام احمد اور امام شافعی فرماتے ہیں

---

❶ جو کچھ زمین کے اوپر ہے ہم اس کو چٹیل میدان بنانے والے ہیں۔

❷ بس ہو جائے گی زمین چٹیل۔ اور صعید کی جمع صعد' صعدات' صعدان ہے (منجد)

Marfat.com

کہ تیمّم صرف مٹی سے ہوسکتا ہے اور ان کے شاگردوں کا بھی یہی خیال ہے اور انہوں نے صعیدأ زلقا سے استدلال کیا ہے جس کا معنی ہوتا ہے نرم پاک مٹی' اسی طرح انہوں نے طیباً سے بھی استدلال کیا ہے اور طیب کا معنی ہوتا ہے وہ پاک مٹی جس میں قوت روئیدگی موجود ہو اور طیب کے بارے میں ائمہ کی مختلف آراء ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے پاک جیسا کہ ابھی گزرا ہے بعض نے کہا ہے کہ اگانے والی جیسے یہاں ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے حلال۔ اور جس شی میں کئی احتمال ہوں اس سے استدلال درست نہیں اور اگر نہ پایا جائے اس شی میں جس سے تیمّم کیا جاتا ہے مگر وہ جو اللہ کی کتاب میں ہے تو حق وہی ہے جو پہلے لوگوں نے کیا ہے۔

لیکن جناب حذیفہ سے صحیح مسلم میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہمیں لوگوں پر تین لحاظ سے فوقیت حاصل ہے ہماری صفیں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں اور ساری زمین مسجد ہے اور اس کی مٹی ہمارے لیے مطہر ہے جب کہیں پانی نہ ملے۔

اور بعض روایات میں ''تربتها'' کی جگہ ''ترابها'' منقول ہے اور بعض روایات میں ''جعل ترابها لنا طهورا'' ہے ان احادیث نے صعید کا معنی متعین کردیا ہے یا اگر وہ عام تھا تو اس نے اس کو خاص کر دیا ہے یعنی مٹی کے معنی میں یا وہ مطلق تھا تو اس کو مقید کر دیا گیا ہے اور اس امر کی تائید ابن فارس کے بیان کردہ ایک محاورے سے بھی ہوتی ہے جو خلیل کی کتاب سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ تیمّم بالصعید۔ یعنی اس نے غبار سے لیا۔ انتہیٰ۔ اور حجر ٹھوس پتھر کو کہا جاتا ہے جس پر غبار نہ ہو۔

''فامسحوا بوجوهكم وايديكم'' اس قول میں مطلق مسح کا ذکر ہے خواہ ایک دفعہ ہاتھ مارا جائے یا دو دفعہ زمین پر ہاتھ مارا جائے پھر اس آیت نے کوئی تعیین نہیں کی کہ کہنیوں تک یا گٹوں تک ہے۔ حدیث میں اس کی تعیین موجود ہے۔ جن احادیث میں ایک ضرب یا دو ضرب یا گٹ تک مسح کرنے کا ذکر ہے یا کہنیوں تک'

Marfat.com

امام شوکانی نے منتقیٰ کی شرح اور دیگر تالیفات میں ان احادیث میں جمع وتطبیق کردی ہے ایسے انداز سے کہ دیگر کتب کی ورق گردانی کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر دو دفعہ ہاتھ مار کر تیمّم کرنے کی تمام احادیث مجروح اور محل نظر ہیں اور اگر وہ احادیث صحیح ہوں تو ان ہی کو اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اس میں زائد معنی ہے۔ حق امر وقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ جناب عمار کی حدیث پر عمل کیا جائے جس میں صرف ایک دفعہ ہاتھ مارنے کا ذکر ہے۔ (بخاری، مسلم) حتی کہ وہ صحیح ہوگی اور زیادتی ثابت ہوگی اس مقدار ثابت پر۔ [1]

آیت نمبر 21:

﴿ ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا ﴾ (۵۸) ہے۔

یہ آیت ان بنیادی آیات میں سے ہے جو کئی احکام شرع پر مشتمل ہیں کیونکہ

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے کہ تیمّم کے بارے میں صرف حضرت عمار بن یاسر اور ابوجہیم کی احادیث صحیح ہیں ابوجہیم کی حدیث میں یدین کا اجمالی ذکر ہے حضرت عمار کی احادیث میں چار طرح کے الفاظ ملتے ہیں صرف ''کفین'' (دونوں ہتھیلیاں) بخاری ومسلم وسنن میں عمار سے مرفقین (کہنیوں تک) کا ذکر آتا ہے ایک روایت میں نصف کلائی کا ذکر ہے ایک روایت میں بغلوں تک کا ذکر ہے مرفقین اور نصف ذراع والی حدیث میں کچھ کمزوری ہے۔ بغلوں والی حدیث کے بارے میں امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) نے کہا ہے کہ یہ تیمّم آب کا تھا تو وہ بعد والے صحیح تیمّم سے منسوخ ہے اگر یہ حکم ہی نہ تھا تو پھر یہ حجت ہی نہیں ہے اور صحیحین کی روایت میں حضرت عمار سے صرف چہرے اور ہتھیلیوں کا ذکر ہے پھر یہ قاعدہ ہے راوی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ یعنی راوی حدیث اپنی بیان کردہ حدیث کو دوسروں سے زیادہ جانتا ہے اس رو سے وہ فتویٰ بھی دیا کرتے تھے کہ تیمّم صرف چہرے اور ہتھیلیوں کا ہونا چاہیے جب کہ وہ راوی مجتہد ہے۔ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۱۳۳۔

Marfat.com

یہاں خطاب عام ہے اور یہ کلمات ہر قسم کی امانت کو شامل ہیں۔ جناب علی، زید بن اسلم اور شہر بن حوشب کا خیال ہے کہ یہ مسلمان حکام سے خطاب ہے مگر اول توجیہ زیادہ واضح ہے کوئی آدمی یہ وہم نہ کرے کہ اس کے نزول کا ایک خاص سبب تھا۔[1] وہ اس کی عمومیت کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کتب اصول میں یہ قاعدہ ہے کہ سبب کے خصوص کو دیکھ کر کراہت کو خاص نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے عام ہی مانا جاتا ہے کبھی حکم عام اور محیط ہوتا ہے۔

واحدی کا خیال ہے کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے اور حکام تو اس کے پہلے مخاطب ہیں اس لحاظ سے ان کو چاہیے کہ وہ امانات واپس کریں اور ظلم و زیادتی کی روک تھام کریں اور اپنے احکام و فیصلہ جات میں عدل کا مظاہرہ کریں دیگر لوگ بھی اس میں داخل ہیں کہ وہ بھی اپنی امانات ادا کریں' شہادتیں اور خبریں صحیح ادا کریں اس خطاب کے عموم کے قائل جناب براء بن عازب' ابن مسعود' ابن عباس' ابی بن کعب ہیں اور جمہور مفسرین (ان میں ابن جریر بھی ہیں) کا اتفاق ہے کہ ہر قسم کی امانت جن کا حق ہے انہیں واپس کر دی جائے خواہ وہ نیک ہو یا بد' ابن منذر کا بھی یہی خیال ہے۔ امانات امانۃ کی جمع ہے یہ مصدر بمعنی مفعول ہے

'' واذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل '' یہ تمام فیصلہ جات

---

[1] یہ فتح مکہ کے وقت پیش آمدہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے واقعہ یہ ہے کہ بیت اللہ کے کلید بردار جناب عثمان بن طلحہ حجبی تھے جناب علی نے ان سے جبراً کنجی چھین لی۔ کعبہ کا دروازہ کھولا اور اندر تشریف لے گئے۔ دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی پھر حضرت علی یا عباس نے کہا کہ اب تمہیں کنجی نہیں ملے گی آپ نے کنجی اس کو واپس دلوائی اور فرمایا کہ اب یہ ہمیشہ تیرے پاس رہے گی اور (اب تک انہی کی اولاد میں ہے) یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ ایک خاص سبب ہے مگر حکم عام ہے ہر طرح کی امانت اس میں داخل ہے۔

Marfat.com

کتاب وسنت کی روشنی میں ہونے چاہئیں نہ کہ محض اپنی رائے سے کیونکہ اس کا حق ہونا یقینی نہیں ہے ہاں اگر اس فیصلے کی کوئی صورت کتاب وسنت میں نہ ہو تو پھر حاکم رائے اور قیاس سے فیصلہ کرنے کا مجاز ہے مگر شرط یہ ہے کہ حاکم اللہ تعالیٰ کے احکام کو جانتا ہو اور عدم نص کی بنا پر اقرب الی الحق مسئلہ سے بھی واقف ہو اور جو حاکم احکام شرعیہ اور کتاب وسنت کے قریب قریب احکام سے واقف ہی نہ ہو اور اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ عدل کیا ہے کیونکہ کسی دلیل کو جانتا ہی نہیں ہے چہ جائیکہ وہ لوگوں کے فیصلے کرے۔ (اس کو قیاس کرنے کا کوئی حق نہیں)

امام شوکانی عالم ربانی جناب محمد بن علی نے اپنی مختصر (کتاب کا نام ہے) میں کتاب القضاء کے عنوان کے تحت کہا ہے کہ جو آدمی مجتہد ہو لوگوں کے مال پر نگاہ نہ جمائے ہوئے ہو فیصلہ کرنے میں منصف ہو اور عدل پسند ہو تو اس کا فیصلہ قابل قبول ہوگا۔اھ

امام شوکانی نے اس کی (مختصر کی) شرح میں کہا ہے کہ مجتہد کا فیصلہ اسی لیے صحیح ہے کہ کتاب اللہ میں ہے کہ فیصلہ عدل وانصاف سے کیا کرو اور اس کے ذریعے بھی جو اللہ نے ارادہ کیا ہے اور اللہ کا ارادہ صرف مجتہد ہی جانتا ہے رہا مقلد اس کو حجت ودلیل سے کیا واسطہ' اسی طرح اللہ کی تعلیم سے بھی مجتہد ہی واقف ہوتا ہے نہ کہ مقلد' اس کو تو اللہ تعالیٰ نے کوئی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ اس کے امام نے اس کو وہ کچھ بتایا ہے جو اس نے اپنے لیے پسند کرلیا۔ اور اجتہاد کو دلیل مان لینے کی دلیل حدیث بریرہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قاضی (جج) تین قسم کے ہیں ایک جنتی دو جہنمی جس آدمی نے حق بات تلاش کر کے فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور جس نے حق معلوم ہونے کے باوجود غلط فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی اور وہ بھی جس نے لاعلمی میں فیصلہ کیا ابن ماجہ' ابوداوٗد' نسائی ترمذی' حاکم اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی تمام اسانید ایک مفرد کتاب میں نقل کی ہیں

Marfat.com

اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ حق صرف مجتہد ہی جانتا ہے اور مقلد وہی کہتا ہے جو اس کے امام نے کہا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس پر امام نے صحیح کہا ہے یا غلط' ایسا قاضی جو فیصلہ کرے گا اس کی بنیاد جہالت پر ہوگی وہ بھی دوزخیوں میں سے ہے۔ قاضی کے لیے اجتہاد شرط ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:'' ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ''۔ [1] دوسری آیت میں'' فاولئک ھم الفاسقون '' ہے اور قرآن کے مطابق وہی آدمی فیصلہ کر سکتا ہے جو قرآن اور اس کی تفسیر سے واقف ہوگا۔

دوسری دلیل حدیث معاذ ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو پوچھا کہ اے معاذ! بتا تو لوگوں کے فیصلے کیسے نپٹائے گا؟ انہوں نے کہا کتاب اللہ کے ذریعے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حکم تجھے اللہ کی طرف سے نہ ملے تو پھر انہوں نے جواباً عرض کی کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا پھر آپ نے فرمایا کہ اگر تو وہ نہ پائے تو انہوں نے پھر عرض کی کہ پھر میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ یہ حدیث بڑی مشہور ہے۔ مین نے اس کے تمام طرق اور ناقلین کو مستقل بحث کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ مقلد نہ قرآن جانتا ہے نہ حدیث اور نہ اس کی کوئی رائے ہی ہے بلکہ اس کو نہیں پتہ ہوتا کہ کتاب وسنت میں کوئی حکم اس بارے میں ہے کہ وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ حکم کتاب وسنت میں نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔

جب مقلد کہے کہ وہ اپنی رائے سے فیصلہ کر رہا ہے تو وہ اس بات کا معترف ہے کہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے کیونکہ اس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ کتاب وسنت سے واقف نہیں ہے اور اس نے اس بارے میں بھی اعتراف کر لیا ہے کہ رائے کے ساتھ

---

[1] جو شخص قرآن وسنت کے ساتھ فیصلہ نہ کرے گا وہ کافر ہے دوسری آیت میں ہے کہ وہ ظالم ہے تیسری آیت میں ہے کہ وہ فاسق ہے۔ یہ مختلف مراتب ودرجات اور مدارج کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

فیصلہ کرنا گویا طاغوت کا حکم ماننا ہے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کر رہا ہے۔ اور جناب محمد بن اسماعیل بن صلاح امیر یمانی کے کلام سے بھی اس کی تائید و وضاحت ہوتی ہے جو انہوں نے سبل الکلام شرح بلوغ المرام میں جناب عمرو بن العاص سے مروی ایک حدیث: ''اذا حکم الحاکم فاجتھد ثم اصاب فلہ اجر ان فاذا حکم ثم اخطاء فلہ اجر''۔ ❶ (بخاری، مسلم) کی تشریح میں لکھا ہے کہ حدیث کا مضمون اس قول کی دلیل ہے کہ ہر فیصلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حکم ایک ہی ہوتا ہے اس کو وہ آدمی پالے گا جو اپنے غور و فکر کو حرکت دے، دلائل کی تلاش کرے اور اللہ پاک اس کو توفیق دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں ایک اجتہاد کا دوسرا درستگی رائے کا اور جس نے پوری جستجو کی پھر غلطی ہوگئی تو اس کے (اجتہاد) کا ایک اجر ضرور ہوگا اور اس حدیث سے علماء نے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ حاکم کا مجتہد ہونا شرط ہے۔

قاضی مغربی وغیرہ نے بلوغ المرام کی شرح البدر التمام میں کہا ہے مجتہد ہی ادلہ شرعیہ سے احکام اخذ کر سکتا ہے۔

مزید فرمایا کہ ایسے آدمی کا وجود نہ صرف یہ کہ متعذر و مشکل ہے بلکہ قریب قریب معدوم ہی ہے اس قدر تعذر کی بنا پر شرط یہ ہے کہ وہ مقلد اپنے امام کے مذہب کے اندر رہ کر اجتہاد کرے اور اپنے امام کے قائم کردہ اصول کی تحقیق کرے اور ان مسائل کو ان اصولوں پر منطبق کرے جہاں امام کی طرف سے کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اھ

میں کہتا ہوں کہ یہ ساری تحقیق غلط و باطل ہے اور اس کا بطلان بالکل واضح ہے گو اس پر کئی اہم شخصیات کا اتفاق ہے اور ہم نے اپنے رسالہ ''ارشاد النقاد الی تیسیر

---

❶ جب کوئی حاکم پوری تحقیق و جستجو کے بعد فیصلہ کرتا ہے اور فیصلہ بھی صحیح ہوتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ غلطی کر جائے تو اس کو ایک اجر ضرور ملتا ہے۔

Marfat.com

الاجتھاد' میں تعدد اجتہاد کا دعویٰ باطل کردیا ہے اور اس پر قائم کردہ دلائل کا کوئی جواب نہیں ہے اور یہ دعویٰ جس پر ائمہ کا اتفاق ہے کفران نعمت ہے کیونکہ جولوگ اس کے دعویدار ہیں اور اس دعوے کی پختگی کا یقین رکھتے ہیں وہ مجتہد ہیں ادلہ اجتہاد کو سمجھتے ہوئے اس کے ذریعے ایسے مسائل استنباط کرتے ہیں جو رسول اللہ کے قائم کردہ قاضی مکہ جناب عتاب بن اسید اور رسول اللہ کے قائم کردہ قاضی یمن جناب ابوموسیٰ اشعری اور قاضی یمن اور عامل یمن جناب معاذ بن جبل بھی نہ کرسکے اور جناب عمر اور علی کے قائم کردہ قاضی کوفہ شریح کو بھی ہمت نہ ہوئی اور قول شارح بھی اس کی تائید کرتا ہے:

"فمن شرطه ای المقلدان یکون مجتهدا فی مذهب امامه و ان یحقق اصوله وادلته"[1]

یہی وہ اجتہاد ہے جس کے معدوم' عدم وقوع اور تعذر کا بالکلیہ انہوں نے حکم لگا دیا ہے اس میں (مقلد نے ایسا کیوں نہ کیا کہ بجائے اپنے امام کے) کتاب وسنت کو امام بنائے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے نصوص کا تتبع اور تلاش کرنے کے بجائے وہ امام کی نصوص کو مانے اور عبارات تو الفاظ ہوتے ہیں جو معانی پر دلالت کرتے ہیں اس کو ایسا نہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنے امام کے الفاظ ومعانی کی بنا پر شارع علیہ السلام کے الفاظ اور معانی کو ہی بدل دے اور کیوں نہ محمول کیا احکام کو ان پر جب نص شرعی نہ ملی بجائے اس کے کہ امام کے مذہب پر محمول کرتا جہاں اس کو منصوص نہ پایا۔ قسم ہے اللہ پاک کی کہ انہوں نے نے اچھی چیز کے مقابلے میں ادنیٰ اور گھٹیا چیز لی ہے یعنی کتاب وسنت کے مقابلے میں اپنے شیوخ اور ساتھیوں کے کلام کی طرف

---

[1] مقلد کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے دائرے میں رہ کر اجتہاد کرے اور اس کے اصول وادلہ کی تحقیق کرے۔

Marfat.com

توجہ دی ہے اور انہیں کے مقاصد سمجھتے اور ان کے کلام کی تحقیق و تفتیش میں لگے رہے ہیں اور یہ بات بلاشبہ درس ہے کہ اللہ پاک کی کلام اور آنحضرت ﷺ کی کلام اقرب الی الذھن ہے اور اس کی وجہ سے مقاصد تک رسائی ہوسکتی ہے کیونکہ کائنات کا اتفاق ہے وہ کلام نہایت ہی بلیغ اور تلفظ و تکلم اور سننے میں نہایت ہی میٹھی وخوبصورت ہے اور اقرب الی الفہم اور زیادہ فائدہ بخش بھی وہ ہے اس کا انکار صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کی طبائع میں ضد اور ہٹ دھری ہے اور وہ بھی جن کو نفع اور انتفاع کا علم نہیں ہے۔

وہ اذہان جن کے ذریعے صحابہ نے اللہ اور رسول کی کلام سمجھی ہے ہمارے ذہنوں کی طرح نہیں تھے اور ان کی عقول بھی ہماری عقول کی طرح نہیں تھیں اگر ذہنوں میں اتنا تفاوت ہو کہ ہم اللہ پاک اور رسول اللہ ﷺ کی کلام وخطاب سمجھ نہیں سکتے تو پھر ہم مکلّف اور مامور ہی نہیں ہیں اور نہ ہم کسی چیز سے باز آنے کے پابند ہیں۔ اجتہاد کے ذریعے تو اس لیے نہیں کہ وہ ہے ہی محال اور ملقد ہم نہیں ہیں اور ہم تقلید اس وقت کریں گے جب ہم سمجھ لیں گے کہ ہمیں تقلید کرنی جائز ہے اور تب ہی علم سمجھ سکتے ہیں جب کتاب اللہ اور سنت نبوی سے ثابت ہو کہ یہ تقلید جائز ہے کیونکہ تقلید کرنے کے جواز میں تقلید دلیل نہیں ہوسکتی۔

لہٰذا یہ عقل و شعور جس سے ہم نے دلیل سمجھی ہے اس کے ساتھ ہم اور ادلہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کم ہوں یا زیادہ یعنی ہم دیگر ادلہ سمجھ سکتے ہیں علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ آئندہ زمانے میں بڑے بڑے فقیہ ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کی کلام کے بہت حافظ ہوں گے حدیث یہ ہے کہ ''ضرب مبلغ افقه من سامع'' دوسری حدیث میں ''اوعی له من سامع'' ہم نے مذکورہ رسالہ میں پوری پوری بحث کردی ہے سبل السلام کی عبارت ختم ہوگئی ہے اور میں نے اپنے رسالہ ''الجنة فی الاسوة الحسنة بالسنة'' میں کافی تفصیلی گفتگو کردی ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 22:

﴿یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ (۵۹) ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام اور منہیات کو تسلیم کرنا ہی طاعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے احکام ونواہی کو ماننا ہی ان کی طاعت ہے۔ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت اور اپنے رسول کی طاعت کا حکم دیا ہے اور ''اطیعوا'' کا لفظ الگ الگ استعمال ہوا ہے جس کا تقاضا ہے کہ پیغمبر کی طاعت مستقل فرض ہے' کتاب اللہ پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جب وہ حکم دے اس کو غیر مشروط ماننا ضروری وواجب ہے خواہ وہ حکم کتاب اللہ میں ہو یا نہ ہو کیونکہ آپ کو قرآن اور اسی قدر دیگر مسائل بھی دیئے گئے ہیں۔ اولوالامر کی اطاعت مستقل نہیں ہے وہاں سے فعل ''اطیعوا'' حذف کر کے رسول کی اطاعت کے تابع کر دیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ بالاستقلال مطاع نہیں ہیں بلکہ جب تک وہ رسول کی طاعت کا حکم دیں ان کی طاعت واجب ہے اور جب رسول کے حکم کے خلاف حکم دیں تو وہ نہ سننے کے قابل ہے نہ طاعت کے جیسا کہ حدیث میں ہے:

''انما الطاعة فی المعروف''۔ (1)

اور آپ نے حکام کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے جو تمہیں خدا کی نافرمانی کا حکم دے وہ سننے اور طاعت کے قابل نہیں ہے۔ ''واولی الامر منکم'' جب اللہ تعالیٰ نے قاضیوں (جج حضرات) کو اور حکام کو حکم دیا کہ تم لوگوں میں عدل وانصاف اور حق کے ساتھ فیصلہ کرو تو لوگوں سے کہا کہ تم ان حکام کی اطاعت کرو۔ ''اولوالامر'' سے مراد ائمہ' بادشاہ اور قاضی حضرات ہیں اور ہر شرعی حاکم اس میں داخل ہے نہ کہ طاغوتی وسرکش حاکم۔ ان کی طاعت بھی اس حد تک ہے کہ وہ شرع کے ماتحت

---

(1) یعنی امام کی طاعت وفرمانبرداری نیکی اور حکم شرعی میں ہے۔

Marfat.com

ہوں کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ: ''لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللہ''۔[1] جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے جابر بن عبداللہ' مجاہد' حسن بصری' ابوالعالیہ' عطاء بن ابی رباح' ابن عباس امام احمد سے بھی ایک روایت ہے کہ اس سے اہل علم مراد ہیں امام مالک اور ضحاک کا بھی یہی خیال ہے۔ مجاہد کا خیال ہے کہ ''اولو الامر'' سے اصحاب رسول مراد ہیں۔ ابن کیسان کا خیال ہے کہ اہل الرای اور اہل عقل مراد ہیں۔

امام شوکانی کا خیال ہے کہ پہلا قول ہی راجح ہے۔ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں اس آیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امراء کی بات اس وقت مانی جائے گی جب وہ علم (الٰہی) کے مطابق ہوں گویا ان کی طاعت علماء کی طاعت کے تابع ہے کیونکہ طاعت نیکی میں اور اس میں جو علم کے مقتضیٰ کے مطابق ہے جس طرح علماء کی طاعت رسول اللہ ﷺ کی طاعت کے تابع ہے تو امراء کی طاعت علماء کے مطابق اور تابع ہے جب اسلام انہیں دو طبقوں کے ساتھ قائم ہے اور تمام لوگ ان کے تابع ہیں تو عالم کی اصلاح ان دونوں طبقوں کی اصلاح و درستگی کے ساتھ قائم ہے۔ اسی طرح ان کے خراب ہونے سے جہان خراب ہو جاتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن مبارک وغیرہ اسلاف نے کہا ہے دو قسم کے لوگ اگر درست ہو جائیں تو تمام لوگ صحیح ہو سکتے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ کون ہیں انہوں نے کہا وہ بادشاہ اور امراء ہیں۔

فرمایا میرے خیال میں گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں اور ان پر ہمیشگی ذلت کا باعث ہے۔ گناہوں کا ترک دلوں کی حیات ہے' گناہوں سے انکار کرنا ہی تیرے لیے بہتر ہے دین کو خراب کرنے والے تین گروہ ہیں' بادشاہ' علماء بد اور پیر و مشائخ انتہی کلامہ۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی تھی ایک موقع پر ان کو آنحضرتؐ

---

[1] اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔

Marfat.com

نے ایک دستے پر امیر مقرر کیا تھا یہ واقعہ مطولات میں مفصل موجود ہے۔[1] ابن قیم نے فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ان کے امیر نے جب انہیں آگ میں کود جانے کا حکم دیا تو وہ تیار ہو گئے تھے تو آپؑ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایسا کرتے تو ہمیشہ کے لیے آگ ہی میں جلتے رہتے حالانکہ ان کا یہ فعل اپنے امیر کی اطاعت میں تھا اور اس خیال سے تھا کہ ان پر امیر کی اطاعت فرض تھی لیکن انہوں نے اجتہاد کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ رب تعالیٰ کی نافرمانی کی دعوت دینے والے امیر کی اطاعت کی ہے انہوں نے طاعت کے حکم عمومی کو آپ کی مراد کے خلاف پر عمل کیا اور ایسے معنی پر حمل کیا جس کی خلاف ورزی دین میں معلوم تھی انہوں نے اجتہاد میں کوتاہی کی اور اپنے آپ کو ہلاکت اور عذاب میں مبتلا کرنے کا اقدام کیا بغیر یقین اور بلا معلوم کیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی طاعت ہے یا نہیں۔ تو اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو ان احکام میں جو رب نے اپنے نبی کو دیئے ہیں پیغمبر کی مخالفت کرتا ہے اور غیر نبی کی اطاعت کرتا ہے۔ انتہیٰ۔

عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت عطاء سے اس آیت کی

---

[1] جناب علی (متوفی ۴۰ھ) سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دستہ بھیجا اور اس پر ایک انصاری کو امیر بنایا اور فرمایا کہ اس کی بات سننا اور ماننا۔ امیر و ماتحتیوں میں اختلاف ہو گیا امیر نے فرمایا کہ لکڑیاں جمع کرو انہوں نے حکم کی تعمیل کی پھر امیر نے فرمایا کہ ان میں آگ لگا دو انہوں نے آگ لگا دی اور فرمایا کہ تمہیں میری بات سننے اور ماننے کا حکم ہوا تھا فرمایا کہ اس آگ میں کود پڑو اب بعض نے بعض کو دیکھا انہوں نے کہا کہ آگ سے بچنے کے لیے تو ہم نے ایمان قبول کیا تھا اسی تکرار میں امیر صاحب کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بھی بجھ گئی جب واپس آئے اور آنحضرت کو یہ واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا اگر آگ میں کود جاتے تو اس سے بالکل نہ نکلتے فرمایا: ''انما الطاعة في المعروف'' (در منثور)

Marfat.com

تفسیر میں نقل کیا ہے طاعۃ اللہ سے کتاب الٰہی کو مان لینا مراد ہے اور طاعۃ الرسول سے پابندی سنت مراد ہے اور اولی الامر سے اہل علم اور اہل دانش مراد ہیں۔ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جن مقلدین نے اس آیت سے اپنے ائمہ مقلدین [1] مراد لئے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ اچھا جی اگر مان بھی لیں کہ اس سے مقلدین ائمہ مراد ہیں تو پھر بھی ان کی طاعت مشروط ہے کہ جب تک وہ احکام الٰہیہ کی مخالفت نہ کریں مزید یہ کہ ان ائمہ نے تو تقلید سے بالکل منع کر دیا ہے جیسا کہ ائمہ اربعہ سے (اپنی اپنی جگہ) منقول ہے۔ ابھی اس کی تصریح گزری ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی عالم اپنی تقلید کی دعوت دیتا ہے تو وہ معصیت ونافرمانی کی دعوت ہے بلکہ نص سے ثابت ہے ان کی کوئی طاعت نہیں ہے مزید یہ کہ یہ آیت واضح بتا رہی ہے کہ علی الاطلاق کتاب وسنت رائے اور قیاس سے مقدم ہیں کتاب وسنت کا ترک جائز نہیں ہے اور نہ یہ ان کی تخصیص قیاس کے ذریعے ہو سکتی ہے خواہ قیاس جلی ہو یا خفی۔ [2]

اس آیت میں اطاعت کی فرضیت کے کئی دلیل ہیں ایک دلیلیں یہ ہے کہ: ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' میں کتاب وسنت کی طاعت کا حکم ہے اور یہ امر مطلق ہے جس کا تقاضا ہے کہ کتاب وسنت کی پیروی لازمی وضروری ہے خواہ کوئی قیاس معارض ومخالف آئے خواہ مخصص آئے یا نہ آئے کتاب وسنت پر عمل فرض ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اکثر ائمہ کے نزدیک کلمہ ان شرطیہ ہے اور ان تنازعتم کا تقاضا ہے کہ جب تک یہ اصل (کتاب وسنت) موجود ہیں قیاس کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ آیت کی ترتیب تقاضا کرتی ہے کہ ''اطیعوا اللہ'' ''اطیعوا الرسول''

---

[1] مقلد یہ قلد سے اسم الفاعل ہے تقلید کرنے والا مقلد یہ اسم المفعول ہے بمعنی امام وپیشوا۔

[2] قیاس جلی سے مراد عام اور معروف قیاس ہی مراد ہے اور قیاس خفی سے مراد استحسان ہے جیسا کہ کتب اصول میں مفصل موجود ہے۔

Marfat.com

سے پہلے ہے اور'' ان تنازعتم '' کو بعد میں ذکر کیا ہے اور حضرت معاذ کا واقعہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ابلیس اس سے ملعون ہوا تھا کہ اس نے بالکل ہی سجدہ کا حکم ٹھکرایا تھا بلکہ اس نے اس عموم سے قیاس کے ذریعے اپنے آپ کو الگ کرلیا تھا اور خاص کرلیا تھا۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کا ہر متن قطعی اور یقینی ہے کیونکہ اس کا ثبوت تواتر سے ہے اور قیاس جمیع وجوہ سے ظنی ہے اور ظنی پر قطعی راجح ہے اور پانچویں دلیل یہ ہے'' ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون ''۔[1]

نص صریح ہے کہ جب ہم کسی حکم کتاب عام کو پائیں کسی واقعہ میں پھر بھی ہم قیاس کے ذریعے فیصلہ کریں تو یہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔ ایسے ہی اللہ اور اس کے رسول سے آگے جانا بھی اس کے لوازمات میں سے ہے ہم نے اسکی کامل بحث اپنی تفسیر فتح البیان میں کردی ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔'' فان تنازعتم '' منازعت بمعنی مجاذبت ہے یعنی ایک دوسرے سے کشمکش کرنا گویا ہر ایک دوسرے کی دلیل کی کھینچتا ہے یہاں اختلاف ومجادلہ مراد ہے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان بعض مسائل میں اختلاف کریں گے مگر دین اور ایمان سے خارج نہ ہوں گے۔

علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ صحابہؓ نے کئی مسائل میں اختلاف کیا ہے حالانکہ وہ مومنوں کے سردار اور امت میں اکمل الایمان ہیں مگر بحمد اللہ اللہ کے اسماء اور صفات اور افعال میں انہوں نے بالکل اختلاف نہیں کیا بلکہ اول سے آخر تک تمام صحابہ کا ایک یہ نظریہ تھا کہ جن اسماء وصفات اور افعال کو کتاب وسنت نے ثابت کیا ہے وہی صحیح ہیں نہ انہوں نے ان میں تاویل کی ہے اور نہ ہی تحریف کی ہے اور نہ کسی کا ابطال کیا ہے اور نہ تشبیہ وتمثیل سے کام لیا ہے اور نہ ہی ان کے صدور واعجاز میں دفع کیا ہے یعنی ان کو اول سے آخر تک اسی طرح تسلیم کرلیا ہے

---

[1] جس نے ما انزل اللہ (جو کچھ رب نے اتارا ہے) کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ ظالم ہے۔

Marfat.com

جیسے وہ نازل ہوئی ہیں اور ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ ان کو ان کے حقائق سے پھیر کر مجاز پر محمول کیا جائے بلکہ انہوں نے اس کو قبول اور تسلیم کے نظریہ سے لیا ہے اور ان کی تعظیم اور ان پر ایمان لانے کا مظاہرہ کیا ہے اور ان میں انہوں نے ایک طرز اختیار کیا ہے اور ان کو ایک ہی طریقہ پر محمول کیا ہے اہل بدعت کی طرح اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کئے ہیں کہ بلا دلیل بعض احکام کا اقرار کیا اور بعض کا انکار کر دیا حالانکہ جن احکام کا انکار کیا ہے وہ انہی احکام کی طرح ہیں جن کا اقرار کیا ہے یعنی دونوں کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے مسائل اختلافیہ میں اختلاف کرنے سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا لیکن شرط یہ ہے کہ ان مسائل کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیا جائے جیسا کہ رب تعالیٰ نے خود بتایا ہے: ''فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر''۔ (1)

اور یہ بات یقینی ہے جو حکم معلق بالشرط ہوتا ہے وہ انعدام شرط سے منعدم ہو جاتا ہے' فی شئ یہ نکرہ ہے جو سیاق نفی میں واقع ہونے کی بنا پر عام ہے یعنی جن مسائل میں بھی اختلاف ہو جائے خواہ وہ دقیق ہوں یا عام فہم' ظاہر ہوں یا مخفی۔ اگر ان مسائل متنازعہ فیہا کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہوتا اور وہ بیان کافی نہ ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کبھی بھی کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت نہ دیتا۔ اور یہ قرین عقل بھی نہیں ہے کہ جو کتاب وسنت مابہ النزاع کے حل سے خالی ہو تو اس کی طرف دعوت دی جائے (اعلام الموقعین)

شوکانی فرماتے ہیں کہ ''فی شئ'' میں ظاہری لحاظ سے دینیہ اور دنیویہ دونوں امور شامل ہیں لیکن جب فرمایا کہ: ''فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ

---

(1) جس مسئلہ میں اختلاف ہو جائے اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت پر قائم ہو۔

Marfat.com

والیوم الآخر"۔❶ تو معلوم ہوا کہ متنازع فیہ وہ شی ہے جس کا دین سے تعلق ہے نہ کہ دنیا سے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا معنی ہے کہ مسئلہ کو اس کی کتاب کی طرف لوٹا دیا جائے اور رسول کی طرف لوٹانے کا معنی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد سنت مطہرہ کی طرف مراجعت کی جائے اور آپ کی حیات اقدس میں آپ سے پوچھ لینے کا حکم ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کی طرف لوٹانے کا معنی ہے کہ اللہ اعلم کہہ دیا جائے مگر یہ قول نہایت درجہ ضعیف اور ساقط الاعتبار ہے اور ردوہ کا معنی یہاں وہی ہیں جو" ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم" میں ہے۔❷ اھ

ابن قیم نے کہا ہے کہ اس پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا معنی ہے کہ اللہ کی کتاب کی طرف لوٹا دیا جائے اور رسول کی طرف لوٹانے کا معنی ہے کہ آپ کی زندگی میں آپ کی طرف مراجعت کی جائے اور وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف مراجعت کی جائے اور اللہ تعالیٰ نے اس رد کو ایمان کے اسباب اور لوازمات میں سے فرمایا ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو "انتفاء لازم مستلزم ہے انتفاء ملزوم کو" کے قاعدے کے مطابق ایمان کی نفی ہو جائے گی خاص طور پر ان دو چیزوں میں جو تلازم ہے کیونکہ یہ تو طرفین سے ہی ہے اور ہر ایک دوسرے کے انتفاء سے منتفی ہو جائے گا۔ پھر خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہ رد ان کے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے۔ انتہیٰ

قاضی شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ" ان کنتم تومنون باللہ" اسی امر کی دلیل ہے کہ یہ رد واجب ہے اور جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا

---

❶ اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

❷ اگر وہ اس کو اللہ کے رسول اور اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے تو جو ان میں استنباط احکام کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ سمجھ لیتے کہ اس کا بیان کرنا اچھا ہے یا نہیں۔

Marfat.com

ہے اس کی یہی شان ہے اور ذلک کے لفظ سے اسی رد کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی حکم مامور بہ کی طرف۔ ''خیر واحسن تاویلاً'' تاویل کا معنی ہے انجام۔ یہ'' آل یؤل اولا الی کذا ای صار الیہ'' سے ماخوذ ہے والمعنی'' ان ذلک خیر لکم واحسن مرجعاً ترجعون الیہ''۔❶ اور یہ بھی احتمال ہے کہ'' رد الی اللہ والرسول'' تمہاری تاویل سے بہتر ہے۔ اھ

اور یہ آیت کریمہ اتباع کو واجب قرار دیتی ہے اور رد تقلید کا بہت بڑا اصول ہے سلف وخلف کی ایک جماعت نے اس سے احتجاج کیا ہے۔ طوالت کے ڈر سے انہی الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں جو شخص بسط وتفصیل کا خواہشمند ہے اسے اعلام الموقعین جیسی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے حق وباطل کا امتیاز ہو جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

آیت نمبر 23:

﴿ واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ﴾ (۸۳) ہے۔❷

جب کوئی راز فاش کر دیا جائے تو اس وقت اہل عرب کہا کرتے ہیں'' اذاع الشئ واذاع بہ'' مسلمانوں میں کچھ کمزور اعتقاد کے لوگ ہوتے تھے جب وہ کوئی ایسی بات سنتے جس میں مسلمانوں کے لیے امن وسلامتی اور کامیابی وفتح کا پیغام ہوتا اور دشمن کے مغلوب ہونے کا اعلان ہوتا یا مسلمانوں کی شکست وقتل کا تذکرہ ہوتا تو وہ سمجھتے کہ اس کو بیان کرنے کا کوئی حرج نہیں ہے (اس راز کو فاش کر دیتے تھے)۔

'' ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم ''۔❸ اس سے اہل علم

---

❶ '' آل یؤل اولاً '' کا معنی ہوتا ہے لوٹنا لہٰذا آیت کا معنی ہوگا یہ (جو حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹنے کا دیا جا رہا ہے) بہتر ہے تمہارے لیے اور یہ انجام کے اعتبار سے بھی احسن ہے۔

❷ اور جب آتا ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ اس کو مشہور کر دیتے۔

❸ اور اگر اس کو وہ اللہ کے رسول اور اولی الامر کی طرف ان میں سے لوٹا دیتے۔

Marfat.com

اور اصحاب الرائے لوگ مراد ہیں جو تدبیر معاملات میں مرجع الخلائق رہے ہیں یا پھر حکمران لوگ مراد ہیں۔ "لعلمه الذين يتسنبطونه منهم"۔❶ یعنی اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حسن تدبیر اور عقول صحیحہ کے ذریعے مسائل کا استخراج کر سکتے ہیں' آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ خبروں کی تشہیر کا شعبہ چھوڑ دیتے تو بڑا اچھا ہوتا کیونکہ خود ہی آنحضرت ﷺ سمجھتے کہ یہ بات بیان کرنے کے قابل ہے تو کر دیتے ورنہ نہ کرتے یا اولی الامر کے سپرد کر دیتے تو اچھا تھا کیونکہ وہ بھی اچھی بری بات کی تنقیح کرنے کے قابل ہوتے ہیں پھر جس کو بیان کرنا ہوتا کر دیتے ورنہ چھپا دیتے۔ استنباط کا لفظ استنبطت الماء❷ سے لیا گیا ہے یہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب آپ کنوئیں سے پانی نکالیں اور نبط وہ پانی ہے جو کنواں کھودنے کے بعد سب سے پہلے کنوئیں سے نکالا جائے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کمزور لوگ جب مسلمانوں کے خلاف منافقین کے جھوٹے پروپیگنڈے اور پھیلائی ہوئی جھوٹی باتوں سے متاثر ہو کر مشہور کر دیا کرتے تھے تو اس سے نقصان ہوتا تھا اس لیے منع کر دیا گیا ہے۔

عبد بن حمید' مسلم اور ابن ابی حاتم نے بواسطہ ابن عباس حضرت عمر سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی تو میں مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ زمین پر کنکریاں مارتے اور کہہ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے اس وقت میں مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا میں نے بلند آواز سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی طلاق نہیں دی ہے اس وقت یہ آیت اتری تھی۔ میں نے صحیح صورت حال کا جائزہ لیا اور یہ اعلان کر دیا۔

---

❶ تو وہ لوگ جو استنباط احکام کی طاقت رکھتے ہیں جان لیتے کہ اس کا افشاء درست ہے؟

❷ میں نے کنوئیں سے پانی نکالا۔

Marfat.com

آیت نمبر 24:

﴿ واذا حییتم بتحیة ﴾ (۸۶) ہے۔ ❶

تحیۃ' تفعلہ کا وزن ہے یہ حییت سے لیا گیا ہے اس کا اصل معنی ہوتا ہے زندہ رہنے کی دعا کرنا اور یہاں تحیہ کا معنی سلام ہے جس طرح دوسری آیت:'' واذا جاء وک حیوک بما لم یحیک به الله ''۔ ❷ مفسرین کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہاں اس کا معنی ہے کہ چھینک مارنے والے کو جواب دینا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے کچھ مقلدین نے'' او ردوھا ''کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں اس سے تحفہ اور تحائف مراد ہیں کیونکہ بعینہ سلام کو لوٹانا ناممکن ہے مگر معنی نہایت نامناسب اور فاسد ہے اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں ہے۔

'' فحیوا باحسن منها ''معنی ہوا کہ ابتداءً سلام کہنے والے کو اچھا جواب دو مثلاً ایک آدمی کہتا ہے السلام علیکم جواب دینے والا جواب دے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ جب ابتداءً سلام کہنے والا کسی لفظ کا اضافہ کرے تو مجیب اس کے کہے ہوئے کلمات پر ایک لفظ کا اضافہ کرے یا کئی الفاظ کا جیسے وہ وبرکاتہ ومرضاتہ وتحیاتہ۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ابتداءً سلام کہنا سنت ہے کہ اس میں ترغیب دلائی گئی ہے اور جواب دینا فرض ہے کیونکہ حیوا امر کا صیغہ ہے جس کا تقاضا وجوب ہے۔

'' اوردوھا ''اس لفظ کا تقاضا ہے کہ جو الفاظ مبتدی کہے مجیب بھی کہہ سکتا ہے مبتدی نے کہا السلام علیکم مجیب جواب دے گا کہ وعلیکم السلام۔ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ مبتدی کے جواب میں اس سے کم الفاظ استعمال کئے گئے کفایت نہیں

---

❶ جب تمہیں سلام کا تحفہ دیا جائے۔

❷ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو سلام کہتے ہیں ایسے الفاظ سے جن سے اللہ سلام نہیں کہتا۔

Marfat.com

کرتے۔ فقہاء نے اس کو اس بات پر حمل کیا ہے کہ اس سے فقط اکمل مراد ہے اس مسئلے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ جب جماعت میں سے ایک آدمی جواب دے دے تو یہ کافی ہے یا نہیں' امام مالک اور شافعی کا خیال ہے یہ ٹھیک ہے اہل کوفہ کا خیال ہے یہ ٹھیک نہیں ہے مگر اہل کوفہ کا مسلک خود ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث کے خلاف ہے حدیث میں آیا ہے جب ایک جماعت کہیں سے گزرے تو ایک آدمی سلام کہہ دے تو یہ کافی ہے اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے بھی ایک آدمی جواب دے دے تو ٹھیک ہے یہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔ اس حدیث کی سند میں سعید بن خالد خزاعی مدنی راوی ہے جس کی حدیث قابل تسلیم ہے بعض نے ضعیف کہا ہے۔

ابن عبدالبر نے اس کو حسن کہا ہے۔ حدیث میں تفصیل موجود ہے کہ کون پہلے سلام کہے اور کس کو سلام کہنا جائز ہے اور کس کو ناجائز ہے۔ مزید بسط کی ضرورت نہیں ہے' ہم نے بلوغ المرام کی شرح میں اس پر سیر حاصل بحث کردی ہے۔

آیت نمبر 25:

﴿ ودوا لو تکفرون ﴾ (۸۹) ہے۔[1]

یہ مستقل کلام ہے اس میں منافقین کا ذکر ہے اور یہ اس امر کی وضاحت بھی ہے کہ وہ مومنوں کو کافر بنانے کی آرزو دل میں لئے ہوئے ہیں۔ '' کما کفروا '' عناد' کفر میں غلو اور ضلالت پر اصرار کی بنا پر انہوں نے یہ آرزو کی ہے کما کا کاف مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یہ ہے: '' کفروا مثل کفرھم '' یا یہ حال ہے جیسا کہ سیبویہ سے منقول ہے۔

'' فتکونون سواء '' کا تکفرون پر عطف ہے اور اسی حکم میں داخل ہے: '' فلا تتخذوا منھم اولیاء '' شرط محذوف کا جواب ہے اصل عبارت

---

[1] انہوں نے تمہارے کافر ہونے کی آرزو کی ہے جیسے وہ خود کافر ہیں۔

Marfat.com

یہ ہے کہ: "اذا کان حالهم ما ذکر" "فلا تتخذو الخ"۔❶ مخاطبین چونکہ جمع ہیں اس لیے اولیاء کو بھی جمع لایا گیا ہے ورنہ تو ایک ولی بھی منع ہے جیسا کہ آیت کے آخر میں ہے: "حتی یومنوا ویهاجروا فی سبیل الله" اور ہجرت کے ذریعے وہ ایمان ثابت کرلیں (تو ٹھیک ہے) اگر انہوں نے ہجرت سے اعراض کیا تو اگر تمہیں طاقت ہے تو انہیں پکڑ لو جہاں پاؤ انہیں قتل کردو خواہ حل میں ہوں یا حرم میں کیونکہ قتل اور گرفتاری میں وہ مشرکین ہی کی طرح ہیں ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ اور نہ کوئی مددگار جس سے تم مدد طلب کرو۔

"الا الذین"۔❷ یہ جملہ "فخذوهم واقتلوهم" سے استثناء ہے اور دوستی تو ہر صورت میں حرام ہے کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوگا ایسے لوگوں کو ہرگز نہ قتل کیا جائے جو اس قوم سے وابستہ ہوں جن کے اور تمہارے درمیان جوار یا حلف نامہ ہو چکا ہے کیونکہ تمہارے اور ان کے مابین عہد و میثاق ہو چکا ہے اور یہ عہد تمام عہود کو شامل ہے اس آیت کے حل میں یہ سب سے اچھی تفسیر ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے یہاں اتصال سے اتصال نسبی مراد ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ: "الا الذین ینتسبون الی قوم بینکم وبینهم میثاق" (ابوعبیدہ) مگر اہل علم نے اس تفسیر کو قبول نہیں کیا کیونکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ نسب لڑائی کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے تاریخی طور پر ثابت ہے مسلمانوں اور مشرکین میں عزیزداریاں تھیں مگر لڑائی سے مانع نہ ثابت ہوئیں اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ وہ کون سی قوم تھی جس میں اور آنحضرت ﷺ کے درمیان عہد و پیمان تھا۔

---

❶ جب ان کا یہ حال ہے تو تم ان سے دوستی نہ کرو یہاں تک کہ وہ (ایمان لائیں) اور اللہ کی راہ میں ہجرت کریں۔ ❷ سوائے ان لوگوں کے جو کسی ایسی قوم کے نسب میں شریک ہوں تمہارے اور ان کے مابین معاہدہ ہے۔

Marfat.com

بعض کا خیال ہے کہ یہ قریش اور ان کے ساتھ ملحق قوم بنو مدلج تھی، بعض کا خیال ہے کہ ھلال بن عویمر، سراقہ بن (مالک بن) جعشم اور خزیمہ بن عامر بن عبد مناف میں اور آپؐ میں معاہدہ تھا، بعض نے کہا خزاعہ کے ساتھ، بعض نے کہا بنو بکیر بن زید کے ساتھ تھا۔

'' او جاؤ کم حصرت صدورھم '' اس کا عطف قول باری تعالیٰ یصلون پر ہے لہٰذا یہ بھی استثناء میں داخل ہے۔ '' ای الا الذین یصلون والذین جاؤ کم '' اور یہ بھی احتمال ہے کہ قوم کی صفت پر اس کا عطف ہو۔ عبارت یہ ہوگی: '' الا الذین یصلون الا قوم بینکم وبینھم میثاق والذین یصلون الی قوم جاؤ کم حصرت ای ضاقت صدورھم عن القتال فامسکوا عنہ ''۔ ❶

حصر کا معنی ہوتا ہے تنگی اور انقباض، جناب فراء کا خیال ہے کہ '' حصرت صدورھم '' جاؤکم کی ضمیر مرفوع سے حال ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: '' جاء فلان ذھب عقلہ ای قد ذھب عقلہ ''۔ ❷ زجاج کا خیال ہے یہ دوسری خبر ہے یعنی جاؤکم کہا پھر خبر لائی گئی اور کہا گیا کہ حصرت صدورھم اس صورت میں حصرت جاؤکم سے بدل ہوگا بعض کا خیال ہے کہ حصرت قوم کی صفت ہو کر مجرور ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عبارت یہ ہے: '' او جاؤ کم رجال او قوم حصرت صدورھم ''۔ ❸
حسن بصری نے '' او جاؤ کم حصرت صدورھم '' کو منصوب پڑھا ہے محمد بن یزید

---

❶ سوائے ان لوگوں کے جو ایسی قوم سے ملتے ہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے اور سوائے ان لوگوں کے جو ایسی قوم سے ملتے ہیں جو تمہارے پاس آتی ہے اور لڑائی نہیں چاہتی۔ ❷ یعنی اس مثال سے مقصود ہے جب جملہ ماضیہ حال واقع ہو تو وہاں لفظ ''قد'' کا ہونا ضروری ہے اگر لفظوں میں نہ ہوگا تو مقدر ہوگا اس لحاظ سے حصرت صدورھم قد حصرت ہوگا۔ ❸ اس صورت میں یہ اکلونی البراغیث کے قبیل سے ہوگا۔

Marfat.com

کا خیال ہے کہ یہ بدعاء ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''لعن اللّٰہ الکافر ''۔بعض مفسرین نے اس تفسیر کو ضعیف قرار دیا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ او بمعنی واو ہے عبارت یہ ہوگی۔

''وجاء و کم حاصرة صدورهم عن'' ''ان یقاتلو کم او یقاتلوا قومهم ''۔ ❶ یعنی دونوں گروہوں سے نہیں لڑنا چاہتے'۔'' ولوشاء اللّٰہ لسلطهم علیکم'' ''ابتلاء منه لکم و اختبارا ''۔ ❷ جیسا کہ دوسری جگہ:'' ولنبلونکم حتی نعلم المجاهدین منکم والصابرین ونبلو اخبار کم ''۔ ❸ '' او تمحیصاً لکم او عقوبة لذنوبکم ''۔ ❹ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور'' فلقاتلو کم '' کی لام لو کے جواب میں ہے اور یہ دوسرا جواب ہے عبارت یہ ہوگی:'' لو شاء اللّٰہ لسلطهم ولقاتلو کم ''اور فاء ترتیب کے لیے ہے۔'' فان اعتزلو کم فلم یقاتلو کم ''۔ ❺ یعنی وہ تم سے علیحدہ رہتے ہیں لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔'' والقوا الیکم السلم ''یعنی وہ تمہارے مطیع وفرمانبردار ہو جائیں۔'' فما جعل اللّٰہ لکم علیهم سبیلا ''تو پھر تمہیں ہرگز جائز نہیں کہ تم ان کو قتل کرو اور قید کرو اور ان کا مال لوٹو' یہ ظاہر اطاعت ان تمام چیزوں کے ارتکاب سے مانع اور رکاوٹ ہے' بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت قتال (جہاد کی آیات) سے منسوخ ہو چکی ہے۔ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن سے معاہدہ ہوا ہے۔

---

❶ اور آئیں وہ اس حال میں کہ ان کے سینے تنگ ہیں تمہارے ساتھ لڑنے سے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے۔ ❷ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو بطور امتحان وابتلاء انہیں تمہارے اوپر مسلط کر دیتے۔

❸ اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ تم میں سے جو مجاہدین اور صابرین ہیں ان کو ہم جان لیں اور تمہاری خبروں کو جانچ لیں۔ ❹ یہ اشارہ ہے کہ سلطهم کا مفعول لہ ابتلاءً واختیاراً ہے یا تمحیصا یا عقوبة لذنوبکم ہے۔ ❺ اگر وہ تم سے علیحدہ ہو گئے ہیں لڑنے کی بجائے وہ پیغام صلح دیتے ہیں تو ان سے لڑنا صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

"ستجدون آخرین یریدون ان یامنوکم ویامنوا قومهم"۔❶
یعنی تمہارے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں اور اپنی قوم کے سامنے کفر ظاہر کرتے ہیں تاکہ دونوں گروہوں سے بچ جائیں اور یہ اہل تہامہ تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے امن طلب کیا تھا تاکہ آنحضرت ﷺ کے اور اپنی قوم کے ہاں مامون رہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ منافقین کی ایک قوم ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بنو اسد اور بنوغطفان کے بارے میں ہے۔

"کلما ردوا الی الفتنة"۔ یعنی ان کو ان کی قوم نے فتنے کی طرف دعوت دی اور مسلمانوں سے لڑنے کا مطالبہ کیا۔ "ارکسوا فیھا" یعنی پھیر دیئے جائیں گے اور اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں گے اور مسلمانوں سے لڑیں گے' ارتکاس بمعنی الٹا پھرنا۔ "فان لم یعتزلوکم" یعنی یہ لوگ جو تم سے اور اپنی قوم سے مامون رہنا چاہتے ہیں تم سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ "ویلقوا الیکم السلم" اور تمہاری اطاعت قبول نہیں کرتے تمہارے عہد اور صلح میں داخل نہیں ہوتے اور اپنی قوم کو نہیں چھوڑتے اور تمہارے ساتھ لڑنے سے باز نہیں آتے۔ "فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم" تو انہیں پکڑ لو جہاں ملیں انہیں قتل کردو۔ "واولئکم" ان صفات کے حاملین پر ہم نے آپ کو واضح دلیل دی ہے جس کی بنا پر تمہیں ان پر تسلط وگرفت حاصل ہے۔ ان کے دلوں میں مرض اور سینوں میں کینہ وفساد کی وجہ سے اور معمولی عمل وسعی سے فتنے میں پڑ جانے کی وجہ سے ہم نے تمہیں ان پر غلبہ دیا ہے۔

آیت نمبر 26:

﴿ وما کان لمؤمن الخ ﴾ (۹۲) ہے۔

یہ عبارت نفی کی بجائے نہی کے حکم میں ہے جو حرمت کا تقاضا کرتی ہے جس طرح رب تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: "ما کان لکم ان توذوا

❶ تم ضرور پاؤ گے کچھ دوسرے لوگوں کو جو تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی امن چاہتے ہیں۔

Marfat.com

رسول الله''۔❶ اور اگر یہ جملہ اپنے اصلی معنی نفی میں مان لیا جائے تو یہ جملہ خبریہ ہوگا جس کا صدق ضروری ہے اور آج تک کوئی مؤمن دیکھنے میں نہیں آیا جس نے کبھی کسی مومن کو قتل کیا ہو۔'' ان یقتل مومنا ''بعض نے اس کا معنی کیا ہے کہ: '' وما کان له ذلک فی عهد الله وقیل ما کان له ذلک فیما سلف کما لیس له الآن بوجه''۔❷ پھر'' الا خطاء '' کہہ کر استثناء منقطع کر دیا ہے۔❸ یہ سیبویہ اور زجاج کا ہے اور عبارت یہ ہوگی: '' وما کان له ان یقتله البتة لکن ان قتله خطاء فعلیه کذا''۔❹ اور بعض کے نزدیک یہ استثناء متصل ہے اور معنی ہوگا: '' وما ثبت ولا وجد ولا ساغ لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء اذ هو مغلوب حینئذ ''❺ اور بعض کا خیال ہے کہ '' والا خطاء '' کا معنی ہے کہ '' ولا خطاء ''یعنی خطاءً اور غلطی سے بھی قتل نہ کیا جائے۔

نحاس نے جواب دیا کہ کلام عرب میں ایسا استعمال کہیں بھی نہیں ملتا اور معنوی لحاظ سے ویسے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خطاء کا انحصار تو ہے ہی نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کسی علت کی بنا پر بھی اس کا قتل جائز نہیں سوائے غلطی کے اس صورت میں خطاء مفعول لہ ہوگا اور حالیت کی بنا پر منصوب ہوسکتا ہے اصل عبارت یہ ہوگی: '' لا یقتله فی حال من الاحوال الا فی حال الخطاء ''۔❻

---

❶ تمہیں بالکل لائق نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دو۔ ❷ جو تم نے اللہ پاک سے عہد کیا ہے اس کی رو سے تمہیں قتل مومن جائز نہیں ہے' بعض نے کہا ہے اس کے لیے گزشتہ زمانے میں یہ جائز نہ تھا جس طرح اب بھی اس کی حرمت موجود ہے۔ ❸ استثناء منقطع کا مطلب یہ ہے قتل خطاء اصل میں وہ ممنوع قتل نہیں ہے۔ ❹ قتل مومن جائز نہیں ہے لیکن اگر خطاءً ہوگیا تو اس پر جرمانہ ہے۔

❺ مومن کا مومن کو قتل کرنا جائز وثابت نہیں ہے سوائے غلطی کے کیونکہ اس وقت وہ مغلوب ہے۔

❻ یعنی کسی حالت میں بھی اس کا قتل درست نہیں ہے سوائے قتل خطاء کے۔

Marfat.com

یہ بھی احتمال ہے کہ مصدر محذوف کی صفت ہو" الا خطاء "قتل خطاء کی کئی صورتیں ہیں یعنی ان کا احاطہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ کہہ دیا جائے کہ غیر ارادی قتل کا نام قتل خطاء ہے۔" ومن قتل مومنا خطاء "خطاء کی صورت یہ ہے کہ شکار کو تیر مارا تھا کسی آدمی کو لگ گیا یا ایسی چیز ماری جس کے ذریعے عام طور پر انسان مرتا نہیں ہے۔" فتحریر "یعنی اس پر لازم ہے کہ ایک مومن غلام قتل کے کفارہ میں آزاد کرے۔" رقبة" کہہ کر پورا انسان مراد لیا ہے۔" رقبه مومنه۔" کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ اس سے مراد وہ انسان ہے جو مومن اور نمازی ہو اور نابالغ جائز نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس، حسن بصری، شعبی، نخعی، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عطاء بن ابی رباح کا خیال ہے کہ وہ چھوٹا بچہ بھی آزاد کیا جاسکتا ہے جس کے والدین مسلمان ہوں، امام مالک، امام شافعی وغیرہ کا خیال ہے کہ ہر وہ بچہ جائز ہے جس کی نماز جنازہ کا حکم دیا گیا ہے۔

جمہور ائمہ کے نزدیک نابینا، اپاہج اور بے کار ہاتھ والا جائز نہیں ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک لنگڑا اور کانا جائز ہے۔ امام مالک کا خیال ہے بہت زیادہ لنگڑا تو جائز نہیں ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک پاگل جائز نہیں ہے، یہاں بڑی طویل مباحث ہیں جو مسائل جزئیات کی کتب میں مذکور ہیں۔" ودية مسلمة الى اهله "مقتول کے ورثاء کو جو خون بہا دیا جاتا ہے اسکا نام دیت ہے، مسلمہ کا معنی ہے دیا گیا ادا کیا گیا۔

اھل سے مراد ورثاء ہیں دیت کی دیگر تفاصیل سنت مطہرہ میں موجود ہیں۔

"الا ان يصدقوا "الا یہ کہ مقتول کے ورثاء خون بہا معاف کردیں اس میں ترغیب دلانے کے لیے اس معافی کا نام صدقہ رکھا ہے۔" فان كان الخ "اگر مقتول تمہاری دشمن اور حربی قوم میں سے ہو اور وہ مقتول مومن ہو تو پھر ایک مومن آزاد کرنا ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ مسلمان (مجاہد) ایک ایسے مسلمان کو قتل کردیں جو کفار ہی کے شہر میں رہتا تھا اور در پردہ مسلمان تھا اور ہجرت بھی اس نے نہیں کی مسلمانوں نے یہی سمجھا

Marfat.com

کہ یہ بھی مسلمان نہیں ہے اس صورت میں قاتل پر دیت نہیں ہوتی بلکہ ایک مومن رقبہ آزاد کرنا ہوگا' دیت کے سقوط کی علت کیا ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مقتول کے ورثاء کفار ہیں دیت کے وہ حقدار نہیں ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آدمی جو ایمان لایا اور اس نے ہجرت نہیں کی اس کی حرمت تھوڑی ہے کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شی''۔ ❶ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی دیت بیت المال میں جمع کردی جائے گی۔ ''وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق''۔ ❷

یہ میثاق وقتی ہو یا ابدی ہو اور حسن نے وھو مومن بھی پڑھا ہے۔ ''فدیتہ مسلمۃ'' یعنی اس کے قاتل پر لازم ہے کہ وہ اس پر مسلمان ورثاء کو دیت دے۔ ''وتحریر رقبۃ مومنۃ'' اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ''فمن لم یجد''۔ ❸ جس کو رقبہ نہ ملے اور رقبہ خریدنے کے لیے اس کے پاس رقم نہ ہو تو پھر اس پر پے در پے دو ماہ کے روزے لازم ہیں۔ یعنی ان دو مہینوں میں کوئی دن بھی بغیر روزہ کے نہ ہو اگر ایک دن بھی ترک ہو گیا تو پھر نئے سرے سے روزے رکھے یہی جمہور کا خیال ہے ہاں اگر کوئی شرعی عذر یعنی حیض وغیرہ آجائے تو روزے ترک کرنے پڑیں تو اس سے نئے سرے سے روزے لازم نہیں آتے۔ مرض کی بنا پر روزے ترک کرنے میں اختلاف ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے کھانے کی طرف منتقل ہونے کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ ظہار میں کیا گیا ہے۔ امام شافعی کا یہی خیال ہے۔ ''توبۃ'' یہ مفعول لہ ہونے کی بنا

---

❶ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تمہاری ان سے کوئی دوستی نہیں ہے۔

❷ اگر مقتول اس قوم سے ہے ان کے درمیان اور تمہارے درمیان میثاق ہے تو ایک دیت دی جائے گی اور رقبہ مومنہ ادا کرنا ہوگا۔

❸ جس کو رقبہ مومنہ نہ ملے تو اس کو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں گے۔

Marfat.com

پر منصوب ہے اصل عبارت یہ ہوگی: ''شرع ذلک لکم توبة ای قبولا لتوبتکم ''۔ ❶ یا یہ اس لیے منصوب ہے کہ مفعول مطلق ہے اصل عبارت یہ ہوگی: '' تاب علیکم توبة''۔ ❷ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بنا بر حالیت کے منصوب ہے اصل عبارت یہ ہوگی: '' حال کونه ذاتوبة کائنة من الله''۔ ❸

آیت نمبر 27:

﴿یاایھاالذین آمنوا اذا ضربتم فی سبیل الله﴾ (۹۴) ❹ ہے۔

اس آیت کا جہاد وقتال سے تعلق ہے۔ ضرب کا معنی ہے زمین میں سفر کرنا' اہل عرب فرماتے ہیں'' ضربت فی الارض '' یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تجارت' جہاد وغیرہ کے لیے سفر کیا جاتا ہے اور بغیر لفظ فی کے بھی یہ مستعمل ہوتا ہے یعنی '' ضربت الارض '' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی انسان قضاء حاجت کا قصد کرے اور اسی باب سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے: '' لا یخرج الرجلان یضربان الغائط''۔ ❺

'' فتبینوا '' یہ '' تبین '' سے ماخوذ ہے یعنی غور کرنا یہ قرأت جمہور کی ہے قاری حمزہ کی قرأت '' فتثبتوا '' ہے۔ یہ تثبت سے ماخوذ ہے۔ ابوعبیدہ اور ابوحاتم نے اسی کو پسند کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے (یہ تبین کا امر ہے) جس کو تبین کا حکم ہے اس کو تثبت کا بھی حکم ہے۔ خصوصیت سے سفر میں تبین کا حکم ہے حالانکہ تبین وتثبت قتل کے معاملے میں دونوں واجب ہیں خواہ سفر ہو خواہ حضر۔ یہ حکم اتفاقی ہے کیونکہ جس واقعہ

---

❶ جاری کیا تمہارے لیے توبہ کا سلسلہ یعنی قبولیت توبہ کا دروازہ کھولا ہے۔ ❷ توجہ کی تمہارے اوپر خوب۔ ❸ اس حال میں کہ وہ توبہ والا ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔ ❹ اے اہل ایمان! جب تم اللہ کے راستے میں چلو تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔ ❺ نہیں نکلتے دو آدمی اس حال میں کہ جارہے ہیں پاخانہ کو۔

Marfat.com

کے بارے میں یہ نازل ہوئی تھی وہ سفر میں پیش آیا تھا۔

''ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام''۔❶ قاری ابوعبید نے السلام کی قرأت کو پسند کیا ہے۔ دوسرے کچھ اہل نظر نے یہاں السلم کو صحت کے زیادہ مشابہ کہا ہے یعنی یہ اقرب الی الصواب ہے کیونکہ یہ اطاعت وتسلیم کے معنی میں ہے اصل عبارت یہ ہوگی: ''لا تقولوا لمن القی بیدہ الیکم واستسلم فالسلم والسلام کلاھما بمعنی الاستسلام''۔❷ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں بمعنی اسلام کے ہیں۔ اصل عبارت یہ ہوگی: ''لا تقولوا لمن القی الیکم الاسلام ای کلمتہ وھی الشھادۃ''۔❸

''لست مومنا'' بعض نے کہا ہے یہ دونوں بمعنی تسلیم ہیں اور تسلیم سے اہل اسلام کا تحیہ وسلام مراد ہے اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو منع کرنا ہے کہ کفار کی طرف کوئی ایسا عمل ظاہر ہو جس سے اس کے اسلام پر استدلال کیا جاسکتا ہے تو اس کو بے معنی قرار دے کر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ یہ ڈرتا ہوا کرتا ہے۔ ابوجعفر فرماتے ہیں کہ یہ ''لست مومنا'' یہ ایک محاورہ سے لیا گیا ہے بولا جاتا ہے۔ ''امنتہ اذا اجرتہ فھو مؤمن'' اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسے کافر کو جو لا الہ الا اللہ پڑھ لیتا ہے قتل کرتا ہے تو اس کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا کیونکہ اس نے اس کلمہ کے ذریعے اپنا خون مال اور اہل کو محفوظ کرلیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو قتل کا واقعہ پیش آیا تھا اور وہاں بدلے میں قتل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے تاویل کی تھی کہ جو آدمی ہتھیاروں سے ڈرتے

---

❶ جو آدمی تمہیں سلام عرض کرے تو تم اس کو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ ❷ جو تمہیں ہاتھ سے سلام کرتا ہے اور مطیع ہوتا ہے اس کو نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ سلم' سلام اور استسلام کا ایک ہی معنی ہے۔

❸ یعنی جو آدمی تمہارے سامنے کلمہ شہادت پڑھ لیتا ہے اس کو نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔

Marfat.com

ہوئے کلمہ پڑتا ہے وہ مسلمان نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا خون محفوظ ہوتا ہے اور اس کو یہ کلمہ اطمینان کی حالت میں (جب کوئی خوف نہ ہو) پڑھنا چاہیے۔ کلمہ اسلام کے تلفظ میں اظہار اطاعت مقصود ہے کہ وہ آدمی کہے کہ میں مسلمان ہوں، میں بھی تمہارے دین پر ہوں کیونکہ آپ پہچان چکے ہیں کہ آیت کا معنی ہے فرمانبرداری اور اطاعت (ظاہری) اور یہ معنی ہر اس چیز سے حاصل ہوتا ہے جس سے اسلام کا معنی ظاہر ہوتا ہے خواہ وہ قول ہو یا فعل، کلمہ شہادت اور کلمہ اسلام دونوں اس تحقیق میں داخل ہیں یہ دونوں قول دوسرے معنی کے لحاظ سے پہلے قول کے تحت داخل ہیں۔

''تبتغون عرض الحياة الدنيا ''۔ [1] یہ جملہ حالیت کی بنا پر منصوب ہے عبارت یہ ہوگی: '' لا تقولوا تلك المقالة طالبين الغنيمة '' علاوہ ازیں یہ نہی قید اور مقید دونوں کی طرف راجح ہے نہ کہ حرمت قید کی طرف، متاع الحیاۃ کو عرض کہا ہے کیونکہ وہ عارضی، وقتی اور فانی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا تمام سامان دنیا عرض ہے اور عرض (سکون راء سے) سے دراہم و دنانیر کے علاوہ سامان مراد ہے لہٰذا دنیا کی ہر شیء پر عرض (راء کے زبر سے) بولا جا سکتا ہے مگر عرض (سکون راء سے) ہر شیء پر نہیں بولا جاتا کما مر۔ کتاب العین میں ہے [2] کہ عرض کا معنی ہے جو بھی دنیا حاصل ہو۔ اسی میں سے ہے یہ قول باری تعالیٰ بھی: '' تريدون عرض الدنيا '' اس کی جمع عروض ہے اور ابن فارس کی کتاب مجمل میں ہے عرض وہ شیء ہے جو انسان کو لاحق ہو مرض وغیرہ۔ اور عرض الدنیا سے مراد مال ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اور اثاث میں

---

[1] تم تلاش کرتے ہو دنیا کا سامان' یہ جملہ حالت نصبی بنا بر حالیت کے واقع ہے پھر اصل عبارت ہو گی: '' لا تقولوا المقالة طالبين الغنيمة تبتغون ''؛ تبتغون الخ کو طالبین سے تعبیر کرنے میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ [2] کتاب العین مصنفہ خلیل احمد استاد سیبویہ کی کتاب جو ابھی کہیں ملی نہیں ہے صرف اس کے حوالجات ہی مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔

Marfat.com

عرض غیر نقدی کا نام ہے۔ "فعند اللہ" یہ نہی کی علت ہے یعنی اللہ کے پاس ہے وہ جو تمہارے لیے حلال ہے بغیر کسی امر ممنوع کے ارتکاب کے مغانم کثیرہ۔ ❶ تم ان کو بطور غنیمت حاصل کرو گے اور اس کے ذریعے تم ایسے آدمی کے قتل سے مستغنی ہو جاؤ گے جس نے اطاعت وانقیاد کا اظہار کیا ہے اس کے مال کو غنیمت بنانے سے بھی محفوظ رہو گے۔

"کذلک کنتم من قبل" یعنی تم اس سے پہلے کافر تھے جب تم نے کلمہ شہادت پڑھا تو اس کے ذریعے تم نے اپنے خون محفوظ کر لئے تھے۔ یا اس کا معنی ہے کہ تم بھی اپنی قوم سے ڈرتے ہوئے اپنے ایمان کو چھپاتے ہوتے تھے یہاں تک کہ اللہ پاک نے اپنے دین کو عزت دے کر تم پر احسان کیا ہے تم نے کھل کر اسلام اور ایمان کا نام لیا ہے۔

آیت نمبر 28:

﴿لا یستوی القاعدون من المومنین﴾ (۹۵) ہے۔

جو لوگ بغیر عذر کے جہاد ترک کر کے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں ان میں اور ان میں جو اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں بڑا واضح اور بدیہی فرق ہے لیکن رب تعالیٰ اس خبر کے ذریعے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ وہ مزید رغبت کریں اور قاعدین کو ڈانٹتے ہیں تاکہ وہ جہاد سے پیچھے رہنے سے نفرت کریں۔

اہل کوفہ ابوعمرو اور ابن کثیر نے غیر کو مرفوع پڑھا ہے۔ امام اخفش کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ قاعدین سے کوئی خاص قوم مراد نہیں ہے تو یہ ایسا ہے جیسے نکرہ ہوتا ہے لہٰذا غیر کے ساتھ اس کی صفت لائی جا سکتی ہے۔

---

❶ اللہ کے پاس بہت غنائم ہیں اور یاد رکھنا تم بھی پہلے ایسے ہی تھے یعنی اس کی طرح جس کو تم نے قتل کیا ہے۔

Marfat.com

ابوحیوہ نے اس کو مؤمنین کی صفت بنایا ہے اور راء کے نیچے زیر پڑھی ہے۔
اہل حرمین قاعدین یا مؤمنین سے استثناء کی بنا پر اس پر زبر پڑھتے ہیں یعنی الا اولی الضرر' ایسے لوگ مجاہدین کے برابر ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ قاعدین سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہو: '' ای لا یستوی القاعدون الاصحاء فی حال صحتهم '' اور ان سے حال جائز ہے کیونکہ لفظ معرفہ ہے۔

علماء کا خیال ہے کہ اہل الضرر سے عذر والے لوگ مراد ہیں کیونکہ ان اعذار نے انہیں جہاد سے روک دیا ہے' نظم قرآن کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ صاحب عذر کو مجاہد کا مکمل اجر ملتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مجاہد کو بالفعل جہاد کرنے کی بنا پر دوہرا اجر ملتا ہے صاحب عذر کو ایک اجر ملے گا۔ امام قرطبی کا خیال ہے کہ اللہ کے فضل سے پہلی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث منقول ہے حدیث یہ ہے: '' مدینے میں کچھ لوگ ہیں جو عذر کی بنا پر جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے وہ تمہاری طرح اجر کے مستحق ہیں تم جو وادی طے کرو یا کوئی بھی سفر کرو وہ تمہارے ساتھ ہیں اور مزید فرمایا کہ اسی معنی میں ایک دوسری حدیث بھی مروی ہے کہ '' جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ لکھو جو وہ صحت کی حالت میں کرتا رہا ہے یہاں تک کہ وہ شفایاب ہو جائے یا میں اس کی جان قبض کرلوں۔

'' والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم فضل الله المجاهدین باموالهم وانفسهم علی القاعدین درجة ''۔ [1] دونوں گروہوں کے درمیان اختلاف فضیلت کا بیان ہے جو اجمالاً سمجھ آ رہا ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔

---

[1] یعنی جو لوگ بغیر عذر کے جہاد نہیں کرتے اور مومن جو اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والے ہیں برابر نہیں ہیں۔ اللہ نے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد کرنے والوں کو جہاد سے بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی ہے۔

Marfat.com

مطلق کو مقید پر حمل کرتے ہوئے یہاں غیر اولی الضرر مراد ہیں۔ یہاں درجہ کہا گیا ہے اور آئندہ درجات کہا گیا ہے تو ایک قوم کی تحقیق کے مطابق پہلے ایک درجہ فضیلت پھر کئی درجات فضیلت ہوگی۔ یہ مبالغہ بیان اور تاکید ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے عذر والے قاعدین پر مجاہدین کو اللہ نے ایک درجہ فضیلت دی ہے اور بغیر عذر کے قاعدین پر مجاہدین کو اللہ نے کئی درجے فضیلت دی ہے۔ ابن جریج اور سدی وغیرہ کی یہی تحقیق ہے۔

بعض کا خیال ہے یہاں درجہ بمعنی بلندی ہے معنی یہ ہوگا اللہ نے ان کا ذکر بلند کیا ہے مدح اور ثناء کے ذریعے ان کی شان بیان کی ہے۔ لفظ درجہ تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے یا مفعول مطلق ہونے کی بنا پر کیونکہ یہ باب تفضیل کے مصدر تفضیلہ کی جگہ پہ واقع ہے۔ ''ای فضل اللہ تفضیلۃ'' یا یہ منصوب بنزع الخافض ہے یا یہ مجاہدین سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ پھر عبارت ہوگی: ''ذوی درجۃ'' کلا وعد کا مفعول اول ہے تخصیص کے لیے مقدم کیا گیا ہے عبارت یہ ہوگی ''کل واحدین من المجاھدین والقاعدین وعد اللہ الحسنی'' ❶ حسنیٰ سے ثواب یعنی جنت مراد ہے یہ تحقیق حضرت قتادہ کی ہے۔

آیت نمبر 29:

﴿ ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها فأولئك ماواهم جهنم وساء ت مصيرا ﴾ (۹۷) ہے۔ ❷

یہاں ارض سے مراد مدینہ ہے لفظ کے عموم کے لحاظ سے اس کو عام رکھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ سبب کی خصوصیت کا لحاظ نہیں ہے یہی حق ہے ارض سے مراد زمین کے

---

❶ مجاہدین اور غیر مجاہدین ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ (جنت) کیا ہے۔ ❷ کیا اللہ پاک کی زمین اتنی وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے بڑا برا ٹھکانہ ہے۔

Marfat.com

ٹکڑوں میں سے ہر وہ ٹکڑا ہے جو ہجرت گاہ بن سکتی ہے۔ اور پہلی آیت میں جس زمین کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد ہر وہ زمین ہے جہاں سے ہجرت کرنا مناسب تھا۔

"الا المستضعفین" یہ "ماواھم" کی ضمیر سے استثناء ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ یہ موصول "اولئک" اور اس کی ضمیر میں داخل نہیں ہے۔ "من الرجال والنسآء والولدان"۔ یہ کائنین محذوف سے متعلق ہے۔ مستضعفین سے مراد اپاہج (کوڑھے) وغیرہ ہیں۔ "ولدان" سے مراد عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ھشام ہیں۔

بچوں کا ذکر محض ہجرت کے معاملہ میں مبالغہ مقصود ہے حالانکہ وہ مکلّف نہیں ہیں اور یہ بھی بتاتا ہے اگر ہجرت کی طاقت ہو پھر غیر مکلّف بچوں کو بھی کرنی چاہیے تو مکلّف کو تو بالاولیٰ کرنی چاہیے۔ بعض کا خیال ہے کہ "ولدان" سے مراد قریب البلوغت اور غلام ہے۔ "لا یستطیعون حیلة" مستضعفین کی صفت ہے یا رجال، نسآء اور ولدان کی یا یہ مستضعفین کی ضمیر سے حال ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ حیلہ عام ہے خلاص ونجات کی تمام صورتوں کو شامل ہے۔ معنی یہ ہوگا وہ کوئی حیلہ اور طریقہ ہجرت کا نہیں پاتے۔

سبیل سے مدینے کا راستہ مراد ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ ہجرت اس آدمی پر واجب ہے جو دارالشرک میں مقیم ہو یا ایسی جگہ میں ہو جہاں کھلے طور پر اللہ کی نافرمانیاں کی جاتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہجرت پر قادر ہو اور مستضعفین میں سے نہ ہو کیونکہ اس آیت میں عموم ہے گو اس کا سبب خاص ہے اور ظاہر ہے کہ مکان سب برابر ہیں اور زمان بھی سب برابر ہیں اور ہجرت کے بارے میں بہت احادیث مروی ہیں۔ ایک آدمی نے سوال کیا تھا کہ کیا آج ہندوستان کی زمین سے ہجرت ضروری ہے ہم نے ان احادیث کو اس کے جواب میں ذکر کر دیا ہے اس کی طرف مراجعت کرنی چاہیے اور حدیث میں مروی ہے کہ فتح مکہ کے بعد (مکہ سے)

Marfat.com

کوئی ہجرت نہیں ہے جو حق تھا ہم نے اس کی وضاحت کردی اپنی کتاب ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' میں' اس کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔

آیت نمبر 30:

﴿ واذا ضربتم فی الأرض ﴾ (۱۰۱) ہے۔

یہ سفر وغیرہ کی ضروریات کے وقت نماز ادا کرنے کی کیفیت کا آغاز ہے مثلاً دشمن کے مقابلے میں نماز پڑھنا۔ بارش کے وقت اور مرض کی حالت میں نماز پڑھنا۔ مہاجر کے ہجرت پر پختہ ہونے کی اس میں تاکید ہے اور اس کو اس میں ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اس میں مشقت سے تخفیف ہے معنی یہ ہوگا کہ جس انداز کا بھی سفر ہو جیسا کہ صیغہ کا اطلاق بتاتا ہے۔

''فلیس علیکم جناح'' جناح کا معنی گناہ اور تنگی ہے یعنی تنگی قصر نماز میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں قصر واجب نہیں ہے۔ جمہور ائمہ کا یہی خیال ہے سوائے چند لوگوں کے جن میں سے عمر بن عبدالعزیز' اہل کوفہ' قاضی اسماعیل اور حماد بن ابی سلیمان ہیں۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔ صحیح بخاری میں نقل کردہ جنابہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے ابتداءً دو رکعت نماز فرض ہوئی تھی حضر کی نماز میں اضافہ کردیا گیا اور سفر کی نماز کو اسی طرح برقرار رکھا گیا ہے۔ ❶

جنابہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنی مروی (حدیث) کی مخالفت کرنا اس کے منافی نہیں ہے پس عمل اس دوسری روایت پر ہے جو آپ سے مروی ہے اسی طرح یعلی بن امیہ کی حدیث ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب سے پوچھا رب تعالیٰ فرماتے

---

❶ یعنی نماز ظہر' عصر اور عشاء کی رکعات میں اضافہ کیا گیا ہے صبح کی نماز پہلے ہی دو رکعت تھی اور مغرب کی تین رکعت تھی' گویا سفر کی دو رکعت نماز حقیقۃً مکمل ہی ہے اور تخفیف صرف اضافہ میں کی گئی ہے۔

Marfat.com

ہیں کہ اگر کافروں کے فتنے کا ڈر ہو تو پھر تمہیں نماز قصر کی اجازت ہے اور اب تو لوگ امن وسکون میں ہیں (لہٰذا قصر کی ضرورت نہیں ہے؟) جناب عمر نے فرمایا کہ جس بات سے آپ کو تعجب ہوا ہے مجھے بھی ہوا تھا میں نے آپؐ سے اس بارے میں پوچھا تھا آپؐ نے فرمایا تھا کہ یہ صدقہ ہے جو اللہ نے تمہارے اوپر کیا ہے اسے قبول کیجیے۔

(احمد، مسلم، اہل السنن)

''ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا'' اس شرط کا تقاضا ہے کہ کافروں کے فتنے کے خوف کے بغیر سفر میں قصر جائز نہیں ہے نہ کہ امن کی صورت میں لیکن سنت سے ثابت ہے کہ آپ نے امن کے زمانے میں نماز قصر کی ہے جیسا کہ کتب حدیث میں معروف ہے کتاب اللہ سے خوف کے ساتھ نماز قصر ثابت ہے اور امن کی حالت میں قصر سنت سے ثابت ہے۔ شرط کا مفہوم آنحضرت ﷺ کے عمل تواتر (امن کی حالت میں نماز قصر ادا کرنا) کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

بعض ائمہ کا خیال ہے یہ بطور اغلب ایسا کہا گیا ہے کیونکہ اس وقت غالب یہی تھا کہ مسلمان دوران سفر خوف کی وجہ سے ہی قصر کرتے تھے اسی بنا پر یعلیٰ بن امیہ نے جناب عمر سے وہ گفتگو کی جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے۔ ابی کی قراءت میں ''ان خفتم'' کی قید نہیں ہے۔ ان کی قراءت یہ ہے: ''ان تقصروا من الصلوٰۃ ان یفتنکم'' اس قراءۃ کی رو سے ''ان یفتنکم الذین کفروا'' سے پہلے کراہۃ کا لفظ پڑھا جائے گا۔ (1) اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ آیت سفر میں دشمن سے خائف کے لیے نماز قصر ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے لہٰذا جو آدمی محفوظ ہے اس کو قصر کی اجازت نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے ''ان خفتم'' کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

(1) معنی یہ ہوگا کہ ''کوئی گناہ نہیں ہے تمہارے اوپر کہ تم نماز قصر کرو اس بات کو مکروہ سمجھتے ہوئے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں''۔

Marfat.com

"ان تقصروا من الصلوٰة" پر کلام مکمل ہے آگے عبارت اس طرح ہے:" ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فأقهم لهم یامحمد صلوٰة الخوف"۔ (1)

بعض ائمہ کا خیال ہے خوف کا ذکر سنت سے منسوخ ہو چکا ہے اسی سنت کا تذکرہ حضرت عمر اور دیگر صحابہ سے ہو چکا ہے۔

آیت نمبر 31:

﴿ واذا کُنت فیهم ﴾ (۱۰۲) ہے۔

یہ آنحضرت ﷺ اور قیامت تک آنے والے تمام اہل امر کو خطاب ہے۔ خطاب میں امت کی شمولیت کا اصول اہل علم کے ہاں معروف ہے اسی طرح حکم اس آیت کا بھی ہے:" خذ من اموالهم صدقة"۔ (2) اور اسی طرح دیگر آیات کا حکم ہے۔جمہور علماء کا یہی خیال ہے قاضی ابو یوسف اور اسماعیل بن علیہ کا ایک شاذ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صلوٰۃ خوف پڑھنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ خطاب آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور آنحضرت ﷺ کی بلند شان میں کوئی ملحق اور شریک نہیں ہو سکتا مگر یہ تحقیق درست نہیں ہے کیونکہ ہمیں تو اللہ پاک نے آنحضرت ﷺ کی اتباع اور اقتداء کا حکم دیا ہے۔آپؐ نے بھی فرمایا ہے:"نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"۔صحابہ قرآن مجید کے معانی کو خوب جانتے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کئی مرتبہ یہ نماز ادا کی ہے جیسا کہ معروف ہے۔

---

(1) "اگر تم ڈرتے ہو کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے تو اے محمدؐ! آپ ان کو نماز خوف پڑھائیں"

(2) یہ سورۂ توبہ کا حصہ ہے جس کا معنی ہے آپ ان کے اموال سے صدقہ لیں الخ۔اس میں خطاب تو آپ ہی کو ہے مگر حکم عام ہے۔

Marfat.com

" اقمت لهم الصلوٰة " کا معنی ہے جب آپ نماز ادا کرنا چاہیں جیسا کہ:" واذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم "۔ ❶ اسی طرح یہ بھی ہے:" واذا قرأت القرآن فاستعذ بالله " ❷

" فلتقم طائفة منهم معک "۔ ❸ یعنی آپ ان کے دو گروہ بنالیں ایک گروہ دشمن کے مقابلے میں اور دوسرا گروہ آپ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہو جائے۔" ولیاخذوا اسلحتهم " ❹ یعنی وہ گروہ جو آپ کے ساتھ نماز ادا کر رہا ہے وہ ہتھیار اٹھائے ہوئے ہونا چاہیے۔ جناب ابن عباس کا خیال ہے کہ یہ ضمیر طائفہ اولیٰ کی طرف راجع ہے جو دشمن کے مقابلے میں ہوگا کیونکہ جو طائفہ نماز ادا کرے گا وہ تو لڑنے کا مجاز نہیں ہے مگر قول اول زیادہ واضح اور ظاہر ہے کیونکہ جو طائفہ دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہوگا وہ تو ضرور مسلح ہوگا البتہ نماز میں کھڑے لوگ اس حکم (مسلح ہو کر کھڑا ہونے) کے محتاج ہیں کیونکہ ان کے بارے میں گمان ہے کہ وہ نماز کی حالت میں ہتھیار نہ اٹھائیں تو اللہ پاک نے ان کو ہتھیار پکڑنے کا حکم دے دیا' ہتھیار پکڑنے کا معنی یہ نہیں ہے کہ ہتھیار ہاتھ میں پکڑے ہوں بلکہ اس کا معنی ہے کہ وہ ہتھیار پہنے ہوئے ہوں تاکہ ضرورت کے مطابق فوراً پکڑ کر استعمال کر سکیں۔

اور یہ کیفیت ان کے دشمنوں کی امید کو بالکل ختم کر دے گی کہ وہ فرصت پا کر ان کو پکڑ لیں گے' امام زجاج اور نحاس نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حکم دونوں گروہوں کو بیک وقت شامل ہو کیونکہ یہ کیفیت دشمن کے لیے بہت ہی ڈراونی ہوگی' اہل ظاہر نے اس نماز میں ہتھیار اٹھانا واجب قرار دیا ہے کیونکہ امر کا تقاضا وجوب ہوتا

---

❶ اپنے چہروں کو دھوؤ۔ ❷ جب تو قرآن مجید پڑھے تو اللہ کی پناہ لیا کر یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ ❸ چاہیے کہ ایک گروہ ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑا ہو ❹ اور وہ اپنے ہتھیار لے کر کھڑے ہوں۔

Marfat.com

ہے' امام ابوحنیفہ کا خیال ہے نمازی ہتھیار نہ اٹھائیں اور ان کا یہ فعل نماز باطل کر دے گا' مگر ان کا یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت تو حمل سلاح کا تقاضا کرتی ہے اور احادیث صحیحہ بھی اس نظریئے کی تردید کرتی ہیں جیسا کہ ہم نے شرح الدر البہیہ اور مسک الختام میں اس نماز کی کیفیات بیان کر کے وضاحت کر دی ہے۔ '' فاذا سجدوا '' یعنی جب وہ نمازی جو آپ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہیں سجدہ کریں تو جو جماعت دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہے اسے چاہیے کہ وہ نمازیوں کے پیچھے ہو جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جب وہ نمازی آپ کے ساتھ سجدہ کرلیں تو وہ اپنی ایک رکعت مکمل کرلیں پھر یہاں سجدہ کا معنی رکعت ہوگا یا ساری نماز یعنی فراغت کے بعد وہ دشمن کے مقابلے میں حفاظت کے لیے چلے جائیں۔

'' ولتات طائفة اخرى لم يصلوا '' یعنی جو طائفہ دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہوا اور وہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آئے اور آپ کے ساتھ اس طریقے سے نماز ادا کرے جس طرح پہلے گروہ نے ادا کی تھی اور یہ جواب طائفہ آیا ہے اپنا بچاؤ' تحفظ اور ہتھیار سنبھالے ہوئے ہو اس دوسرے طائفے کو اس قدر وصیت '' کہ ہتھیار بھی لو اور بچاؤ بھی کرو'' اس لیے کی گئی ہے کہ کافر لوگ سمجھتے تھے کہ اب یہ مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ بڑے انہماک سے نماز ادا کر رہے ہیں اب ان پر بے خبری کی حالت میں حملہ کرنا آسان ہے اور پہلی صورت میں یہ تھا کہ یہ تو کھڑے ہی حرب وضرب کے لیے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز کا اخیر ہے کافر اپنے مقصد کو (مزید) مؤخر نہیں کریں گے (لہٰذا اپنا بچاؤ اور ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا) سلاح وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے لڑائی میں اپنا دفاع کرتا ہے۔ آیت کریمہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ دونوں گروہ کتنی رکعات ادا کریں لیکن سنت مطہرہ میں اس کی مختلف تفصیلات اور متعدد طرق منقول ہیں وہ سب کے سب درست ہیں جس نے جو

Marfat.com

بھی طریقہ اختیار کیا اس نے سنت پر ہی عمل کیا ہے۔ بعض علماء نے ان میں سے صرف چند صورتوں کو جائز قرار دیا ہے ان کی تقسیم بالکل بلا تخصیص اور غیر درست ہے۔ امام شوکانی نے ان طرق کی خوب وضاحت کر دی ہے۔ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار وغیرہ (کی طرف مراجعت کی جائے)

" ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدة "۔ [1] اس جملہ میں اس علت کا تذکرہ ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچاؤ رکھنے اور مسلح رہنے کا حکم دیا۔ ان کی خواہش ہے کہ تمہیں اسلحہ سے غافل پا کر اور بچاؤ ترک کرنے کی وجہ سے تم پر یکبارگی حملہ کر دیں اور اپنا مقصود حاصل کریں' امتعہ کا معنی ہوتا ہے ہر وہ چیز جس سے لڑائی میں فائدہ اٹھایا جائے جیسے زادو راحلہ ہے یعنی کھانے پینے کا سامان اور سواری۔

" ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضیٰ ان تضعوا اسلحتکم "۔ [2] اللہ تعالیٰ نے ان کو بارش کی تکلیف کی وجہ سے اور بیماری کی بنا پر ہتھیار اتارنے کی رخصت واجازت دے دی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں ہتھیار اٹھانا مشکل ہے۔

" وخذوا حذرکم ان اللہ اعدللکافرین عذاباً مھیناً "۔ [3] ان کو ہتھیار پکڑنے کا اس لیے حکم دیا ہے تاکہ غفلت کی صورت میں دشمن حملہ نہ کر دے۔

" فاذا قضیتم الصلوة " جب تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ (تو اللہ

---

[1] کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے تاکہ وہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ [2] تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں بارش کی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو کہ تم اپنے ہتھیار اتار دو۔ [3] اپنا بچاؤ اور حفاظت کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

Marfat.com

کو یاد کرو) یہ قضا کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔ اسی طرح '' فاذا قضیتم مناسککم '' ہے۔ 1 اسی طرح '' فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض ''۔ 2

'' فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم ''۔ 3 اس میں ہر حالت میں اللہ کو یاد کرنے کا حکم ہے حتیٰ کہ قتال کی صورت میں بھی' جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ یہ ذکر جس کا حکم دیا گیا ہے صلوٰۃ خوف کے بعد ہے۔ اصل عبارت یہ ہے کہ: '' اذا فرغتم من الصلوٰۃ فاذکروا اللہ فی ھذہ الاحوال ''۔ بعض لوگوں نے '' فاذا قضیتم الصلوۃ الخ '' کا معنی کیا ہے کہ لڑائی کے دوران ضرورت کے مطابق کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور پہلو کے بل یعنی لیٹ کر نماز ادا کرو' اس کی مثال قرآن میں یہ ہے: '' فان خفتم فرجالاً او رکباناً ''۔ 4 '' فإذا اطمأننتم '' یعنی جب تم امن میں ہو جاؤ اور تمہارے دلوں میں سکون حاصل ہو جائے (تو معمول کے مطابق نماز پڑھو) طمانیت کا معنی ہے خوف سے اطمینان۔

'' فاقیموا الصلوٰۃ '' یعنی تم نماز اسی انداز سے پڑھو جس طرح ادا کی جاتی ہے یعنی وقت پر' مشروعہ طریقے کے مطابق اذکار وارکان کا لحاظ رکھ کر جہاں تک ممکن ہو سکے غفلت نہ کی جائے کیونکہ پہلی صورت تو خوف کی حالت تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیت کا معنی ہے کہ (لڑائی کے دوران رہ گئی نمازوں کی قضا دینی چاہیے کیونکہ وہ قلق واضطراب کی حالت تھی اور ذکر واذکار اور ارکان کی کمی کی حالت تھی اور امام شافعی

---

1 جب تم احکام حج سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو الخ۔ سورہ بقرہ کا ٹکڑا ہے۔ 2 پس جب نماز ختم ہو جائے پس پھیل جاؤ زمین میں۔ 3 یاد کرو اللہ کو قیام کی حالت میں بیٹھ کر اور پہلوؤں کے بل لیٹ کر آدمی پر تین ہی صورتیں آتی ہے۔ تینوں حالتوں میں ہی یاد الٰہی میں مصروف رہنے کا حکم ہے۔

4 پس جب ڈرو تم پس نماز پڑھو پیدل یا سوار ہو کر۔

Marfat.com

سے بھی یہی مروی ہے۔ اول بات بہت قابل ترجیح ہے۔" ان الصلوة کانت علی المومنین کتابا موقاتا "موقوتا کا معنی ہے محدود و معین۔ ایک محاورہ ہے۔" وقته فهو موقوت ووقته فهو موقت"۔ ❶ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نمازیں فرض قرار دی ہیں اور ان کے اوقات بھی مقرر فرمائے ہیں کسی آدمی کو ان معینہ اوقات کے علاوہ نماز ادا نہیں کرنی چاہیے الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو جیسے سونا' بھول جانا یا دیگر اس قسم کی صورتیں ہوں۔

آیت نمبر 32:

﴿ ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ﴾ (۱۱۵) ہے۔ ❷

مشاققت کا معنی ہے عداوت ومخالفت اور" تبين الهدى " کا معنی ہے ہدایت کا ظہور' یعنی آدمی کو دلائل و براہین کے ذریعے رسالت معلوم ہو جائے اور وہ پھر بھی مخالفت کرے۔" ويتبع غير سبيل المومنين "یعنی وہ مومنین کے طریقے کو چھوڑ کر دوسرا کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے' مومنین کا طریقہ دین اسلام کی پابندی ہے یعنی احکام رسولؐ سے استدلال کرنا جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:" انما كان قول المومنين اذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم ان يقولوا سمعنا واطعنا" الآية ۔ ❸ دوسری جگہ ارشاد ہے:" فان تنازعتم فی شی فردوه الی

---

❶ یہ ایک محاورہ ہے یہاں بتانا مقصود ہے مجرد و مزید کا ایک ہی معنی ہے۔ یعنی تعیین وتحدید کرنا۔

❷ جو شخص آنحضرت ﷺ کی نافرمانی کرے گا ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اور سبیل المومنین اور صحابہ کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ کی پیروی کرے گا ہم اسکو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جارہا ہے اور ہم اس کو دوزخ میں ڈالیں گے وہ بڑی بری جگہ ہے۔ ❸ مومنوں کا طریقہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے کہا جائے اور اس کے فیصلہ کو ماننے کا کہا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں سمعنا واطعنا۔ (سورۂ نور)

Marfat.com

اللہ والرسول ان کنتم تومنون'' الایۃ ۔❶ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: '' فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت'' الایۃ اس کے علاوہ دیگر کئی آیات موجود ہیں۔❷

'' تولہ ما تولیٰ ''یعنی جس گمراہی کو وہ اختیار کرتا ہے ہم اس کو اختیار کرنے والا بنا دیں گے۔'' ونصلہ جھنم وساءت مصیرا ''بعض ائمہ نے'' ویتبع غیر سبیل المومنین '' سے استدلال کیا ہے کہ اجماع امت صحت ہے مگر میرے نزدیک اس آیت سے یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ غیر سبیل المومنین سے مراد ہے کہ اسلام چھوڑ کر کوئی آدمی دوسرا دین اختیار کرے جیسا کہ الفاظ کا بھی تقاضا ہے اور سبب نزول بھی اس کی شہادت دیتا ہے لہٰذا یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے کہ علماء امت میں سے کسی عالم نے مسائل دینیہ میں اجتہاد کیا ہو اور اس کے اجتہاد سے معاصر مجتہدین کی مخالفت ہوئی ہو' اس نے تو سبیل المومنین پر چلنے کا ارادہ کیا ہے اور سبیل المومنین دین قویم کا نام ہے اور ملت حنیفیہ سے عبارت ہے اس نے تو غیر سبیل المومنین کی پیروی نہیں کی ہے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہ کریں گے اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے جو جماعت سے الگ ہوگا وہ دوزخی ہے امام ترمذی اور بیہقی نے مرفوعاً حضرت ابن عباس سے بھی روایت کی ہے۔

---

❶ پس اگر کسی شی میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم مومن ہو۔(سورۂ نساء) ❷ قسم تیرے رب کی وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو ہر فیصلہ میں حکم نہ مان لیں اور پھر اس فیصلے میں تنگی نہ محسوس نہ کریں اور فوراً مان لیں' یہ سورہ نساء کی آیت ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 33:

﴿ ویستفتونک فی النسآء قل اللہ یفتیکم فیھن ﴾ (۱۲۷) ہے۔

صحابہ کی ایک جماعت نے عورتوں کے معاملات اور ان کی میراث وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے جواباً اپنے نبی سے کہا ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتویٰ دیتے ہیں اور جو کچھ تم نے پوچھا ہے اس کا جواب دیتے ہیں اس آیت کا تعلق اسی مسئلہ کے ساتھ ہے جو ابتداء سورت میں ذکر ہو چکا ہے مگر کچھ احکام وہاں ذکر نہ ہوئے ان کا سوال ہوا تو کہا گیا اللہ تعالیٰ تمہیں بتاتے ہیں ان عورتوں کے بارے میں اور ''ما یتلیٰ علیکم فی الکتاب'' کا عطف ''اللہ یفتیکم'' پر ہے معنی یہ ہوگا کہ جو قرآن تمہیں پڑھ کر سنایا جارہا ہے وہ ان سب کے بارے میں تمہیں بتائے گا اور یتامیٰ کے بارے میں کتاب اللہ میں یہ آیت ہے: ''وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ''۔ [1] اور یہ بھی ممکن ہے: ''وما یتلیٰ'' کا عطف ''یفتیکم'' کی ضمیر پر ہو جس کا مرجع مبتدأ ہے کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان مفعول اور ظرف کا فصل آ چکا ہے اور یہ بھی احتمال ہے: ''وما یتلیٰ علیکم'' مبتدأ ہو اور فی الکتاب خبر ہو' مگر شرط یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہو اس کے علاوہ بھی کئی تراکیب ہیں ان کے ضعف کی بنا پر ہم نے انہیں ذکر نہیں کیا۔

اور ''فی یتامیٰ النسآء'' پہلی اور دوسری ترکیب کی رو سے ''یتلیٰ'' کا صلہ ہوگا اور تیسری ترکیب کی رو سے ''فیھن'' سے بدل ہوگا۔ ''اللاتی لا تؤتونھن ما کتب وفرض لھن من المیراث'' بمعنی فرض ہے یعنی میراث کا طے شدہ حصہ اور ترغبون کا عطف ''لاتؤتونھن'' پر ہے یعنی جملہ مثبتہ کا عطف جملہ منفیہ پر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ''تؤتونھن'' کے فاعل سے حال ہے۔ ''ان تنکحوھن''

---

[1] اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتامیٰ میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر اپنی پسند کی عورتوں سے شادی کرلو۔ الخ

Marfat.com

کے بارے میں دو تقدیریں ہیں ایک تقدیر یہ ہے "ترغبون فی ان تنکحوھن لجمالھن" اور دوسری تر تقدیر ہے "وترغبون فی ان تنکحوھن لعدم جمالھن"۔ ❶ اور مستضعفین کا عطف "یتامیٰ النسآء" پر ہے تو عبارت یہ ہوگی: "وما یتلیٰ علیکم فی المستضعفین من الولدان"۔ ❷ اور "وما یتلیٰ علیکم" یہ آیت "یوصیکم اللہ فی اولادکم"۔ ❸ اہل جاہلیت عورتوں اور کمزور بچوں کو وارث نہ بنایا کرتے تھے وہ صرف ان بچوں کو وارث بنایا کرتے تھے جو قتال اور دیگر امور کے متولی ہوتے تھے اور "ان تقوموا للیتامیٰ بالقسط" کا "فی یتامی النسآء" پر عطف ہے جیسا کہ مستضعفین کے بارے میں گزرا ہے۔

پھر مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہوگا: "وما یتلیٰ علیکم فی یتامی النسآء وفی المستضعفین وفی ان تقوموا للیتامیٰ بالقسط" اور قسط کا معنی ہے عدل اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ منصوب المحل ہو یعنی "یامرکم ان تقوموا" "وما تفعلوا من خیر" یعنی مذکور لوگوں کے بارے میں جو کچھ تم خیر وشر کرو گے اللہ پاک اس کو جانتے ہیں قرآن میں صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے مگر شر بھی مراد ہے یعنی تمہیں ہر اچھے برے فعل پر وہ جزا اور بدلہ دے گا۔

آیت نمبر 34:

﴿ وان امرأۃ الخ ﴾ (۱۲۸) ہے۔

---

❶ یہاں اشارہ کیا ہے کہ رغب کے بعد اگر حرف فی آجائے تو اس کا معنی ہوتا ہے توجہ کرنا رغبت کرنا جیسے "ترغبون فی ان الخ" ہے کہ تم ان کے جمال کی بنا پر نکاح کی خواہش کرتے ہو اور اگر رغب کے بعد صرف عن آجائے تو اس کا معنی ہوتا ہے منہ پھیرنا۔ اعراض کرنا جیسے "ترغبون عن ان الخ" کہ تم ان کی بدصورتی کی بنا پر ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتے۔ ❷ جو تم پر پڑھا جاتا ہے کمزوروں کے بارے میں یعنی بچوں کے بارے میں۔ ❸ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتے ہیں۔

Marfat.com

یہ مرفوع ہے اپنے فعل مقدر کی وجہ سے جس کی تفسیر ''خافت'' کر رہا ہے جو بعد میں مذکور ہے۔ ❶ بمعنی توقع کرتی ہے ایسی چیزوں کی جس کا خاوند سے ڈر ہوتا ہے بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے یقین کرنا مگر یہ معنی غلط ہیں۔ ''من بعلها نشوزاً'' یعنی نشوز کا معنی دائمی ناراضگی اور اس کے ساتھ نہ لیٹ کر اعراض کرنا اور اس کے خرچہ میں کمی کرنا ہے۔'' او اعراضا عنها بوجهه ''یعنی اس عورت سے منہ پھیر لیا جائے۔ نحاس نے کہا ہے نشوز کا معنی ہے دوری اور اعراض کا معنی ہے کلام نہ کرنا اور اس سے انس ومحبت نہ کرنا آیت کے ظاہر کا تقاضا ہے ناچاکی اور اعراض کے خوف کے وقت صلح کرنی جائز ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا یہی بات ظاہر وواضح ہوتی ہے کہ جس طرح بھی صلح کر سکے کر لینی چاہیے خواہ اپنی باری ترک کرنی پڑے یا کچھ باریاں چھوڑنی پڑھیں یا بعض خرچہ چھوڑ دینا پڑے یا مہر ترک کرنا پڑے۔

'' فلاجناح علیهما ان یصلحا بینهما '' اہل کوفہ کی یہی قرأت ہے یعنی'' یصلحا '' (یہ باب افعال ہے) اور جمہور کی قرأت اولیٰ اور زیادہ مناسب ہے کیونکہ جب یہ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ ایک فعل جب دو یا زائد میں مشترک ہو تو وہاں'' تصالح الرجلان '' یا'' تصالح القوم '' کہا جاتا ہے'' اصلح '' نہیں بولا جاتا'' صلحاً '' اسم مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ مصدر ہے زائد الفاظ حذف ہو چکے ہیں یا یہ فعل محذوف کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی ''فصیلح حالهما صلحا''

---

❶ کبھی کبھی قرینہ دالۃ علی تعیین المحذوف کی بنا پر فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے یہ قاعدہ اس مقام میں جاری ہوتا ہے جہاں فعل کو حذف کر کے اس کی تفسیر کر دی گئی ہو تا کہ حذف فعل سے پیدا شدہ ابہام رفع ہو جائے جیسے یہاں ہے اصل عبارت یوں تھی:'' وان خافت امرأة خافت '' ثانی (تفسیر) خافت کی بنا پر پہلے خافت (مفسر) کو حذف کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

بعض نے کہا ہے کہ مفعول مطلق ہے۔ ''والصلح خیر ''لفظ عام ہیں جن کا تقاضا ہے جس صلح کے ساتھ دل مطمئن ہو اور اختلاف ختم ہو جائے وہ صلح بہتر ہی بہتر ہے یا یہ کہہ لیں وہ صلح جدائی' جھگڑے اور نشوز واعراض سے بہتر ہے یہ جملہ معترضہ ہے۔

آیت نمبر 35:

﴿ولن تستطیعوا ان تعدلوا﴾ (۱۲۹) ہے۔

اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ ان میں اس انداز سے عورتوں میں انصاف کرنے کی بالکل طاقت نہیں ہے کہ کسی کی طرف میلان نہ ہے کیونکہ طبائع بشریہ کی تخلیق ہی اس انداز سے ہوئی ہے یعنی ایک بیوی کی طرف میلان ہے اور دوسری کی طرف نہیں ہے ایک میں محبت زیادہ ہے تو دوسری میں کم ہے۔ یہ پیدائشی چیز ہے لوگ اپنے دلوں کے مالک نہیں ہیں اور اپنے دلوں کو ایک برابر حیثیت پر رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اسی لیے صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللھم ھذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما لا املک''۔ [1] اس روایت کو ابن ابی شیبہ' احمد' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور ابن منذر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

''ولو حرصتم'' اگرچہ تم ان میں محبت کے لحاظ سے انصاف کرنے کے خواہشمند ہو۔'' فلا تمیلوا''پس تم تقسیم اور خرچہ میں نہ مائل ہو جاؤ اس عورت کی طرف کہ جس کو تم دل سے چاہتے ہو۔ باوجود کمال حرص کے بھی جب وہ عدل کی طاقت نہیں رکھتے تو اللہ نے انہیں منع کر دیا کہ وہ بالکل ہی ایک طرف نہ مائل ہو جائیں کیونکہ

---

[1] اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں پس مجھے ملامت نہ کرنا اس کام میں جس کا میں مالک نہیں ہوں۔

Marfat.com

ترک میلان اور مکمل طور پر ظلم کا ترک ان کی قدرت اور طاقت میں ہے لہٰذا ان کے لیے ایک کو چھوڑ کر دوسری کی طرف بالکلیہ مائل ہو جانا جائز نہیں ہے جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس کو (دوسری کو) چھوڑ دو جیسے معلقہ ہوتی ہے کہ نہ تو وہ خاوند والی ہے اور نہ ہی طلاق والی ہے۔ اس عورت کو اس شیء سے تشبیہ دی گئی ہے جو معلق ہے اور کسی شی پر وہ مقیم نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

آیت نمبر 36:

﴿ وقد نزل علیکم فی الکتاب الخ ﴾(۱۴۰) ہے۔

اس آیت میں مومن اور منافق تمام کو خطاب ہے کیونکہ جو بھی ایمان کا دعویدار ہوگا اس کو لازم ہے کہ وہ " وما انزل اللہ " (جو کچھ رب نے نازل فرمایا ہے) کی اطاعت کرے۔ بعض ائمہ کا خیال ہے کہ اس میں صرف منافقین سے خطاب ہے جیسا کہ تشدید اور توبیخ کا تقاضا ہے۔ " واذا سمعتم آیات اللہ یکفربھا ویستھزأ بھا "۔ یعنی جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے اور ان کا کفر کیا جا رہا ہے تو تم ان میں نہ بیٹھو جب تک وہ یہی کام کرتے رہیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے کام میں لگ جائیں یعنی کفر واستہزاء ترک کر دیں اور جو حکم ان پر کتاب اللہ میں نازل کیا ہے وہ یہ ہے: " واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنھم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ "۔[1] اصل بات یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ یہود اور مشرکین کے ساتھ مجلس کیا کرتے تھے اور وہ قرآن کی آیات کا مذاق اور تمسخر اڑایا کرتے تھے انہیں اس بات سے روک دیا گیا ہے۔

---

[1] یہ سورۂ انعام کی آیت ہے جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں کج بحثی کرتے ہیں آپ ان سے اعراض فرمالیں یہاں تک کہ وہ کوئی دوسری بات کریں (تو ٹھیک ہے)

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا خیال ہے کہ قیامت تک دین میں اضافہ کرنے والا ہر بدعتی اِس آیت کے مفہوم میں داخل ہے یہی رائے قاضی شوکانی کی ہے انہوں نے فتح القدیر میں کہا ہے قطع نظر سبب نزول کے الفاظ عموم کا لحاظ کرتے ہوئے (جو قاعدہ علماء کے ہاں قابل اعتبار ہے) یہ آیت دلیل ہے کہ ہر اس مجلس سے اجتناب ضروری ہے جس میں اہل مجلس ادلہ شرعیہ کا مذاق اڑاتے ہوں جیسا کہ اسیران تقلید کا اکثر شیوہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول مقبول کی سنت کے مطابق ائمہ کی آراء کو مذہب و دین بنالیا ہے۔ ❶

اور دلیل میں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں قال امام مذھبنا' ہمارے مذہب کے امام نے یہ کہا ہے اس کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے اور مقلدین کہیں گے ہمارے امام کے فلاں متبع نے یہ کہا ہے اور جب وہ سنتے ہیں کہ کوئی آدمی ان کے مسلہ پر قرآن یا حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اس کا مذاق اڑانا شروع کردیتے ہیں اور انہیں اس قرآن وحدیث کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہوتی بلکہ وہ سمجھتے ہیں وہ آدمی کوئی ہیبت ناک اور بڑی بھاری مصیبت ان پر ڈال رہا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس نے ان کے اس امام کی مخالفت کردی ہے جو ان کے نزدیک شریعت کا استاذ و معلم ہے حتیٰ کہ اس کی رائے اور قیاس کو جو حق سے دور ہے اس کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول سے مقدم کردیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ کی پناہ ان مذاہب سے اور ان مذاہب والوں سے۔ اور وہ لوگ جن کی طرف یہ منسوب ہیں ان کے اس فعل سے بالکل بری ہیں۔

انہوں نے اپنی تالیفات میں واضح طور پر اپنی تقلید سے منع کردیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''القول المفید فی حکم التقلید'' اور ''ادب الطلب ومنتھی الأرب'' میں اس کی خوب وضاحت کردی ہے۔ ''اللھم انفعنا بما

---

❶ اس کی امثلہ کی کمی نہیں ہے۔

Marfat.com

علمتنا واجعلنا من المقتدین بالکتاب والسنة وباعد بیننا وبین آراء الرجال المبنیة علی شنا حرف ھار یا مجیب السائلین ''۔ ❶

'' انکم اذاً مثلھم '' یہ نہی کی علت ہے یعنی جب تم وہی کام کرو گے (جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے) اور باز نہ آؤ گے تو تم کفر اور استحقاق عذاب میں ان کے ساتھ شریک ہو گے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جمیع صفات میں یہ مماثلت مراد نہیں ہے یہ الزام تشبیہ بحکم الظاھر کے لحاظ سے ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

وکل قرین بالمقارن یقتدی ❷

تمام اہل علم کے نزدیک یہ آیت محکم غیر منسوخ ہے صرف کلبی کا خیال ہے یہ منسوخ ہے اور ناسخ اس کا یہ قول باری تعالیٰ ہے: '' وما علی الذین یتقون من حسابھم من شی ''۔ ❸ مگر ان کی یہ رائے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ تقویٰ کا یہی تقاضا ہے کہ ایسے منکرین آیات اور مستہزئین کی مجالس سے اجتناب ہی کیا جائے اور سورۂ انعام میں بھی ایسا ہی حکم ہے اہل علم نے استدلال کیا ہے کہ کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے۔ اسی طرح خلاف شرع بات پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ یا کوئی اہل کفر کے ساتھ خلط ملط ہو کر رہے یہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ راضی ہو گو اس فعل کا مرتکب نہ بھی ہو اور اگر خوف اور ڈر کی وجہ سے وہاں بیٹھا ہو مگر اس فعل سے مکمل متنفر ہو تو یہ پہلے کی نسبت کچھ آسان ہے۔

---

❶ اے اللہ جو آپ نے ہمیں تعلیم دی ہے اس کے ذریعے آپ ہمیں نفع دیں اور ہمیں کتاب وسنت کے پیروکار بنا دینا اور ہمارے اور لوگوں کی آراء کے درمیان دوری پیدا فرما دے ایسی آراء جس کی بنیاد ہی گرنے والے گھڑے کے کنارے پر ہے۔ اے سائلین کی بات قبول کرنے والے (ہماری دعا قبول فرما)۔ ❷ ہر دوست دوست کی اقتدا کرتا ہے۔

❸ ان لوگوں پر کسی قسم کا حساب نہیں ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ ان کے دل میں اللہ کا ڈر ہو۔

Marfat.com

آیت نمبر 37:

﴿ ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا ﴾ (۱۴۱) ❶

اگر سبیل کا معنی نصرت وامداد اور غلبہ ہو تو پھر اس سے مراد ہے کہ یہ قیامت والے دن ہوگا اور اگر اس سے مراد حجت ودلیل ہے تو پھر یہ دنیا سے متعلق ہوگا۔ امام ابن عطیہ نے کہا ہے کہ تمام مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے یوم القیامہ مراد ہے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ کمزور تفسیر ہے کیونکہ اس میں فائدۃ الخبر کا فقدان ہے اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ خیال کرنے والے نے خیال کیا ہے کہ آخری کلام کا رجوع اول کلام (فالله يحكم بينهم يوم القيامة) ہے جس سے فائدۃ الخبر ساقط ہوجاتا ہے یا یہ تکرار ہے یہ اس کے کلام کا معنی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر اس انداز سے مسلط نہیں کرے گا کہ جس سے مسلمانوں کی حکومت بالکلیہ ختم ہوجائے' ان کے آثار مٹ جائیں اور ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کردے جیسا کہ حدیث صحیح بخاری میں آتی ہے (اس طرح بالکلیہ مسلمانوں کو ختم نہ کیا جائے گا)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب مومنین حق پر عمل پیرا رہیں گے باطل کو پسند نہ کریں گے اور نہی عن المنکر ترک نہ کریں گے تو غالب رہیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: '' ما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم''۔ ❷

جناب ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ بہت اچھی تفسیر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ شرعی طور پر ان کے لیے کوئی سبیل مومنوں پر نہ کرے گا اگر کہیں کوئی صورت ہے تو وہ خلاف شرع ہے کیونکہ اسلامی شریعت ہی قیامت تک غالب رہے گی

---

❶ ہرگز نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے اہل ایمان پر کوئی راستہ۔

❷ جو بھی تمہیں مصیبت پہنچتی ہے تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

Marfat.com

جو کچھ اہل علم نے اس آیت کے حل میں فرمایا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے اور یہ آیت کئی مسائل میں دلیل کی حیثیت رکھتی ہے مثلاً کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ کافر جب مسلمان کے مال پر غلبہ حاصل کرے تو یہ کافر اس مال کا مالک نہیں ہوسکتا اور ذمی کے مقابلے میں مسلم کا قتل جائز نہیں ہے۔

آیت نمبر 38:

﴿لا یحب الله الجهر بالسوء من القول﴾ (۱۴۸) ہے۔

محبت نہ کرنے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ بغض رکھتے ہیں۔ جمہور ائمہ نے "الا من ظلم" میں ظلم کو مجہول پڑھا ہے۔ زید بن اسلم' ابن ابی اسحاق' ضحاک' ابن عباس' ابن حبیب اور عطاء بن سائب اس کو معروف پڑھتے ہیں اول قراۃ کی رو سے استثناء متصل ہوگا اور مضاف مقدر ہوگا عبارت یہ ہوگی: "الا جهر من ظلم" بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اول قراۃ کے مطابق بھی استثناء منقطع ہوسکتا ہے عبارت یہ ہوگی: "لکن من ظلم فله ان یقول ظلمنی فلان مثلا"۔ مظلوم کی برائی کے جہر کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ ظالم کے خلاف بددعا کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ظالم کے خلاف زبان کھولنے کا مجاز ہے وہ کہے کہ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے یا کہے کہ وہ ظالم ہے یا اس انداز کے جو بھی لفظ استعمال کرے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ کسی آدمی کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ زبان سے کفریہ کلمات کہے تو یہ جائز ہے (ان کے خیال میں) یہ آیت پھر اکراہ اور اجبار کے بارے میں ہوگی' قطرب نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

مزید کہا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ بدل ہو گویا عبارت یہ ہوگی: "لا یحب الله الا من ظلم"۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظالم کو نہیں پسند کرتے بلکہ مظلوم کو پسند کرتے ہیں ایک کا ظاہری معنی یہ ہے کہ جس پر ظلم ہوا ہے وہ ایسی بات کرسکتا ہے جس میں ظالم کی برائی کا ذکر ہے اور بخاری کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس کے لفظ یہ ہیں: "لی

Marfat.com

الواجد ظلم یحل عرضه وعقوبته''۔اور دوسری قرأت کے مطابق استثناء منقطع ہوگا معنیٰ یہ ہوگا کہ جو آدمی فعل یا زبان سے ظلم کرے تو اس کی برائی زبان سے باین معنی بیان کرو کہ اس کو اس سے روکا جائے اور اسے ڈانٹا جائے۔

کچھ لوگوں نے کہا اس کلام کا معنی ہے کہ اللہ زبان سے برائی کے اظہار کو پسند نہیں کرتے لیکن جو مظلوم ہے وہ ظلم وتعدی کی وجہ سے برائی کا بیان کرسکتا ہے۔اور وہ اس بارے میں ظالم ہے اور یہ ظالموں کی عادت ہے کہ ظلم کے باوجود وہ ان لوگوں پر زبان درازی کریں گے یعنی مظلوموں پر ان کی عزت کو خراب کریں گے۔

امام زجاج نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ آیت کا معنی یہ ہو جس پر ظلم ہوا ہے وہ زبان سے اس کی برائیاں بیان کرے تا کہ لوگ اس کے ہاتھ پکڑ لیں۔

آیت نمبر 39:

﴿یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ﴾ (۱۷۶) ہے۔

کلالہ کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔''ان امرؤ ھلک''عبارت یہ ہے کہ''ان یھلک امرؤ ھلک''جیسا کہ قول باری تعالیٰ:''وان امرأۃ خافت'' کے تحت گزر چکا ہے۔''لیس لہ ولد''یہ جملہ یا امراء کی صفت ہے یا حال اور حال ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ولد کا لفظ مذکر ومؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے یہاں صرف شہرت کی بنا پر عدم اولاد کا ذکر کیا گیا ہے حالانکہ کلالہ کے لیے عدم والد بھی شرط ہے۔بعض ائمہ کا خیال ہے کہ یہاں ولد کا معنی ہے لڑکا اور یہ اس کے دو مشترک معنوں میں سے ایک مراد ہے کیونکہ بنت (لڑکی) بہن کو حصہ سے محروم نہیں کرسکتی۔

''ولہ اخت فلھا نصف ما ترک''۔یہ جملہ لیس لہ ولد پر معطوف ہے اور اخت سے یہاں مراد''اخت لابوین یا اخت لاب''ہے۔اخت لام مراد نہیں ہے کیونکہ اس کا ذکر شروع سورت میں گزر چکا ہے اور اس کا چھٹا حصہ ہے۔ جمہور علماء'صحابہ'تابعین اور ان کے بعد والے علماء کا خیال ہے کہ''اخوات لابوین

Marfat.com

یا اخوات لاب" بنات کے لیے عصبہ ہوتی ہیں گو ان کے ساتھ بھائی نہ بھی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ اخوات بنات کو عصبہ نہیں بناتیں۔

جناب داؤد ظاہری اور ایک گروہ کا یہی خیال ہے اور فرماتے ہیں کہ بیٹی کے ساتھ حقیقی بہنیں یا باپ میں شریک بہنیں وارث نہیں ہیں اور اسی آیت کے ظاہر سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ یہاں عدم الولد دونوں مذکر ومؤنث کو شامل ہے اور یہ میراث اخت کے لیے قید ہے۔ ان کا یہ استدلال درست ہوتا اگر حدیث میں نہ آتا کہ بہن بیٹی کے ساتھ وارث ہے یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت معاذ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو بھی نصف اور بہن کو بھی نصف۔ ایک دوسری حدیث بھی انہیں سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو نصف' پوتی کو چھٹا حصہ اور (بطور عصبہ) باقی مال سارا بہن کو دیا یہ حدیث تقاضا کرتی ہے کہ ولد کا معنی بیٹا ہو بیٹی اس میں داخل نہیں ہے۔" وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد " یعنی وہ بھائی بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی نرینہ اولاد نہ ہوگی اور اگر یہاں مراد ہو کہ وہ سارا مال لے لے گا یا اگر یہ مراد ہو میراث لے گا عام ازیں کہ وہ سارا مال ہو یا کچھ تو ولد کی تفسیر مذکر ومؤنث دونوں کو شامل ہوگی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صرف ولد کی نفی کی ہے جبکہ باپ بھی بھائی کو ساقط کر دیتا ہے یعنی وراثت سے محروم کر دیتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ولد کے ساتھ بھائی وارث نہیں ہے باقی اس کا بیٹے کی موجودگی میں محروم ہونا وہ حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:" الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولیٰ رجل ذکر "۔ اور باپ بھائی کی نسبت زیادہ (میت کے) قریب ہے۔" فان کانتا اثنتین "اس کا عطف جملہ شرطیہ سابقہ پر ہے یہاں خبر مؤنث اور تثنیہ ہونے کی بنا پر فعل کو بھی مؤنث اور تثنیہ لایا گیا ہے اور آگے کانوا کو جمع بھی انہی لیے لائے ہیں کہ خبر جمع ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر وارث دو بہنیں ہیں تو ان کو میت کے ترکہ میں سے دو

Marfat.com

ثلث ملے گا مگر شرط یہ ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو جیسے کہ گزر چکا ہے اور دو سے زائد کو تو یہ حصہ بالاولیٰ ملے گا کیونکہ یہ حضرت جابر کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور وہ جب فوت ہوئے تھے تو ان کی سات بہنیں تھیں۔" وان کانو اخوۃ رجالاً ونسآءً" اور اگر وارث مخلوط ہیں کہ اخوۃ اور اخوات ہیں یعنی مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی تو بطور عصبہ کے ایک مذکور کو دو مؤنث کے برابر ملے گا' یہاں صرف اخوۃ کا ذکر کیا گیا ہے اخوات کا نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکر کو غلبہ دے کر ایسا کیا ہے یا پھر رجالا ونسآء کو دیکھتے ہوئے ایسا ہوا ہے' کلالہ کی تحقیق' استدلال اور ترجیح کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے اعادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

Marfat.com

سورۃ المائدہ

اس کی ایک سو بیس آیات ہیں

مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے۔

فائدہ: میسرہ نے کہا ہے کہ اللہ پاک نے اس میں اٹھارہ احکام نازل کیے ہیں اس کے علاوہ دیگر قرآنی سورتوں میں وہ نازل نہیں کیے وہ "المنخنقة" سے لے کر" اذا حضر احدکم الموت" تک۔اھ۔

آیت نمبر 1:

﴿ یاایھاالذین آمنوا ﴾(۱) ہے۔

یہ آیت:" یاایھاالذین آمنوا" سے" یحکم ما یرید" تک جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے اس سورت کا افتتاح فرمایا ہے جس میں علم بلاغت کے ان اصول وقواعد کا خیال رکھا گیا ہے کہ بشری قوتیں وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔مزید یہ کہ اس میں کئی احکام بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً وفاداری عہد' بھیمۃ الانعام کی حلت' جن جانوروں کی حلت ثابت نہیں ان کا استثناء' محرم پر شکار کا حرام ہونا اور جو محرم نہیں اس کے لیے شکار کی حلت کا بیان۔

نقاش نے بیان کیا ہے کہ کندی فلسفی کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ اے حکیم! آپ ہمیں اس قرآن کی مثل تیار کردیں اس نے کہا ٹھیک ہے مگر کچھ حصہ تیار کروں گا پھر وہ کئی دن تک چھپا رہا پھر باہر نکلا اور کہنے لگا:" واللہ ما اقدر ولا یطیق ھذا احد" واللہ میں اس کام کی ہمت نہیں رکھتا بلکہ کوئی بھی اس پر قادر نہیں ہے۔(وہ کہتا ہے) میں نے قرآن کو کھولا تو سورۂ مائدہ نکل آئی میں نے اس میں غور کیا تو وہ وفاء عہد کا درس دیتی ہے اور اس کو توڑنے سے منع کرتی ہے پھر اس نے عموی

Marfat.com

حلت کا ذکر کیا پھر استثناء کے بعد استثناء کیا پھر دو سطروں میں اپنی قدرت وحکمت بیان کی اس طرح استعمال ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔

اما ابن طوف فقد اوفی بذمته   کما وفی بقلاص النجم حادیها ❶

عقود کا معنی ہے عہود: یہ عقد کی جمع ہے اس کا معنی ہے تعلق وربط' کہا جاتا ہے ''عقدت الحبل والعهد'' عقد کا لفظ اجسام اور معانی دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور جب وہ معانی میں استعمال ہو (جیسا کہ یہاں مستعمل ہے) تو وہ اس وقت مضبوط وپختہ اور قوی کے معنی میں ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ عقود سے مراد وہ احکام ہیں جو پختگی اور مضبوطی سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم کر دیئے ہیں۔ (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ معاملات ہیں جو لوگ آپس میں طے کر لیتے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ آیت عام ہی رہے۔ دونوں قسم کے احکام کو شامل ہو۔ تخصیص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

زجاج نے کہا ہے کہ (اس کا معنی ہے) اللہ تعالیٰ کے عہد یا آپس کے عہدوں کو پورا کرو' جس عقد کا پورا کرنا ضروری ہے وہ وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق ہو۔ پس اگر وہ ان کا مخالف ہو تو وہ مردود ہے اس کا پورا کرنا نہ واجب ہے نہ حلال۔ ''احلت لکم بهيمة الانعام'' بہیمہ کا معنی ہے چوپایا' یہ نام اس کا اس لیے رکھا گیا ہے اس کی کلام وگفتگو' فہم اور عقل کے کم ہونے کی بنا پر مبہم رہتی ہے بند دروازے کو'' باب مبهم'' کہا جاتا ہے۔ (کالی رات کو) لیل بہیم کہا جاتا ہے۔

بہیمہ اس دلیر آدمی کو کہا جاتا ہے جس پر قابو نہ پایا جا سکتا ہو'' حلقة مبهمة'' اس کو کہا جاتا ہے جس کے دونوں کناروں کا علم نہ ہو' انعام: اونٹ' گائے اور بکری کو

---

❶ بلاشبہ ابن طوف نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے جیسا کہ قسط کی اونٹنیاں اس کے حدی خواں نے پوری کر دیں ہیں۔

Marfat.com

کہا جاتا ہے ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کی چال میں نرمی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا "بهيمة الانعام" سے مراد وحشی جانور ہیں ہرن' جنگلی گائے اور جنگلی گدھا وغیرہ۔ امام ابن جریر نے ایک قوم سے یہی نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ائمہ نے سدی' ربیع' قتادہ اور ضحاک سے بھی نقل کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ یہ تحقیق بہت اچھی ہے۔ کیونکہ انعام آٹھ اقسام اور جو حیوانات ان کی طرف منسوب ہیں ان سب کو کہا جاتا ہے گویا کہ چیرنے پھاڑنے والا جانور مثلاً شیر اور ہر کچلی والا انعام کی تعریف سے خارج ہے لہٰذا "بهيمة الانعام" کا معنی ہے چرنے والے چوپائے۔

بعض نے کہا ہے: "بهيمة الانعام" کا معنی وہ جانور جو شکار نہ ہو کیونکہ شکار کا نام وحشی ہوتا ہے بہیمہ نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا ہے کہ "بهيمة الانعام" کا معنی ہے وہ بچے جو ذبح کے وقت ان کے پیٹوں سے نکلتے ہیں ان کو ذبح کے بغیر کھانا جائز ہے۔ پہلی تحقیق کے مطابق (انعام سے مراد اونٹ' گائے اور بکری ہے) اضافت بیانیہ ہوگی۔ اور ملائے گئے ہیں ان کے ساتھ جو حلال جانور ہیں (جو ان سے خارج ہیں) قیاس کے ذریعے بلکہ ان نصوص کے ذریعے جو کتاب وسنت میں موجود ہیں مثلاً:

"قل لا اجد فيما اوحى الى محرما على طاعم يطعم الا ان يكون ميتة (الآية)". ❶

اور حدیث نبوی: "يحرم كل ذى ناب من السبع و ذى مخلب من الطير"۔ ❷ اپنے مفہوم کے اعتبار سے دلالت کرتی ہے کہ ان کے علاوہ سب حلال

---

❶ آپ کہہ دیں کہ جو وحی میری طرف ہوئی ہے اس میں یہ چیزیں حرام پاتا ہوں مردار' دم مسنوح' لحم خنزیر' غیر اللہ کے نام پر دی گئی چیز۔

❷ ہر چیرنے والا درندہ اور پنجے سے شکار کرنے والا پرندہ حرام ہے۔

Marfat.com

ہیں اسی طرح وہ تمام نصوص جو کسی بھی نوع کے ساتھ خاص ہیں جیسا کہ سنت مطہرہ کی کتب میں موجود ہے۔" الا ما یتلی علیکم " یہ" احلت لکم بھیمة الانعام " سے استثناء ہے یعنی" وما یتلی علیکم " کا مدلول و مفہوم مراد ہے وہ حلال نہیں ہے اور" متلو " وہی جس کو نصاً حرام کیا گیا ہے جیسے" حرمت علیکم المیتة (الایه) " ہے۔ اور وہ دس چیزیں ہیں۔ پہلی مردار اور آخری وہ جانور جو بتوں (پرستش گاہوں) پر ذبح کیا جائیں۔" ویلحق به " اسی سے ملحق ہیں وہ جانور جن کی حرمت سنت سے ثابت ہے۔ اس استثناء سے احتمال ہے کہ اس سے مراد (وہی حرام چیزیں ہیں) جن کا ابھی تذکرہ آنے والا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ زمانے میں جس کی تلاوت کی جائے گی تو اس سے ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت بیان میں تاخیر جائز ہے اور دونوں احتمال اکٹھے بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

" غیر محلی الصید "۔ اہل بصرہ کا خیال ہے یہ" بھیمة الانعام " سے دوسرا استثناء ہے۔ اصل عبارت یہ ہوگی:" احلت لکم بھیمة الانعام الاما یتلی علیکم الا الصید وانتم محرمون "۔ بعض ائمہ کا خیال ہے" الا ما یتلی " " بھیمة الانعام " سے استثناء ہے اور" الاما یتلیٰ " سے غیر محلی الصید دوسرا استثناء ہے جواب دیا گیا ہے کہ اس صورت میں استثناء کا معنی یہ ہوگا کہ حالت احرام میں شکار جائز ہے کیونکہ یہ ممنوع سے استثناء ہوگا تو پھر یہ مباح ہوگا۔" وانتم حرم " یہ جملہ حالیہ ہے اور منصوب ہے اس قید کا معنی ان کی تحقیق کے مطابق واضح ہے جن کے نزدیک" بھیمة الانعام " کا معنی وحشی و بری جانوروں کے ساتھ خاص ہے جن کو کھانا جائز ہے گویا عبارت یہ ہوگی:" احل لکم صید البر الا فی حال الاحرام "۔ [1] اور جن ائمہ نے اس کی اضافت کو بیانیہ قرار دیا ہے ان کے ہاں معنی یہ

---

[1] احرام کی حالت میں تم پر خشکی کا شکار حلال ہے۔

Marfat.com

ہوگا:'' احلت لکم بهیمة هی الانعام حال تحریم الصید علیکم بدخولکم فی الاحرام ''۔ ❶ کیونکہ تم اس کے محتاج ہو پھر اس صورت میں اس قید کا مقصد صرف ان پر احسان جتلانا ہے کہ احرام کی حالت کے علاوہ کی صورت میں باقی سب حلال ہیں ۔حرم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حج یا عمرے یا دونوں کا احرام باندھا ہو ان کو محرم کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر شکار' خوشبو اور عورتیں حرام ہیں' حرم کو حرام اور احرام کو احرام کہنے کی وجہ بھی ایسی ہی ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿ یاایها الذین آمنوا لا تحلوا شعائر الله ﴾ (۲) ہے۔

شعائر' شعیرة کی جمع ہے جس کا وزن فعیلة ہے۔ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کا واحد شعارة ہے اور یہ بہت اچھی تحقیق ہے کہ اسی سے اشعار لیا گیا ہے جو قربانی کے جانوروں سے کیا جاتا ہے اور مشاعر کا معنی ہے علامات' اس کا واحد مشعر ہے یہ وہ مقامات ہیں جہاں علامات کے ذریعے نشانات لگائے گئے ہیں بعض علماء نے کہا ہے کہ ان سے مراد حج کے تمام افعال ہیں۔بعض نے کہا ہے کہ صفاء مروہ' ہدی ❷ اور اونٹ مراد ہیں ان دونوں اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ ان کی بے حرمتی نہ کرو کہ کسی وجہ سے ان میں خرابی پیدا ہو جائے یا تم ان افعال میں اور ان افعال کو ادا کرنیوالوں کے درمیان حائل ہو جاؤ' شکار کی حرمت کے بعد اللہ رب العزت نے شعائر اللہ کی بے حرمتی کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں شعائر سے مراد فرائض الٰہیہ ہیں۔اسی مضمون سے ہے۔'' ومن یعظم شعائر الله ''۔بعض نے کہا ہے کہ اس سے تمام امور مراد ہیں'

---

❶ بهیمة الانعام تم پر حلال ہیں اس حال میں کہ شکار تم پر حرام ہے احرام کی وجہ سے۔

❷ ہدی سے عام قربانی مراد ہے یعنی بکری' گائے اور اونٹ اور بدن سے مراد صرف اونٹ ہی ہے۔

Marfat.com

عموم لفظ کا لحاظ کرتےہوئے ان الفاظ کا ان تمام معانی پر انطباق جائز ہے خصوص سبب اور سیاق کلام کا اعتبار نہیں ہے۔'' ولا الشھر الحرام ''اس سے مراد جنس ہے کہ اس میں تمام حرمت والے مہینے داخل ہیں اور وہ چار ماہ (ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب) ہیں کہ کہیں تم ان میں قتال کر کے ان کی بے حرمتی کرو' بعض نے کہا ہے کہ یہاں اس سے حج کا مہینہ مراد ہے۔'' ولا الھدی ''مراد وہ جانور ہیں جو بیت اللہ کی طرف بھیجے جائیں یعنی اونٹنی' گائے یا بکری' اس کا واحد ہدیہ ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قربانی کی بے حرمتی کرنے سے منع کیا ہے اسکی صورت یہ ہے کہ لوگ اس کے مال کو پکڑ لیں یا وہ اس میں اور اس مکان میں رکاوٹ بن جائیں جس طرف قربانی بھیجی جا رہی ہے۔ یہاں ہدی کا شعائر پر عطف کرنے کا مقصد (جب کہ وہ شعائر کے تحت داخل ہیں) اس کی مزید خصوصیت اور اس کی شان میں اضافہ کرتا ہے۔

'' ولا القلائد '' یہ قلادہ کی جمع ہے یہ وہ چیز ہے جو قربانی کے گلے میں ڈالی جاتی ہے جیسے جوتا وغیرہ اس کی بے حرمتی کا مطلب یہ ہے کہ وہ قلائد ان سے چھین لئے جائیں' ہدی کی بے حرمتی کرنے سے منع کرنے کے ذکر کے بعد اللہ نے قلائد کی بے حرمتی سے منع کرنے کا ذکر تاکید کے لیے کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قلائد سے مراد وہ جانور ہیں جن کے گلوں میں ہار ڈالے جائیں اس صورت میں قلائد ہدی پر مزید وضاحت کے لیے ہے۔ پہلی تحقیق ہی بہتر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ قلائد سے مراد وہ چیز ہے جو لوگ قربانیوں کے گلوں میں بطور امن ڈالتے ہیں اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا اور مراد ہوگا اصحاب قلائد۔

'' ولا آمین البیت الحرام ''۔ آمین کا معنی قصد کرنے والے یہ اممت کــذا سے لیا گیا ہے۔ (جس کا معنی ہے کہ) میں نے اس کا قصد کیا۔ اور اعمش کی قرأت میں اضافت سے '' آمی البیت الحرام '' ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ جو آدمی حج یا عمرہ کرنے آئے یا وہاں سکونت کرنا چاہے اس کو بیت اللہ کی زیارت سے منع نہ کرو۔

Marfat.com

بعض نے کہا ہے کہ اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین حج وعمرہ کرتے اور قربانیاں کرتے تھے اہل ایمان نے ارادہ کیا کہ ان پر حملہ کردیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: پھر یہ "اقتلوا المشركين حيث وجدتموهم" اور "فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا" اور جناب نبی کریم ﷺ کے فرمان: "لا يحجن بعد العام مشرك" سے منسوخ ہے۔

"يبتغون فضلا من ربهم ورضوانا"۔ یہ جملہ آمین کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وہ فضل، رزق اور تجارتی منافع تلاش کرتے ہیں اس کے ساتھ وہ اللہ پاک کی رضا کے بھی طالب ہیں بعض نے کہا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تجارت چاہتے تھے اور کچھ لوگ حج کے ذریعے اللہ کی رضا چاہتے تھے اور ان کا یہ تقاضا ان کے اپنے گمان اور عقیدہ کے مطابق تھا اور یہ تفسیر ان ائمہ کے نزدیک جو اس کو مشرکین کے بارے میں نازل شدہ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں فضل سے مراد ثواب ہے نہ کہ تجارتی منافع۔ "واذا حللتم فاصطادوا"۔ یہ "انتم حرم" کے جملہ کی وضاحت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جس سبب (احرام) سے شکار حرام کیا تھا اس کے زوال کے بعد اب ان کے لیے شکار کو حلال کردیا ہے۔

آیت نمبر 3:

﴿ولا يجرمنكم شنان قوم﴾ (۲) ہے۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ جرم، اجرم اور لا جرم کا معنی ہے لابد اور ضروری۔ اس کی اصلیت "جرم" بمعنی "کسب" ہے۔ (1) بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے تم کو نہ ابھارے۔ یہ امام کسائی اور ثعلب کا قول ہے اور وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے ایک محاورہ ہے: "جرمني كذا على بغضك اى حملني عليه"۔ (2)

---

(1) کسب بمعنی اس نے کمایا، حاصل کیا۔ (2) اس نے مجھے اس پر ابھارا۔

Marfat.com

ابوعبیدہ اور فراء کہتے ہیں کہ'' لا یجرمنکم '' کا معنی ہے'' لا یکسبنکم بغض قوم ان تعتدوا الحق الی الباطل فالعدل الی الجور ''۔❶ الجریمۃ اور الجارم کا معنی کمانے والا' معنی یہ ہوگا کہ:'' لا یحملنکم بعض قوم علی الاعتداء علیهم او لا یکسبنکم بغضهم اعتداء کم علی الحق الی الباطل ''۔❷ اور کہا جاتا ہے۔ جرم یجرم جرما جب وہ کاٹ دے۔ علی بن عیسیٰ رمانی نے کہا ہے کہ یہی اصل ہے۔ پس جرم بمعنی'' حمل علی الشی لقطعه من غیره وجرم بمعنی کسب لا نقطاعه ''۔❸ اور لا جرم کا معنی ہے حق اور یقین کیونکہ حق کے اوپر میں قطعی فیصلے ہوتے ہیں' خلیل نے کہا'' لا جرم ان لهم النار '' کا معنی ہے'' لقد حق ان لهم النار ''۔❹ کسائی نے کہا ہے کہ'' جرم '' اور'' اجرم '' دونوں کا ایک ہی معنی ہے اس نے کمایا' حاصل کیا۔ جناب ابن مسعود نے'' لا یجرمنکم '' کو (یاء کی پیش سے) پڑھا ہے اور معنی کیا ہے۔'' لا یکسبنکم ''

اہل بصرہ اجرم کے لفظ سے آشنا نہیں ہیں وہ صرف جرم ہی استعمال کرتے ہیں۔'' شنآن '' کا معنی ہے بغض وعداوت' اس کے نون پر زبر اور سکون دونوں طرح پڑھا گیا ہے یہ باب یوں ہے:'' شنیت الرجل اشنوه شنأ ومشنأ وشنانا ''۔ یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ کسی کو غصہ میں ڈال دیں۔'' شنأن '' کی اضافت مفعول کی طرف ہے معنی ہوگا:'' بغض قوم منکم لا بغض قوم لکم ''.

---

❶ تمہیں کسی قوم کی عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حق سے تجاوز کر کے باطل کو اختیار کرو اور عدل کو ترک کر کے ظلم کو پسند کرو۔ ❷ تمہیں کسی قوم کی عداوت ان پر زیادتی کرنے پر مت ابھارے یا تمہیں نہ ابھارے ان کا بغض وعداوت تمہارا زیادتی کرنا حق پر طرف باطل کی۔ ❸ جرم کا معنی ہے کسی چیز پر ابھارنا دوسرے کو کاٹنے کے لیے اور جرم بمعنی کسب یعنی کمانا بوجہ اس کے کٹ جانے کے۔ ❹'' لا جرم ان لهم النار '' کا معنی ہے ان پر آگ کا عذاب پختہ ہو چکا ہے۔

Marfat.com

"ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا "۔ان کا ہمزہ مفتوح ہے یہ مفعول لہ ہے جو علت کا معنی دیتا ہے۔ابو عمرو اور ابن کثیر نے ہمزہ کا کسرہ پڑھا ہے اور ان کو برائے شرط قرار دیا ہے۔ابو عبیدہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔اعمش نے "ان یصدوکم" پڑھا ہے۔ان شرطیہ کی صورت میں معنی یہ ہوگا اگر انہوں نے تمہیں منع کیا تھا تو ان کا بغض تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرتے ہوئے مسجد حرام سے ان کو منع کرو۔نحاس نے کہا ہے کہ بڑے بڑے علماء نحو حدیث اور اصحاب نظر کہتے ہیں" ان صدوکم "(بکسران) پڑھنا درست نہیں ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔

ان میں سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ آیت ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جب کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے موقع پر ۶ھ میں بیت اللہ جانے سے روک دیا تھا۔بیت اللہ سے روکنے کا واقعہ پر تو اس آیت کے نزول سے قبل کا ہے لہٰذا ان بالکسر پڑھنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس کا نزول بعد میں تسلیم کیا جائے جیسے آپ یہ مثال دیں:" لا تعط فلانا شیئاً ان قاتلک "۔[1] تو یہ مستقبل کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے اور اگر آپ ان بالفتح پڑھیں تو ماضی کا معنی دے گا۔یہ گفتگو بہت اچھی ہے۔ابو حاتم اور ابو عبید نے" شنئآن "کو نون کے سکون سے پڑھنے کا انکار کیا ہے کیونکہ اس قسم کے مصادر متحرک ہوتے ہیں۔

دیگر علماء نے اختلاف کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہ مصدر نہیں ہے بلکہ یہ اسم فاعل ہے جو کسلان اور غضبان کے وزن پر ہے۔میں کہتا ہوں کہ تو اس نہی میں غور کر جن لوگوں نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا تھا وہ حربی کافر تھے تو ان پر چھیڑ چھاڑ کرنا اور ان سے لڑنا کیوں ممنوع قرار دیا جا رہا ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ

---

[1] تو فلاں آدمی کو کوئی شیء نہ دے اگر وہ تجھ سے لڑائی کرے۔یہاں استقبال کا معنی پایا جا رہا ہے۔

Marfat.com

نہی منسوخ ہو گئی ہے۔

یا کہا جائے گا اس سے نہی بحیثیت عقد صلح کے جو حدیبیہ میں پیش آئی۔ اس کے لحاظ سے وہ مومنین مامونین ہو گئے۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا کہ جس نے اس نکتہ پر تنبیہ کی ہو۔" ولما نهاهم" جب رب تعالیٰ نے ان کو زیادتی کرنے سے منع کیا تو اب ان کو حکم دیا:" وتعاونوا على البر والتقوى": کہ تم میں سے بعض احباب بعض کی اس پر امداد کریں یہ کلام ہر اس کام پر صادق ہے جس پر نیکی وتقویٰ کا لفظ کسی انداز سے بھی بولا جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ نیکی وتقویٰ کا ایک ہی معنی ہے تاکید کے لیے تکرار کیا گیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ نیکی کا لفظ واجب[1] ومندوب[2] دونوں کو شامل ہے اور تقویٰ واجب (عمل) کے ساتھ خاص ہے۔ ماوردی نے کہا ہے کہ نیکی وہ ہے جس کے کرنے سے لوگ خوش ہوں اور تقویٰ وہ شی ہے جس سے رب تعالیٰ خوش ہوں جس نے دونوں خوبیوں کو اپنے اندر جمع کر لیا اس نے بہت بڑی سعادت کو حاصل کر لیا ہے۔ پھر فرمایا:" ولا تعاونوا على الاثم والعدوان اثم"، ہر وہ کام یا قول ہے جو اس کے کرنے والے اور اس کے کہنے والے کو گنہگار کر دے اس کو (عربی زبان میں) اثم کہا جاتا ہے ظلم کی حد تک لوگوں سے زیادتی کرنے کا نام عدوان ہے۔

---

[1] واجب وہ فعل ہوتا ہے جس کو شارع نے لازم قرار دیا ہے جس کے ترک کی مذمت جائز ہے اور کرنے والا ثواب کا حقدار ہے۔ واجب وفرض عندالمحدثین ایک ہی ہیں الاحناف عمل کے حق میں دونوں ایک ہی ہیں اور فرق صرف عقیدے کا ہے منکر فرض کا کافر اور واجب کا منکر فاسق ہوتا ہے۔

[2] مندوب کا معنی ہے جس کی دعوت دی جائے اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ یہ لزوم کے بغیر شارع اس کے کرنے کا مطالبہ کرے عمل کرنے والا ثواب کا حق دار ہوتا ہے تارک کے لیے نہ مذمت ہے اور نہ سزا ہے۔ (الوجیز)

Marfat.com

لہٰذا گناہ کی ہر نوع اور لوگوں پر ظلم وستم کی ہر قسم اس نہی میں داخل ہے کیونکہ الفاظ کی یہ دونوں نوع ہر اس کام پر صادق ہیں جن میں ان کا معنی پایا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تقویٰ کا حکم دیا اور جس نے اللہ پاک کے حکم کی مخالفت کی بایں طور کہ (کام کرنے کی بجائے) اس کو ترک کر دیا یا مخالفت کی بایں انداز کہ جس فعل سے منع کیا تھا اس کو شروع کر دیا۔

"واتقوا الله" کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس کو جو حکم کی خلاف ورزی کرے اور نہی کا ارتکاب کرے ڈانٹا ہے۔ "واتقوا الله ان الله شدید العقاب" امام احمد' عبد بن حمید اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں جناب وابصہ کے ذریعے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ کام نیکی ہے جس کو ادا کرنے سے دلی خوشی ہو اور انسانی ضمیر مطمئن ہو اور ہر وہ کام گناہ ہے جو دل اور سینے میں کھٹکے اور تردد پیدا کر دے گو تجھے لوگ اس کام کے کرنے کا فتویٰ بھی دیں۔ ابن ابی شیبہ' احمد' امام بخاری نے (اپنی کتاب الادب المفرد میں)' ترمذی' حاکم اور بیہقی نے نواس بن سمعان سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے نیکی و گناہ کے بارے میں تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا" کہ خوش اخلاقی نیکی ہے اور جو کام کرتے ہوئے آپ کو اپنے دل میں کھٹکے اور آپ یہ پسند نہ کریں کہ لوگ اس کام پر اطلاع پائیں تو وہ گناہ ہے"۔ امام احمد' عبد بن حمید' طبرانی' حاکم (اس نے اس کو صحیح بھی کہا ہے) اور بیہقی نے ابوامامہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے گناہ کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: کہ "جو کام آپ کے دل میں خلجان اور تردد پیدا کرے اس کو ترک کر دے" پھر میں نے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا کہ "جس کو برا کام پریشان کرے اور نیکی خوش کرے وہ مومن ہے"۔

آیت نمبر 4:

﴿حرمت علیکم﴾ (۳) ہے۔

Marfat.com

یہاں سے ان محرمات کی تفصیل کی ابتداء ہوتی ہے جن کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''الا ما یتلیٰ علیکم'' میں اشارہ کیا تھا۔ ''المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ''۔ اس آیت (کے پہلے حصہ) میں سورۂ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ یہاں مطلق خون کے حرام ہونے کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے وہاں خون سے وہ خون مراد لیا ہے جو جانور کو ذبح کرتے وقت زمین پر بہہ جاتا ہے (یہ قاعدہ ہے کہ) مطلق شئی مقید پر محمول ہوتی ہے حدیث میں میتة کی تخصیص منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: ''احل لنا المیتتان والدمان فاما المیتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالکبد والطحال'' اس حدیث کو امام شافعی، احمد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اس کی سند پر تنقید ہے اور ''ھو الطھور ماءہ والحل میتتة'' اس کی تقویت کرتی ہے۔

یہ حدیث امام احمد نے اور اصحاب سنن وغیرہ نے بھی ذکر کی ہے ایک جماعت نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔ ان میں ابن خزیمہ اور ابن حبان کے نام آتے ہیں۔ امام شوکانی نے منتقیٰ کی شرح میں اور دیگر ائمہ نے اور کتب میں اس پر خوب بحث کی ہے۔ ''والمنخنقة'' وہ جانور جو گلہ گھٹنے سے مر جائے۔ خنق کا معنی ہے سانس کا رک جانا خواہ یہ کام اس کے اپنے فعل سے ہو جیسے وہ اپنا سر رسی میں یا دو لکڑیوں میں داخل کرے یا کسی آدمی کے فعل سے یا کسی دوسری چیز سے ہو اور اہل جاہلیت بکری کا گلہ گھونٹتے تھے پھر جب وہ مر جاتی تو اس کو کھا لیا کرتے تھے۔

''والموقوذة'' یہ وہ جانور ہے جس کو پتھر یا لاٹھی ماری جائے اور ذبح کئے بغیر مر جائے۔ بولا جاتا ہے'' وقذہ یقذہ وقذاً فھو وقیذ'' اور وقذ کا معنی ہے سخت اور خوب مارنا۔ اہل جاہلیت ایسا کرتے تھے اپنے معبودوں کے لیے لکڑی کے ذریعے جانوروں کو مارا کرتے تھے جب وہ مر جاتے تو پھر ان کو کھا لیا کرتے تھے۔

Marfat.com

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ نئے اور پرانے زمانے کے علماء نے اختلاف کیا ہے کہ بندق‘ ❶ پتھر اور معراض سے کیا ہوا شکار (کیسا ہے؟) بندق سے مراد بندق کا قوس اور کمان ہے‘ معراض سے وہ تیر مراد ہے جس کا پر نہ ہو یا وہ لاٹھی جس کے سر پر لوہا لگا ہوا ہو انہوں نے کہا کہ جس آدمی کا خیال ہے کہ یہ وقیذ ہے اس نے اس کا کھانا حلال قرار نہیں دیا۔ الا یہ کہ وہ زندہ ہو اس کو آدمی ذبح کر لے (تو ٹھیک ہے) جیسا کہ ابن عمرؓ سے مروی ہے‘ امام مالک‘ ابوحنیفہ اور اس کے شاگرد ثوری اور شافعی کا بھی یہی خیال ہے۔

اہل شام نے اس بارے میں ان کی مخالفت کی ہے۔ جناب اوزاعی نے صید المعراض کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کو کھالے خواہ وہ (بڑا تیر) اس کو زخمی کرے یا نہ کرے۔ جناب ابوالدرداء‘ فضالہ بن عبید‘ عبداللہ بن عمر اور مکحول بھی اس کو کھانے میں گناہ نہیں سمجھتے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ ایسے ہی بیان کیا ہے جناب اوزاعی نے ابن عمر سے‘ ابن عمر سے وہی نظریہ مروی ہے جو امام مالک نے جناب نافع سے ذکر کیا ہے فرمایا اس باب میں اصل اور بنیاد وہ ہے جس پر اہل علم کا عمل ہے اور اس بارے میں حجت و دلیل عدی بن حاتم کی حدیث ہے۔ ”ما اصاب بعرضه فلا یاکل فانه وقیذ انتھیٰ“۔ ❷ میں کہتا ہوں کہ جناب عدی کی حدیث صحیحین وغیرہ میں موجود ہے۔

عدیؓ نے کہا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں شکار کو چوڑائی میں تیر مارتا ہوں پھر میں اس کو پالیتا ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب تو تیر مارے اور وہ شکار کو زخمی کر دے تو اس کو کھالے اور اگر وہ چوڑائی میں لگے (زخمی نہ کرے) بس وہ جانور موقوذہ ہے اس کو بالکل نہیں کھانا۔ آنحضرت ﷺ

---

❶ بندق کا معنی آج کی زبان میں بندوق ہی ہے پرانے زمانے میں اس کا معنی غلیل ہے جس میں پتھر رکھ کر کسی جانور کو مارا جاتا تھا۔ ❷ وہ شکار جس کو تیر چوڑائی میں لگے اس کو وہ نہ کھائے وہ موقوذہ ہے۔

Marfat.com

نے بھی زخمی ہونے اور نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے۔حق بات یہ ہے کہ وہ جانور حلال نہیں ہے الا یہ کہ وہ تیر اس کو پھاڑ دے نہ یہ کہ اس کو کوئی صدمہ پہنچے جب ایسی صورت ہوتو موت سے قبل اس کو ذبح کرنا ضروری ہے ورنہ تو وہ وقیذ ہے (لاٹھی سے مرنے والا جانور)

امام شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ آج کل جو بندوقیں ہمارے ہاں معروف ہیں یعنی وہ بندوقیں جن میں بارود اور گولیاں چلتی ہیں اہل علم نے ان کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی کیونکہ یہ ہمارے علاقہ یمن میں دسویں صدی میں آئی ہیں پھر مجھ سے اہل علم کی ایک جماعت نے ایسے شکار کے بارے میں پوچھا کہ جب وہ مر جائے اور صیاد اس کو زندہ پا کر ذبح بھی نہ کر سکا (کیا وہ حلال ہے؟ شوکانی نے جواب دیا کہ) دلائل سے جو بات میرے سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ حلال ہے کیونکہ وہ تیر جانور کو پھاڑ دیتا ہے اور عموماً ایک جانب سے داخل ہو کر دوسری جانب نکل جاتا ہے۔ سابق حدیث صحیح میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: جب تو بڑا تیر پھینکے پس وہ جانور کو پھاڑ دے تو اس کو کھالو''۔

شکار کو حلال کرنے میں آپؐ نے فرق کا اعتبار کیا ہے۔انتہیٰ' میں کہتا ہوں اس شکار کے جواز کی طرف پہلے ہی جناب علامہ محمد بن اسماعیل امیر (یمانی) نے اپنی کتاب سبل السلام شرح بلوغ المرام میں بحث کر دی ہے (انہوں نے کہا ہے کہ) میرا خیال ہے آج کل جو معروف بندوقیں ہیں جو گولی کو پھینکتی ہیں پس وہ گولی نکلتی ہے اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ بارود کی آگ نے اس کو پگھلا کر سرچو کی طرح کر دیا ہے تو اس نے اس کو اپنی نوک سے مار دیا ہے نہ کہ اس کو صدمہ دیا ہے پس ظاہر یہی ہے کہ بندوق کا مارا ہوا حلال ہے۔اھ

ان کے بیٹے سید عبداللہ نے اپنے باپ کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ میرے باپ (قدس اللہ تعالیٰ روحہ) کا وہم ہے کیونکہ گولی بالکل نہیں پگھلتی اس کو نار البارود

Marfat.com

نکالتی ہے تو وہ اس کو (شکار کو) صدمہ پہنچا دیتی ہے جو بھی ان بندوقوں کے عمل کو جانتا ہے وہ اس بات کو بڑی اچھی طرح سمجھتا ہے واللہ اعلم۔ میں کہتا ہوں کہ اولاً آگ گولی کو پھینکتی ہے پھر وہ شکار کو لگتی ہے پھر وہ گولی شکار کو پھاڑ دیتی ہے اس کی بنا پر وہ شکار مر جاتا ہے لہٰذا وہ حلال ہے جیسا کہ علامہ شوکانی نے استدلال کیا ہے واللہ اعلم۔

'' والمتردية '': یہ وہ جانور ہے جو اوپر سے نیچے گرے اور مر جائے چاہے وہ پہاڑ سے گرے یا کنوئیں سے یا کسی مدفن سے یا کسی اور جگہ سے۔ '' والتردی '' یہ ردی بمعنی ہلاکت سے لیا گیا ہے پھر اس جانور نے اپنے آپ کو خود ہی گرا لیا ہو یا اس کو کسی دوسرے نے گرا دیا ہو۔ '' والنطيحة '': یہ فعیلہ بمعنی مفعولہ ہے یہ وہ جانور ہے جس کو دوسرا جانور سینگ مارے اور وہ مر جائے ذبح کرنے کا موقع نہ مل سکے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فعیلہ بمعنی فاعلہ ہے کیونکہ دونوں جانور ایک دوسرے کو سینگ مارتے ہیں اور دونوں ہی مر جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے نطیحہ کہا ہے نطیح نہیں کہا حالانکہ قانونی طور پر نطیح ہی ہونا چاہیے تھا مگر حذف تاء کا لزوم وہاں ہوتا ہے جہاں موصوف مذکور ہو اور جب وہ مذکور نہیں تو یہ تاء علامت ہے کہ یہ لفظ وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہوا ہے اور ابو میسرہ نے المنطوحہ پڑھا ہے '' وما اكل السبع '' جس جانور کو چیرنے والے حیوان جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا اور بجو وغیرہ نے کھا لیا ہو۔

یہاں مراد یہ ہے کہ کسی جانور میں سے کچھ حصہ زائد کھا جائے یہ مطلب نہیں کہ وہ سارا ہی کھا جائے اور اس کا وجود ہی ختم ہو جائے۔ کچھ اہل عرب سبع کا معنی شیر ہی کرتے ہیں اہل عرب کی عادت تھی کہ جب درندہ بکری کو کھاتا تو لوگ اس کو اس سے چھڑا لیتے پھر اس کو وہ کھا لیا کرتے تھے اگرچہ وہ مر جاتی پھر بھی اسے ذبح نہ کرتے۔ '' الا ما ذكيتم '' جمہور ائمہ کے نزدیک یہ مستثنیٰ متصل ہونے کی بنا پر منصوب ہے اس عبارت کا تعلق تمام مذکورہ جانوروں سے ہے کہ ان کو اس حالت میں پا لیا گیا کہ ان میں زندگی کے آثار موجود تھے۔ (تو اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے)

Marfat.com

اہل مدینہ کا خیال ہے جب بھیڑیا اس کو ایسی حالت میں پہنچا دے کہ اس میں زندگی کے آثار نہ رہیں تو اس کو بالکل کھانا جائز نہیں ہے امام مالک کا مشہور قول یہی ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ (موطا امام مالک عن زید بن ثابت) اسماعیل قاضی بھی اس خیال کی طرف گئے ہیں اس صورت میں پھر یہ استثناء منقطع ہوگا عبارت اس طرح ہوگی: "حرمت علیکم هذه الاشیاء لکن ما ذکیتم فهو الذی یحل ولا یحرم" اول قول بہت بہتر ہے۔ "والذکاة" کا معنی کلام عرب میں ذبح کرنا ہے (قطرب وغیرہ) زکوٰۃ کا لغوی معنی ہے مکمل کرنا یعنی قوت کو مکمل کرنا، ذکاء کا معنی ہے حدة قلب اور تیز فہمی والذکاة: جس کے ذریعے آگ حلال ہو جائے۔ اسی معنی میں یہ محاورہ بھی ہے: "اذکیت الحرب والنار" (میں نے ان کو جلا دیا)۔ "ذکاء" سورج کا نام ہے یہاں مراد یہ ہوگا (وہ جانور تم کھا سکتے ہو) جس کو تم اچھی طرح ذبح کرلو اور پوری رگیں کاٹ دو۔

شریعت میں تذکیہ کا معنی ہے مذبوح کا خون بہا دینا اور اس کی رگیں کاٹ دینا۔ (یہ گردن کے جانبین میں ہوتی ہیں) اور جو جانور نحر ہوتے ہیں ان کو نحر کرنا ہی تذکیہ ہے) اور جس جانور پر قدرت نہ پائی جاسکے اس کو (جیسے ممکن ہو) کاٹ دیا جائے (اس کا نام عقر ہے) مگر شرط یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو۔ اور بلاشبہ وہ آلہ جس سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ ائمہ جمہور کا خیال ہے کہ یہ وہ ہوتا ہے جو خون بہا دے اور رگیں کاٹ دے دانت اور ہڈی سے ذبح جائز نہیں ہے اس بارے میں صحیح احادیث منقول ہیں۔

"وما ذبح علی النصب": ابن فارس نے کہا کہ نصب وہ پتھر ہے جس کو نصب کر کے اس کی پوجا کی جائے پھر اس پر ذبح شدہ جانور کا خون بہایا جائے اور نصائب وہ پتھر ہوتے ہیں جو کنوئیں کی منڈیر پر لگائے جائیں پھر تو پائے گا رکاوٹ، بعض نے کہا ہے کہ نصاب مفرد ہے اور نصب جمع ہے جیسے حمار مفرد ہے حمر جمع ہے۔ طلحہ

Marfat.com

نے اس کو نُصب (نون کے ضمہ اور صاد کے سکون سے) پڑھا ہے ابوعمرو نے نَصب (نون کے فتحہ اور صاد کے سکون سے) پڑھا ہے' حجدری نے نون اور صاد کے فتحہ سے پڑھا ہے اس نے اس کو ایک اسم سمجھا ہے جیسے جبل جمع اجبال اور جمل جمع اجمال اسی طرح جیسے نصب جمع انصاب ہے۔

مجاہد کا خیال ہے کہ یہ مکہ کے اردگرد رکھے ہوئے پتھر تھے۔ مشرکین ان پر قربانیاں کیا کرتے تھے۔ ابن جریج نے کہا ہے اہل عرب مکہ میں قربانیاں کیا کرتے تھے اور ان کا خون بیت اللہ کے اگلے حصے میں مل دیا کرتے تھے اور ان کے گوشت کے ٹکڑے کاٹا کرتے تھے پھر ان کو پتھروں پر رکھا کرتے تھے جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم زیادہ حقدار ہیں کہ بیت اللہ کی ان افعال کے ذریعے تعظیم کریں تو اللہ پاک نے یہ مذکورہ ارشاد نازل فرمایا: "وما ذبح علی النصب": مقصد یہ ہے کہ اس صورت میں بتوں کی تعظیم مقصود ہے کیونکہ ان پر ذبیحہ جائز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ علماء کا خیال ہے کہ یہاں علی بمعنی لام ہے معنی یہ ہوگا ان کے تقرب کے لیے جو ذبح کیا جائے۔ (قطرب)

اس تحقیق پر یہ "غیر ما اھل بہ لغیر اللہ" میں داخل ہے۔ اس کو بطور خاص ذکر کیا گیا ہے اس کی تحریم کی تاکید کی وجہ سے اور ان کے گمان کو دور کرنے کی وجہ سے کہ یہ بیت اللہ کی تعظیم کے لیے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہے اگرچہ اس کے پاس اس کا نام بھی نہ لیا جائے (اس لحاظ سے) یہ عبارت تکرار نہیں ہے کیونکہ وہاں مثلاً ذبح کے وقت بت کا نام لیا جاتا ہے فتامل۔ "وان تستقسموا" اس کا ماقبل پر عطف ہے۔

"ای وحرم علیکم الاستقسام بالازلام"[1]: ازلام زلم کی جمع ہے

---

[1] کہ تم جوئے کے تیروں سے قسمت آزمائی کرو' یہ بھی حرام ہے۔

Marfat.com

بمعنی جوئے کے تیر۔ اہل عرب کے ہاں ازلام کی تین قسمیں ہیں ایک وہ ہے کہ اس تیر پر لکھا ہوا ہے افعل بمعنی یہ کام کر' دوسرے پر لکھا ہے لاتفعل یہ کام نہ کر' تیسرا مہمل ہے اس پر کچھ بھی نہیں لکھا گیا تھا' پھر ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر رکھا جاتا تھا جب کوئی آدمی کوئی کام کرنا چاہتا تو اس تھیلے میں اپنا ہاتھ ڈالتا تو ان ملے جلے تیروں سے ایک تیر نکالتا اگر پہلا تیر نکل آتا تو وہ کام کرنے پر آمادہ ہو جاتا اور اگر دوسرا تیر نکلتا تو وہ کام ترک کر دیتا اور اگر تیسرا تیر نکلتا تو پھر وہ دوبارہ یہ عمل دہراتا یہاں تک کہ وہ تیر نکل آئے جس پر کام کرنے کا لکھا ہو یا ترک والا تیر نکل آئے۔

زجاج نے کہا ہے کہ یہ مذکورہ قول اور نجومیوں کا یہ قول کہ: فلاں ستارہ کے نکلنے سے تو گھر سے نہ نکلنا اور فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے تو یہ کام کے لیے گھر سے نکل' دونوں ایک ہی ہیں۔ اس فعل کو استقسام کہا جاتا ہے کیونکہ اس عمل کے ذریعے وہ رزق تقسیم کرتے تھے اور جو بھی کوئی کام کرنا چاہتے تھے اس کے ذریعے کرتے تھے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ استسقیٰ بمعنی پانی مانگا اسی طرح استقسام بمعنی حصہ اور قسم طلب کرنا' جوئے کے کل تیر دس تھے وہ ان کے ذریعے جوا کھیلتے تھے۔ اہل فارس اور اہل روم کے وہ تیر تھے جن کے ذریعے وہ جوا کھیلا کرتے تھے۔

اور کہا گیا ہے کہ ازلام یہ شطرنج ہے۔ جوئے کے تیروں کے ذریعے قسمت آزمائی کو حرام قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں غیب دانی کا دعویٰ ہے اور یہ کہانت کی ایک قسم ہے۔ " ذلکم فسق " یہ استقسام بالازلام کی طرف یا تمام مذکورہ محرمات کی طرف اشارہ ہے۔ فسق بمعنی خروج عن الحد ہے یہ بہت بڑی دھمکی ہے کیونکہ فسق بہت سخت کفر ہے وہ مراد نہیں جو ایک قوم کی اصطلاح ہے کہ یہ ایمان وکفر کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ قول باری تعالیٰ: " فمن اضطر " محرمات کے ذکر سے متصل ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے جو دو کلاموں کے درمیان تاکید کے لیے ہے کیونکہ ان خبائث کی تحریم دین کامل کا حصہ ہے معنی یہ ہوا کہ جس کو ضرورت محسوس ہو

Marfat.com

اس کی کہ وہ مردار یا دیگر محرمات کو کھائے۔''والخمص'' بمعنی پیٹ کا دبلا ہونا محاورہ ہے:'' رجل خمیص وخمصان، امرأة خمیصه وخمصانة ''اور اسی سے اخمص القدم لیا گیا ہے یہ جوع میں یعنی بھوک کے معنی میں زیادہ مستعمل ہے۔'' غیر متجانف لاثم ''جنف کا معنی ہے مائل ہونا اور اثم بمعنی حرام ہے یعنی اس حال میں کہ وہ مجبور ہو جائے بھوک کی وجہ سے گناہ کے ارتکاب کا مقصد نہ ہو یعنی وہ چاہنے والا نہ ہو اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو (تو یہ گناہ نہیں ہے)۔اور جو بھی حد سے مائل ہو جائے وہ متجانف وجنف ہے۔

''فان اللّٰہ غفور الرحیم ''اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کریں گے اس چیز کا کہ بھوک کی بنا پر وہ مجبور ہو مگر شرط یہ ہے کہ وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو کھا کر بایں صورت کہ دوسروں پر بغاوت کرنے والا ہو یا ضرورت سے زائد کا خواہش مند ہو۔

آیت نمبر 5:

﴿قل احل لکم الطیبات﴾(۴) ہے۔

طیبات وہ چیزیں ہیں کہ طبائع سلیمہ کے مالک ان کو کھاتے وقت لذیذ اور عمدہ سمجھیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ ہوں یا ان کی حرمت کی نص نہ وارد ہوئی ہو۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صرف حلال چیزیں ہیں' بعض نے کہا ہے مراد پاکیزہ ذبائح ہیں کیونکہ ذبح کرنے سے وہ طیبات ہوگئی ہیں یہ بغیر مخصص کے عام کی تخصیص ہے' سبب اور سیاق اس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

''وما علمتم من الجوارح ''تصحیح معنی کے لیے مضاف مقدر مان کر اس کا عطف طیبات پر مانا گیا ہے یعنی تمہارے لیے حلال ہے شکار ان کا جن کو تم نے تعلیم دی ہے یعنی چیر پھاڑ کرنے والے جانوروں کا۔قرطبی نے کہا ہے کہ جن ائمہ نے احکام القرآن کے نام سے کام کیا ہے ان میں سے بعض نے کہا ہے یہ آیت دلالت

Marfat.com

کرتی ہے اس امر پر کہ اباحت شامل ہے جوارح کو اور جوارح کا لفظ کتے اور چیر نے پھاڑنے والے سارے پرندوں کو شامل ہے اور یہ انتفاع کی تمام وجوہ کی اباحت کو واجب کرتا ہے تو اس نے کتے اور جوارح کی بیع کے جواز پر دلالت کی ہے اور منافع کی تمام وجوہ سے فائدہ اٹھانے کا جواز بنایا ہے۔ سوائے اس کے کہ جس کو کسی دلیل نے خاص کر دیا ہو وہ ہے ان جوارح کا کھانا یعنی شکاری کتے اور پھرنے والے پرندے (ان کا کھانا جائز نہیں ہے)

اس پر امت نے اتفاق کیا ہے کہ جب کتا کالا نہ ہو' مسلمان نے اس کو تعلیم بھی دی ہے اور خود اس نے اس شکار کو نہیں کھایا اور اس کو زخمی کیا ہے یا اس میں دانتوں کے نشان ہیں اور مسلمان نے ہی اس کو شکار کیا ہو اور اس کو چھوڑتے وقت اس میں اللہ کا نام بھی لیا تھا تو اس کا شکار صحیح ہے جو بلا اختلاف کھایا جائے گا اگر ان میں سے کوئی شرط بھی معدوم ہو جائے تو اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اگر کتے کے علاوہ چیتے وغیرہ سے شکار کیا جائے اور پرندوں میں سے باز اور شقرہ وغیرہ کے ذریعے تو جمہور امت کا خیال ہے کہ جس جانور کو تعلیم دی جائے وہ جارح اور کاسب ہے ایک محاورہ ہے جب کوئی آدمی کسی شی کو حاصل کرلے تو بولتے ہیں '' جرح فلان واجترح ''۔

'' ومنه الجارحة '' اسی سے جارحہ بمعنی کاسبہ ہے۔ اسی میں سے یہ قول باری تعالیٰ ہے: '' ویعلم ما جرحتم بالنهار '' اور یہ قول بھی ہے '' ام حسب الذین اجترحوا السیئات ''۔ '' مکلبین '' یہ حال ہے۔ اور مکلب کا معنی ہے کہ وہ آدمی جو کتوں کو شکار کرنے کی تعلیم دے معلم الکلاب کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کیونکہ عموماً شکار انہی کے ذریعے ہوتا ہے اگرچہ معلم الکلاب تمام جوارح کا بھی معلم ہوتا ہے۔ '' وما علمتهم من الجوارح '' کے بعد مکلبین کو کیوں بیان کیا ہے اس پر کیوں اکتفا نہیں کیا جب کہ پابندی تعلیم کی ہے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ضروری چیزوں کی تعلیم کی تاکید کی خاطر ایسا کیا ہے۔ نیز کہا گیا ہے سبع (درندہ) کو بھی کتا

Marfat.com

کہا جاتا ہے تو اس میں ہر وہ درندہ شامل ہے جس کے ذریعے شکار کیا جائے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت کتوں کے ساتھ خاص ہے۔ جناب ابن المنذر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ باز وغیرہ پرندوں کے ذریعے جو شکار کیا جاتا ہے جب آپ اس کے ذبح کو پالیں تو وہ حلال ہے (اگر تو نے اس کو ذبح کر لیا ہے) ورنہ تو آپ اس کو کھا نہیں سکتے۔

ابن منذر نے کہا کہ ابو جعفر سے باز کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کا شکار حلال ہے؟ انہوں نے کہا نہیں الا یہ کہ آپ اس کو زندہ پا کر ذبح کر الیں۔

ضحاک اور سدی نے کہا ہے کہ: '' وما علمتم من الجوارح مکلبین '' سے خاص کتے ہی مراد ہیں اگر کتا بہت زیادہ کالا ہو تو حسن' قتادہ اور نخعی اس کے شکار کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

امام احمدؒ نے فرمایا میں نہیں کسی کو جانتا کہ اس نے اس میں رخصت دی ہو (اس شکار کے بارے میں جس کو شکار کرنے والا) کالا کتا ہو۔

ابن راھویہ ❶ نے کہا ہے مدینہ طیبہ اور کوفہ کے تمام علماء نے تعلیم یافتہ کتے کے شکار کو جائز سمجھا ہے اور کالے کتے کے شکار کو منع کرنے والے نے آنحضرت ﷺ کی حدیث: '' الکلب الاسود شیطان '' سے استدلال کیا ہے۔ (مسلم وغیرہ)

حق مذہب یہ ہے کہ جوارح کا لفظ عام ہے اس کے تحت جو بھی جانور آئے گا اس کا شکار حلال ہے جیسے کتا وغیرہ اسی طرح کالا کتا ہے یا کوئی دوسرا یا پھر کوئی پرندہ ہو ان میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ اس آیت کا سبب نزول (جو عدی بن حاتم نے باز کے شکار کے بارے میں سوال کیا تھا) بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

---

❶ ابن راھویہ: اس کو '' اھل عربیت راھویہ '' پڑھتے ہیں جب کہ محدثین راھویہ پڑھتے آرہے ہیں۔ '' ھذا من قواعد بعض مشائخ ''

Marfat.com

"تعلمونهن" "تم ان کو ادب سکھاتے ہو۔ یہ جملہ حالیہ ہے۔" مما علمکم اللہ "یعنی اس چیز کی وجہ سے جس کو تم نے پالیا بوجہ اس کے کہ اس کو تم میں پیدا کیا ہے یعنی عقل جس کے ذریعے تم ان کو تعلیم وتدریب دینے کی رہنمائی پاتے ہو یہاں تک کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ شکار کو تمہارے لیے روک لیں جب تم ان کو شکار کے لیے چھوڑو۔" فکلوا "یہ فاء تفریعیہ ہے۔ اس کا تعلق ماقبل سے ہے یعنی جن جوارح کو انہوں نے سکھایا ہے ان کا شکار حلال ہے۔" مما امسکن علیکم "میں من برائے تبعیض ہے کیونکہ سارا شکار تو نہیں کھایا جاتا مثلاً چمڑا اور ہڈیاں نہیں کھائی جاتیں اور وہ جانور جس کو کتے وغیرہ نے کھالیا ہو۔ اس جملے میں اس بات کی دلیل ہے کہ ضروری ہے کہ وہ اس کو اپنے مالک کے لیے روک کر رکھے۔

پس اگر اس نے اس سے کچھ کھالیا تو اس نے اس کو اپنے لیے شکار کیا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ وہ شکار حلال ہے جس کو کتے نے اپنے طور پر کیا ہو۔ عطاء بن ابی رباح اور اوزاعی نے کہا ہے (یہی مروی ہے سلمان فارسی' سعد بن ابی وقاص' ابو ہریرہ' عبداللہ بن عمر' علی' ابن عباس' حسن بصری' زہری' ربیعہ' مالک سے اور شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ وہ شکار کھایا جائے گا اس مسلک کی تردید یہ قول باری تعالیٰ کرتا ہے:" مما امسکن علیکم "اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی جو آپ نے عدی بن حاتم سے فرمایا تھا:" اذا ارسلت کلبک المعلم وذکرت اسم اللہ علیہ فکل ما امسک علیک".

(بخاری ومسلم وغیرہ)

جب تو اپنا تعلیم یافتہ کتا شکار کے لیے بھیجے اور اس پر تو نے اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا ہو تو وہ جو پکڑ کر لائے اس کو کھالے' ایک روایت میں ہے اگر وہ خود کھالے تو تو اس کو نہ کھا میں ڈرتا ہوں کہ ہوسکتا ہے اس نے اپنے لیے شکار کیا ہو'۔ اور سنن ابی داؤد میں جید سند کے ساتھ ابو ثعلبہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب تو

Marfat.com

اپنے تعلیم والے کتے کو اللہ کا نام لے کر بھیجے تو اس کو کھا لے اگر چہ اس نے اس سے کھا لیا ہو اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے جید سند کے ساتھ بھی سنن ابی داؤد میں آیا ہے سنن النسائی میں بھی ہے۔ (ان دونوں قسم کی احادیث میں بظاہر تعارض ہے) تو بعض شوافع نے ان احادیث میں تطبیق دی ہے کہ اگر پکڑنے کے بعد اس نے فوراً اس کو کھا لیا تو پھر اس کا کھانا حرام ہے۔

جیسا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور اگر اس نے اس کو پکڑنے کے بعد مالک کا کافی لمبا انتظار کیا پھر اس کو بھوک محسوس ہوئی تو اس کی وجہ سے اس نے اس کو کھا لیا (اس وجہ سے نہیں کھایا کہ اس نے اس کو اپنے لیے روک رکھا ہوا ہے) تو یہ چیز اس بارے میں کوئی اثر انداز نہیں ہوگی تو وہ شکار حرام نہ ہوگا اور یہ بڑی خوبصورت تطبیق ہے۔ اور دیگر لوگوں نے کہا ہے عدی کی حدیث کی بنا پر اس کا کھانا حرام ہے اور اگر کسی دوسرے نے کھا لیا تو دیگر دو احادیث کی بنا پر وہ حرام نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابن ثعلبہ کی حدیث کا یہ معنی ہے کہ جب وہ اس کو پکڑے اور اس کو الگ لے جائے اور پھر لوٹے اور اس کو کھا لے اس موقع پر کئی اہل علم نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا ہے انہوں نے ان میں تطبیق دینے کا طریقہ پسند نہیں کیا کیونکہ وہ بعد سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہے عدی بن حاتم کی حدیث چونکہ بخاری و مسلم میں ہے تو وہ بہت ہی قابل ترجیح ہے۔

علامہ شوکانی نے اس حدیث کا منتقیٰ کی شرح (نیل الاوطار) میں مدلل بیان کیا ہے جو دیکھنے والے کے لیے بصیرت کے اضافہ کا سبب ہے۔ " واذکروا اسم اللہ علیہ " یہ علیہ کی طرف راجع ہے یعنی جب تم اس کو ذبح کرنا چاہو تو اس پر اللہ پاک کا نام لو۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اور بخاری و مسلم وغیرہ میں عدی بن حاتم کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ وہ یہ ہے: " اذا ارسلت کلبک الخ "

Marfat.com

جب تو اپنے کتے کو بھیجے اس پر اللہ کا نام لے اور جب تو اپنا تیر پھینکے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام لے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس تسمیہ سے مراد کھانا کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا ہے۔

قرطبی فرماتے ہیں یہ بات بہت واضح ہے اور ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن میں تسمیہ کا ارشاد مذکور ہے (فرماتے ہیں) یہ تحقیق صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تسمیہ کی تعیین کی کہ کتا چھوڑتے وقت اور تیر پھینکتے وقت۔ اور کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہنا دوسرا حکم ہے اس مسئلہ کے علاوہ دوسرا مسئلہ ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ کتاب وسنت میں اس بارے میں منقول مسئلہ کو کھانے کے شروع کرنے پر لگا دیا جائے۔ اس معنی پر محمول کرنے کا کوئی سبب بھی نہیں ہے۔

عدی کی حدیث جو بخاری ومسلم میں ہے اس میں ہے: ''ان ارسلت الخ'' اگر تو اپنا کتا چھوڑے اور اس پر اللہ کا نام لے تو وہ اس کو پکڑے پس اس کو تو کھالے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تسمیہ شرط ہے بعض نے کہا کہ صرف سنت ہے ایک جماعت کا خیال ہے کہ جس کو تسمیہ یاد ہو اس کے لیے شرط ہے جو بھول جائے اس کے لیے نہیں تمام اقوال سے یہ قوی تر اور راجح تر ہے۔

آیت نمبر 6:

﴿ الیوم .... ﴾ (۵) ہے۔

اس یوم اور اس سے قبل دو مرتبہ (یہ لفظ آیا ہے) ان سے مراد ایک وقت ہے تاکید کے لیے تکرار کیا ہے۔ پھر اس وقت میں مختلف واقعات کے وقوع نے تکرار میں حسن پیدا کر دیا ہے ابوالسعود نے بھی ایسے ہی کہا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ ذکر یوم سے اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کے وقت کی طرف جیسے آپ کہیں: ''ھذہ ایام فلان ''۔'' احل لکم الطیبات '': یہ جملہ پہلے جملہ'' احل لکم الطیبات '' کی تاکید ہے اور طیبات کا بیان گزر چکا ہے۔''

Marfat.com

وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم ‘‘۔جو چیز کھائی جائے اس کا نام طعام ہے۔ذبائح بھی اسی حکم میں ہیں۔اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ یہاں اس لفظ سے ذبائح ہی مراد ہیں اس آیت نے بتایا کہ اہل کتاب کے جمیع طعام (بلا تفریق گوشت وغیرہ کے) اہل اسلام کے لیے حلال ہیں اگر چہ وہ اپنے ذبائح پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی نہ لیں۔ پھر ہوگی یہ آیت ایک دوسری آیت:’’ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ‘‘ کے عام کو خاص کرنے والی۔اور اس کا ظاہر ہے کہ اہل کتاب کے ذبائح حلال ہیں گو یہودی اپنے ذبیحہ پر عزیر کا نام لے اور نصرانی اپنے ذبیحہ پر جناب عیسیٰ کا نام ہی لے۔

ابوداؤد‘ عبادہ بن صامت‘ ابن عباس‘ زہری‘ ربیعہ‘ شعبی اور مکحول کا یہی خیال ہے جناب علی‘ ام المومنین عائشہ اور جناب ابن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا ہے کہ جب تو سنے کہ کتابی (یہودی وعیسائی) ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لیتا ہے تو اس کو مت کھا نا یہی قول جناب طاؤس اور حسن کا ہے اور انہوں نے قول باری تعالیٰ:’’ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ‘‘اور قول باری تعالیٰ:’’ وما اہل بہ لغیر اللہ ‘‘ سے استدلال کیا ہے۔امام مالک نے کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب ہمیں پتہ ہو کہ اہل کتاب (یہودی وعیسائی) نے اپنے ذبیحوں پر غیر اللہ کا نام پکارا ہے اور جب ہمیں علم ہی نہ ہو تو۔

طبری اور ابن کثیر نے اس پر اجماع نقل کیا کہ اس آیت کی وجہ سے وہ حلال ہے۔اور اس وجہ سے بھی حلال ہے کہ سنت سے ثابت ہے کہ ایک یہودی عورت نے آپ کے پاس بھنی ہوئی ایک بکری بھیجی تھی جس کو آنحضرت ﷺ نے بھی کھا لیا تھا اسی طرح (یہ بھی دلیل ہے کہ) چربی کا وہ تھیلہ جو بعض صحابہؓ نے خیبر کے موقع پر لیا تھا آنحضرت ﷺ کو بھی اس امر کا پتہ تھا یہ دونوں (روایات) صحیح وغیرہ میں موجود ہیں۔ یہاں اہل کتاب سے مراد یہودی ونصرانی ہیں باقی رہے مجوسی لوگ تو جمہور علماء کا خیال

Marfat.com

ہے کہ ان کے ذبائح نہیں کھائے جائیں گے نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے کیونکہ بنا پر مشہور قول اہل علم کے نزدیک وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ اس بارے میں ابوثور نے مخالفت کی ہے اور عام فقہاء نے اس کا انکار کیا ہے حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ ابوثور اس مسئلہ میں اسم با مسمی ہے گویا اس نے ایک مرسل حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجوسیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ:

"سنوا بهم سنة اهل الكتاب"۔

یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں اور فرض کریں کہ اس کا اصل ہے پھر بھی اس میں کچھ اضافہ ہے جو اس کی مذکورہ بات کی تردید کرتا ہے وہ الفاظ ہیں: "غير اكلي ذبائحهم ولا ناكحي نسائهم" اس زیادتی کو نقل کرنے والی مفسرین اور فقہاء کی ایک جماعت ہے جن کو فن حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل اور زیادتی دونوں بالکل ثابت نہیں ہے بلکہ جو الفاظ صحیح موجود ہیں وہ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا' بنو تغلب کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ان کے ذبائح نہ کھائے جائیں کیونکہ وہ عرب ہیں وہ کہتے ہیں انہوں نے نصاریٰ سے صرف شراب نوشی کی عادت اخذ کی ہے ایسے ہی باقی عربوں میں سے عیسائی بننے والے گروہوں کا حال ہے جیسے تنوخ' جذام' لخم' عاملہ اور ان جیسے دیگر قبائل ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہی قول کئی ائمہ سلف وخلف کا ہے۔ سعید بن مسیّب اور حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ نصاری بنو تغلب کے ذبیحہ کو جائز مانتے تھے' قال القرطبی: قرطبی فرماتے ہیں کہ جمہور ائمہ کہتے ہیں کہ ہر نصرانی کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ بنی تغلب کا فرد ہو یا کسی دوسرے قبیلے کا۔ یہی حال یہود کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس بارے میں علماء کا اتفاق ہے ذبیحہ کے علاوہ ان کا عام پکا ہوا کھانا بالکل جائز ہے۔" وطعامكم حل لهم "مسلمانوں کا طعام اہل کتاب کے لیے حلال ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اہل کتاب کے

Marfat.com

ذبائح کھالیں اور یہ مکافاۃ ومجازاۃ سے ہے۔اور مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ جو وہ کھانے کا عوض لیتے ہیں وہ بطور دلالت التزامیہ ان کے لیے حلال ہے۔

''والمحصنات'' یہ مبتداء ہے اس لفظ کی تفسیر میں یہاں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں بعض نے کہا کہ آزاد عورتیں ہیں۔شعبی اور کسائی نے صاد کا کسرہ پڑھا ہے۔سورۂ بقرہ اور نساء میں اس پر مکمل بحث گزر چکی ہے اور قول باری تعالیٰ:''من المؤمنات''اس کی صفت ہے اور خبر محذوف ہے۔عبارت یہ ہوگی:''والمحصنات من المومنات حل لکم'' اور اس عبارت کا ذکر آئندہ آنے والے قول باری تعالیٰ:''والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم''کے لیے ایک تمہید ہے اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں لونڈیاں نہیں ہیں۔جمہور علماء نے یہی کہا ہے۔

ابن جریج نے علماء سلف کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عام ہے کتابیہ آزاد اور لونڈی دونوں کو شامل ہے۔اور کہا گیا ہے اہل کتاب سے اسرائیلیات مراد ہیں یہی امام شافعی کا خیال ہے۔(یاد رکھنا کہ) یہ ترجیح بلا مرجح اور تخصیص بلا مخصص ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ نصرانی عورت حلال نہیں ہے۔انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑا کوئی شرک ہے کہ وہ کہے کہ اس کا رب عیسیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یومن'' الآیۃ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس آیت نے عام مشرکات سے کتابیات کو خاص کر لیا ہے تو عام کی بنیاد خاص رکھی گئی ہے۔

جس آدمی نے کتابی لونڈیوں سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اس نے اسی سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس نے اس کو حرام (آزاد عورتوں) پر محمول کیا ہے اور اس قول باری تعالیٰ:''فما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات''سے بھی استدلال کیا ہے۔کئی اہل علم بھی اس طرف گئے ہیں ان کی مخالفت کی اس آدمی نے

Marfat.com

جس نے کہا ہے کہ آیت عام ہے یا وہ عفاف (پاکدامن عورتوں) کو خاص کرتی ہے۔ ''کما تقدم''۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تمام اقوال کی روشنی میں اس آیت کے تحت پاکدامن آزاد کتابیات داخل ہیں صرف ابن عمرؓ نے اختلاف کیا ہے۔ اسی کے تحت داخل ہے وہ آزاد عورت جو پاکدامن نہ ہو اور پاکدامن لونڈی بھی اس آدمی کی تحقیق کے مطابق جو کہتا ہے لفظ مشرک اپنے دونوں معنوں میں استعمال ہوسکتا ہے اور جو آدمی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے بس اگر وہ یہاں ''مومنات'' کو حرائر (آزاد عورتوں) پر محمول کرے تو وہ لونڈی کے نکاح کے جواز کا قائل نہ ہوگا خواہ لونڈی پاکدامن ہو یا پاکدامن نہ ہو (ہاں اس کے لیے) کوئی دوسری دلیل ہوگی اور وہ کہے گا نکاح حرہ جائز ہے خواہ عفیفہ ہو یا غیر عفیفہ اور اگر وہ یہاں محصنات کو عفائف (پاکدامن عورتوں) پر حمل کرے تو وہ کہے گا کہ حرہ عفیفہ اور عفیفہ لونڈی کا نکاح جائز ہے۔ غیر عفیفہ کا ان دونوں میں سے جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ کتابی لونڈی کا نکاح جائز ہے (انہوں نے اس بات کو) اس قول باری تعالیٰ: ''اذا آتیتموھن اجورھن ای مھورھن'' کے عموم سے استدلال کیا ہے اور اذا کا جواب محذوف ہے (اور وہ یہ ہے کہ) وہ حلال ہیں یا المحصنات کی خبر مقدر حل لکم کے لیے ظرف ہے۔ ''محصنین'' یہ حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔ ''ای حال کونکم أعفاء بالنکاح'' اسی طرح ''غیر مسافحین'' بھی حالیت کی بنا پر منصوب ہے اس کا ''ذوالحال محصنین'' کی ضمیر ہے یا یہ محصنین کی صفت ہے معنی یہ ہوا کہ وہ علی الاعلان زنا کرنے والے نہ ہوں۔ ''ولا متخذی اخدان'' اس کا عطف غیر مسافحین پر ہے یا مسافحین پر ہے لا تاکید کے لیے زائد ہے۔ اور خدن کا معنی ہے پوشیدہ دوست اس کا اطلاق مذکر و مونث دونوں پر ہوتا ہے (معنی یہ ہوا کہ) تم معشوقات نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں پر عفت و پاکدامنی، علی الاعلان زنا نہ کرنے اور پوشیدہ دوست نہ بنانے کی شرط لگائی ہے جس

Marfat.com

طرح عورتوں کے بارے میں پاکدامن ہونے کی شرط عائد کی ہے۔

آیت نمبر 7:

﴿ یاایھاالذین آمنوا اذ قمتم الی الصلوٰۃ ﴾(٦) ہے۔

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ''۔

یعنی کھڑے ہونے کا ارادہ کرو' یہاں مسبب کو سبب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے:'' واذا قرأت القرآن فاستعذبالله ''میں ہے۔ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب آدمی نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہو (تو وضوء کا حکم ہے؟) تو ایک گروہ کا خیال ہے یہ (وضوء کرنے کا) ہر نماز کے لیے حکم ہے خواہ وہ نمازی (پہلے سے) باوضو ہو یا بے وضو ہو تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ وضوء کرے جناب علی اور جناب عکرمہ کا یہی خیال ہے۔ جناب داؤد ظاہری کا نظریہ ہے کہ وضوء واجب ہے۔ امام ابن سیرین کہتے ہیں خلفاء ہر نماز کے لیے وضوء کیا کرتے تھے۔

ایک طائفہ کہتا ہے کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص ہے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ خطاب وحکم مومنوں کو ہے۔ ایک طبقہ اس کا قائل ہے کہ یہ امر برائے ندب ہے فضیلت حاصل کرنا مقصود ہے۔ دیگر ائمہ کہتے ہیں ہر نماز کے لیے اس آیت سے ان پر وضوء کرنا فرض تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ ایک جماعت کہتی ہے یہ حکم بے وضوء کے لیے خاص ہے دیگر ائمہ کا خیال ہے کہ جب نیند سے تم اٹھو (تو وضوء کرو) نیند سے اٹھنے والے ہر آدمی کو یہ خطاب ہے' صحیح مسلم' مسند احمد اور سنن اربعہ میں جناب بریدہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے لیے وضوء کرتے تھے فتح مکہ کے دن آپؐ نے وضوء کیا' اپنے موزوں پر مسح کیا اور ایک وضوء سے کئی نمازیں ادا کیں تو جناب عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے (آج) وہ کام کیا ہے جو آپ نے پہلے نہیں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

Marfat.com

کہ میں نے یہ کام عمداً کیا ہے۔ یہ حدیث کئی اسانید سے مروی ہے الفاظ میں کچھ اختلاف ہے مگر معنی ایک ہی ہے۔ امام بخاری' امام احمد اور اصحاب السنن نے عمرو بن عامر انصاری سے نقل کیا ہے کہ میں نے انس بن مالک سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے وقت وضوء کیا کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ایک وضوء سے کئی نمازیں ادا کرتے تھے جب تک ہم بے وضوء نہ ہوتے۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ وضوء صرف بے وضوء آدمی پر فرض ہے۔ یہی جمہور علماء کا خیال ہے اور حق بھی یہی ہے۔

''فاغسلوا وجوھکم ''وجہ (بمعنی چہرہ) مواجھۃ سے ماخوذ ہے۔ وہ کئی اعضاء پر مشتمل ہے اس کا طول وعرض ہوتا ہے لمبائی میں اس کی ابتداء سطح پیشانی سے جبڑوں کے اختتام تک اور چوڑائی میں ایک طرف کے کان سے دوسری طرف کے کان تک ہے۔ داڑھی کا خلال کرنے کی دلیل بھی حدیث میں آئی ہے۔ داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کو دھونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں بڑی تفصیلی گفتگو اپنی اپنی جگہ ہو چکی ہے۔ اہل علم کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ اعضاء دھونے میں ہاتھ سے ملنا بہتر ہے یا اوپر سے پانی بہانا ہی کافی ہے؟ اس بارے میں بھی اختلاف معروف ومشہور ہے۔ یہاں معتبر لغت عربی ہے۔ اگر لغت میں ثابت ہو جائے کہ ملنا غسل کے معنی میں داخل ہے تو یہ معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔ شمس العلوم میں کہا ہے کہ'' غسل الشی غسلاً ''اس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی اس پر پانی جاری کرے اور اس کو ملے۔ اھ

کلی اور استنشاق (کے بارے میں یہ ہے کہ) جب لفظ ''وجہ'' منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کو شامل نہیں ہے تو سنت صحیحہ سے ان کا دھونا ثابت ہے وجوب وعدم وجوب کا اختلاف معروف ہے۔ قاضی شوکانی نے اپنی تالیفات: مختصر' اس کی شرح اور نیل الاوطار میں حق بات کی وضاحت کر دی ہے۔'' وایدیکم الی

Marfat.com

المرافق ''کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ۔ الی کا مابعد ماقبل میں داخل ہے (یا نہیں) اس میں اختلاف ہے۔ سیبویہ اور ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اگر مابعد اور ماقبل کی نوع ایک ہے تو مابعد ماقبل میں داخل ہے ورنہ نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں الی بمعنی ''مع'' ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ علی الاطلاق غایت کا فائدہ دیتا ہے رہا دخول وعدم دخول تو یہ دلیل کے ساتھ معلق ہے جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ کہنیاں دھوئی جائیں گی اور انہوں نے قاسم بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عقیل عن جدہ عن جابر بن عبداللہ کے طریق سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب وضوء کرتے تو اپنی کہنیوں پر پانی گھماتے (بہاتے) (سنن الدارقطنی، سنن البیہقی) مگر قاسم متروک راوی ہے اور اس کا دادا ضعیف وکمزور راوی ہے۔

''وامسحوا برؤوسکم'' یہاں باء زائدہ ہے عبارت یہ ہوگی: ''امسحوا رؤوسکم'' اس عبارت کا تقاضا ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا ضروری ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ باء برائے تبعیض ہے اس کا تقاضا ہے کہ بعض سر کا مسح کافی ہے اس بات پر انہوں نے ایک دوسری آیت سے استدلال کیا ہے جو تیمّم کے بارے میں آئی ہے وہ قول باری تعالیٰ یہ ہے: ''فامسحوا بوجوھکم'' اس آیت میں بالاتفاق بعض چہرے کا مسح کافی نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ باء الصاق کے لیے ہے یعنی اپنے ہاتھوں کو اپنے سروں سے ملا دو۔ اور ہر صورت میں سنت مطہرہ میں ایسے دلائل ہیں جو سر کے بعض حصے پر مسح کے لیے کافی ہیں جیسا کہ شوکانی صاحب نے اپنی تالیفات میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ پس یہ دلیل ہے مطلوب پر اس میں احتمال نہیں جو دوسری آیت میں ہے (اس بنا پر کہ اس میں احتمال مانا جائے)

بلاشبہ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ میرے سر کو ہاتھ لگاؤ وہ اطاعت کرنے والا ہوگا وہ کام کر کے جس پر مسح کا نام صادق ہے اور لغت عرب میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو تقاضا کرے کہ اس فعل میں ضروری ہے کہ سارے سر کا مسح ہو۔ ایسے ہی

Marfat.com

سارے افعال متعدیہ کا حکم ہے جیسے'' اضرب زیدا ''اور''اطعن زیداً'' ہے۔کسی ایک عضو پر ضرب واقع ہونے سے یا کسی ایک عضو پر زخم آنے سے وہ عربی معنی پورا ہو جائے گا اور کوئی لغت دان اور (تھوڑی بہت) عربی جاننے والا ہرگز یہ نہ کہے گا کہ ضارب آدمی تب بنتا ہے جب زید کے ہر ہر جزء پر ضرب لگائے یا اس کے ہر ہر عضو پر زخم لگائے۔ دیگر افعال کا بھی یہی حکم ہے اس کو خوب اچھی طرح پہچان لو تو مسح راس کے بارے میں جو اقوال ہیں آپ کے سامنے صحیح بات کھل کر آ جائے گی۔

اگر آپ اعتراض کریں یہ امر تو چہرے' دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے بارے میں بھی لازم آئے گا؟ میں جواباً عرض کروں گا کہ یہ اعتراض اس وقت لازم آتا ہے جب سنت میں چہرے کے بیان اور یدین ورجلین کی تحدید غائت کے ذریعے نہ ہوتی (یہاں چونکہ دونوں امر ثابت ہیں لہذا یہ اعتراض لازم نہیں آتا) بخلاف سر کے مسح کے کہ سنت سے سارے سر کا بھی ثابت ہے بعض حصہ کا بھی۔'' وارجلکم '' نافع نے ارجل کو منصوب پڑھا ہے حسن بصری اور اعمش کی یہی قرأت ہے۔ ابن کثیر' ابوعمرو اور حمزہ نے مجرور پڑھا ہے۔ نصب کی قرأت کا تقاضا ہے کہ پاؤں کا دھونا واجب وفرض ہے اس کا عطف'' وجوھکم وایدیکم '' پر ہے یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔'' مغسولات '' کے درمیان ممسوح کا ذکر بتا رہا ہے کہ اعضاء وضوء میں ترتیب واجب ہے امام شافعی کا یہی خیال ہے اور جر کی قرأت دلالت کرتی ہے کہ پاؤں کے مسح پر اکتفاء بھی جائز ہے کیونکہ اس کا عطف روؤسکم پر ہے۔

ابن جریر طبری کا یہی خیال ہے جناب ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔ داؤد ظاہری نے کہا ہے کہ دونوں قرأتوں پر عمل کرتے ہوئے دونوں حکموں کے درمیان جمع کرنا واجب ہے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ ساری امت کا اتفاق ہے کہ دونوں کو دھونا واجب ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی نے فقہاء مسلمین میں سے اس کی تردید نہیں کی سوائے طبری کے اور دوسرے لوگوں میں روافض کے سواء۔ طبری نے قرأت جری کو

Marfat.com

سامنے رکھا ہے۔ مفسر قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: وضوء دو چیزیں دھونے کی اور دو چیزیں مسح کرنے کی ہیں۔ اس نے کہا جناب عکرمہ پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ پاؤں کے دھونے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ ان کے بارے میں مسح کا حکم نازل ہوا ہے اور عامر شعبی نے کہا ہے کہ جبریل مسح کا حکم لے کر آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ قتادہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا دھونا اور دو کا مسح فرض کیا ہے اور کہا کہ ابن جریر طبری اس طرف گئے ہیں کہ دھونے اور مسح کرنے میں (کسی ایک کو) اختیار کرنا فرض ہے۔ اس نے دونوں قراُتوں کو دو روایات کا درجہ دیا ہے۔

نحاس نے اس کو قوی قرار دیا ہے لیکن احادیث صحیحہ کے ذریعے سنت مطہرہ میں آپ کا فعل موجود ہے اور آپ کا حکم بھی ہے کہ صرف پاؤں کو دھویا جائے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ''جو ایڑیاں دھوئی نہ جائیں گی وہ آگ میں جلیں گی''۔ یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں ہے۔ اس حدیث کی واضح دلالت ہے کہ پاؤں دھونا واجب ہیں اور ان کا مسح کافی نہیں ہے کیونکہ مسح کا معنی ہے جہاں ہاتھ لگ گیا لگ گیا اور جو حصہ رہ گیا رہ گیا۔ اگر مسح کافی ہوتا تو آنحضرت ﷺ یہ نہ فرماتے: ''ویل للاعقاب من النار'' اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وضوء کیا اور پاؤں دھوئے (اور فرمایا) یہ وضوء ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک آدمی نے وضوء کیا اور ناخن کے برابر جگہ اپنے قدم سے خشک چھوڑ دی تو آپ نے فرمایا: واپس جا اچھی طرح وضوء کر۔

موزوں پر مسح کرنا متواتر احادیث سے ثابت ہے اور ''الی الکعبین'' میں الی بمعنی مع ہے (یعنی ٹخنے بھی ساتھ دھونے ہیں) جیسا کہ حدیث وسنت نے اسکی وضاحت کردی ہے جو گفتگو الی المرافق میں گزری ہے اس کو ملحوظ رکھا جائے۔ کہا گیا ہے کہ مرافق کو جمع اور کعبین کو تثنیہ اس لیے لایا گیا ہے کہ ہر پاؤں میں دو ٹخنے ہوتے

Marfat.com

ہیں اور ہر ہاتھ میں ایک کہنی ہوتی ہے تو دوسری کہنی موجود ہونے کا کوئی شبہ نہیں ہے (ذکر معنی ھذا ابن عطیۃ)۔ کواشی نے کہا ہے کہ کعبین کو تثنیہ اور مرافق کو جمع کی شکل میں لانے کا مقصد نفی کرتا ہے اس وہم کی کہ ہر پاؤں میں دو ٹخنے ہیں (حقیقت میں) ہر پاؤں میں ایک ٹخنہ ہے جس کی دو طرف ہیں بخلاف مرافق کے اس میں یہ تو ہم بہت بعید ہے۔ اھ

یہ وضو کے فروض اربعہ ہیں اس کے علاوہ فرائض میں سے نیت کرنا اور بسم اللہ پڑھنا بھی ہے اس آیت میں ان دونوں کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ ان کے بارے میں حدیث وسنت نے وضاحت کی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت بھی نیت کرنے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جب حکم آیا: ''اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم'' تو عربیت کا لحاظ رکھتے ہوئے عبارت یہ ہوگی: ''فاغسلوا وجوھکم لھا'' یہی نیت معتبر ہے وہ نہیں جو آج کل کے عوام میں بہت مشہور ہے یعنی زبان سے ایجاد کیے ہوئے الفاظ کہنا' بے شمار علماء نے وضاحت کی ہے یہ آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے بلکہ کسی صحابی اور ان کے شاگردوں سے اور ان کے بعد آنے والے ائمہ معتبرین سے بھی ثابت نہیں ہے۔

''وان کنتم جنباً'' یہاں جنابت سے مراد ہے کہ عورت کے فرج میں حشفہ غائب ہو جائے یا احتلام وغیرہ کی صورت میں مادہ تولید خارج ہو جائے۔ ''فاطھروا'' پانی سے غسل کرو۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جنبی آدمی تیمم نہیں کر سکتا بلکہ جب تک پانی نہ پائے نماز کو ہی ترک کر دے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ پانی نہ ملے تو جنبی آدمی پر تیمم واجب ہے اور یہ آیت پانی پانے والے کے لیے ہے اس شرط پر کہ پاکیزگی عام ہے اس سے کہ حاصل ہو پانی سے یا جو اس کا عوض ہے مٹی سے شرط یہ ہے کہ پانی نہ ملے۔ فرمایا کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعودؓ سے رجوع ثابت ہے۔ انہوں نے بھی

Marfat.com

احادیث صحیحہ کی بنا پر کہہ دیا ہے پانی نہ ملنے کی صورت میں جنبی تیمّم کرسکتا ہے:

" وان کنتم مرضی اوعلی سفر او جآء احد منکم من الغائط او لامستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ".

مرض، سفر، غائط سے آنے کے بارے میں مکمل بحث سورۃ النساء میں گزر چکی ہے اس طرح عورتوں کو چھونے، تیمّم کرنے اور صعید کا بیان گزر چکا ہے۔ منکم میں "من" ابتداء غایت کے لیے ہے بعض نے کہا کہ تبعیض کے لیے ہے۔ بعض نے کہا کہ انواع طہارت پر مکمل گفتگو کرنے کی غرض سے اس کا تکرار کیا ہے۔

" ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج " اللہ تعالیٰ پانی یا مٹی کے ذریعے طہارت حاصل کرنے کا حکم دے کر دین میں تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتے۔ اس مضمون سے ملتا جلتا مضمون اس آیت میں بھی ہے:" وما جعل علیکم فی الدین من حرج"، "ولکن یرید لیطھرکم " تاکہ تمہیں گناہوں اور غلطیوں سے پاک کردے کیونکہ وضوء گناہوں کا کفارہ ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے بعض نے کہا ہے کہ حدث اصغر و اکبر سے پاک کرنا مراد ہے۔

آیت نمبر 8:

﴿ فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سوأۃ اخیہ ﴾ (۳۱) ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب اس (قابیل) نے اپنے بھائی (ھابیل) کو قتل کیا تو وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کو کیسے دفن کرے۔

کیونکہ جناب آدم کی اولاد میں سے یہ سب سے پہلی میت تھی تو (پھر مسئلہ سمجھانے کے لیے) رب تعالیٰ نے کوے بھیجے جو آپس میں بھائی تھے دونوں آپس میں لڑے ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر اس کے لیے گڑھا کھودا (پھر اس کو اس میں پھینک

Marfat.com

کر) اس پر مٹی ڈال دی۔ جب قابیل نے یہ کاروائی دیکھی تو کہنے لگا: ''یـاویلتی اعجزت ان اکون مثل هذا الغراب فاواری سوأة اخی'' پھر اس کو دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کو دفن کر دیا۔

آیت نمبر 9:

﴿انما جزء الذين يحاربون الله ورسوله﴾ (۳۳) ہے۔

اس آیت کے نزول میں آیمہ کا اختلاف ہے۔ جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ یہ قبیلہ عرینہ کے کچھ آدمیوں کے بارے میں اتری ہے' امام مالک' شافعی' ابوثور اور اصحاب الرائے کہتے ہیں کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ڈاکو اور زمین میں فساد پھیلاتے تھے۔ ابن منذر نے کہا امام مالک کا قول صحیح ہے۔ ابوثور نے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اس آیت میں یہ قول: ''الا الـذيـن تـابـوا مـن قبـل ان تـقـدروا عليهم'' اس بات دلالت کرتا ہے کہ یہ مشرکین کے بارے میں نہیں نازل ہوئی کیونکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشرکین کو جب دنیا میں توفیق ملتی ہے تو وہ مسلمان ہو جاتے تو ان کے خون محترم ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اھ

اسی طرح یہ قول باری تعالیٰ بھی اس پر دال ہے: ''قل للذين كفروا ان ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف'' اور یہ قول پیغمبر بھی بتاتا ہے: ''الاسلام يهدم ما كـان قبـلـه'' مسلم وغیرہ۔ ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اس آیت (آیۃ المحاربہ) نے عرنیین کے بارے میں آپ کے فعل کو منسوخ کر دیا ہے اور معاملہ حدود الٰہی پر مستحکم ہو گیا۔ ابن سیرین کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فعل حدود الٰہی کے نزول سے پہلے وقوع پذیر ہوا تھا اور کئی دیگر اہل علم کا یہی خیال ہے کچھ دیگر علماء کا خیال ہے کہ عرنیین کے بارے میں آپ کا فعل منسوخ ہے اسی لیے آپ نے مثلہ کرنے سے منع کر دیا ہے ایسے آدمی سے پوچھا جائے گا۔

Marfat.com

ناسخ ❶ کا متاخر ہونا ثابت کرے۔ حق بات یہ ہے کہ یہ آیت مشرک وغیرہ سب کو شامل ہے جو مذکورہ آیت میں بیان کردہ امور کا ارتکاب کرے۔ اور یہ قاعدہ ہے خاص سبب کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار کرنے ہی سے حکم کو عام رکھا جاتا ہے۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت کا حکم اہل اسلام کے محاربین پر مرتب ہوتا ہے اگرچہ اس کا نزول مرتدین یا یہود کے بارے میں ہے۔ اھ

یہاں مترتب کا معنی ہے ثابت کہا گیا ہے کہ اس آیت میں جو محاربۃ اللہ کا ذکر ہے اس سے محاربۃ النبی اور محاربۃ المسلمین مراد ہے خواہ آپ کے زمانہ میں ہو یا بعد میں ہو یہ ثبوت دلالت النص اور قیاس کے طور پر نہیں بلکہ عبارت النص کے طور پر ہے کیونکہ نص کا ورود بطور خطاب مشافہہ نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا حکم خاص ہو جائے مکلفین کے ساتھ نزول آیت کے وقت تو خطاب کو عام کرنے کے لیے دوسری دلیل کی ضرورت پڑے گی' بعض نے کہا ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ اس لیے قرار دیا ہے کہ ان کو احساس دلایا جائے کہ یہ ان کے ساتھ بہت بڑی لڑائی ہے اور بڑی اذیت ناک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کوئی لڑ سکتا ہے نہ اس پر کوئی غالب آ سکتا ہے۔

بہتر بات یہ ہے کہ اس کی تفسیر کی جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے لڑائی کا معنی ہے اس کی نافرمانی کی جائے اور اس کی شریعت کی مخالفت کی جائے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ محاربہ کا معنی ہے کہ ان سے حقیقۃً لڑائی کی جائے پھر آپ کی امت بھی اسی حکم میں داخل ہے اس معاملہ میں وہ سب برابر ہیں۔ فساد فی الارض کا اطلاق شر کی کئی انواع پر ہوتا ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے

---

❶ قاعدہ ہے کہ ناسخ ہمیشہ منسوخ سے متاخر ہوتا ہے جب تک اس کا متاخر ہونا ثابت نہ ہو تو وہ ناسخ نہیں بن سکتا اس لیے قائل سے اس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

کہ کئی سلف نے (جن میں سے سعید بن مسیب بھی ہیں) کہا ہے کہ: ''دراھم و دنانیر'' پر قبضہ کرنا بھی فساد فی الارض ہے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد'' اور جب ہم نے پختہ اور مضبوط کر دیا جو کچھ ہم پختہ انداز میں پیش کرنا چاہتے تھے (وہ یہ کہ) یہ آیت عام ہے اور پھر ہم نے محاربہ کا معنیٰ اور فساد فی الارض کی تحقیق بھی پیش کر دی تو اب آپ یہ جان لیں کہ اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جو اس قسم کی ہوگی چاہے وہ مسلمان ہو چاہے کافر ہو شہر میں ہو یا شہر میں نہ ہو تھوڑی چیز ہو یا زیادہ ہو قدر و قیمت والی ہو یا حقیر ہو تو ان چیزوں میں اللہ کا حکم نافذ ہوگا جو اس آیت میں آیا ہے (بعض صورتوں میں) قتل کرنا (بعض صورتوں میں) پھانسی دینا (بعض صورتوں میں) دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کا کاٹنا او (بعض صورتوں میں) جلا وطن کر دینا۔

لیکن یہ حکم ہر گناہ کا نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی ایسا گناہ کرے جس میں بندوں کے خون اور مال پر ظلم و تعدی ہو علاوہ ان احکام کے جن کا حکم اس کے علاوہ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت میں آیا ہے جیسے چوری اور ہر وہ کام جس میں قصاص واجب ہوتا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کے زمانے میں کچھ اس قسم کے گناہ اور معاصی بھی پیدا ہوئے تھے جن کا ان مذکورہ احکام سے تعلق نہ تھا تو آپ نے اس آیت والا حکم ان میں جاری نہیں کیا اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ جو تفسیر جناب مجاہد نے اس آیت محاربہ کی کی ہے وہ کمزور ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہاں محاربہ سے مراد زنا اور چوری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں گناہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی سنت میں موجود ہیں ان کا حکم آیت محاربہ والا نہیں ہے۔

جب آپ نے اس آیت کا ظاہری معنیٰ سمجھ لیا (یہ معنیٰ اس تحقیق کی بنا پر ہے جس کا لغت عرب نے تقاضا کیا ہے اور ہمیں حکم بھی ہے کہ ہم قرآن کی تفسیر اور سنت کی

Marfat.com

تعبیر اسی لغت سے کریں) تو اب آپ دھوکہ نہ کھائیں کسی چیز کے ساتھ ان تفصیلات میں سے جو مروی ہیں اور ان مذاہب سے جو بیان کیے گئے ہیں الا یہ کہ کوئی دلیل آجائے جو عام کو خاص کر دے یا مقید کر دے اس معنی کو جو لغت عرب سے مفہوم ہوتا ہے تو پھر اس پر آپ عمل کریں اور اس کو اس کے مقام پر چسپاں کر دیں اور جو اس کے علاوہ ہے۔

فدع عنک نهبا صيح في حجراته
وهات حديثا ما حديث الرواحل [1]

ہم ان مذاہب کو عنقریب بیان کریں گے جو آپ سماعت کر لیں گے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ علماء کا اختلاف ہے کہ محاربہ کا مصداق کون شخص ہے یعنی محارب کون ہے جناب ابن عباس' سعید بن میتب' مجاہد' عطاء' حسن بصری' ابراہیم نخعی' ضحاک اور ابوثور نے کہا ہے کہ جس نے قبۂ اسلام یعنی ملک اسلام میں تلوار سونتی راستہ میں لوگوں کو ڈرایا پھر وہ کامیاب ہوگیا تو امام المسلمین کو اس کے بارے میں اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کو پھانسی دے دے اور اگر چاہے تو اس کا ہاتھ پاؤں کاٹ دے یہی امام مالک کا خیال ہے اور انہوں نے وضاحت کی ہے کہ محارب ان کے ہاں وہ آدمی ہے جو لوگوں پر حملہ کرے (خواہ) شہر میں یا جنگل میں یا غلبہ پائے ان کے اموال اور جانوروں پر علاوہ دشمنی' فساد اور عداوت کے۔

ابن منذر نے کہا ہے کہ امام مالک سے اس مسئلہ میں اختلاف منقول ہے۔ انہوں نے کبھی تو محاربہ شہر میں ثابت کیا ہے اور کبھی اس کی نفی کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ماقبل کے خلاف مروی ہے کہ انہوں نے ڈاکوؤں کے بارے میں کہا

---

[1] چھوڑ اپنے آپ سے ڈاکہ چیخ لگائی گئی ہے اس کے حجروں میں' لا کوئی حدیث یعنی واقعہ سنا کیا خوب ہے حدیث الرواحل۔

Marfat.com

ہے کہ جب ڈاکو کسی آدمی کو قتل بھی کریں اور مال بھی چھین لیں تو انہیں قتل بھی کیا جائے گا اور پھانسی بھی دی جائے گی اور جب وہ مال لیں اور قتل نہ کریں تو ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر وہ راستہ میں بیٹھ کر لوگوں کو ڈرائیں اور مال نہ لیں تو انہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔ ابو مجلز' سعید بن جبیر' ابراہیم نخعی' حسن بصری' قتادہ' سدی اور عطاء سے مختلف روایات ہیں کسی نے کچھ کہا ہے کسی نے کچھ کہا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے جمہور سے یہی نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے اسی طرح کئی سلف اور ائمہ سے مروی ہے۔

ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ جب ڈاکو قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے اور جب وہ مال لے اور قتل نہ کرے اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور چاہے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے اور اس کو قتل کر دے اور پھانسی دے دے۔ ابو یوسف نے کہا ہے کہ قتل سب پر آتا ہے۔ اوزاعی کا قول بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ جب وہ مال لے تو اس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے اور اس کو داغ دیا جائے پھر اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے اور اس کو داغ دیا جائے اور پھر اس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ چوری کی سزا سے یہ جرم زیادہ ہے اور جب وہ قتل کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور جب وہ مال بھی لے اور قتل بھی کرے تو اسے قتل کیا جائے گا اور پھانسی بھی دی جائے گی۔

اور امام شافعی سے مروی ہے کہ تین دن تک اس کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ اگر وہ قتل کرے تو قتل کیا جائے گا۔ اگر مال لے تو اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا جیسے امام شافعی کا قول ہے: ان تفاصیل کی دلیل نہ کتاب اللہ میں مجھے معلوم ہوئی ہے اور نہ ہی سنت رسولؐ سے' سوائے اس کے جو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور وہ اس بارے میں منفرد ہیں انہوں نے کہا ہم سے علی بن سہیل نے بیان کیا ہے' ہم سے ولید بن مسلم نے عن یزید بن ابی حبیب نقل کیا ہے کہ بے شک

Marfat.com

عبداللہ بن مروان نے انس بن مالک کو اس آیت کے بارے میں لکھ کر سوال کیا انہوں نے جواباً فرمایا کہ یہ آیت عرنیین کی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ بجیلہ قبیلے کی شاخ تھی حضرت انسؓ نے کہا کہ وہ لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے' چرواہے کو قتل کر دیا تھا' اونٹ ہانک کر لے گئے' راستہ میں لوگوں کو ڈرایا اور انہوں نے بدکاری کا ارتکاب بھی کیا پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ ان کا کیا فیصلہ کیا جائے تو انہوں نے فرمایا کہ جس نے چوری کی اور لوگوں کو ڈرایا تو چوری کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹ دیں اور ڈرانے کی وجہ سے اس کا پاؤں کاٹ دیں۔ جس نے قتل کیا اس کو قتل کر دیں' اور جس نے قتل کیا' لوگوں کو ڈرایا اور بدکاری کا ارتکاب کیا تو اس کو پھانسی دی جائے۔ یہ منکر ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کی صحت کیسی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے (جو تفصیل ہم نے لکھی ہے) اپنی تفسیر میں کچھ تفصیل کے بعد لکھا ہے یہ ان کی تحقیق ہے کہ ابن جریر نے جو حدیث اپنی تفسیر میں نقل کی ہے وہ اس تفصیل کی تائید کرتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کی سند صحیح ہو۔ پھر انہوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ '' ویسعون فی الارض فساداً '' یہاں فساداً کا نصب مفعول مطلق کی بنا پر ہے' یا یہ مفعول لہ ہے' یا بہ بتاویل معنی مفسدین کے حال ہے۔ '' ان یقتلوا أو یصلبوا '' ظاہر ہے کہ اس کو زندہ ہی پھانسی دی جائے حتیٰ کہ وہ مر جائیں جن باتوں میں اس کو اختیار دیا ہے ان میں سے یہ بھی ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ پھانسی قتل کے بعد ہوگی قتل سے قبل پھانسی جائز نہیں ہے۔ رکاوٹ ڈالی جائے گی اس کی نماز' اس کے کھانے اور پینے میں۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کے لیے نقل کی ہے۔

'' او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف '' ظاہر ہے کہ ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹے جائیں گے خواہ دایاں ہاتھ ہو یا بایاں اسی طرح پاؤں کا مسئلہ بھی ہے ایسی صورت میں صرف قطع بخلاف کا اعتبار ہے یا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا

Marfat.com

بایاں ہاتھ اور دایاں پاؤں' بعض نے کہا ہے کہ یہاں صرف دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں ہی مراد ہے۔ ''او ینفوا من الارض'' اہل تفسیر نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے' سدی نے کہا ہے سواروں اور پیدلوں کو بلایا جائے پھر اس کو پکڑا جائے اور اس پر حد قائم کی جائے یا پھر اس کو دارالسلام سے بھگا کر لایا جائے۔ حضرت ابن عباس' انس' مالک' حسن بصری' سدی' ضحاک' قتادہ' سعید بن جبیر' ربیع بن انس اور زہری سے یہی بیان کیا گیا ہے۔ ربانی نے ان سے اپنی کتاب میں یہی نقل کیا ہے۔ امام شافعی سے بیان کیا گیا ہے کہ انہیں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دیا جائے اور مطالبہ کیا جائے کہ ان پر حدود قائم کی جائیں۔

لیث بن سعد نے یہی کہا ہے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ اس کو اس شہر سے ہی نکالا جائے جہاں اس نے یہ عمل کیا ہے دوسرے شہر میں بھیج دیا جائے۔ پھر وہاں اس کو قید کر دیا جائے جیسے زانی کا معاملہ ہوتا ہے۔ ابن جریر اور قرطبی نے اس کو ہی ترجیح دی ہے اہل کوفہ نے کہا ہے کہ نفی کا معنی ہے اس کو قید کر دیا جائے یعنی عام اور کھلی جگہ سے تنگ و تاریک جگہ کی طرف بھیج دیا جائے۔ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اس کو اس زمین سے نکال دیا جائے جس میں وہ واقعہ پیش آیا ہے یعنی اس کو قید وغیرہ نہ کیا جائے۔ اس کا معنی ہلاک کرنا بھی آیا ہے مگر وہ یہاں مراد نہیں ہے۔

''ذلک لهم خزی فی الدنیا'' ذلک کا اشارہ ماقبل کے ذکر کردہ احکام (خزی' ذلت' فضیحت) کی طرف ہے۔ ''ولهم فی الاخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم''۔ یہاں اللہ پاک نے ان توبہ کرنے والوں کو الگ کر دیا ہے جن پر قدرت نہیں پائی گئی۔ (یہ استثناء) ان معاقبین کے عموم سے ہے جن کو مذکورہ سزائیں دی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ خون' اموال اور دیگر گناہوں میں کوئی فرق نہیں جو معین و محدود سزاؤں کا سبب ہیں لہٰذا قبل القدرت تائب سے اس میں سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کیا جائے گا صحابہ کرام

Marfat.com

رضوان علیہم اجمعین کا اس پر عمل ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ قصاص اور دیگر حقوق العباد توبہ کے ذریعے قبل القدرۃ ساقط نہیں ہوتے اول ہی حق مسلک ہے۔ قدرت پالینے کے بعد توبہ کے بارے میں یہ ہے کہ توبہ سے مذکورہ سزا ساقط نہیں ہوتی جیسا کہ'' قبل ان تقدروا '' کی دلالت ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ بادشاہ محارب کا ولی ہے اگر محارب نے کسی آدمی کے بھائی کو قتل کر دیا اور اس کے پاس محاربہ کی حالت میں آئے تو طالب دم کی طرف محاربہ کے ہاں کچھ بھی نہیں ہے اور ولی الدم معاف نہیں کر سکتا۔

آیت نمبر 10:

جب اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کا ذکر کیا جو علی الاعلان مال چھینتا تھا یعنی محارب کا ذکر کیا تو اس کے فوراً بعد اس آدمی کا ذکر کیا جو خفیہ طریقے سے مال لیتا ہے اس کا نام سارق بمعنی چور ہے تو فرمایا:

﴿ والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاءً بما کسبا ﴾(۳۸)

سارقہ کا ذکر سارق کی خوب وضاحت کے لیے ہے کیونکہ عموماً قرآن تشریع احکام میں مردوں پر اکتفاء کرتا ہے۔ ائمہ نے السارق اور السارقۃ کی خبر کے بارے میں اختلاف کیا ہے کیا اس کی خبر مقدر ہے یا'' فاقطعوا '' خبر ہے۔ پہلی رائے سیبویہ کی ہے وہ کہتے ہیں اصل عبارت یوں ہوگی:'' فیما فرض علیکم یا فیما یتلی علیکم السارق والسارقة ای حکمهما '' مبرد اور زجاج کا خیال ہے کہ اس کی خبر مذکور ہے۔ یہاں خبر پر فاء اس لیے آئی ہے کہ مبتداء معنی شرط کو متضمن ہے۔ عبارت یہ ہوگی:'' الذی سرق والتی سرقت فاقطعوا الخ '' بعض ائمہ نے السارق اور السارقہ کا نصب بھی پڑھا ہے عبارت یہ ہوگی:'' اقطعوا السارق والسارقة '' سیبویہ نے اس قرأت کو ترجیح دی ہے انہوں نے کہا ہے کہ کلام عرب میں نصب کی وجہ (یہ ہے کہ یہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہے) جیسے

Marfat.com

آپ کہیں ''زیداً اضرب '' لیکن عام قرآء نے اس کو مرفوع ہی پڑھا ہے۔ والسرقۃ (راء کے کسرہ سے) مسروق شی کا نام سرقہ ہے اور سرقہ یسرق کا مصدر سرقاً ہے (جوہری)۔'' وھو اخذ الشئ '' آنکھوں سے چھپا کر کسی کا مال لے لینا'' اسرق السمع '' سارقۃ النظر اسی معنی میں ہے۔ قطع کا معنی ہے الگ کرنا اور دور کرنا۔ اس کو جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ دو تثنیہ جمع کرنا مکروہ ہے۔ سنت مطہرہ سے ثابت ہے کہ قطع ید گٹ سے ہے ایک قوم کا خیال ہے کہ کہنی سے کاٹنا مراد ہے۔

خوارج نے کہا ہے کہ کندھے سے کاٹنا مراد ہے۔ ضروری ہے کہ چوری ربع دینار کی ہو یا اس سے زائد کی ہو (تب بھی یہی حکم ہے) پھر وہ کسی محفوظ مقام پر ہو جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ ربع دینار معتبر ہے۔ ایک قوم کا خیال ہے کہ دس درہم کی چوری ہو (تو حکم لگا دیا جائے گا) جمہور نے حرز (محفوظ جگہ) کا اعتبار کیا ہے۔ حسن بصری نے کہا جب گھر میں کپڑے جمع کیے جائیں تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ شارحین حدیث اور فقہاء نے سرقہ کی بحث میں بہت طویل گفتگو کی ہے' اس ساری گفتگو کو یہاں نقل کرنے کا بہت زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ اللہ پاک کا یہ قول'' جزاء بما کسبا'' ''فاقطعوا '' کا مفعول لہ ہے معنی یہ ہوگا اس کو اس کی چوری کا بدلہ دینے کے لیے اس کا ہاتھ کاٹا جائے جزاءً یا یہ مفعول مطلق ہے فعل محذوف کی تاکید کرتا ہے۔'' ای جوزی جزاءً بما کسبا '' اور بما میں باء سببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے پھر بما کسبا کا معنی ہوگا یہ سزا اس کی خود مہیا کردہ ہے یا یہ ما موصولہ ہوگا عبارت یہ ہوگی:'' جزاء الذی کسبا' من السرقۃ''

آیت نمبر 11:

﴿ فان جاؤوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم ﴾(۴۲) ہے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو ان (یہود) میں فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے پھر اس سے ہی استدلال کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے حکمرانوں کو

Marfat.com

بھی ان دونوں باتوں میں اختیار ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی میں فیصلہ کریں مگر شرط یہ ہے کہ وہ ان کے پاس اپنا فیصلہ لائیں' اہل ذمہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ جب وہ آپس میں کئے گئے جھگڑے کا مقدمہ مسلمان حکمرانوں کے پاس لائیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں اختیار ہے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ یہ واجب ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت: ''ان احکم بینھم بما انزل اللہ'' سے منسوخ ہے۔ حضرت ابن عباس' مجاہد' عکرمہ' زہری' عمر بن عبدالعزیز اور سدی سے یہی منقول ہے۔ امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے۔ امام قرطبی نے اکثر علماء سے یہی مسلک ذکر کیا ہے۔

آیت نمبر 12:

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون﴾ (۴۴) ہے۔

لفظ من الفاظ عموم سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسی گروہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس آدمی کے لیے ہے جو بھی حکمران بنے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ علی الاطلاق کفار کے ساتھ خاص ہے کیونکہ مسلمان کبیرہ گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ: ''ما انزل اللہ'' کے خلاف حکم بطور استخفاف ہو یا بطور استدلال ہو یا بطور انکار ہو۔

''اولئک'' کا اشارہ لفظ من کی طرف ہے اس کو معنی کے اعتبار سے جمع لایا گیا ہے ایسے ہی ''ھم الکافرون'' کو جمع لایا گیا ہے۔ فریابی' سعید بن منصور' ابن منذر' ابن ابی حاتم' حاکم (اس کو صحیح بھی کہا ہے) اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں نقل کیا ہے فرمایا کہ اس کفر سے مراد پکا پکا کفر نہیں ہے بلکہ ''کفر دون کفر'' ہے۔ جناب عبد بن حمید' ابن منذر نے عطاء بن ابی رباح سے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اور ''ھم الظالمون'' اور ''ھم

Marfat.com

الفاسقون ‘‘ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ یہاں مراد کفر دون کفر، ظلم دون ظلم اور فسق دون فسق۔

آیت نمبر 13:

﴿ وکتبنا الخ ﴾ (۴۵) ہے۔

’’ کتبنا ‘‘ کا معنیٰ ’’ فرضنا ‘‘ ہے ہم نے فرض کیا ہے۔ ’’ علیھم فیھا ‘‘ ان پر تورات میں ’’ ان النفس بالنفس ‘‘ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں بنی اسرائیل پر فرض کردہ قصاص کا ذکر کیا ہے کہ قصاص نفس، آنکھ، ناک، کان، دانت اور زخموں میں ہے۔ ابوحنیفہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان آدمی کو ذمی کے مقابلے میں قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی ایک جان ہے۔ امام شافعی اور اہل علم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ ہماری شریعت نہیں ہے بلکہ یہ تو ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ کی شرح کرتے ہوئے قول باری تعالیٰ: ’’ کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ‘‘ کی تفسیر کر دی ہے وہی کافی ہے۔ اہل علم کا اختلاف ہے کہ ہم سے پہلے کے شرائع واحکام ہم پر لازم ہیں یا نہیں؟ تو جمہور علماء کا خیال ہے کہ وہ ہم پر لازم ہیں بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہوں اور یہی حق بات ہے۔

ابن الصباغ نے شامل (یہ ایک کتاب کا نام ہے) میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ علماء نے اس آیت سے دلیل لی ہے اس بات کے اثبات پر جس پر وہ دال ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ آیت عام ہے لہٰذا آدمی بمقابلہ عورت قتل کیا جائے گا سب علماء نے اس سے استدلال کیا ہے۔ اھ

امام شوکانی المنتقیٰ پر اپنی شرح (نیل الاوطار) میں اور دیگر علماء نے دیگر مقامات میں حق بات کی وضاحت کر دی ہے۔ اس آیت میں یہود کے لیے ڈانٹ ڈپٹ ہے کیونکہ وہ ان مسائل کی مخالفت کرتے تھے جو اللہ پاک نے ان پر تورات میں

Marfat.com

لازم وفرض قرار دیئے تھے جیسا کہ اس کو یہاں بیان کیا ہے اور (مقتول) جانوں میں وہ تفریق کیا کرتے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ بنونضیر بنوقریضہ سے قصاص لیا کرتے تھے اور بنوقریضہ بنونضیر سے نہیں لیتے تھے۔ ''والعین بالعین'' قرآنی نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کسی کی آنکھ پھوڑی جائے کہ اس میں ادراک (دیکھنے کی قوت) نہ رہے تو مجرم کی آنکھ بھی پھوڑی جائے گی۔ ''والانف بالانف'' جب کسی کا سارا ناک کاٹ دیا جائے تو مجرم کا بھی سارا ناک یعنی جڑ سے کاٹ دیا جائے گا۔ ''والاذن بالاذن'' جب کسی کا سارا کان کاٹا جائے تو مجرم کا بھی سارا کان کاٹا جائے گا اور اسی طرح دانت بدلے دانت کے ہے۔

''والسن بالسن'' پس اگر جرم (ایسا ہو جس سے) آنکھ کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے یا کچھ ناک کا حصہ یا کان کا کچھ حصہ یا دانت کا کچھ حصہ متاثر ہو جائے تو اس آیت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے جو ثبوت قصاص پر دلالت کرتا ہو۔ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے جب اس کی مقدار معلوم ہو اور اس کی حقیقت پر واقفیت ممکن ہو (تو اس بارے میں اختلاف ہے) ان کی ساری گفتگو مسائل کی کتب میں موجود ہے۔ ''السن بالسن'' سے ظاہر ہے کہ ثنایا' انیاب' افراس اور رباعیات میں کوئی فرق نہیں ہے ان میں سے بعض بعض کے عوض نکالا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی آپس میں بھی بعض کی بعض پر کوئی افضلیت نہیں ہے۔

اکثر اہل علم کا اسی طرف میلان ہے جیسا کہ ابن منذر نے کہا ہے حضرت عمرؓ اور ان کے متبعین نے اس کا خلاف کیا ہے ان کی ساری گفتگو اپنے مواقع پر موجود ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ جانی سے قصاص میں جو کچھ لیا جائے گا وہ مماثل ہو اس دانت کے جو مجنی علیہ کا ضائع کیا گیا ہے۔ اور اگر اس کا وہ دانت پہلے ہی سے ضائع ہو چکا تھا تو پھر اس کے ساتھ والا توڑا جائے گا۔ ''والجروح قصاص'' بلاشبہ زخموں میں قصاص ہے شارح نے قصاص کو ذوات قصاص سے تعبیر کیا ہے (تاکہ حمل درست

Marfat.com

ہو جائے) اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ جن زخموں میں ہلاکت کا ڈر ہو ان میں قصاص نہیں ہے اور نہ ہی ان میں جن کی گہرائی یا لمبائی یا چوڑائی کی مقدار کا علم نہ ہو۔ ائمہ فقہ نے ان زخموں کی دیت کا اندازہ پیش کیا ہے جن کی مقادیر معلوم ہیں یہ مقام ان پر گفتگو کا متحمل نہیں ہے اور نہ ہی یہ جگہ اس بات کو مکمل بیان کرنے کی ہے جس کی دیت مقدر منقول ہے۔ "فمن تصدق به فهو كفارة له" مستحقین قصاص میں سے جس نے قصاص کو معاف کر دیا یعنی جانی کو معاف کر دیا تو وہ متصدق کے لیے کفارہ ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے اس گناہ کو معاف کر دیں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ زخمی کرنے والے کے لیے کفارہ ہے اس کو آخرت میں گرفت نہ ہوگی کیونکہ معافی حق لینے کے قائم مقام ہے معنی اول ہی بہت راجح ہے کیونکہ ضمیر دوسری تفسیر کے مطابق غیر مذکور کی طرف لوٹتی ہے۔

آیت نمبر 14:

﴿ فاحكم بينهم بما انزل الله ﴾(۴۸) ہے۔

جو قرآن مجید میں آپ کی طرف اتارا گیا ہے۔ (آپ اس سے فیصلہ کریں) کیونکہ قرآن مجید ان مسائل پر مشتمل ہے جو رب تعالیٰ نے کتب سابقہ میں بیان فرمائے ہیں۔ "ولا تتبع اهوائهم"[1] سابقہ ملت والوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا۔ "عما جاء ک من الحق" اس کا تعلق لاتتبع سے ہے معنی یہ ہوگا: "لاتعدل اولاتنحرف عما جاء ک من الحق متبعا لاهوائهم"[2] اور بعض نے کہا ہے کہ یہ محذوف سے متعلق ہے عبارت یوں ہوگی۔ "لاتتبع اهوائهم عادلاً او منحرفاً عن الحق"۔[3] اس میں آنحضرت ﷺ کو منع کیا گیا ہے کہ وہ اہل کتاب

---

[1] آپ ان کی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے حق سے روگردانی نہ کریں۔

[2] اس عبارت کا تقریباً وہی معنی ہے۔ [3] اس عبارت کا بھی تقریباً وہی معنی ہے۔

Marfat.com

کی خواہشات کی پیروی کریں اور اس حق سے منحرف ہو جائیں جس کو رب تعالیٰ نے نازل کیا ہے کیونکہ ملتوں میں سے ہر ملت چاہتی ہے کہ معاملہ اسی حالت پر رہے جس پر وہ ہیں اور انہوں نے اپنے سلف کو اس پر پایا ہے اگر چہ وہ باطل منسوخ یا تبدیل شدہ ہو اس حکم سے جس کو رب تعالیٰ نے انبیاء پر اتارا ہے جیسا کہ رجم وغیرہ کے مسائل ہیں جن کو انہوں نے کتاب الٰہیہ سے تبدیل کر دیا ہے۔

آیت نمبر 15:

﴿یا ایھا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم﴾ (۸۷) ہے۔

طیبات سے مراد وہ لذیذ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کی ہیں۔ رب تعالیٰ نے اہل ایمان کو منع کیا ہے کہ ان کو اپنے اوپر حرام کریں اس گمان سے کہ یہ رب تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کے قرب کا ذریعہ ہے دنیا میں یہ زہد و پرہیز گاری ہے اور اس کی شہوات سے نفس کو روکنا ہے یا ارادہ کرنا ہے اپنے اوپر کسی اس شی کو حرام کرنے کا جس کو ان کے لیے حلال کیا گیا ہے جیسا کہ کئی عوام الناس کہتے ہیں وہ شی مجھ پر حرام ہے۔ میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور دیگر اس قسم کے الفاظ جو اس قرآنی نہی کے تحت میں داخل ہیں۔

ابن جریر نے کہا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے اس کو اپنے اوپر حرام کرے۔ مثلاً عمدہ کھانے لباس اور نکاح۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ بن مظعون نے جب ترک دنیا کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے ان کو اجازت نہ دی معلوم ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے اس کے ترک کرنے میں کوئی بہتری نہیں ہے بہتری اور نیکی اس کام کے کرنے میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مندوب قرار دیا ہے اور اس پر آنحضرت ﷺ نے عمل بھی کیا ہے اور اس کو امت کے لیے جاری بھی فرمایا ہے اور خلفائے راشدین نے اسی منہاج پر آپ کی پیروی بھی

Marfat.com

کی ہے کیونکہ سب سے بہتر طریقہ ہمارے نبی ہی کا ہے۔

پس جب یہ بات اس طرح ہے تو جس آدمی نے بال اور اون کے لباس کو روئی اور کتان کے لباس پر ترجیح دی ہے اس کی بڑی غلطی ہے جب کہ وہ قادر ہے اس لباس کے پہننے پر حلال طریقے سے اور اسی طرح غلطی ہے اس کی جس نے ردی کھانے کو ترجیح دی ہے اور گوشت وغیرہ اس نے چھوڑا کہ عورتوں کے احتیاج کا خطرہ ہے۔ اگر کوئی گمان کرنے والا گمان کرے کہ فضیلت ہماری کہی ہوئی بات کے علاوہ میں ہے کیونکہ ردی لباس اور ردی کھانے میں مشقت علی النفس ہے اور جو قیمت بچ جائے اس کو ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا نیکی ہے تو اس کا گمان غلط وخطاء ہے۔ اور یہ اس طرح کہ انسان کے لیے اولیٰ ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کرے اور اپنے رب کی بات ماننے پر اس کا تعاون کرے تو مطاعم ردیہ سے بڑھ کر کوئی شی جسم کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ وہ عقل کو خراب کرتے ہیں اور اس کے ان ادوات کو بھی کمزور کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا سبب بنایا ہے۔

آیت نمبر 16:

﴿لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم﴾ (۸۹) ہے۔

لغو کی تفسیر اور جو اس میں اختلاف ہے وہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے "فی ایمانکم" کا تعلق "یواخذکم" سے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فی بمعنی من ہے۔ ایمان یمین کی جمع ہے اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ لغو قسموں کے ارتکاب کرنے والے کا اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کریں گے اور نہ اس میں کفارہ واجب ہے۔ جمہور صحابہ اور بعد میں آنے والے ائمہ کا خیال ہے کہ لغو قسم یہ ہے کہ "لا واللہ وبلیٰ واللہ" کی اپنی کلام میں وہ یمین کا عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اس آیت میں صحابہؓ نے یہی تفسیر کی ہے اور وہ قرآن کے معانی کو خوب جانتے ہیں۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ جھگڑے، غصے اور جلد بازی کے موقع پر اٹھائی گئی قسم کا نام لغو ہے۔

Marfat.com

" ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان " عقد دو قسم کا ہے حسی جیسے رسی کی گرہ ہوتی ہے حکمی جیسے عقد بیع اور عقد یمین ہوتی ہے۔ یمین معقدہ " عقد القلب لیفعلن " اور " لا یفعلن " سے لیا ہے اس کا مستقبل سے تعلق ہوتا ہے یعنی تم سے اللہ تعالیٰ مواخذہ کریں گے تمہاری مضبوط' پکی اور نیت سے اٹھائی گئی قسموں کا جب تم ان میں حانث ہو جاؤ۔ یمین غموس دھوکہ' مکر اور جھوٹی قسم کا نام ہے۔

یمین کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے یہ حلف مقصود نہیں ہوتا اور نہ اس میں کفارہ ہوتا ہے جیسا کہ جمہور علماء کا خیال ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ یہ یمین معقودہ ہے کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہوتا ہے یہ معقودہ ہے اللہ کے نام کے ساتھ مقرون نہیں ہے تفسیر اول راجع ہے تمام احادیث جو یمین کے کفارہ میں وارد ہیں ان کا تعلق مقصودہ کے ساتھ ہوتا ہے ان میں سے کوئی بھی غموس پر دال نہیں ہے بلکہ اس میں صرف وعید اور ترھیب وارد ہے اور وہ کبیرہ گناہ ہے اسی بارے میں قول باری تعالیٰ: " ان الذین یشترون بعھداللہ وایمانھم ثمناً قلیلاً " نازل ہوا ہے۔

" فکفارتہ " یہ تکفیر بمعنی (چھپانا) سے لیا گیا ہے۔ ایسے ہی کفر بھی بمعنی ستر ہے اور کافر بمعنی ساتر اور کفارہ بھی گناہ کو چھپا دیتا ہے۔ اور کفارتہ کی ضمیر قول باری تعالیٰ: " بما عقدتم " کی طرف راجع ہے۔

" اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم " یہاں وسط سے فضول خرچی اور کنجوسی کے بین بین مراد ہے اس سے بہت اعلیٰ مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض دیگر مقام پر آیا ہے معنی ہوا کہ انہیں متوسط کھانا دو اس طرح کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو تم پر یہ واجب نہیں کہ بہت اعلیٰ کھانا دو اور بہت گھٹیا دینا بھی جائز نہیں ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ دس مساکین کو کھانا دو۔ یہاں تک کہ وہ سیر ہو جائیں' جناب علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ ان کو دو وقت کا کھانا دیا جائے صرف ایک وقت کا کھانا مراد نہیں ہے۔ جناب ابن عمرؓ نے کہا ہے کہ شہروں کے مفتی

Marfat.com

حضرات کا یہی فتویٰ ہے۔ حسن بصری اور ابن سیرین نے کہا ہے کہ دس مساکین کو ایک وقت کا کھانا' روٹی اور گھی یا گوشت دینا۔ جناب عمر بن خطاب' عائشہ' مجاہد' شعبی' سعید بن جبیر' ابراھیم نخعی' میمون بن مہران' ابو مالک' ضحاک' حکم' مکحول' ابوقلابہ اور مقاتل فرماتے ہیں ہر ایک کو آدھا آدھا صاع گندم یا کھجور دی جائے اور یہ حکم حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ آدھا صاع گندم کا اور اس کے علاوہ دیگر چیزوں کا صاع دیا جائے۔ ابن ماجہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے ایک صاع کھجور کا دیا تھا اور لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا جس کے پاس گنجائش نہ ہو تو وہ گندم کا نصف صاع دے دے اس حدیث کی سند میں عمر بن عبدالعزیز ثقفی ہے وہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ امام دارقطنی نے کہا ہے کہ وہ متروک راوی ہے۔

''او کسوتھم'' اس کا اطعام پر عطف ہے۔ کاف پر ضمہ اور کسرہ دونوں پڑھے گئے ہیں۔ یہ دونوں لغت ہیں جیسے اُسْوَہ اِسْوَہ۔ آدمیوں کو جو کپڑا دیا جائے گا وہ پورے بدن کے اعتبار سے نصف ہوگا اگرچہ ایک کپڑا ہی ہو ایسے عورتوں کو جو لباس دیا جائے گا۔ بعض نے کہا ہے کہ عورتوں کے لباس سے مراد قمیص اور اوڑھنی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ کپڑا ہے جس میں نماز جائز ہوتی ہے'' او تحریر رقبة'' یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہوگا تحریر کا معنی ہے غلامی سے نکالنا اور تحریر کا لفظ قیدی کو آزاد کرنے اور جس کسی کو کام کرنے کی مشقت میں ڈالا جائے اس کو معاف کرنے اور اس کو تکلیف نہ دینے کے معنی میں بھی ہے۔

اہل علم سے اس رقبہ کے بارے میں کئی مباحث منقول ہیں جو کفارہ میں ادا کی جائے گی اس آیت کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کی گردن (غلام یا لونڈی) جائز ہے جو کسی صفت سے متصف ہو ایک جماعت (جس میں امام شافعی بھی ہیں) کا خیال ہے کہ کفارہ قتل میں جس غلام کو آزاد کرنا ہوتا ہے اس کا مومن ہونا ضروری ہے اسی

Marfat.com

طرح کفارہ یمین میں بھی مومن ہونا ضروری ہے۔'' فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام '' جو مذکورہ امور میں سے کسی پر بھی قادر نہیں ہے تو اس کا کفارہ تین روزے ہیں۔ بعض قاریوں نے متتابعات کی بھی قید لگائی ہے جناب ابن مسعودؓ اور ابی سے یہی مروی ہے تو اس قرأت نے مطلق روزہ کو مقید کر دیا ہے۔ ابو حنیفہ' ثوری نے بھی کہا ہے۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ان کا بھی اس کے مطابق ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا دوسرا قول ہے کہ الگ الگ بھی جائز ہے۔

'' ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم '' مذکورہ تمہاری قسموں کے کفارات ہیں مگر شرط یہ ہے جب تم حانث ہو جاؤ۔'' واحفظوا ایمانکم '' ان کو حکم دیا ہے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کریں اور ان کی طرف جلدی نہ کریں اور قسموں کو توڑنے میں جلدی نہ کریں۔

آیت نمبر 17:

﴿ یاایھاالذین آمنوا ﴾ (۹۰) ہے۔

تمام اہل ایمان سے خطاب ہے۔'' انما الخمر والمیسر '' ان کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔'' والانصاب '' وہ بت جو عبادت کے لیے نصب ہوں۔ '' والازلام '' اس کی بھی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔'' رجس '' اس کا اطلاق عذرت (پاخانہ) اقذار (گندگی) دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ '' انما الخمر '' کی خبر ہے معطوف علیہ کی خبر محذوف ہے۔'' من عمل الشیطان '' یہ رجس کی صفت ہے کہ یہ شیطان کے عمل سے یعنی اس کی تحسین کے سبب اور اس کی تزئین کی وجہ سے وہ رجس ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ کام ہیں جن پر اس (شیطان) نے پہلے خود عمل کیا تو بنو آدم نے اس کی پیروی کر لی اور '' فاجتنبوہ '' کی ضمیر رجس یا مذکورہ کی طرف راجع ہے۔

'' لعلکم تفلحون '' یہ ماقبل کی علت ہے' زمخشری نے کشاف میں کہا ہے

Marfat.com

کہ یہاں تاکید کی کئی وجوہ سے شراب اور جوئے کو حرام کیا گیا ہے کہ ایک یہ جملہ کی ابتداء ''انما'' سے ہو رہی ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو بتوں کی عبادت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ شرابی آدمی بت پرست کی طرح ہے' تیسری وجہ یہ ہے کہ دونوں کو رجس کہا ہے جیسا کہ فرمایا کہ: ''فاجتنبوا الرجس من الاوثان'' چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو شیطان کا عمل قرار دیا ہے' اس سے تو خالص شر ہی صادر ہوتی ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ ان سے اجتناب کا حکم ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اس سے پرہیز کرنے کو کامیابی قرار دیا گیا ہے جب اجتناب فلاح ہے تو اس کا ارتکاب ناکامی اور نقصان ہے۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ اس میں بیان کیا گیا ہے جو اس کا نتیجہ (وبال) ہے وہ یہ ہے کہ اس سے شراب خوروں اور جوابازوں کے درمیان تعدی وظلم اور تباغض پیدا ہوتا ہے اور اس انجام کا بھی ذکر کیا ہے جس کی طرف یہ دونوں لے جاتے ہیں یعنی اللہ پاک کی یاد اور نماز کے اوقات کا خیال رکھنے سے روکنا۔ اھ اور یہ آیت شراب کی حرمت کی دلیل ہے کیونکہ وہ اجتناب کے حکم کو متضمن ہے یعنی وجوب اور تحریم صدکو جب شریعت میں یہ پختہ ہو گیا ہے کہ رجس کے قریب جانا حرام ہے چہ جائے کہ اس کو شراب بنا کر پیا جائے۔ اہل علم (مفسرین وغیرہ) نے کہا ہے کہ شراب کی حرمت بتدریج (آہستہ آہستہ) اور کئی مرتبہ نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ شراب کے بڑے شوقین تھے اور شیطان نے ان کے دلوں میں اس کو بہت محبوب بنا دیا تھا۔ سب سے پہلے یہ آیت: ''یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس'' نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد بعض لوگوں نے شراب نوشی ترک کر دی تھی ابھی بعض لوگ شراب نوشی کرتے تھے۔

پھر دوسرے موقع پر یہ آیت: ''لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ'' نازل ہوئی تو کچھ دوسرے لوگوں نے بھی شراب ترک کر دی اور کہنے لگے جو چیز ہمیں

Marfat.com

نماز سے روکے اس کے استعمال کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی نماز کے اوقات کے علاوہ بھی کچھ لوگ اس کا استعمال کرتے رہے حتیٰ کہ یہ آیت: '' انما الخمر والمیسر '' نازل ہوئی اس آیت میں شراب ان پر حرام ہوگئی یہاں تک کہ بعض صحابہؓ نے کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز حرام نہیں ہے یہ مفہوم انہوں نے اس کے سیاق وسباق سے اخذ کیا کیونکہ یہ آیت زجر (وعید ڈانٹ) پر مشتمل ہے اور احادیث صحیحہ میں بھی اس کے استعمال کرنے والے کے لیے وعید منقول ہے اور بلاشبہ وہ کبیرہ گناہ ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا بلاشک وشبہ اجماع ہے۔

اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اس کی بیع اور اس سے انتفاع حرام ہے جب تک وہ خمر (شراب) ہے اور جس طرح یہ آیت تحریم خمر پر دال ہے اسی طرح جوئے' انصاب اور ازلام کی تحریم ہے اس آیت کے سبب نزول میں جو روایات منقول ہیں وہ ہمارے مدعیٰ کے موافق ہیں اور بہت زیادہ احادیث شراب اور اس کے پینے والے کی مذمت میں آئی ہیں اور بڑی سخت وعید اس پر منقول ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور یہ مسائل کتب احادیث میں موجود ہیں ان کو ذکر کر کے ہم بیان لمبا نہیں کرتے اس کی وضاحت مسک الختام شرح بلوغ المرام میں کردی گئی ہے اس کی طرف مراجعت کی جائے۔

آیت نمبر 18:

﴿ یاایھا الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم ﴾ (۹۵) ہے۔

یہ حکم ہر مسلمان مذکر و مؤنث کو شامل ہے کیونکہ بولا جاتا ہے۔'' رجل حرام امرأة حرام '' اس کی جمع حرم آتی ہے۔'' احرم الرجل '' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی حرم میں داخل ہوجائے۔'' ومن قتله منکم متعمدا '' متعمداً کا معنیٰ کسی شئی کا ارادہ کرنے والا جب کہ اس کی حرمت کا علم ہوجائے۔ اور مخطی وہ ہے جو کسی شئی کا قصد کرے مگر نشانہ شکار کو لگ گیا' اور ناسی وہ ہے جو قصداً شکار کرے اس کو اپنا احرام

Marfat.com

یاد نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس' امام احمد (یہ ان سے ایک روایت ہے) اور داؤد نے استدلال کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عامد پر اکتفا کیا ہے کیونکہ اس کے علاوہ کسی پر کفارہ نہیں ہے بلکہ صرف اسی پر واجب ہوتا ہے سعید بن جبیر طاؤس اور ابوثور نے بھی یہی کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مخطی اور ناسی پر بھی کفارہ واجب ہے جس طرح قصداً شکار کرنے والے پر واجب ہوتا ہے۔ (اس صورت میں) تعمد کی قید اکثر اوقات کا خیال رکھتے ہوئے لگائی گئی ہے۔ جناب عمر' حسن بصری' نخعی اور زہری سے بھی یہی مروی ہے۔ امام مالک' شافعی' ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب سے بھی یہی مروی ہے' اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ عامد و ناسی پر کفارہ ہے اس کے احرام میں ہونے کی وجہ سے' مجاہد نے بھی یہی کہا ہے۔ فرمایا کہ اگر اس کو احرام یاد تھا تو وہ حلال ہوگیا مخالف احرام کام کرنے کی بنا پر اس کا حج نہیں ہے۔ پس وہ اس پر باطل ہوگیا ہے جیسے کوئی آدمی نماز کی حالت میں گفتگو کرے یا نماز میں حادث ہو جائے۔ '' فجزاء مثل ما قتل من النعم '' جو جانور اس نے قتل کیا اس کے مثل اس پر بدلہ ہے۔ یہ '' من النعم '' کی جزاء مماثل کا بیان ہے' بعض نے کہا ہے اس مماثلت سے قیمت میں مماثلت مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ خلقت میں مماثلت مراد ہے۔ یہ قول جناب ابوحنیفہ کا ہے جب کہ دوسرا امام مالک' شافعی' احمد اور جمہور ائمہ کا ہے اور وہی حق ہے کیونکہ جانوروں کی مماثلت کا بیان اسی کا متقاضی ہے۔

اسی طرح '' هديا بالغ الكعبة '' بھی اس چیز کا فائدہ دیتا ہے۔ ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ قیمت دینا بھی جائز ہے اگرچہ اس کی مثل بھی موجود ہو اور محرم کو اختیار ہے۔ ایک قرأت میں۔ '' فجزاءہ مثل ما قتل '' ہے۔ ایک قرأت میں ہے '' فجزاء مثل '' کہ جزاء کی اضافت مثل کی طرف ہے۔

'' يحكم به '' مثل ما قتل کی جزاء کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے کریں

Marfat.com

گے یعنی ایسے دو آدمی جن کی عدالت مسلمانوں میں معروف ہو جب وہ کسی کام کا حکم دیں تو وہ لازم ہو جائے گی اور اگر ان کا اختلاف ہو جائے تو پھر دوسروں کی طرف رجوع ہوگا۔ یہ جائز نہیں ہے کہ مجرم بھی حکمین میں داخل ہو۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ جائز ہے۔ پہلی بات ابوحنیفہ کی ہے جب کہ دوسری بات امام شافعی کی ہے۔ (ایک قول کے مطابق) آیت کا ظاہر یہی چاہتا ہے کہ جانی (مجرم) کے علاوہ دو ج ہوں۔ ''ھدیا بالغ الکعبۃ ''ھدیا حالیت کی بنا پر منصوب ہے یا مثل سے بدل ہے۔'' بالغ الکعبۃ ''ھدیا کی صفت ہے کیونکہ یہ اضافت غیر حقیقی ہے۔ معنی یہ ہوا کہ جب دو آدمی بدلے کا فیصلہ کر دیں گے کہ اس کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے گا جو اس کے ساتھ کرنا تھا یعنی اس کو بھیجا جائے گا تو وہاں ذبح کیا جائے گا اشعار اور تقلید کا عمل بھی کیا جائے گا۔ بعینہ کعبہ مراد نہیں ہے کیونکہ قربانی کعبہ میں نہیں کی جاتی۔ اس سے مراد حرم کا علاقہ ہے اور یہ اتفاقی بات ہے۔

''او کفارۃ ''من النعم کے محل پر عطف ہے اس پر رفع ہے کیونکہ وہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔'' طعام مساکین '' یہ کفارہ کا عطف ہے بعض نے کہا ہے کہ جزاء پر عطف ہے یہ کمزور مذہب ہے اور مجرم کو ان مذکورہ انواع میں اختیار ہے'' عدل الشی'' کو ''ما عادله من غیر جنسه'' محاورے سے لیا گیا ہے ''صیاماً'' یہ تمییز کی بنا پر منصوب ہے۔ علماء نے اندازہ کیا ہے ہر شکار کے عدل کا کھانے اور صیام میں سے' اور جمہور ائمہ کا خیال ہے کہ مجرم کو ان مذکورہ انواع میں اختیار ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجرم کھانا اور صوم کا عمل نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ قربانی نہ پائے۔ عدل عین کا فتح (زبر) اور کسرہ (زیر) دونوں جائز ہیں۔ دونوں کا معنی ہے مثل کسائی فراء نے کہا ہے کہ'' عدل الشی ''(عین کے کسرہ سے) اس کی ہم جنس چیز اور عین کی زبر سے بھی وہی معنی ہے مگر یہ دوسری جنس سے ہوگا۔ اہل بصرہ نے بھی امام کسائی کی طرح ہی کہا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 19:

﴿احل لکم صید البحر﴾ (۹۶) ہے۔

یہ پھر مسلمانوں کو خطاب ہے یا یہ خاص محرم حضرات کو ہے۔ ''صید البحر'' وہ ہوتا ہے جو بحر سے شکار کیا جائے۔ یہاں بحر سے مراد ہر وہ پانی ہے جس میں بحری شکار ہو۔ خواہ کنواں ہو یا جوہڑ ہو۔

''وطعامه متاعاً لکم وللسيارة'' جو چیز کھائی جائے اس کا نام طعام ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس سے یہاں کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس کو بحر (دریا) پھینک دے اور وہ اوپر تیرنا شروع کر دے۔ صحابہ وتابعین کی کثیر تعداد نے یہی کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو نمکین ہو اور پانی میں رہے۔ ایک جماعت کا یہی خیال ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اس سے مراد وہ نمکین چیز ہے جو پانی سے بنتی ہے اور دیگر تمام نباتات وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ ایک قوم کا یہی خیال ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ شکار ہے جو کھایا جائے یعنی جس کا کھانا حلال ہو اور وہ صرف مچھلی ہے یہی حنفیہ کا خیال ہے معنی یہ ہوا کہ بحر کی تمام شکار کی جانے والی چیزوں سے انتفاع جائز وحلال ہے اور اس میں سے جو ماکول ہے وہ بھی حلال ہے۔ جیسے مچھلی ہے تو یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔ (مصنف کا خیال ہے کہ) یہ محض تکلف ہے جس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ''متاعاً'' کا نصب مفعول مطلق ہونے کی بنا پر ''ای متعم به متاعاً'' بعض نے کہا ہے کہ یہ مفعول لہ ہے جو طعام کے ساتھ خاص ہے (معنی یہ ہوگا) تمہارے لیے بحر کا طعام حلال ہے بطور متاع کے وہ بھی تکلف ہے یہ تکلیف اس نے کی ہے جس نے آخری بات کہی ہے بلکہ جب وہ مفعول لہ ہو تو وہ جمیع سے ہوگا یعنی حلال ہے تمہارے لیے بحر کا شکار اور اس کا طعام تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ یعنی جو شخص تم میں سے مقیم ہو جو تازہ گوشت کھانا چاہتا ہو۔ ''او سیارة''

Marfat.com

سے مسافر لوگ مراد ہیں جو اس کو توشہ بنائیں اور اس کے ٹکڑے کر کے رکھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جو اس میں سفر کرتے ڈرتے ہیں۔''
وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما ''حرام کیا گیا تم پر جو شکار کیا گیا خشکی کا جب تک تم محرم ہو۔ اس آیت کا ظاہر (تقاضا کرتا ہے) کہ وہ شکار محرم پر حرام ہے اگرچہ شکاری محرم نہ بھی ہو جمہور علماء کا بھی یہی خیال ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس غیر محرم نے وہ شکار محرم کے لیے کیا ہو ہاں جب اس کے لیے اس نے شکار نہیں کیا تو وہ حرام نہیں ہے یہی راجح مذہب ہے اسی سے احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے بعض نے کہا ہے کہ مطلقاً حلال ہے۔ ایک جماعت کا یہی خیال ہے بعض نے کہا ہے کہ علی الاطلاق حرام ہے کچھ دوسرے ائمہ نے اس کا اظہار کیا ہے۔ امام شوکانی نے (نیل الاوطار شرح المنتقیٰ) میں اس پر خوب بحث کی ہے۔

آیت نمبر 20:

﴿ یاآیھا الذین آمنوا علیکم انفسکم ﴾ (۱۰۵) ہے۔

''اے ایمان والو! اپنی جانوں کے ساتھ چمٹ جاؤ اور حفاظت کرو''۔

جیسے تو کہے'' علیک زیدا '' زید کے ساتھ چمٹ جا۔'' لا یضرکم '' راء پر جزم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جواب امر ہے (امر کا صیغہ تو پہلے مذکور نہیں ہے تو جواب دیا ہے) اسم فعل (علیکم) امر کے معنی میں ہے۔ قاری نافع نے رفع پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہوگا یا اس لیے کہ راء کا ہے۔ ضمہ ضاد کے ضمہ کی بنا پر ہے۔ ضاد پر کسرہ بھی پڑھا گیا ہے اور (لایُضیرکم) بھی پڑھا گیا ہے۔

'' من ضل اذا اھتدیتم ''یعنی جب تم حق پر ہو تو لوگوں میں سے کسی گمراہ کی گمراہی تم کو نقصان نہ دے گی۔ اس آیت میں کوئی قرینہ نہیں ہے جو یہ اشارہ کرے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط ہو گیا ہے کیونکہ جس نے اس کو ترک کیا (حالانکہ دینی فرائض میں سے سب سے بڑا فرض ہے) وہ ہدایت یافتہ نہیں

Marfat.com

ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اذا اھتدیتم"۔ آیات قرآنی اور بے شمار احادیث امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بڑے سخت وجوب پر دال ہیں۔ اس لحاظ سے یہ آیت اس پر محمول ہے کہ جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب فریضہ کو ادا کرنے سے قاصر ہو یا وہ کسی حال میں بھی قائل نہیں اس کی تاثیر کا یا وہ ڈرتا ہے اپنی ذات پر کہ اترے گی اس پر کوئی ضرر تو ایسی صورت میں اس کا ترک جائز ہے۔

"الی اللہ مرجعکم" "قیامت کے دن تمہارا اللہ پاک کی طرف لوٹنا اور جانا ہوگا پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تمہیں اس کی خبر دیں گے"۔ پھر محسن کو اس کی نیکی کا بدلہ دیں گے اور گنہگار کو اس کی بدعملی کی سزا دیں گے۔ ابن ابی شیبہ' احمد' عبد بن حمید' ابوداؤد' ترمذی' (اس نے اس کو صحیح کہا ہے) نسائی' ابن ماجہ' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' ابن حبان' دارقطنی نے (اپنی سنن میں اور اپنی کتاب) مختارہ میں بھی ان کے علاوہ بھی کئی محدثین نے جناب قیس بن ابی حازم سے روایت کیا ہے کہ جناب ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور اللہ پاک کی حمد وثناء کی اور فرمایا کہ اے لوگو تم پر یہ آیت:

"یاایھاالذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم"

پڑھتے ہو تم اس کو اس کے صحیح محل پر چسپاں نہیں کرتے میں نے آنحضرت سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ لوگ جب امر غیر شرعی دیکھیں اور اس کو ختم کرنے کی کوشش نہ کریں تو ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک ان کو بھی عذاب سے دوچار کردیں۔ ترمذی (اس نے اس کو صحیح بھی کہا ہے) ابن ماجہ' ابن جریر' بغوی نے اپنی معجم میں ابن ابی حاتم' طبرانی' ابوالشیخ' حاکم (اس نے اس کو صحیح بھی کہا ہے) ابن مردویہ اور بیہقی نے ابوامیہ شعبانی سے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں ابوثعلبہ خشنی کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ تو اس آیت کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ کون سی آیت؟ میں نے کہا: "یاایھاالذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" انہوں نے کہا کہ خبردار! اللہ کی قسم تم نے اس

Marfat.com

آدمی سے پوچھا ہے جو اس مسئلہ کو جانتا ہے میں نے اس کے بارے میں آنحضرتؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا (اس آیت کا مطلب یہ ہے) کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو حتیٰ کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جاتی ہے خواہش کی پیروی کی جاتی ہے دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے اور ہر رائے والا اپنی رائے کو ہی پسند کرتا ہے تو تو پھر اپنے آپ کی اصلاح میں لگ جا اور عوام کا معاملہ ترک کر دے بلاشبہ تمہارے سامنے صبر کے دن ہیں ان میں صبر کرنا انگارہ پکڑنے کے برابر ہے۔ ان دنوں میں کام کرنے والے کے لیے پچاس آدمیوں کا اجر ہوگا جو تمہارے عمل کی طرح عمل کریں گے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت عامر اشعری سے بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کہاں جاتے ہو؟ یعنی تم کیوں پریشان ہو (اس کا مطلب یہ ہے کہ) جب کافر گمراہ ہوں اور تم ہدایت پر قائم ہو تو پھر تمہیں کوئی نقصان نہیں ہے۔

یہ حدیث احمد' طبرانی' ابن ماجہ' ابن ابی حاتم' ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔ عبدالرزاق' سعید بن منصور' عبد بن حمید' ابن جریر' ابن المنذر' طبرانی اور ابوالشیخ نے حسن سے نقل کیا ہے کہ بلاشبہ ابن مسعود سے کسی آدمی نے ''علیکم انفسکم'' کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ابھی زمانہ نہیں آیا وہ آج مقبول ہے لیکن قریب ہے کہ ایک زمانہ آئے گا تم نیکی کا حکم دو گے تو تمہارے ساتھ یہ یہ کیا جائے گا یا فرمایا تم سے اس وقت قبول نہ کیا جائے گا تم اپنے آپ کی حفاظت کرو۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو جب تک نہ ہو اس کے سامنے کوڑا اور تلوار۔

پس جب بات اس طرح ہے تو تم اپنی جانوں کو بچاؤ۔ ابن جریر اور ابن مردویہ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اے لوگو! ہمارے بعد کچھ لوگ آئیں گے اگر وہ بات کریں گے تو قبول نہ کی جائے گی ابوسعید خدریؓ سے ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ میں نے اس آیت کا آنحضرتؐ کے

Marfat.com

پاس تذکرہ کیا تو اللہ کے نبیؐ نے فرمایا: ابھی اس کی تفسیر نہیں آئی اس کی تفسیر نہیں آئے گی یہاں تک کہ عیسیٰ ابن مریم اتریں گے۔ اس بارے میں بہت سی روایات منقول ہیں اور جو کچھ ہم نے ذکر کردیا ہے اس میں کافی بحث ہے جس کو سمجھ لینے سے اس آیت' دیگر آیات اور احادیث (جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں) میں جمع وتطبیق ہوگئی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

آیت نمبر 21:

﴿ یاایھا الذین آمنوا ﴾ (۱۰۶) ہے۔

مکی نے کہا ہے کہ یہ تین آیات اہل معانی کے ہاں اعراب معنی اور حکم کے اعتبار سے قرآن میں بہت مشکل آیات میں سے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ یہ کلام اس آدمی کی ہے جس کے لیے اس کی تفسیر میں کوئی نتیجہ واقع نہیں ہوا اور یہ مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے واضح ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ جو مکی نے ذکر کیا ہے وہی ابوجعفر نحاس نے بھی اس سے قبل ذکر کیا ہے۔ سعد الدین نے کشاف پر اپنے حاشیہ میں کہا ہے کہ سب کا اتفاق ہے اس پر کہ جو کچھ قرآن میں ہے یہ ان میں سے اعراب' نظم اور حکم کے اعتبار سے بہت مشکل ہے۔

"شھادۃ بینکم" بین کی طرف شہادت کی اضافت مجازاً ہے کیونکہ وہ ذوی العقول میں جاری ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اصل عبارت "شھادۃ مابینکم" تھی ما کو حذف کردیا گیا۔ یا اس کی اضافت ظرفیت کی طرف ہے جیسے قول باری تعالیٰ ہے: "بل مکر اللیل والنھار" میں ہے اسی میں سے "ھذا فراق بینی وبینک" بھی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں شہادت بمعنی وصیت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وصیت کے لیے حاضر ہونا مراد ہے۔ ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ یہ یہاں یمین کے لیے ہے معنی ہوگا "یمین ما بینکم ان یحلف اثنان" (تمہاری آپس میں قسم یہ ہے کہ دو آدمی حلف اٹھائیں) اس نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ وہ

Marfat.com

نہیں جانتا اللہ پاک کے لیے کوئی حکم کہ واجب ہو اس میں شاہد پر قسم۔ اس قول کو قفال نے اختیار کیا ہے۔ ابن عطیہ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور پسند کیا ہے کہ شہادت یہاں وہ شہادت ہے جو گواہوں کی طرف سے دی جائے۔ ''اذا حضر احدکم الموت'' یہ قول شہادت کا ظرف ہے مراد ہے کہ جب اس کی علامات آ جائیں کیونکہ جو مر جاتا ہے اس کو گواہ بنانا ممکن نہیں ہے۔ یہاں ''احدکم'' مفعول اہتمام کے لیے مقدم آیا ہے۔ اور نفس کے پاس فاعل (موت) بڑے کامل طور پر متمکن ہے۔

''حین الوصیة'' یہ حضر کے لیے ظرف ہے یا موت کے لیے یا ظرف اوّل سے بدل ہے۔ اثنان یہ شہادت کی خبر ہے عبارت اس طرح ہوگی: ''شهادة اثنین'' یا یہ شہادت کا فاعل ہے اس طریقہ پر کہ اس کی خبر محذوف ہے: ''فیما فرض علیکم شهادة بینکم اثنان'' یعنی'' ان یشهد اثنان''۔ ابوعلی الفارسی نے دونوں وجوہ ذکر کی ہیں۔ ''ذوا عدل منکم'' یہ اثنان کی صفت ہے اسی طرح ''منکم'' بھی'' ای کائنان منکم'' یعنی تمہارے قریبیوں میں سے دو عادل ہوں۔ ''او آخران'' اس کا اثنان پر عطف ہے۔ من غیرکم اس کی صفت ہے'' ای کائنان من الا جانب'' بعض نے کہا ہے کہ منکم کی ضمیر مسلمین کی طرف راجع ہے اور غیرکم کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ سیاق آیت کے ساتھ یہی مناسب ہے۔

ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن عباس وغیرہ نے یہی کہا ہے تو اس آیت میں دلیل ہے کہ اہل ذمہ کا مسلمین پر شہادت کا جواز ہے مگر سفر میں' خاص کر وصایا جیسا کہ قرآن کا نظم اس بات کا فائدہ دیتا ہے اور سبب نزول بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ پس جب موصی کے پاس مسلمانوں میں سے اس کی وصیت پر کوئی شاہد نہیں ہے تو چاہیے کہ دو کافر گواہ بن جائیں۔

پس جب وہ آئیں اور اس کی وصیت پر شہادت دیں تو عصر کے بعد وہ حلف اٹھائیں گے کہ نہ انہوں نے کذب بیانی کی ہے اور نہ ہی انہوں نے اس کو تبدیل کیا

Marfat.com

ہے اور جو کچھ انہوں نے گواہی دی ہے وہ حق ہے تو اس وقت ان کی شہادت کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس اگر اس کے بعد اطلاع ملی کہ ان دونوں نے کذب بیانی کی ہے یا خیانت کی ہے تو موصی کے اولیاء میں سے دو آدمی حلف اٹھائیں گے تو وہ دونوں کافر گواہ تاوان دیں گے اس خیانت وغیرہ کا جو ان سے ظاہر ہوئی۔ جن کا ادھر ذکر ہوا ان کے نزدیک اس آیت کا یہی معنی ہے۔

سعید بن میسّب' یحییٰ بن یعمر' سعید بن جبیر' ابومجلز' نخعی' شریح' عبید سلمانی' ابن سیرین' مجاہد' قتادہ' سدی' ثوری' ابوعبید اور احمد بن حنبل کا یہی خیال ہے۔ اور تفسیر اول یعنی منکم کی ضمیر قرابت والوں یا کنبہ والوں کی طرف راجع ہوتی ہے اور من غیرکم کی ضمیر اجنبیوں کی طرف جاتی ہے۔ امام ترمذی' حسن اور عکرمہ کا یہی خیال ہے۔ امام مالک' شافعی' ابوحنیفہ وغیرہ فقہاء کا خیال ہے یہ آیت منسوخ ہے اور انہوں نے دلیل لی ہے اس قول باری تعالیٰ: ''ممن ترضون من الشھداء'' اور قول باری تعالیٰ ''واشھدوا ذوی عدل منکم'' سے کیونکہ کفار نہ پسندیدہ ہیں اور نہ ہی عادل ہیں۔

جمہور علماء نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور یہی بات حق ہے کیونکہ نسخ کی کوئی صحیح دلیل موجود ہی نہیں ہے اور رب تعالیٰ کا یہ قول ''ممن ترضون من الشھداء'' اور ''واشھدوا ذوی عدل منکم'' اشخاص ازمان اور احوال میں عام ہیں' اور یہ آیت خاص ہے سفر' وصیت اور مسلمان گواہ نہ ہونے کے ساتھ عام اور خاص میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ''ان انتم ضربتم فی الارض'' فعل محذوف کا فاعل ہے ضربتم اس کی تفسیر کرتا ہے یا یہ مبتداء ہے اس کا مابعد اس کی خبر ہے۔ جمہور نحویوں کا پہلا مذہب ہے۔ دوسرا مذہب اخفش اور اہل کوفہ کا ہے۔ ''ضرب فی الارض'' کا معنی ہے سفر کرنا۔ ''فاصابتکم مصیبۃ الموت'' ماقبل پر معطوف ہے۔ جواب اس کا محذوف ہے۔ عبارت یہ ہوگی:

''ان ضربتم فی الارض فنزل بکم الموت واردتم الوصیۃ ولم

Marfat.com

تجدوا شهوداً علیها مسلمین ثم ذهبا الی ورثتکم بوصیتکم وبما ترکتم فارتابوا فی امرهم او ادعوا علیها خیانۃ فالحکم ان تحبسوهما"

ممکن ہے یہ جملہ مستانفہ ہو یعنی سوال مقدر کا جواب ہو گویا کہ انہوں نے کہا" وکیف نصنع ان ارتبنا فی الشھادۃ" جواب آیا" تحبسونھما من بعد الصلوٰۃ" اگر تمہیں ان کی گواہی میں شک ہو۔ صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ العصر ہے۔

اکثر ائمہ کا خیال ہے کیونکہ وہ ایسا وقت کہ ایسے وقت جھوٹی قسم اٹھانے والے پر اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ وہ وقت ہے کہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور حکام فیصلہ جات کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ظہر کی نماز ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کوئی سی نماز بھی ہو۔ ابو علی فارسی نے کہا ہے: " تحبسونھما " آخران کی صفت ہے۔" ان ضربتم فی الارض " موصوف وصفت کے درمیان جملہ معترضہ ہے جس کا معنی ہے اس وقت شاہدین کو حلف اٹھانے کے لیے کھڑا کرنا۔

اس میں دلیل ہے جس کا معنی عام بھی کرنا جائز ہے اور اس کی بھی دلیل ہے کہ حالف پر سختی جائز ہے زمان ومکان وغیرہ کے ساتھ۔" فیقسمان باللہ" اس کا " تحبسونھما " پر عطف ہے یعنی شاہدین اللہ تعالیٰ کے نام کا حلف وصیت یا وصیتوں پر۔ ابن ابی لیلیٰ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مطلقاً شاہدین کو حلف اٹھوائی جاسکتی ہے جب ان کی شہادت میں شک ہو جائے یہ بات قابل اعتراض ہے کیونکہ یہاں شاہدین کو حلف اس لیے اٹھوانا ہے کہ ان کے خلاف خیانت وغیرہ کا دعویٰ دائر ہو جائے۔" ان ارتبتم " اس شرط کا جواب محذوف ہے ماقبل کی عبارت اس پر دال ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔" لانشتری بہ ثمناً " یہ جواب قسم ہے بہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے معنی یہ ہوگا ہم نہیں فروخت کرتے اللہ سے اپنے تعلق کو اس

Marfat.com

تھوڑے سے سامان کی غرض سے کہ ہم اس مال کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھائیں جس کا تم نے ہمارے خلاف دعویٰ کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ ضمیر شہادت کی طرف راجع ہے۔ (اعتراض کہ ضمیر مذکر ہے جب کہ مرجع مؤنث ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے جواب دیا کہ) شہادت سے مراد قول ہے یعنی ہم شہادت کے بدلے قیمت نہیں لینا چاہتے۔

اہل کوفہ نے کہا یہاں ثمن سے ذاثمن مراد ہے۔ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اس صورت میں صحیح ہوگی کہ عروض کو ثمن نہ بنایا جا سکے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک اس کا نام ثمن بھی ہے جیسے اس کو مبیع بھی کہا جا سکتا ہے۔ ''ولو کان ذا قربی'' یعنی اگرچہ مقسم لہ یا مشہود لہ قریبی رشتہ دار ہی ہو ہم حق اور صدق کو ہی ترجیح دیں گے۔ ہم دنیوی سامان اور قرابت کو ترجیح نہ دیں گے۔ صرف لو کا جواب محذوف ہے جس پر ماقبل نے دلالت کر دی ہے۔ عبارت یوں ہوگی: ''ولو کان ذا قربی لا نشتری به ثمنا، ولا تکتم شهادة الله'' اس کا عطف ''لانشتری'' پر ہے اور قسم حکم میں اس کے ساتھ داخل ہے۔ (شهادة الله کہہ کر) شہادت کی نسبت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف کی ہے کیونکہ وہی اس کو قائم کرنے کا حکم دینے والے اور اس کے چھپانے سے منع کرتے تھے۔

''انا اذا لمن الاثمين فان عثر علی انهما استحقا اثما'' عثر علی کذا ایک محاورہ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس پر اطلاع ہو جائے یہ بھی کہا جاتا ہے ''عثرت منه علی خيانة'' بمعنی میں نے اس پر اطلاع پائی اور دوسرے کو اس پر اطلاع دی ہے۔ قول باری تعالیٰ: ''وکذلک اعثرنا علیهم'' کا بھی یہی معنی ہے۔ عثور کا معنی ہے وقوع اور ''سقوط علی الشی'' یعنی کسی شی پر گرنا معنی یہ ہوگا کہ حلف اٹھانے کے بعد اطلاع ملی کہ شاہدین یا وصیین نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے یعنی اپنے اوپر گناہ واجب کر لیا ہے شہادت یا قسم میں جھوٹ بول کر یا خیانت کے ظہور کی بنا

Marfat.com

پر۔ ابوعلی فارسی نے کہا ہے یہاں ماخوذشی کا نام گناہ ہے کیونکہ اس کا لینے والا اس کو لینے کی بنا پر گنہگار ہے اس کا نام گناہ ہے جس طرح ظلماً ناحق کسی کی کوئی چیز لینا گناہ ہے۔ امام سیبویہ نے کہا ہے کہ جو چیز تجھ سے لے لی جائے اس کا نام ظلم ہے۔ اس طرح اس ماخوذشی کا نام مصدر کے نام سے رکھ دیا گیا ہے۔ ''فاخر ان یقومان مقامهما'' دو دوسرے گواہ یا دو دوسرے قسم اٹھانے والے کھڑے ہوں گے ان لوگوں کی جگہ پر جن کے بارے میں اطلاع ملی کہ انہوں نے گناہ کیا ہے وہ گواہی دیں گے یا حلف اٹھائیں گے۔ اس پر جو حق و سچ ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کھڑے ہوں گے ان کی جگہ پر شہادت دینے کے لیے وہ شہادت جس کی شہادت دی تھی گناہ کا ارتکاب کرنے والوں نے ''من الذین استحق علیهما الاولیان'' جمہور ائمہ نے استحق کو مجہول پڑھا ہے جناب علی، ابی، ابن عباس اور حفص نے اس کو معروف پڑھا ہے۔ پہلی قرأت کے مطابق الاولیان اس بنا پر مرفوع ہوگا کہ وہ مبتداء محذوف کی خبر ہوگی یعنی'' هما الاولیان'' گویا یہ کہا گیا وہ دونوں کون ہیں؟ جواب دیا گیا کہ'' هما الاولیان ''بعض نے کہا کہ یہ یقومان کی ضمیر سے بدل ہے یا آخران سے۔ یحیٰی بن وثاب، اعمش اور حمزہ الاولین پڑھا الاولان نے ہے یعنی اوّل کی جمع ہے یہ الذین سے بدل ہے یا پھر علیھم کی ضمیر ھم سے بدل ہے۔ حسن نے الاولان پڑھا ہے اور معنی اس بنا پر کہ'' من الذین استحق علیهم الاثم ''یعنی استحق کو مجہول پڑھا ہے معنی ہوگا کہ ان پر گناہ کیا گیا۔

وہ اہل بیت اور اس کا خاندان ہے وہ دوسروں کی نسبت شہادت یا یمین کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ الاولیان اولیٰ کا تثنیہ ہے۔ مبنی للفاعل قرأت کی بنا پر معنی ہوگا:

''من الذین استحق علیهم الاولیان من بینهم بالشهادة ان یجردوهما للقیام بالشهادة ویظهروا بما کذب الکاذبین لکونهما الاقربین الی المیت''

Marfat.com

الاولیان احق کا فاعل ہے۔" ان تجروهما للقیام بالشهادة "اس کا مفعول ہے، بعض نے کہا ہے کہ مفعول محذوف ہے عبارت یہ ہوگی: "من الذین استحق علیهم الاولیان بالمیت وصیته التی اوصی بها"، "فیقسمان بالله "اس کا یقومان پر عطف ہے یعنی وہ دونوں حلف اٹھائیں ہماری شہادت یعنی حلف ان کی شہادت سے زیادہ سچ ہے۔ یہاں شہادت سے یمین مراد ہے جب کہ" فشهادة احدهم اربع شهادات بالله " یہاں شہادت سے مراد حلف ہے اب عبارت یہ ہوگی: " یحلفان لشهادتنا علی انهما کاذبان خائنان" "احق من شهادتهما"۔ یعنی ان دونوں کی قسم سے کہ وہ سچے اور امین ہیں۔ "وما اعتدینا" ہم نے اپنی قسم میں حق سے تجاوز نہیں کیا۔

" انا اذاً لظالمون " اگر ہم نے غلط اور باطل حلف اٹھایا تو ہم ظالم ہیں۔

" ذلک ادنیٰ ان یاتوا بالشهادة علی وجهها " وہ بیان جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پہلے ذکر کیا ہے اس واقعہ میں اور ہمیں معلوم ہوگیا کہ جو آدمی سفر میں ہو اور وصیت کرنا چاہے تو وہ کیا کرے جب کہ اس کے پاس اس کے گھر والوں میں سے کوئی بھی نہیں اس کے لباس صرف کفار ہیں ادنیٰ کا معنی بہت قریب ہے کہ وہ گواہ جنہوں نے شہادت اٹھائی صحیح طریقے پر گواہی دیں، نہ اس کو بدلو نہ تبدیل کرو اور نہ خیانت کرو۔ یہ نئی کلام ہے جو اس حکم میں فائدہ اور منفعت کے ذکر پر مشتمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس جگہ مشروع کیا، لہٰذا "یاتوا" کی ضمیر شہود وصیت جو کفار ہیں کی طرف راجع ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس حکم کے مخاطب مسلمانوں کی طرف جاری ہے مقصد یہ ہے کہ ان کو خیانت سے ڈرانا اور سچی شہادت ادا کرنے کی ترغیب دلانا ہے۔

" او یخافوا ان ترد ایمان بعد ایمانهم " یا وہ ڈریں کہ ان کی قسم کے بعد قسم ورثہ پر آئے گی تو وہ شہود وصیت کے خلاف شہادت دیں گے تو شہود وصیت رسوا

Marfat.com

ہو جائیں گے۔اس کا عطف ''ان یاتوا'' پر ہے تو اس صورت میں مقصد اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا دو چیزوں میں سے ایک ہے یا تو شہود وصیت کذب وخیانت سے پرہیز کریں گے تو شہادت کو صحیح انداز میں ادا کریں گے کیونکہ وہ رسوائی کا خوف محسوس کریں گے کہ ان کی قسمیں میت کی قرابت پر لوٹا دی جائیں گی۔ پھر وہ لوگ حلف اٹھائیں گے جس سے ان کی تکذیب اور خیانت ثابت ہوگی تو یہ سبب ہوا شہود وصیت کی شہادت ادا کرنے کا صحیح طریقے پر کذب وخیانت کے بغیر۔

بعض نے کہا ہے کہ جملہ اولیٰ کے مقدر پر اس کا عطف ہے۔ عبارت یہ ہوگی: '' ذلک ادنی ان یاتوا بالشهادة علی وجهها ویخافوا عذاب الاخرة بسبب الکذب والخیانة '' یا پھر عبارت یوں ہوگی: '' او یخافوا الافتضاح برد الیمین '' جونسا خوف بھی واقع ہو جائے تو مقصود حاصل ہوگا۔ کتاب عزیز کا یہ مقام جس چیز کو متضمن ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کی علامات موت ظاہر ہو جائیں تو وہ اپنی وصیت پر عدول مسلمین میں سے دو عادل آدمی گواہ بنا دے اگر شہود مسلمین نہ ہوں اور وہ آدمی سفر میں ہو تو جائز ہے کہ وہ ان میں سے دو گواہ اپنی وصیت پر بنا دے۔ اگر ان کے بارے میں موصی کے ورثہ شک کریں تو وہ حلف اٹھائیں گے کہ وہ صحیح شہادت دے رہے ہیں اور انہوں نے شہادت میں سے کوئی شی نہیں چھپائی اور نہ ہی میت کے ترکہ میں سے کوئی چیز چھپائی ہے پس اگر ان کی قسم کے بعد شہادت میں کوئی خلل آیا یا میت کے ترکہ میں سے کچھ ظاہر ہو گیا اس گمان سے کہ وہ کسی وجہ سے ان کی ملکیت میں آ گئی ہے تو پھر ورثہ میں سے دو گواہ حلف اٹھائیں گے اور اس کے ساتھ فیصلہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

سورۃ الانعام

سورۂ انعام مکی ہے اس کی ایک سو پینسٹھ آیات ہیں صرف چھ آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں وہ یہ ہیں: ''وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ'' تین آیات کے آخر تک ہیں گنتی میں اختلاف ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ ولا تسبو الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم ﴾ (۱۰۹) ہے۔

''الذین یدعون'' سے مراد ان کے وہ الٰہ ہیں کفار جن کی پوجا کیا کرتے تھے معنی یہ ہوا کہ اے محمدؐ! ان کفار کے ان الٰہوں کو مت گالی نکالنا جن کو وہ رب تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہیں اس کی وجہ سے وہ بطور عداوت' تجاوز عن الحق اور جہالت کی بنا پر اللہ پاک کو گالیاں دیں گے۔ اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ داعی حق اور باطل سے منع کرنے والا جب ڈرے کہ وہ سبب بن جائے گا اس چیز کا جو اس سے زیادہ سخت ہے یعنی مخالفت حق اور باطل میں وقوع بہت سخت ہوگا اگر رویہ سخت ہوا تو اس کا ترک اولیٰ ہے بلکہ ترک واجب ہے۔

شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ یہ آیت ان کے لیے بہت نافع اور مفید ہے جو رب تعالیٰ کی آیات کے حاملین اور لوگوں کے سامنے بیان کرنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں جب وہ ایسی قوم کے درمیان ہوں جو بہرے اور گونگے ہوں۔ (جاہل و نادان لوگ مراد ہیں) جب وہ ان کو نیکی کا حکم کرے تو وہ اس کو بھی اور دیگر نیکی کے کاموں کو بھی چھوڑ دیں گے اور جب ان کو برائی سے منع کرے تو اس کو اور دیگر برائیوں کو بھی حق کے ساتھ عناد' چند اہل حق کی اتباع سے عداوت اور رب تعالیٰ پر جرأت کرتے ہوئے ان کو کرنا شروع کر دیں تو پھر ایسے لوگوں میں صرف تلواریں کام

Marfat.com

دیتی ہیں۔ وہی عادل منصف ہے اس کے لیے جو شریعت مطہرہ سے عداوت رکھتا ہے اور بنا لیا اس نے اس کی مخالفت اور اس کے اہل پر جرأت کرنے کو اپنی عادت اور شیوہ۔ جیسا کہ ان کا مشاہدہ ان اہل بدعت میں ہوتا ہے جب انہیں حق کی طرف دعوت دی جائے تو کئی باطل باتوں میں واقع ہو جاتے ہیں اور جب ان کو سنت کی رہنمائی کی جائے تو اس کا مقابلہ اپنی بدعت سے کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو دین سے کھیلتے ہیں۔ شریعت و احکام سے سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

یہ لوگ بے دینوں سے بھی زیادہ برے ہیں کیونکہ وہ باطل سے احتجاج کرتے ہیں اور بدعات کی طرف منسوب ہیں اور ان بدعات کو عام کرتے ڈرتے نہیں خوف محسوس نہیں کرتے اور بے دینوں کو مسلمانوں کی تلواروں نے لگام ڈال دی ہے اور اہل اسلام ان سے بچ گئے ہیں کبھی ان کی تدبیر رائج ہو جاتی ہے اور ان کا باطل اور کفر مکمل ہو جاتا ہے کمزور مسلمان پر اہل اسلام میں سے مگر وہ چھپاتے ہیں بچاؤ کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ یہ آیت محکم اور ثابت ہے منسوخ نہیں ہے اور اصل اصیل ہے ذرائع بند کرنے میں' کئی شبہات کے جنم لینے کے راستوں کو ختم کرنے میں۔ ''عــــدوا'' حالیت کی بنا پر منصوب ہے یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے یا یہ مفعول لہ ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ﴾ (۱۱۹) ہے۔

یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ خاص سبب میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی (انہوں نے اس کو حسن بھی کہا ہے) اور بزار وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم اپنا قتل کیا ہوا جانور کھا لیتے ہیں مگر جس کو اللہ تعالیٰ مارتے ہیں ہم اس کو نہیں کھاتے اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرما دی۔ یاد رکھنا کہ خاص سبب کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم لفظ کا

Marfat.com

اعتبار اور لحاظ ہوتا ہے تو اس لحاظ سے جانور کو ذبح کرنے والا اللہ پاک کا نام لے گا وہ حلال ہوگا اگر وہ جانور ایسا ہے جس کا استعمال جائز وحلال ہے۔ عطاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں حکم ہے پانی پینے پر' ذبح کرنے پر اور کھانے والی شی پر اللہ کا نام لیا جائے۔

''وقد فصل لکم ما حرم علیکم'' حال یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے بڑا مفصل بیان دیا ہے جس سے ہر شک ختم اور ہر شبہ زائل ہو جاتا ہے اس کا بیان اس قول میں ہے: ''قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً الخ'' پھر اس سے استثناء کر دیا کہ ''الا ما اضطررتم الیہ'' جو بھی تم پر اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے (وہ مجبور میں حلال ہے) کیونکہ ضرورت حرام کو حلال کر دیتی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

آیت نمبر 3:

﴿ولا تاکلوا﴾ (۱۲۲) ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس جانور کے کھانے سے منع کیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا' بعد اس کے کہ حکم دیا تھا کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا اس کو کھاؤ' اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے اس بارے میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے۔ جناب ابن عمر' نافع (ان کا مولیٰ اور شاگرد)' شعبی' ابن سیرین' امام مالک' احمد' ابو ثور اور داؤد ظاہری نے کہا ہے جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا وہ حرام ہے خواہ عمداً نام نہ لیا گیا ہو یا بھول کر۔ اس کی دلیل یہی آیت ہے اور دوسری دلیل یہ قول باری تعالیٰ ہے:

''فکلوا مما امسکن واذکروا اسم اللہ علیہ'' اور ''وانہ لفسق'' بھی اس استدلال کو مزید پختہ کر دیتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں شکار وغیرہ پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ امام شافعی اور ان کے ساتھی (یہی روایت امام مالک اور احمد

Marfat.com

سے ہے) سے ہے کہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ابو ہریرہ اور عطاء بن ابی رباح سے بھی یہی مروی ہے۔ امام شافعی نے اس آیت کو اس پر محمول کیا ہے کہ جو آدمی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ یہ بلا مخصص اس آیت کی تخصیص ہے۔ امام ابوداؤد نے مراسیل میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ اس پر بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ یہ مرسل حدیث اس آیت کی تخصیص کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ہاں جنابہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ایک قوم ہمارے پاس گوشت لاتی ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ اس پر بسم اللہ پڑھتے ہیں یا نہیں آپؐ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لے کر اس کو کھاؤ۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لینا کافی ہے جب شک ہو کہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے یا نہیں۔ امام مالک اور احمد (جو قول ان کا مشہور ہے) ابوحنیفہ اور اسحاق بن راھویہ سے مروی ہے کہ اگر تسمیہ بھول کر ترک کر دی جائے تو وہ نقصان دہ نہیں ہے اور اگر عمداً ترک کر دی گئی ہو تو اس ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں ہے۔ یہی مروی ہے جناب علیؓ ابن عباسؓ سعید بن مسیّبؒ عطاءؒ طاؤسؒ حسن بصریؒ ابو مالکؒ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ جعفر بن محمد اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے استدلال کیا ہے بیہقی کی اس روایت سے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر آدمی ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنی بھول جائے تو وہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو کھا لے' اس حدیث کو مرفوع کہنا بہت غلطی ہے۔ یہ ابن عباس کا قول ہے۔

عبدالرزاق' سعید بن منصور' عبد بن حمید اور ابن منذر نے بھی اس کو ابن عباسؓ کا قول کہا ہے۔ ہاں اس مذہب کے استدلال کے لیے اس قول باری تعالیٰ: ''ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطأنا'' سے سہارا لیا جا سکتا ہے اور اس

Marfat.com

حدیث رسول: '' رفع عن امتی الخطاء والنسیان '' سے بھی استدلال صحیح ہے
جناب ابو ہریرہ کی حدیث جس کو ابن عدی نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ بتائیں کہ ایک آدمی ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھول جاتا ہے (تو وہ کیا کرے؟) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک کا نام ہر مسلم کے دل میں ہے یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ بیہقی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے'' وانہ لفسق '' کی ضمیر ما کی طرف راجع ہے مگر مضاف کو عبارت میں مقدر کر کے مثلاً '' وان اکل ما لم یذکر لفسق '' اور ہوسکتا ہے کہ یہ ضمیر '' یاکلوا '' کے مصدر کی طرف راجع ہے عبارت یوں ہوگی: '' فان الاکل لفسق '' فسق کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے اور جس نے اس آیت کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے پر محمول کیا ہے تو اس نے لفسق سے استدلال کیا ہے وہ اس طرح کہ ترک بسم اللہ کا فسق نہیں ہے بلکہ '' ذبح لغیر اللہ '' فسق ہے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ فسق کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے فرض کو ترک کر دیا ہے۔ بغیر کسی شرعی عذر کے۔

آیت نمبر 4:

﴿ واتوا حقہ یوم حصادہ ﴾ (۱۴۲) ہے۔

اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ آیت محکم ہے یا منسوخ یا ندب پر محمول ہے۔ ابن عمر' عطاء' مجاہد' سعید بن جبیر کا خیال ہے کہ یہ آیت محکم (غیر منسوخ) ہے۔ مالک پر لازم ہے کہ کٹائی کے دن جو مساکین وہاں آجائیں ان کو مٹھی اور گٹھا وغیرہ دے دے' ابن عباس' محمد بن حنفیہ' حسن بصری' نخعی' طاؤس' ابوالشعثاء' قتادہ' ضحاک اور ابن جریج کا خیال ہے کہ یہ آیت زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہے۔ ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے۔ اور یہ امر بھی تائید کرتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ کی آیت مدنی ہے ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوئی تھی۔ جمہور اہل علم (سلف وخلف) اسی

Marfat.com

طرف گئے ہیں۔علماء کے ایک گروہ کا خیال ہے یہ آیت ندب پر محمول ہے وجوب پر نہیں۔

آیت نمبر 5:

﴿ ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین ﴾(۱۴۲)ہے۔

اس جیسی آیت سورۂ اعراف میں بھی ہے۔معنی ہوا کہ صدقہ کرنے میں اسراف نہ کرو۔ اسراف کا لغوی معنی ہے خطاء اورفقہ اسلامی میں اس کا معنی تبذیر (فضول خرچی) ہے۔سفیان نے کہا ہے کہ جو مال اللہ کی طاعت میں خرچ نہ کیا جائے وہ اسراف ہے گو وہ تھوڑا ہی ہو۔ یہ حکمرانوں کو خطاب ہے اللہ پاک ان سے کہہ رہے ہیں کہ تم اپنے حق سے زائد نہ لو۔بعض نے کہا ہے کہ بغیر حق کے کوئی شی نہ لو اور اس کو غیر مستحق جگہ میں نہ رکھو یعنی خرچ نہ کرو۔

آیت نمبر 6:

﴿ قل لا اجد فیما اوحی الی ﴾(۱۴۶)ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو حکم دیا کہ وہ ان کو خبر دے کہ وہ اپنی طرف آنے والی وحی (قرآن) میں نہیں پاتا اس میں یہ اشارہ ہے کہ حل وحرمت کا دارومدار وحی پر ہے نہ کہ صرف عقل پر"محرماً"حرام سوائے ان مذکورہ چیزوں کے۔اس بات نے دلالت کی ہے کہ محرمات ان میں منحصر ہیں مگر اتنی بات ہے کہ یہ مکی سورت ہے اس کے بعد مدینہ میں سورۂ مائدہ اتری ہے ان محرمات کے علاوہ مزید محرمات منخنقہ' موقوذہ' متردیہ اور نطیحہ کا ذکر ہے اور آنحضرت ﷺ سے صحیح سند سے منقول ہے کہ ہر کچلی والا درندہ حرام ہے ہر پنجے والا پرندہ حرام ہے گھریلو گدھے اور کتے حرام ہیں اور اس جیسی کئی دیگر چیزیں ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ عموم اگر بہ نسبت ماکول حیوانات کے ہے جیسا کہ سیاق اس پر دال ہے اور استثناء کا فائدہ دیتا ہے تو اس کے ساتھ ہر وہ چیز ملائی جائے گی جو اس کے بعد کتاب اللہ اور سنت میں آئی ہے یعنی حیوان وغیرہ۔تو اس صورت میں اس کے

Marfat.com

ساتھ ملائی جائے گی ہر وہ چیز جو اس کے بعد وارد ہوئی ہے جس میں کسی بھی شی کی تحریم کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس' ابن عمر اور جنابہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس آیت میں جو چیزیں مذکور ہیں صرف وہی حرام ہیں۔ امام مالک سے بھی یہی مروی ہے مگر یہ قول لائق اعتبار نہیں ہے۔ یہ مذہب بہت ہی کمزور ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید میں بعد میں آنے والی چیزیں مہمل ہو جائیں گی اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بات بھی مہمل ہو جائے گی جس کو اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے حرام قرار دیا ہے بلا کسی سبب کے جو اس کا تقاضا کرے اور بلا موجب کے جو اس کو واجب کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مقابلے میں کسی کی بات بھی قابل تمسک نہیں خواہ وہ صحابی ہی ہو کیونکہ یہ سوء اختیار ہے اور عدم انصاف ہے اور محرماً کا موصوف محذوف ہے۔

"ای طعاماً محرماً" "علی طاعم یطعمه" "کسی بھی کھانے والے پر جو اس کو کھائے کھانوں میں سے یکون اور یطعمہ میں زیادہ تاکید ہے اور ماقبل کی تقریر ہے۔" الا ان یکون "الا یہ کہ وہ شی اور وہ کھانا یا وہ معین چیز یا جسم یا نفس (مراد ہوا تو وہ حرام ہے) یکون بھی پڑھا گیا ہے اور تکون۔" میتة "مرفوع ہے "کان تامه" ہونے کی وجہ سے اور" او دماً مسفوحا "یا وہ خون جو جانور کو ذبح کرتے وقت زمین پر بہہ جاتا ہے (وہ بھی حرام ہے) اور جو خون بہتا نہیں بلکہ گوشت میں لگا رہتا ہے وہ معاف ہے جیسا کہ وہ خون جو ذبح کے بعد رگوں میں رہ جاتا ہے۔ کبد اور طحال کا بھی یہی حکم ہے اسی طرح جو خون گوشت سے ملا ہوا ہو۔ قرطبی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

"او لحم خنزیر" "طعم کی تخصیص کا تقاضا ہے کہ گوشت کے علاوہ دیگر چیزوں سے انتفاع حرام نہیں ہے۔" فانه رجس "میں ضمیر طعم کی طرف راجع ہے یا خنزیر کی طرف اور رجس کا معنی ہے نجس' اس کی تحقیق گزر چکی ہے اور "او فسقا" اس

Marfat.com

کا طعم خنزیر پر عطف ہے۔'' وما اھل بہ لغیر اللہ '' یہ فسق کی صفت ہے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے (وہ بھی حرام ہے) اس کو فسق اس لیے کہا ہے کہ یہ باب الفسق میں داخل ہے۔ یہ فسق لاھل کا مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔'' ای اھل بہ لغیر اللہ فسقا '' اس شرط پر کہ عطف یکون پر ہو اور یہ تو محض تکلف ہے جس کی ضرورت نہیں ہے۔'' فمن اضطر غیر باغ ولا عاد '' اس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے ہم اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے۔'' فان ربک غفور '' بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحیم بہت مہربان ہیں لہٰذا مضطر سے وہ مواخذہ نہیں کریں گے جب ضرورت کے مطابق اس کو استعمال کیا ہو۔

سورۃ الاعراف

یہ مکی سورت ہے سوائے آٹھ آیات (وہ مکی نہیں ہیں) اور وہ'' واسألھم عن القریة '' سے لے کر'' واذ نتقنا الجبل فوقھم '' تک ہیں۔ ابن عباس' ابن زبیر' حسن بصری' مجاہد' عکرمہ' عطاء اور جابر بن زید نے یہی کہا ہے جناب قتادہ نے کہا ہے کہ سورۂ اعراف کی یہ آیت:'' واسألھم '' مدنی ہے باقی آیات مکی ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ یہ سورت مغرب کی دونوں رکعات میں پڑھا کرتے تھے۔ دو سو پانچ یا چھ اس کی آیات ہیں۔

آیت نمبر 1:

﴿ یابنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد ﴾ (۳۱) ہے۔

یہ تمام بنی آدم سے خطاب ہے اگرچہ وہ خاص مقصد میں اتری ہے لہٰذا اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ زینت وہ لباس ہے جس کے ساتھ لوگ زینت حاصل کریں ان کو حکم ہوا کہ وہ نماز' طواف کے لیے مساجد میں حاضر ہوں تو

Marfat.com

زینت لگا کر آئیں۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔ جمہور علماء کا یہی خیال ہے بلکہ ہر حال میں اس کا ستر عورت کرنا واجب ہے اگر چہ تنہا ہی ہو جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔ عورت اور جس کا ستر واجب ہے اس کا مفصل تذکرہ کتب احکام میں ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده﴾ (۳۲) ہے۔

زینت نام ہے اس لباس کا جس کو انسان پہنتا ہے یا اس کے علاوہ مباح اشیاء سے ہو جیسے وہ معادن و جواہر وغیرہ جن کے ذریعے انسان زینت حاصل کرتا ہے منع نہیں آیا۔ اور بعض ائمہ نے جو کہا کہ اس کا معنی صرف لباس ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ان مجموعہ چیزوں میں سے ہے جس پر یہ آیت مشتمل ہے جو آدمی عمدہ اور بیش قیمت لباس استعمال کرے اس پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہ دیا ہو اور اس آدمی پر کوئی گناہ نہیں جو زینت اختیار کرے اس چیز کے ساتھ جس کا زینت میں دخل ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں ہے اور جس نے کہا ہے کہ یہ لباس زہد کے خلاف ہے اس نے بڑی فاش غلطی کی ہے۔

ایسے ہی کھانے پینے وغیرہ کی پاکیزہ چیزیں ہیں جن کو لوگ کھاتے ہیں ان پاک چیزوں کے ترک میں کوئی زہد وتقویٰ نہیں ہے لہٰذا یہ آیت آئی ہے استفہام کے عنوان سے جو متضمن ہے انکار کو اس پر جس نے اپنے اوپر اس کو حرام قرار دیا ہے یا دوسرے پر۔ ابن جریر طبری نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ جس آدمی نے روئی اور کتان کے لباس پر اون اور بالوں کے لباس کو ترجیح دی ہے اس نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے باوجود اس کے کہ اس کے حلال ہونے کی وجہ سے وہ اس کو استعمال کرنے کا اختیار بھی رکھتا ہے اور جس نے بقول اور مسور کی دال کھائی اور اس کو گندم کی روٹی پر ترجیح دی اور جس نے گوشت کو ترک کر دیا شہوت کے عارضہ کے خوف سے (اس کا بھی یہی حکم ہے)

Marfat.com

" والطیبات من الرزق " اور لذیذ کھانے کس نے حرام کیے ہیں۔ بعض نے کہا ہے لباس وطعام کا اسم عام ہے۔ " قل ھی للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا " آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ چیزیں اصالۃ واستحقاقاً اہل ایمان کے لیے ہیں اگرچہ دنیا میں ان کے ساتھ فائدہ اٹھانے میں کفار شریک ہیں۔ " خالصۃ یوم القیامۃ " وہ قیامت والے دن اہل ایمان کے لیے خالص اور خاص ہوں گی ان کے ساتھ کوئی بھی شریک نہ ہوگا۔ قاری نافع نے " خالصۃٌ " مرفوع پڑھا ہے جناب ابن عباس کی بھی یہی قرأت ہے یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے باقی قرآءت نے حالیت کی بنا پر اس کو منصوب پڑھا ہے۔ ابوعلی فارسی نے کہا ہے کہ لفظ دنیا پر وقت جائز نہیں کیونکہ اس کا مابعد " للذین آمنوا " سے متعلق ہوکر حال ہوگا عبارت یوں ہوگی: " قل ھی ثابتۃ للذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا فی حال خلوصھا لھم یوم القیامۃ "

آیت نمبر 3:

﴿قل انما حرم ربی الفواحش﴾ (۳۳) ہے۔

فواحش فاحشہ کی جمع ہے یہ گناہ کو کہتے ہیں۔ " ما ظھر منھا وما بطن " یعنی جو ان میں واضح اور ظاہر فواحش ہیں اور جو پوشیدہ ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ میرے رب نے حرام کی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ زنا کے ساتھ خاص ہے حالانکہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ " والاثم " یہ اس معصیت کو شامل ہے جس سے گناہ جنم لیتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے خاص شراب مراد ہے جیسے شاعر کا یہ قول:

شربت الاثم حتی ضل عقلی　　کذلک الاثم یذھب [1] بالعقول

اہل علم کی ایک جماعت نے تخصیص کا انکار کر دیا ہے حق بات یہ ہے کہ اس سے تمام معاصی

---

[1] میں نے گناہ پیا ہے یہاں تک کہ میری عقل ہی ضائع ہوگئی
ایسے ہی گناہ عقلوں کو لے جاتے ہیں

Marfat.com

مراد ہیں۔قراء نے کہا ہے کہ حق بات کے علاوہ ہر شی گناہ ہے اور (اس طرح) لوگوں پر زیادتی کرنے کا نام (بھی) گناہ ہے اور خمر پر اثم کا لفظ بولنے سے دلالت نہیں ہوتی کہ کہ یہ اس کے ساتھ ہے۔

''والبغی بغیر الحق'' حد سے بڑھنے والا ظلم' یہ ماقبل (الاثم) میں داخل ہے تو اس کو الگ اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے جیسے ارشاد الٰہی ہے:

''وینھی عن الفحشاء والمنکر وان تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا'' کہ تم بے دلیل اللہ پاک کا شریک بناؤ (اس کو رب تعالیٰ نے حرام کیا ہے) اس سے مراد مشرکین کو تہکم کرنا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے کوئی برھان و دلیل نازل ہی نہیں کی کہ کوئی دوسرا اس کا شریک ہو۔''وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون'' کہ تم کہو اللہ تعالیٰ پر جس کی حقیقت تم نہیں جانتے اور اس کی مثال وہ چیزیں ہیں جن کو لوگوں نے اللہ کی طرف منسوب کیا ہے یعنی وہ تحلیلات و تحریمات جن کی اجازت نہیں ہے۔

آیت نمبر 4:

﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا﴾ (۲۰۴) ہے۔

اللہ پاک نے ان کو حکم دیا ہے قرآن سننے اور اس کی قرأت کے وقت چپ رہنے کا تاکہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس میں جو حکم و مصالح ہیں اس میں تدبر کریں۔بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حکم نماز کے ساتھ خاص ہے جب امام قرأت کرتا ہے۔بعض نے کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی قرأت کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے ساتھ نہیں اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے باوجود اس کے کہ لفظ اس سے زیادہ مفہوم رکھتا ہے اور عام اپنے سبب کے ساتھ خاص ہوتا ہے پس قرآن کی تلاوت کے وقت استماع اور انصات ہر حال میں اور ہر صفت میں سامع پر واجب ہے۔

مگر جو استثناء کیا ہے اس ذات نے جس پر قرآن عظیم نازل ہوا ہے جیسے مقتدی کا فاتحہ پڑھنا اپنے امام کے پیچھے خواہ قرآت آہستہ ہو یا جہری ہو کیونکہ اس

Marfat.com

بارے میں صحیح طور پر کئی مشہور واضح احادیث اور کئی آثار وارد ہوئے ہیں جو فاتحہ الکتاب پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں اور مقتدی پر اس کو لازم کردیتے ہیں بلکہ بہت سارے معتبر علماء فقہ و حدیث نے صراحت فرمائی ہے کہ اکثر صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب ہے اور کوئی صحیح اثر نہیں ملتا چہ جائیکہ کوئی صحیح حدیث ہو جس میں صراحت ہو کہ خاص فاتحہ پڑھنی منع ہو اگرچہ اہل علم کی ایک جماعت نے عمومات واردہ سے استدلال کیا ہے۔ مگر انصاف کرنا چاہیے (کہ کیا عمومات سے استدلال صحیح ہے؟) بعون اللہ تعالیٰ میں نے مسک الختام الروضۃ الندیہ اور ھدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل میں مقصد کی پوری وضاحت کردی ہے اس بارے میں ہمارے بعض احباب نے ایک کتاب ''اعلام الاعلام بقراۃ الفاتحہ خلف الامام'' لکھی ہے وہ مختصر سی کتاب بہت نفیس ہے۔''

لعلکم ترحمون'' تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور تم کامیاب ہو جاؤ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرکے۔

آیت نمبر 5:

﴿واذکر ربک فی نفسک﴾ (۲۰۵) ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو دل میں یاد کریں کیونکہ اخفاء اخلاص نیت کے لیے مفید ہے اور قبولیت کا بہت داعی وسبب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ذکر سے مراد یہاں عام ہے خواہ وہ قرآن ہو یا وہ اذکار ہوں جن کا رب تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ نحاس نے کہا ہے کہ'' اذکر ربک فی نفسک'' کے معنی میں کسی نے نہیں اختلاف کیا ہے کہ اس سے مراد دعا ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے خاص قرآن مجید مراد ہے معنی یہ ہوا کہ تامل وتدبر سے قرآن مجید پڑھو۔

''تضرعا وخیفۃ'' عاجزی سے اور چپکے چپکے (اس کو یاد کرو) یہ دونوں حالیت کی بنا پر منصوب ہیں۔'' ودون الجھر'' جہر سے مراد جمہور یہ ہے اس کا عطف ماقبل پر ہے۔'' اذکر حال کو تک متضرعاً وخائفا و متکلما بکلام

Marfat.com

ھو دون الجھر من القول ''سر سے اوپر اور جہر سے کم یعنی دونوں کے بین بین یاد کرو۔ '' بالغدو والاصال ''اذکر کے ساتھ متعلق ہے یعنی صبح کے اوقات اور پچھلے پہر کے اوقات میں (یاد کرو) '' غدو '' یہ غدوۃ کی جمع ہے آصال اصیل کی جمع ہے (زجاج اخفش) جیسے یمین کی جمع ایمان ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آصال اصل کی جمع ہے اور اصل اصیل کی جمع ہے اس صورت میں یہ جمع الجمع ہے (فراء) جوہری نے کہا ہے کہ عصر کے بعد سے مغرب تک کا وقت اصیل ہے۔ اس کی جمع اصل اور آصال ہے گویا یہ اصیلۃ کی جمع ہے۔ ان دونوں وقتوں کو اس لیے خاص کیا ہے کہ ان کی شرافت مسلم ہے' مقصد یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ پاک کا ذکر کیا جائے جیسا کہ فرمایا: '' ولا تکن من الغافلین '' کہ اللہ پاک کے ذکر سے غافل نہ ہونا۔

سورۃ الانفال

یہ سورۃ الانفال ہے۔ کئی مفسرین نے صراحت کی ہے یہ مدنی سورت ہے انہوں نے کوئی استثناء نہیں کیا۔ یہی خیال حسن' عکرمہ' جابر بن زید اور عطاء کا ہے اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے اس کا تذکرہ نحاس نے اپنی کتاب ناسخ میں کیا ہے ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے بھی اس سے نقل کیا ہے ایک روایت میں ہے کہ اس کا نام سورۂ بدر ہے یہ بدر کے مقام پر نازل ہوئی تھی اس کی 75 یا 76 یا 77 آیات ہیں آنحضرتؐ اس کو مغرب کی نماز میں پڑھتے تھے جیسا کہ طبرانیؒ نے صحیح سند کے ساتھ جناب ابوایوب سے نقل کیا ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ یسالونک عن الانفال ﴾(۱) ہے۔

انفال' نفل (قال کی حرکت سے) کی جمع ہے بمعنی غنیمت۔ اور نفل کا اصل

Marfat.com

معنی ہے زیادتی اور غنیمت کو نفل اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ زائد چیز ہے ان میں سے جو اللہ پاک نے اس پر حلال کی ہیں جو پہلی امتوں پر حرام تھیں پھر یہ زیادتی ہے اس پر جو حاصل ہوتا مجاہدین کو یعنی اجر جہاد اس کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے بمعنی یمین' ابتغاء اور ایک معروف بوٹی ہے۔ نافلہ کا معنی ہے تطوع کیونکہ وہ بھی فرض سے زائد ہوتا ہے۔ نافلہ کا معنی پوتا بھی ہے کیونکہ یہ بھی اولاد سے زائد ہوتا ہے۔ بدر کے دن صحابہ کا اختلاف اس آیت کے نزول کا سبب بنا نوجوانوں نے کہا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم لڑے ہیں۔ شیوخ نے کہا کہ ہمارا حق ہے کہ ہم جھنڈوں کے نیچے تمہاری کمک تھے۔ اللہ پاک نے ان کے ہاتھ سے غنیمت کا حق چھین کر اپنے اور اپنے نبی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا: '' قل الانفال للّٰہ والرسول '' اس کا فیصلہ کرنا اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔ آنحضرتؐ اللہ سبحانہ کے حکم سے تمہارے درمیان اس کو تقسیم کریں گے۔

پس آنحضرت ﷺ نے نفل ان میں برابر تقسیم فرمایا (مستدرک) اس میں تمہارا حکم جاری نہیں ہوگا۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ انفال آنحضرتؐ کے لیے خاص ہے اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہے حتیٰ کہ یہ قول باری تعالیٰ: '' واعلموا انما غنمتم من شیء فان للّٰہ خمسہ '' اس تحقیق پر یہ آیت منسوخ ہے۔ مجاہدؒ عکرمہ' سدی کا یہی خیال ہے۔ ابن زید نے کہا ہے یہ محکم مجمل ہے اللہ تعالیٰ نے آیت خمس میں اس کے مصارف بیان کئے ہیں منسوخ نہیں ہے۔

'' فاتقوا اللّٰہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللّٰہ ورسولہ ان کنتم مومنین '' انہیں تقویٰ' اصلاح ذات البین' طاعۃ اللہ' طاعۃ رسول کا حکم دیا کہ ان کا حکم مانو اور آپس کا اختلاف ترک کر دو۔

<u>آیت نمبر 2:</u>

﴿ یاایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا ﴾ (۱۵) ہے۔

زحف کا معنی ہے آہستہ آہستہ قریب ہونا۔ اس کا اصل معنی ہے چوتڑوں پر

Marfat.com

پیچھے ہٹنا۔ پھر یہ ہر اس آدمی کا نام بن گیا جو لڑائی میں دوسرے کی طرف آہستہ آہستہ جاتا ہے۔ تزاحف کا معنی بھی قریب ہونا ہے۔ محاورہ '' زحف الی العدو زحفا '' اور '' ازدحف القوم '' یہ اس وقت بولے جاتے ہیں جب بعض بعض کی طرف ہو جائے۔ زحفا کا نصب یا اس لیے ہے کہ وہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے جیسے '' یرجعون زحفاً '' یا اس لیے کہ وہ مؤمنین سے حال ہے۔ '' ای حال کونکم زاحفین الی الکفار '' یا '' الذین کفروا '' سے حال ہے '' ای حال کون الکفار زاحفین '' یا یہ فریقین سے حال ہے۔ '' ای متزاحفین فلا تولوھم الادبار '' اللہ تعالیٰ نے منع کیا مومنین کو کہ وہ کفار سے شکست کھائیں جب ان سے ملاقات ہو اور میدان جنگ میں بعض بعض کے قریب ہو جائے۔ آیت کا ظاہر عموم کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ ہر مومن کو ہر زمانے میں اور ہر حال میں شامل ہے۔

صرف تحرف وتحیز کی صورت مستثنیٰ ہے۔ حضرت عمرؓ ابن عباس' ابو ہریرہ' ابوسعید' ابونضرہ' عکرمہ' نافع' حسن' قتادہ' زید بن حبیب' ضحاک سے مروی ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنے کی حرمت اس آیت میں بدر والے دن کے ساتھ خاص ہے اور اہل بدر کے لیے لائق نہیں کہ وہ بھاگیں اگر وہ بھاگیں گے تو پھر مشرکین کی طرف جائیں گے کیونکہ ان دنوں میں ان کے سوا کوئی اور مسلمان نہیں ہے اور نہ ان کی کوئی جماعت تھی سوائے آنحضرت ﷺ کے پھر آپ کے بعد بعض بعض کے لیے جماعت ہے۔ یہی ابوحنیفہ نے کہا ہے۔

علماء نے کہا کہ '' ومن یولھم یومئذ دبرہ '' اس کی تائید کرتا ہے اس میں یوم بدر کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے کہا یہ آیت ضعف کی آیت سے منسوخ ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے یہ آیت محکم (غیر منسوخ) اور عام ہے۔ خاص نہیں ہے اور جنگ سے بھاگنا حرام ہے اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہ آیت بدر والے دن کی لڑائی ختم ہونے کے بعد اتری تھی۔ پہلے دونوں اقوال کا جواب دیا گیا ہے

Marfat.com

کہ ''یومئذ'' میں اشارہ بدر والے دن کی طرف ہے اس طرح کہ اشارہ یوم الزحف کی طرف ہے جیسا کہ سیاق اس بات کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس آیت اور ضعف کی آیت میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ آیت اس کو مقید کرتی ہے' اور جنگ سے فرار حرام ہوگا ساتھ اس شرط کے ساتھ جس کو رب تعالیٰ نے آیت ضعف میں بیان کیا ہے' اور کوئی وجہ نہیں اس کی جو انہوں نے ذکر کیا ہے یعنی نہ تھے زمین میں بدر والے دن مسلمان سوائے ان کے جو وہاں حاضر تھے۔ پس تحقیق مدینہ میں اس وقت بڑی مخلوق تھی آنحضرتؐ نے ان کو خروج کا حکم نہ دیا تھا کیونکہ آنحضرتؐ کے بعد جو صحابہ ان کے ساتھ نکلے تھے ان کا ابتداء میں یہ خیال نہ تھا کہ جنگ ہوگی اور اس کی تائید وہ احادیث صحیحہ بھی کرتی ہیں جو اس بارے میں واضح مروی ہیں۔ جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ''واجتنبوا السبع الموبقات'' کہ سات مہلک گناہوں سے بچو اور اس میں جنگ سے بھاگنا بھی شامل ہے۔ اس جیسی دیگر احادیث بھی ہیں۔ یہ طویل الذکر بحث ہے اور اس کی کئی شاخیں اور طرق ہیں جن کا بیان اپنے مقام پر ہوگا۔

ابن عطیہ نے کہا ہے ادبار دبر کی جمع ہے' اس آیت میں لفظ دبر کے بیان کرنے میں بڑی فصاحت ہے' کیونکہ اس میں قباحت اور مذمت ہے خدمت سے بھاگنے والے پر۔ ''الا متحرفا لقتال'' تحرف کا معنی ہے سیدھی طرف سے پھر جانا اور یہاں مراد جنگ میں ایک جانب سے دوسری جانب پھرنا لڑائی کی تدبیر کے لیے اور دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے جس سے وہم ہوتا ہے کہ وہ شکست کھا کر مڑ رہا ہے تاکہ دشمن اس کے پیچھے آئے پھر وہ اس پر حملہ کردے اور اس طرح اس پر قادر ہو جائے اور اس قسم کی تدابیر حرب بھی ہوسکتی ہیں کیونکہ لڑائی کو دھوکہ کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ ''الحرب خدعة''.

''او متحيزا الى فئة'' یعنی مسلمانوں کی اس جماعت کی طرف پھرنے

Marfat.com

والا جو دشمن سے برسر پیکار نہ تھی۔ ''متحرفا ''اور'' متحیزاً '' کا نصب استثناء کی بنا پر ہے اور مستثنیٰ منہ مولین ہے۔'' ای ومن یولھم دبرہ الا رجلا منھم متحرفا او متحیزاً ''اس کا نصب حالیت کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے پھر حرف استثناء لغو ہوگا اس کا کوئی عمل نہ ہوگا۔ ''فقد باء'' یہ شرط کی جزاء کی ہے معنی یہ ہوگا کہ جو جنگ سے شکست کھا کر بھاگے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے گا متحرف و متحیز کے سوا۔

آیت نمبر 3:

﴿ قل للذین کفروا ان ینتھوا ﴾ (۳۸) ہے۔

اللہ پاک نے حکم دیا کہ وہ کفار سے کہہ دیں برابر ہے کہ وہ اس عبارت سے کہے یا کسی دوسری عبارت سے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے اگر وہ ایسے ہی ہے جیسے کسائی نے کہا ہے کہ یہ ابن مسعود کے مصحف میں ہے۔'' قل للذین کفروا ان تنتھوا '' یعنی خطاب کا صیغہ ہے تو رسالت کا حق بعینھا انہیں الفاظ سے ادا ہوگا۔ زمخشری نے کشاف میں کہا ہے:'' قل لا جلھم ھذا القول' وھو: ان ینتھوا ''اور اگر اس کا معنی ہو کہ ان سے کہہ دو تو پھر کہا جاتا:'' ان تنتھوا یغفر لکم '' یہ ابن مسعود کی قرأت ہے اور اس سے ملتی جلتی یہ آیت ہے:'' وقال الذین کفروا للذین آمنوا لو کان خیراً ما سبقونا الیہ ''ان کے ذریعے دوسروں کو خطاب کیا گیا ہے تاکہ وہ اس کو سن لیں معنی یہ ہوا کہ اگر وہ اسلام قبول کر کے عداوت وقتال نبوی سے باز آجائیں'' یغفر لھم ما قد سلف ''ان کی سابقہ مخالفت وعداوت کو معاف کر دیا جائے گا۔ اھ

بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اگر وہ کفر سے باز آجائیں (تو معافی مل جائے گی) اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام سابقہ عام گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔

آیت نمبر 4:

﴿ وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ﴾ (۳۹) ہے۔

Marfat.com

ان سے لڑو یہاں تک کہ کفر و شرک ختم ہو جائے۔'' ویکون الدین کلہ للہ ''اس میں مومنوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ کفار سے جہاد کریں اس کی مکمل تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

آیت نمبر 5:

﴿واعلموا انما غنمتم﴾ (۴۱) ہے۔

قرطبی نے کہا ہے کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں غنیمت سے مراد کفار کا وہ مال ہے جس پر مسلمان بطور غلبہ کامیاب ہو جائیں فرمایا کہ لغت اس تخصیص کا تقاضا نہیں کرتی لیکن شریعت نے اس کو اس نوع کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے دعویٰ کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت: '' یسئلونک عن الانفال '' کے بعد اتری ہے اور اس پر بھی ہے کہ غنیمت کے چار خمس '' غانمین '' میں تقسیم ہوں گے اور اس پر بھی ہے: '' یسئلونک عن الانفال '' اس وقت اتری تھی جب اہل بدر نے بدر کی غنیمت کے بارے میں اختلاف کیا تھا جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ '' یسئلونک عن الانفال '' محکم غیر منسوخ ہے اور غنیمت آنحضرت ﷺ کے لیے ہے '' غانمین '' (مجاہدین) میں تقسیم نہیں ہوگی بعد میں آنے والے ائمہ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ ماوردی نے کئی مالکیوں سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ امام کو حق ہے غنیمت کو ان سے خارج کر دے' انہوں نے فتح مکہ اور واقعہ حنین سے دلیل لی ہے۔ ابوعبیدہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ نے مکہ جبراً فتح کیا ہے پھر ان پر احسان کیا کہ ان کو واپس کر دیا اور اس کو تقسیم نہیں کیا اور اس کو مال فیء نہیں بنایا۔ اہل علم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مدینہ کے چار خمس غانمین کے لیے ہیں اور جن ائمہ سے یہ مروی ہے وہ یہ ہیں ابن منذر' ابن عبدالبر' داؤدی' مازری' قاضی عیاض اور ابن عربی اور وہ احادیث جو غانمین میں غنیمت کے تقسیم کرنے

Marfat.com

کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور اس کی کیفیت بھی بیان ہوئی ہے وہ بہت زیادہ ہیں۔

قرطبی نے کہا ہے میرے علم کے مطابق کسی نے بھی نہیں کہا کہ قول باری تعالیٰ: ''یسئلونک عن الانفال'' ناسخ ہے اور'' واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان اللّٰہ خمسہ''منسوخ ہے بلکہ جمہور علماء نے کہا ہے کہ قول باری تعالیٰ'' انما غنمتم من شیٔ'' ناسخ ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر کتاب اللہ کی تبدیلی وتحریف جائز نہیں ہے باقی رہی دلیل فتح مکہ والی تو اس میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ فتح مکہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے باقی رہا واقعہ حنین تو اس میں آنحضرتؐ نے اپنی ذات انصار کو بطور عوض دی تھی جب انہوں نے کہا تھا کہ آنحضرتؐ قریش کو غنائم دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں جب کہ ہماری تلواریں ان کے خون سے تر ہیں۔

آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ لوگ دنیا لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں کو اللہ کا رسول لے کر جا رہے ہو جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے کوئی دوسرا یہ نہیں کہہ سکتا اور قول باری تعالیٰ:'' انما غنمتم '' ہر شی کو شامل ہے جس پر غنیمت کا لفظ صادق آتا ہے۔ جب اس کا اصل ''اصابۃ الغنم من العدو'' ہو۔'' ومن شیئ '' یہ ما موصولہ کا بیان ہے۔ اجماع امت نے اس آیت کے عموم سے قیدیوں کو خاص کر دیا ہے بالاتفاق اس بارے میں امام کو اختیار ہے۔ اسی طرح مقتول کے سامان کا مسئلہ ہے جب امام نے اس کا اعلان کیا ہو۔ کہا گیا ہے کہ ارض مفتوحہ کا بھی یہی حکم ہے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ زمین کے بارے میں اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

'' فان ''یعنی بلاشبہ واجب ہے کہ'' أن للّٰہ خمسہ وللرسول ''خمس کی تقسیم کی کیفیت میں علماء کے چھ اقوال ہیں پہلا قول ہے کہ کچھ علماء کا خیال ہے کہ خمس کے چھ حصے ہوں گے۔(1) چھٹا حصہ کعبہ میں رکھا جائے گا یہ وہی ہے جو اللہ کا حصہ

Marfat.com

ہے۔ (2) رسول اللہ کے لیے ہے (3) قریبی رشتہ داروں کے لیے ہے۔ (4) یتامیٰ کے لیے ہے۔ (5) مساکین کے لیے ہے۔ (6) مسافروں کے لیے ہے۔

دوسرا قول: ابوالعالیہ اور ربیع نے کہا ہے کہ غنیمت کے پانچ حصے ہوں گے ایک الگ کرلیا جائے اور چار مجاہدین میں تقسیم ہوں گے پھر جو حصہ الگ کیا گیا ہے اس پر ہاتھ مارا جائے گا جو مٹھی میں آجائے وہ کعبہ میں رکھا جائے اور باقی کو پانچوں قسموں (قریبی رشتہ دار' یتامیٰ' مساکین' مسافر) پر تقسیم کیا جائے گا۔ تیسرا قول: یہ علی بن حسین زین العابدین کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ خمس ہمارا حق ہے ان سے کہا گیا کہ اللہ پاک تو یتامیٰ' مساکین اور مسافروں کو بھی حق دار قرار دیتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا یتیم ہمارے مساکین اور ہمارے ہی مسافر مراد ہیں۔

چوتھا قول: یہ قول امام شافعی کا ہے کہ خمس پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا اللہ اور اس کے رسول کا ایک ہی حصہ ہے جو مصالح المومنین میں استعمال کیا جائے گا اور باقی چار خمس آیت میں مذکور چار اقسام میں تقسیم ہوں گے۔ پانچواں قول: یہ ابوحنیفہ کا قول ہے کہ خمس تین مدات (یتامیٰ' مساکین اور مسافروں) پر تقسیم ہوں گے آنحضرت ﷺ کی وفات سے ان کی قرابت کا حصہ ختم ہوگیا ہے جیسا کہ آپ کا اپنا حصہ ختم ہوگیا ہے۔ فرمایا کہ خمس سے پل اور مساجد بنائی جائیں۔ قاضیوں اور فوجیوں کی تنخواہیں دی جائیں۔ یہ امام شافعی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

چھٹا قول: یہ امام مالک کا قول ہے خمس امام کے اجتہاد اور اس کے فکر پر موقوف اس سے وہ بغیر اندازے کے لے سکتا ہے وہ اپنے اجتہاد سے نمازیوں کو دے سکتا ہے باقی مسلمانوں کی مصالح میں صرف کرسکتا ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ خلفاء اربعہ نے یہی کہا ہے اور اس پر ہی انہوں نے عمل کیا ہے اور یہ قول نبوی: ''مالی مما افاء اللّٰہ علیکم الا الخمس والخمس مردود علیکم '' بھی اسی مسلک کی تائید کرتا ہے آپ نے نہ اس کے اخماس تقسیم کیے نہ اثلاث اور بے شک ذکر کیا اس کو جو آیت میں ہے جس نے اس کو

Marfat.com

ذکر کیا ہے ان پر تنبیہ کے لیے۔ کیونکہ جن کو وہ دیا جائے گا ان میں سے یہ اہم ہیں۔

زجاج نے اس قول کے لیے حجت بناتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ والمساکین'' اور بالاتفاق جائز ہے کہ وہ ان اصناف کے علاوہ میں خرچ کرے جب وہ اس کو صحیح سمجھتا ہو۔ ''ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل'' ذی القربیٰ میں لام کا اعادہ کرنا باقی مدات میں نہ کرنا اس وہم کو دور کرنا ہے کہ وہ سب نبی کے حصے میں شریک ہیں۔ معنی یہ ہوا کہ پانچ حصوں میں سے ایک حصہ نبی ﷺ کے اقارب کا ہے۔

علماء نے ان کے بارے میں اختلاف کیا ہے' اس بارے میں چند اقوال ہیں پہلا یہ ہے نبی کے قریبی سارے قریش ہیں یہ بعض سلف سے منقول ہے اور ان کی دلیل وہ واقعہ ہے جو پیش آیا کہ آپ صفا پہاڑی پر چڑھے اور قریش کے تمام قبائل کو یا بنی فلاں یا بنی فلاں کہہ کر آواز دی۔ امام شافعی' احمد' ابوثور' مجاہد' قتادہ' ابن جریج اور مسلم بن خالد نے کہا ہے کہ بنوھاشم اور بنوالمطلب ایک ہیں اور پھر آپ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر تشبیہ دی اور یہی صحیح ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ صرف بنوہاشم ہیں' امام مالک' ثوری' اوزاعی وغیرہ کا یہی خیال ہے۔ علی بن حسین اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے اس طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا ان کا حصہ آج بھی باقی ہے یا آپ کی وفات سے ساقط ہوگیا ہے کہ اب سارا مال تین حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ جمہور کا خیال ہے کہ اب بھی حصہ ہے۔ امام مالک اور شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ فقراء اور اغنیاء اس میں ''للذکر مثل حظ الانثیین'' کے قاعدے کے مطابق حصہ دار ہیں۔ ابوحنیفہ اور اہل الرائے نے کہا ہے وہ حصہ گر گیا ہے تفصیل اپنی جگہ مل سکتی ہے۔

آیت نمبر 6:

﴿ولا تنازعوا فتفشلوا﴾ (۴۶) ہے۔

Marfat.com

اس میں تنازعہ (اختلاف رائے) کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے فشل (لڑائی میں بزدلی) پیدا ہوتا ہے ہاں جو تنازعہ دلیل سے ہوتا ہے وہ جائز ہے کیونکہ اس میں اظہار حق ہوتا ہے جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' وجادلهم بالتي هي احسن '' بلکہ وہ تنازعہ مامور بھا ہے مگر وہ چند مقررہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔'' فتفشلوا '' فعل پر جو فاء ہے وہ جواب نہی کی بنا پر ہے اور فعل اس سے منصوب ہے کہ وہاں ان مقدر ہے۔اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف '' تنازعوا مجزوم '' پر ہو۔'' وتذهب ريحكم '' تذهب فعل کو نصب اور جزم دونوں سے پڑھا گیا ہے دونوں صورتوں میں اس کا '' تفشلوا '' پر عطف ہوگا۔اور ریح کا معنی قوت و مدد ہے جیسا کہ محاورہ ہے: '' الريح لفلان '' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اپنے معاملہ میں غالب رہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا معنی حکومت ہے اس نام سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہوا چلتے وقت اپنا نفوذ کرتی ہے حکومت بھی اس طرح قادر ہے قول شاعر بھی اسی معنی میں ہے:

اذا هبت رياحک فاغتنمها   فعُقبیٰ کل خافقة سكون [1]

بعض نے کہا ہے کہ ریح سے مراد باد صبا ہے کیونکہ اس کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی مدد کی جاتی تھی۔

آیت نمبر 7:

﴿ واما تخافن من قوم ﴾(۵۸) ہے۔

اگر آپ ڈرتے ہیں بنوقریظہ اور بنونضیر سے کہ وہ خیانت کریں گے (تو معاہدہ توڑ دیں) خیانہ بمعنی عہد کو نقصان پہنچانا ہے۔'' فانبذ '' تو آپ پھینک دیں۔'' اليهم '' ان کی طرف وہ عہد جو آپ کے اوران کے مابین برابر پر ہوا ہے۔'' على

---

[1] جب تیری ہوائیں چلیں تو تو ان کو غنیمت جان کیونکہ انجام ہر جھنڈے کا سکون ہے۔

Marfat.com

سوا "معنی یہ ہوا کہ وہ ایسے صاف الفاظ میں ان سے معاہدہ توڑنے کے بارے میں ان کو آگاہ کرے ان سے اچانک لڑائی کا آغاز نہ کرے۔

بعض نے کہا ہے کہ علی سواء کا معنی ہے ایسے طریقے سے معاہدہ توڑیں گے کہ معاہدہ توڑنے کا علم ان کے قریب وبعید دونوں کو ہو یا یہ معنی کہ آپ اور وہ اس کے جاننے میں برابر ہوں تا کہ وہ آپ پر غداری کا الزام نہ لگا سکیں۔ امام کسائی نے کہا ہے کہ سواء بمعنی عدل ہے کبھی بمعنی وسط ہوتا ہے اسی سے ہے قول باری "فی سواء الجحیم "بعض نے کہا ہے کہ جہری نہ کہ سری۔ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ آیت ہر معاہد کو شامل ہے جو وقوع نقص سے ڈرتا ہو۔ ابن عطیہ نے کہا ہے الفاظ قرآنی سے ظاہر ہے کہ بے شک بنوقریظہ کا معاملہ تو "فشرد بهم من خلفهم "سے ختم ہو گیا تھا پھر سے رب تعالیٰ نے اس آیت میں ابتداء کی ہے اپنے ایسے امر کے ساتھ جس کو وہ مستقبل میں کرے گا مگر ساتھ خیانت کا بھی ڈر ہے۔" ان اللہ لا یحب الخائنین "یہ ماقبل کی علت ہے احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ڈرایا گیا ہے لڑائی شروع کرنے سے پہلے اس سے کہ عہد ان کی طرف برابر پھینکا جائے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا رجوع ایسی قوم کی طرف ہو جن سے خیانت کا ڈر ہو۔

آیت نمبر 8:

﴿ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ﴾(٦٠) ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا کہ دشمنوں کے مقابلے میں قوت تیار کرو اور قوت ہر اس شی کا نام ہے جس سے لڑائی میں طاقت حاصل ہو ہتھیار اور کمان وغیرہ اسی کا حصہ ہیں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو منبر پر وعظ کرتے ہوئے سنا آپ فرمار ہے تھے:" واعدوا لهم ما استطعتم من قوة "پھر آپ نے قوت کا معنی پھینکنا کیا ہے تین مرتبہ آپ نے یہ تفسیر کی۔ بعض نے اس کی تفسیر کی ہے قلعہ جات اور معاقل مگر آنحضرت ﷺ کی بتائی

Marfat.com

ہوئی تفسیر ہی متعین ہے۔ ''ومن رباط الخیل ''ابوحاتم نے کہا ہے کہ پانچ گھوڑے یا اس سے زائد مراد ہیں۔ یہ وہی گھوڑے ہیں جو دشمن کے سامنے باندھے جائیں ومنہ قول الشاعر: ۔

امر الالہ بربطہا لعدوہ   فی الحرب ان اللہ خیر موفق ❶

کشاف میں ہے رباط ان گھوڑوں کا نام ہے جو راہ خدا میں باندھے جائیں اور ہوسکتا ہے رباط مرابطہ کا نام ہے۔ ہوسکتا ہے یہ ربیط کی جمع ہو جیسے فصیل کی جمع فصال ہے۔ اھ۔ جس آدمی نے قوت کا معنی کیا ہے ہر وہ چیز جس سے لڑائی میں مدد ملے تو اس کے نزدیک قوۃ پر رباط الخیل کے عطف کا نام عطف الخاص علی العام ہے۔'' ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم '' حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔ ترھیب کا معنی ہے تخویف۔ اور بہ کی ضمیر ما استطعتم کے ما کی طرف راجع ہے یا پھر اعداد کی طرف راجع ہے جو اعداد سے سمجھ میں آتا ہے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں سے اور اہل مکہ وغیرہ کے مشرکین مراد ہیں۔

آیت نمبر 9:

﴿وان جنحوا للسلم فاجنح لھا﴾(٦١) ہے۔

جنوح کا معنی مائل ہونا' سلم کا معنی ہے صلح کرنا۔ اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا غیر منسوخ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ'' فاقتلوا المشرکین '' قول باری تعالیٰ سے منسوخ ہے (ابن عباس) بعض نے کہا کہ وہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد ہے فدیہ قبول کرنا۔ صحابہ اور تابعین نے اس کو قبول کیا ہے یہ اہل کتاب کے ساتھ خاص ہوگا (مجاہد)۔ بعض نے کہا ہے کہ اگر مشرکین صلح کی دعوت

---

❶ اللہ پاک نے لڑائی میں دشمن کے لیے گھوڑے باندھنے (تیار رکھنے) کا حکم دیا بے شک اللہ تعالیٰ بہتر توفیق دینے والے ہیں۔

Marfat.com

دیں تو اس کو قبول کرنا جائز ہے اور جن لوگوں نے مشرکین سے مصالحت کرنے کا انکار کیا ہے ان کی دلیل یہ قول الٰہی ہے: "ولا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون واللہ معکم" اور انہوں نے صلح کے عدم جواز کی قید لگائی ہے کہ جب مسلمانوں کو قوت وغلبہ حاصل ہو اور جب یہ کیفیت نہ ہو تو پھر جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے قریش سے صلح کی تھی اور پھر ہمیشہ سے خلفاء اور صحابہ کا یہی طریقہ رہا ہے باقی اس پر اہل علم کی گفتگو اپنے مقام پر معروف ومقرر ہے۔

آیت نمبر 10:

﴿الان خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مأة صابرة یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین منکم﴾ (۲۲) ہے۔

اس میں ایک آدمی پر واجب کیا کہ وہ دو کافروں کا مقابلہ کرے (اور بھاگے نہ) بعض نے کہا ہے کہ سو کا دو سو پر اور ایک ہزار کا دو ہزار پر غلبہ پانا اہل ایمان کے لیے بشارت ہے کہ اسلام کے لشکروں کی گنتی دھاکوں اور سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہنچ جائے گی۔ اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہ تخفیف نسخ ہے یا نہیں اور اس بحث میں کوئی خاطر خواہ فائدہ بھی نہیں ہے۔ بخاری نے اور نحاس نے اپنی ناسخ میں ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت: "ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین" نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ بات گراں گزری۔ جب یہ فرض ہوا کہ ایک آدمی دس کافروں سے لڑے اور بھاگے نہ تو تخفیف کا حکم "الان خفف اللہ عنکم" نازل ہوا جب اللہ تعالیٰ نے ان کی گنتی کم کر دی تو اس مقدار میں ان سے صبر کی بھی کمی واقع ہوئی۔

آیت نمبر 11:

﴿ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتیٰ یثخن فی الارض﴾ (۶۷) ہے۔

یہ بھی جہاد کا حکم ہے۔ "ما کان لنبی" کا معنی ہے ما صح لہ وما استقام

Marfat.com

(صحیح اور درست نہیں ہے) اسریٰ اسیر کی جمع ہے اور اسیر کی جمع اساریٰ (ہمزہ کی پیش اور زبر سے) بھی ہے۔ یہ اسر بمعنی چمڑے کا تسمہ سے ماخوذ ہے کیونکہ اس کے ساتھ وہ قیدی کو مضبوط باندھتے تھے۔ ابوعمرو بن علاء نے کہا ہے کہ اسریٰ وہ قیدی ہیں جن کو گرفتار کیا جائے مگر ان کو باندھا نہ جائے اور اساری وہ قیدی ہیں جن کو مضبوطی سے باندھا جائے۔ اثخان کا معنی ہے خوب قتل کرنا اور اس میں مبالغہ کرنا۔ محاورہ ہے "اثخن فلان فی هذا الامر" یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس میں خوب مبالغہ کرے۔ معنی یہ ہوا کہ کسی نبی کے لیے یہی لائق ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں تو ان کو خوب قتل کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ اثخان کا معنی ہے تمکن۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے قوت رب تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بدر والے دن مشرکین کا قتل ان کی گرفتاری اور فدیہ سے بہت بہتر تھا پھر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو اس بارے میں رخصت مل گئی فرمایا: "فاما منا بعد واما فداء"

آیت نمبر 12:

﴿ والذین آمنوا ﴾ (۷۲) ہے۔

وہ لوگ جو مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ "ولم یهاجروا" انہوں نے وہاں سے ہجرت نہیں کی۔ یہ مبتداء ہے۔ "مالک من ولا یتهم" اس کی خبر ہے یعنی تمہارے ذمہ ان کی امداد، نصرت اور اعانت نہیں ہے یا ان کی میراث تمہارے لیے نہیں ہے اگرچہ وہ تمہارے قرابات میں سے ہی ہوں۔ "من شیٔ" کیونکہ ان سے ہجرت کا وقوع نہیں ہوا۔ "حتی یهاجروا" یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں تو پھر ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو پہلے طائفہ کے لیے ہے جنہوں نے ایمان اور ہجرت کو جمع کیا ہے۔

"وان استنصروکم فی الدین" یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی جب وہ تم سے مشرکین کے خلاف امداد طلب کریں۔ "فعلیکم النصر" تو تمہارے ذمہ ان کی امداد کرنا واجب ہے۔ ہاں اتنی بات

Marfat.com

ہے کہ اگر وہ تم سے مدد مانگیں اس قوم کے خلاف کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے۔ ''علی قوم بینکم وبینھم میثاق '' تو پھران کی امداد نہ کرو اور نہ توڑو وہ عہد جو تمہارے اور اس قوم کے درمیان ہو چکا ہے حتیٰ کہ اس کی مدت ختم ہو جائے اور وہ ہے دس سال۔

آیت نمبر 13:

﴿ واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض ﴾(۷۵) ہے۔

رشتہ دار بعض بعض کے قریب ہیں دوسروں سے جن کے درمیان کوئی رحم کا رشتہ نہ ہو۔ میراث کے بارے میں ان سے مراد قرابات ہیں تو حکم ہر قرابت کو شامل ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں مراد عصبات ہیں جیسے اہل عرب کہتے ہیں کہ '' صلتک رحم '' (آپ کا تعلق رحم کا ہے) اس سے وہ ماں کی قرابت مراد نہیں لیتے۔ یہ بھی مخفی نہ رہے آپ پر اس میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے جو غیر عصبات پر اطلاق سے مانع ہو۔ اس آیت سے اس آدمی نے استدلال کیا ہے جو کہتا ہے کہ ذوی الارحام میراث کے حقدار ہیں حالانکہ وہ نہ تو عصبہ ہیں اور نہ اصحاب الفرائض میں سے ہیں جیسا کہ اہل میراث کے عرف میں بولا جاتا ہے۔ اس بارے میں اختلاف اپنے مقام پر معروف اور مقرر ہے۔

بعض نے کہا ہے اس آیت نے میراث '' بالموالات والنصرۃ '' کو منسوخ کر دیا ہے۔ (یہ تحقیق) اس آدمی کے نزدیک ہے جس نے '' بعضھم اولیاء بعض '' اور اس کے مابعد کی تفسیر میراث سے کی ہے۔ جس نے اس کی تفسیر نصرت ومعونت سے کی وہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان بناتا ہے کہ قرابات '' بعضھم اولٰی ببعض '' '' فی کتاب اللہ '' یعنی اللہ پاک کے حکم کے مطابق یا لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کے مطابق یا قرآن میں لکھے ہوئے کے مطابق۔ اور اس آیت میں '' اولویۃ فی المیراث '' کے اعتبار سے داخل ہے کیونکہ اس کا سبب قرابت) موجود ہے۔

Marfat.com

سورۂ برأت

اس کی ایک سوتیس یا ستائیس آیات ہیں۔اس کے دیگر بھی کچھ نام ہیں۔ ان میں سے ایک سورۂ توبہ ہے کیونکہ اس میں مومنوں کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے۔اس کا نام فاضحہ بھی ہے کیونکہ اس میں'' ومنھم ومنھم'' کہہ کر منافقین کو رسوا کیا گیا ہے۔ اس کا نام بحوث بھی ہے کیونکہ اس میں منافقین کے اسرار کی کرید کی گئی ہے۔کئی دیگر نام بھی ہیں۔ یہ مدنی سورت ہے قرطبی نے بالاتفاق کہا ہے کہ ابوالشیخ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ میں سورۂ برأت اتری ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ برأة من الله ورسوله ﴾(۱) ہے۔

یہاں ھذہ محذوف ہے معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے۔یہ اعلان برأت ایک محاورہ ہے۔کہا جاتا ہے'' برئت من الشی ابرأ برأة'' اور'' انا منه بریٔ '' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اس شی کو اپنی ذات سے الگ کردے۔اپنے اور اس کے درمیان تعلق ختم کردے۔'' الی الذین عاهدتم من المشرکین '' عہد کا معنی ہے حلف اٹھا کر موثوق عقد کرنا۔یہ خطاب مسلمانوں سے ہے کیونکہ انہوں نے اللہ پاک اور اسکے نبی کی اجازت سے مشرکین وغیرہ سے معاہدہ کر رکھا تھا۔معنی یہ ہوا کہ مسلمانوں کو بتانا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ اس معاہدے سے بری ہیں اس وجہ سے کہ کفار کی طرف سے اس میں نقض آیا ہے تو اس عہد کو ان کی طرف پھینک دینا (توڑنا) واجب ہے معاہد مسلمانوں پر۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی برأت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس معاہدہ کو توڑنے کی بنا پر مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ معاہدہ ختم کردیا جائے' اس عبارت میں

Marfat.com

برأت کی تعظیم وتہویل بیان کرنا اور مشرکین پر ذلت وھوان کا فیصلہ کرنا ہے۔ (یہ فیصلہ ایسا ہے) جو مخفی نہیں۔ ''فسیحوا '' اے مشرکو! زمین میں چار ماہ چلو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے برأت کے بعد (یہاں سے) نکلنے اور چلے جانے کا حکم دیا ہے کیونکہ سیاحت کا معنی ہی ہوتا ہے جانا۔ محاورہ ہے'' ساح فلان فی الارض یسیح سیاحۃ وسیوحا وسیحانا '' آیت کا معنی یہ ہوا کہ مشرکین کا عہد ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ وہ زمین میں جہاں چاہیں چلے جائیں اور چار ماہ کے بعد لڑائی کے لیے تیار رہیں۔ اس سے مراد ان کو تکلیف دینا نہیں۔

محمد بن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے (جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تھی اس وقت) مشرکین دو قسم کے تھے ایک وہ مشرک جن کی مدت معاہدہ چار ماہ سے کم تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی ہے کہ وہ بھی چار ماہ پورے کرلیں۔ دوسرے وہ مشرک جن کی مدت اس سے زائد تھی ان کو بھی پابند کردیا کہ ان کی مدت بھی چار ماہ ہے۔ اس کے بعد ان کی اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ لڑائی ہوگی جہاں ملیں گے ان کو قتل کردیا جائے گا اور اس مدت کا آغاز یوم الحج الاکبر (دسویں ذوالحجہ) سے ہے اور اس کا اختتام دس ربیع الآخر کو ہوگا اور جن لوگوں سے آپ کا کوئی معاہدہ نہ تھا ان کی مدت اشہر حرم (حرمت والے مہینوں) کا گزرنا ہے اور وہ پچاس دن ہیں۔ بیس دن ذوالحجہ کے اور ایک محرم کا مہینہ ہے۔

کلبی نے کہا ہے چار ماہ کا زمانہ ان کا ہے جن کا آنحضرت ﷺ سے چار ماہ سے کم کا معاہدہ ہے اور جن کا معاہدہ اس سے زیادہ ہے ان کو حکم ہے کہ وہ اپنا عہد پورا کریں۔ ارشاد ہے: '' فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم '' ابن جریر وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ '' الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا '' ان کی طرف سے معمولی سا بھی نقص عہد نہ ہوا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدین میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے اس کو توڑا اور بعض وہ تھے جو اس پر قائم

Marfat.com

رہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ جس نے وہ عہد توڑا ہے آپ بھی اس سے قطع تعلق کرلیں اور جنہوں نے عہد کو پورا کیا ہے توڑا نہیں آپ بھی وہ معاہدہ مکمل کریں۔" ولم یظاھروا علیکم مظاھرۃ" کا معنی ہے معاونت کرنا یعنی انہوں نے تمہارے خلاف کسی کا تعاون نہیں کیا۔" فاتموا الیھم عھدھم "ان کو ان کا عہد مکمل کرنے کا کہو۔" الی مدتھم "یعنی جو تم نے ان سے معاہدہ کیا ہے اگرچہ وہ چار ماہ سے بھی زیادہ ہو اور معاہدہ توڑنے والوں کا معاملہ ان سے نہ کرو یعنی چار ماہ یا پچاس دن علی اختلاف الاقوال جن کا ابھی تذکرہ ہوا ہے۔

" ان اللہ یحب المتقین" "فاذا انسلح الا شھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم "انسلاخ کا معنی ہے ان مہینوں کے تمام اجزاء گزرنا جیسے پورے جسم سے چمڑے کا اتارنا ہوتا ہے۔ زمانی شی کو اپنے زمان سے نکلنے کی تشبیہ دی گئی ہے ایک مکانی شی کے ساتھ جس کو اس کے مکان سے الگ کردیا جائے۔ یہاں اشہر حرم کی تعیین میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اشہر حرم سے مراد وہ معروف مہینے (ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب) ہیں تین ماہ لگاتار اور ایک الگ ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی ہوا کہ جن مشرکین سے ان مہینوں میں کوئی معاہدہ نہیں ہوا واجب ہے کہ ان سے لڑائی نہ کی جائے۔

مشرکین کی طرف ان کے عہد پھینکنے کا اعلان یوم النحر کو ہوا ہے تو باقی رہے اشہر حرم (لگاتار تین ماہ) پچاس دن ماہ محرم کے گزرنے سے وہ گزر جائیں گے۔ تو اللہ پاک نے حکم دیا کہ مشرکین جہاں ملیں خواہ حرم میں یا حل میں ان کو قتل کردیا جائے گا۔ اہل علم کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے ان میں سے ضحاک بھی ہیں۔ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے ابن جریر نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان سے وہ مہینے مراد ہیں جن کی طرف اس آیت" فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم "میں اشارہ ہے۔ ان مہینوں کو محترم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان میں

Marfat.com

مسلمانوں پر حرام کر دیا ہے کہ وہ مشرکین کا خون بہائیں اور ان کو تنگ کریں' اہل علم کی ایک جماعت کا یہی نظریہ ہے ان میں سے مجاہد' ابن عباس' ابن زید اور عمرو بن شعیب ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی مہینے ہیں جن کا ذکر باری تعالیٰ: '' فسیحوا فی الارض اربعة اشهر '' میں ہوا ہے۔ ابن عباس اور ایک جماعت سے یہی مروی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس کو ترجیح دی ہے' مجاہد' عمرو بن شعیب' محمد بن اسحاق' قتادہ' سدی' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی یہی بیان کیا ہے اور '' خذوهم '' کا معنی ہے انہیں گرفتار کر لو کیونکہ '' اخیذ '' کا معنی ہے قیدی اور '' واحصروهم '' کا معنی ہے انہیں مسلمانوں کے شہروں میں بلا اجازت آنے جانے سے روک دو۔

'' واقعدوا لهم كل مرصد '' ان کے لیے ہر گھات میں بیٹھو۔ مرصد وہ جگہ ہے جہاں بیٹھ کر دشمن کی نگرانی کی جائے۔ یہ آیت تمام مشرکین کے قتل کو شامل ہے جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو صرف وہ بچیں گے جن کو حدیث نے مستثنیٰ کر دیا ہے مثلاً عورت' بچہ اور وہ عاجز آدمی جو قتال نہ کر سکتا ہو۔ اس طرح وہ اہل کتاب بھی مستثنیٰ ہیں جو جزیہ دیتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ مشرکین کا لفظ ان کو شامل ہو۔ اس آیت نے وہ تمام آیات منسوخ کر دیں ہیں جن میں ہے کہ مشرکین سے اعراض کرو ان کی تکلیف پر صبر کرو۔ ضحاک' عطاء اور سدی نے کہا ہے کہ یہ آیت خود '' فاما منا بعد واما فداءً '' سے منسوخ ہے اور قیدی کو باندھ کر نہ مارا جائے بلکہ اس پر احسان کیا جائے یا فدیہ لے لیا جائے اور مجاہد' قتادہ نے کہا ہے بلکہ یہ ناسخ ہے۔

اس آیت: '' فاما منا بعد واما فداءً '' کے لیے' اور مشرکین کے قیدیوں میں صرف قتل ہی جائز ہے۔ ابن زید نے کہا کہ یہ دونوں آیات محکم ہیں۔ قرطبی نے کہا ہے یہی صحیح ہے کیونکہ احسان کرنا' قتل کرنا اور فدیہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کا ان کے بارے میں حکم رہا ہے پہلی لڑائی سے جو ان سے ہوئی یعنی بدر والے دن۔ '' فان تابوا واقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة '' یعنی انہوں نے شرک سے توبہ کی جو قتل کا سبب

Marfat.com

ہے انہوں نے توبہ کو اس فعل کے ساتھ ثابت کیا ہے جو ارکان اسلام میں سے بہت اہم ہے اور وہ ہے اقامت نماز۔ اس فرض کے ذریعے اکتفا کیا ہے ان چیزوں کے بیان کرنے سے جن کا تعلق بدنی عبادات سے ہے کیونکہ یہ سب کی بنیاد ہے۔ اور دوسرے رکن مالی زکوٰۃ دینے کے ذکر سے اکتفاء کیا ہے ان چیزوں سے جن کا تعلق اموال اور عبادات سے ہے کیونکہ وہ ان سے سب سے بڑا رکن ہے۔

''فخلوا سبیلهم'' ان کو اور ان کے کام کو چھوڑ دو ان کو گرفتار نہ کرو نہ ان کو قید کرو نہ ان کو قتل کرو۔

آیت نمبر 2:

﴿وان احد من المشركين استجارك﴾(٦) ہے۔

ایک محاورہ ہے ''استجرت فلانا'' کہ میں نے اپنے لیے ایک محامی و محافظ طلب کیا اس سے کہ مجھ پر کوئی ظالم ظلم کرے یا کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے والا یہ کام کرے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ جن مشرکین سے لڑنے کا آپ کو حکم ملا ہے ان میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو ''فاجره'' اس کو پناہ دے دے پس تو اس کے لیے محافظ و امن دہندہ بن جا۔ ''حتیٰ یسمع کلام اللّٰہ'' یہاں تک کہ وہ تجھ سے اللہ کا کلام سنے اور اس میں تدبر و تفکر کرے جیسے تدبر کا حق ہے اور وہ اس حقیقت کو پہچان لے جس کی طرف تو ان کو دعوت دیتا ہے۔ ''ثم ابلغه ما منه'' پھر کلام اللہ سننے کے بعد گو وہ اسلام نہ لائے تو اس کو اس کے گھر پہنچا دے جہاں جا کر اس کو امن حاصل ہو۔

امن کے مقام (گھر) پر پہنچانے کے بعد تو اس سے اب قتال کر کیونکہ وہ تیرے پڑوس ہمسائیگی سے نکل گیا ہے اور وہ اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں اس کا خون مباح اور قتل واجب ہے جہاں بھی پایا جائے۔

آیت نمبر 3:

﴿كيف يكون للمشركين عهد عند الله وعند رسوله﴾(٧) ہے۔

Marfat.com

یہاں استفہام تعجب کے لیے ہے اس میں انکار کا معنی بھی ہے۔ ’’الا الذین عاھدتم عند المسجد الحرام‘‘ ان سے عہد نہیں توڑا پس آپ ان سے نہ لڑیں۔ ’’فما استقاموا لکم‘‘ جب تک تمہارے اور ان کے درمیان جو عہد ’’فاستقیموا الھم‘‘ وہ قبیلہ بنو بکر ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ بنو کنانہ ہیں بعض نے کہا ہے کہ وہ بنوضمرہ ہیں۔

آیت نمبر 4:

﴿فان تابوا﴾(۱۱) ہے۔

اگر انہوں نے شرک سے توبہ کر لی اور احکام اسلام کے پابند ہو گئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی پس وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ’’اقاموا الصلوٰۃ و آتو الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین‘‘ دین سے مراد دین اسلام ہے ان کے لیے جو تمہارے لیے ہے ان کے خلاف ہوگا جو تمہارے خلاف ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس آیت نے نمازیوں سے قتال حرام کر دیا ہے اور ان کے خون محفوظ کر دیئے ہیں۔

آیت نمبر 5:

﴿ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ﴾(۱۷) ہے۔

عمارۃ سے یا تو معنی حقیقی وظاہری ہیں یا پھر معنی مجازی مراد ہیں یعنی ان سے تعلق رکھنا اور عبادت کرنا یہ دونوں معنی مشرکین کے لائق نہیں ہیں اول اس لیے کہ وہ مستلزم ہے مسلمانوں پر احسان کو کہ انہوں نے ان کی مسجد تعمیر کی ہے۔ دوم اس سے کہ کفار کی تو کوئی عبادت نہیں ہے پھر مزید یہ کہ ان کو مسجد حرام کے قریب جانے سے منع بھی کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا ’’ما کان للمشرکین‘‘ کا معنی ہے صحیح اور درست نہیں کہ وہ یہ کام کریں اس حال میں کہ وہ اپنے خلاف کفر کی شہادت بھی دیں۔ ’’شاھدین علی انفسھم بالکفر‘‘ (کفر کی گواہی کیسے اس کا جواب دیا کہ) کفر کا اعلان

Marfat.com

واظہار کر کے اس کی صورت یہ ہے بت بنانا' ان کی عبادت کرنا اور ان کو الٰہ بنانا یہ ہے ان کی شہادت بالکفر اپنے نفسوں کے خلاف اور اگر وہ اس چیز کا زبانی انکار کر دیں تو پھر وہ کیسے دو متضاد چیزوں کو جمع کرتے ہیں: یعنی

(ایک) مساجد کی تعمیر جو کہ مومنین کا کام ہے۔ (دوم) اپنے خلاف کفر کی شہادت دینا جو کہ شان نہیں اس آدمی کی جو تعمیر مساجد کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس شہادت سے مراد ان کا اپنے طواف میں یہ کلمہ بولنا ہے: '' لبیک لا شریک لک لبیک الا شریکا هو لک تملکه وما ملک '' بعض نے کہا ہے کہ '' شهادتهم علی انفسهمبالکفر '' سے مراد ہے یہودی کا کہنا کہ وہ یہودی ہے عیسائی کا کہنا کہ وہ عیسائی ہے بے دین کا کہنا کہ وہ بے دین ہے مشرک کا کہنا کہ وہ مشرک ہے۔ '' اولئک حبطت اعمالهم '' ان کے اعمال ضائع ہو گئے ہیں وہ اعمال جن کے ذریعے وہ فخر کیا کرتے تھے اور وہ خیال کرتے تھے کہ وہ آخرت کے اعمال ہیں وہ باطل ہو گئے ہیں ان کا کوئی اثر باقی نہیں ہے۔ '' وفی النار هم خالدون '' اس جملہ اسمیہ میں ظرف کے مقدم کرنے کے ساتھ جو خبر سے متعلق ہے اس کے مضمون کی تاکید ہے۔

'' انما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر '' یعنی اس نے ایمان کے لوازمات ادا کیے۔ '' واقام الصلوٰة واتی الزکوٰة ولم یخش الا الله '' اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور سوائے اللہ تعالیٰ کے وہ کسی سے نہیں ڈرا پس جو آدمی اس قسم کی صفات کا جامع ہو تو وہ تعمیر مساجد کا حق دار ہے نہ کہ وہ جو ان صفات سے خالی ہو یا ان میں سے بعض صفات سے خالی ہو۔ یہاں صرف نماز' زکوٰۃ اور خشیت الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے تنبیہ کرتے ہوئے اس چیز کے ذریعے جو امور دین میں سے بہت بڑی ہے اور پر دیگر ان فرائض کے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض قرار دیئے ہیں کیونکہ وہ سارے کے سارے لوازمات ایمان میں سے ہیں۔

Marfat.com

آیت نمبر 6:

﴿ انما المشر کون نجس ﴾ (۲۸) ہے۔

نجس مصدر ہے نہ وہ تثنیہ ہوتا ہے نہ جمع۔ اس آیت سے استدلال کیا ہے اس آدمی نے جس نے کہا ہے کہ مشرک کی ذات ہی نجس ہے جیسا کہ بعض ظاہریہ کا خیال ہے اور حسن بصری اور ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے سلف وخلف میں سے جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ کافر نجس الذات نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے (ان کی دلیل یہ ہے کہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کا کھانا حلال کر دیا ہے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے ان کا قول وعمل ثابت ہے جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کی ذات نجس نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے ان کے برتنوں میں کھایا' پیا' ان سے وضوء کیا اور ان کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا۔ '' فلا یقربوا '' فاء یہاں تفریع کے لیے ہے پس وہ مسجد حرام کے قریب نہ جائیں۔ مسجد حرام کے قریب نہ جانا ان کی نجاست پر متفرع ہے۔ جناب عطاء سے مروی ہے کہ مسجد حرام سے جمیع حرم مراد ہے دیگر کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ اس سے مسجد حرام ہی مراد ہے باقی حرم کے علاقہ میں مشرکین کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اہل علم کا اختلاف ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد میں مشرک جا سکتا ہے کہ نہیں۔ اہل مدینہ کا خیال ہے کہ کسی مسجد میں مشرک داخل نہیں ہو سکتا۔ امام شافعی کا خیال ہے کہ آیت مذکورہ میں سب مشرک داخل ہیں اور خاص مسجد حرام میں ان کا داخلہ بالکل ممنوع ہے۔ انہیں دیگر مساجد سے نہ منع کیا جائے۔ ابن عربی نے کہا ہے یہ ان کا ظاہر الفاظ پر جمود ہے کیونکہ '' انما المشر کون نجس '' میں تنبیہ ہے کہ ان میں علت شرک اور نجاست ہے۔ جواب دیا گیا ہے کہ یہ قیاس مردود ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ثمامہ بن اثال کو اپنی مسجد میں باندھ دیا تھا اور ثقیف کے وفد کو بھی مسجد میں ٹھہرایا تھا۔ ابو حنیفہ سے بھی شافعی کی طرح مروی ہے اور اضافہ یہ کیا گیا ہے

Marfat.com

کہ ذمی بغیر ضرورت کے تمام مساجد میں جا سکتا ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ ضرورت مند جا سکتا ہے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ ذمی کو جائز ہے مشرک کے لیے جائز نہیں ہے۔

ابوحنیفہ سے بھی مروی ہے کہ ان کے لیے حرم کا داخلہ جائز ہے۔ پھر مسلمانوں کو منع کیا کہ ان کو اس بارے میں قدرت دیں لہٰذا یہ " لا ارینک ھھنا " (میں تجھے یہاں نہ دیکھوں) کے قبیل سے ہے: " بعد عامھم ھذا " اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے یہ وہی سال ہے جس میں ابوبکر امام حج تھے۔ دوم: یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے (قتادہ) ابن عربی کا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے لفظ کا مقتضی یہی معنی دیتا ہے اور تعجب اس پر ہے کہ کہا جائے کہ وہ ۹ھ کا واقعہ ہے یہ وہی سال ہے جس میں اعلان کا واقعہ پیش آیا اور اگر کسی آدمی کا غلام کسی دن اپنے گھر جائے اور اس کا آقا کہے کہ اس دن کے بعد اس گھر میں داخل نہ ہونا تو اس سے وہ دن مراد نہیں ہے جس میں وہ داخل ہوا ہے۔ اھ

جواب دیا گیا ہے کہ لفظ کا مقتضی جو معنی دیتا ہے وہ اس کے گمان وزعم کے خلاف ہے کیونکہ " بعد عامھم ھذا " سے اشارہ اس سال کی طرف ہے جو اسم اشارہ سے قبل واقع ہے اور یہ اعلان کا سال ہے اور اس طرح گفتگو میں جس کا اس نے تذکرہ کیا ہے مقصد یہ ہے کہ منع ہے اس میں داخل ہونا اس دن کے دخول کے بعد جس میں خطاب واقع ہوا ہے اور معاملہ ظاہر ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس نے ارادہ کیا ہو لفظ "بعد" کی تفسیر کرنے کا جو کہ مضاف ہے " عامھم " کی طرف کا بلاشبہ وہ دسواں سال ہے اور بے شک تفسیر اس عام کی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو کوئی شک نہیں کہ وہ ۹ھ ہی بنتا ہے اس پر قتادہ کا قول منطبق کیا جائے گا اسی سے استدلال کیا ہے اس آدمی نے جس نے کہا ہے کہ مشرکین کے لیے جائز ہے مسجد حرام وغیرہ میں داخل ہونا اور اس کا استدلال " بعد عامھم ھذا " سے

Marfat.com

ہے وہ کہتا ہے یہ نہی حج اور عمرے کے وقت کے ساتھ خاص ہے۔ ان کو صرف حج اور عمرے کی اجازت نہیں ہے عام مساجد میں داخل ہونے سے نہیں منع ہوا۔ جواب دیا گیا ہے قربان بعد ھذا العام سے ممنوع ہونے کا ظاہر فائدہ دیتا ہے کہ ہر وقت ان کے قریب آنا ممنوع ہے بعض کے جواز کی تخصیص کرنا محتاج دلیل و مخصص ہے۔

آیت نمبر 7:

﴿ قاتلوا الذین لا یومنون باللّٰہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللّٰہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتو الکتاب ﴾ (۲۹) ہے۔

''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے وہ ان کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو وہ دین نہیں سمجھتے یعنی وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں''۔

اس آیت میں قتال کا حکم ہے اس کے ساتھ جس میں یہ صفات موجود ہوں۔ ''حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون'' جزیہ کا وزن ''فعلۃ'' ہے یہ جزی یجزی سے ہے شریعت میں اس کا معنی ہے وہ شی جو معاہد اپنے معاہدہ کے مطابق دیتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی، احمد، ابوحنیفہ، ان کے شاگردوں اور ابوثور کا یہی نظریہ ہے۔ امام اوزاعی اور مالک نے کہا ہے کہ جزیہ کفار کی تمام اقسام سے لیا جائے گا خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اول قول کے مطابق اہل کتاب میں مجوسی بھی داخل ہیں۔

ابن منذر نے کہا کہ مجھے اس بارے میں کوئی اختلاف نظر نہیں آیا کہ جزیہ سب کفار سے لیا جائے گا۔ اہل علم نے مقدار جزیہ میں بھی اختلاف کیا ہے۔ عطاء نے کہا ہے کہ اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے جس پر صلح ہو جائے وہی لیا جائے گا۔ یحییٰ بن آدم، ابوعبید اور ابن جریر نے بھی یہی کہا ہے۔ اتنی بات ہے کہ کم از کم ایک دینار ہے

Marfat.com

اور زیادہ کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ غنی وفقیر (بشرطیکہ آزاد اور بالغ) پر ایک دینار ہے اس سے کم کوئی شی نہ ہوگی۔ ابوثور نے بھی یہی کہا ہے۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر ایک دینار سے زائد پر صلح ہو جائے تو وہ بھی لیا جاسکتا ہے اور جب وہ دلی خوشی سے اضافہ کریں تو ان سے قبول کرنا صحیح ہے۔

امام مالک نے کہا کہ سونے والوں پر چار دینار' چاندی والوں پر چالیس درہم ہیں۔ غنی وفقیر اس میں برابر ہیں' اگرچہ وہ مجوسی ہو کمی وزیادتی نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ' ان کے شاگرد' محمد بن حسن اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ 12' 24' 48 ہیں اور گفتگو اس بارے میں اپنے مواطن پر ہو چکی ہے۔ امام شوکانی نے کہا ہے ان اقوال میں حق بات وہی ہے جو ہم نے منتقی کی شرح میں اور دیگر اپنی تالیفات میں بیان کر دی ہے انتہی۔ ان سے پہلے اس بارے میں علامہ سید محمد امیر نے اس مسئلہ اور اس کے احکام پر ایک الگ رسالہ تحریر کیا ہے اس کا نام ہے: "افادة الامة باحکام اھل الذمة" اس میں انہوں نے بڑی عمدہ اور فائدہ مند بحث کی ہے ہم نے بھی اس موضوع پر اپنی کتاب بلوغ المرام کی شرح میں جو بحث کی ہے اس کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔

آیت نمبر 8:

﴿ والذین یکنزون الذھب والفضة ﴾ (۳۴) ہے۔

"وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کے راستے میں ان کو عذاب الیم کی خوشخبری دے دو"۔

یہ وہی لوگ ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا ہے یعنی مولوی اور پیر حضرات یہ کام کیا کرتے تھے بعض نے کہا ہے کہ مراد وہ مسلمان ہیں جو یہ کام کیا کرتے تھے بہتر بات یہ ہے کہ آیت کو عموم لفظ پر محمول کیا جائے یہ مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے۔ کنز کا معنی لغۃً جمع کرنا اور ملانا ہے یہ سونے اور چاندی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ابن جریر نے کہا

Marfat.com

ہے کہ ہر وہ چیز جو زمین کے اندر یا اس کی سطح پر ملا کر اور جمع کر کے رکھی جائے وہ کنز ہے۔اھ۔ اہل علم نے اس مال میں جس کی زکوٰۃ دی گئی ہو اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ کنز ہے یا نہیں؟ ایک قوم نے کہا ہے کہ وہ کنز ہے دوسری کا خیال ہے کہ وہ کنز نہیں ہے پہلے قول کے قائلین میں سے ابوذر ہے اس نے اس میں قید لگائی ہے کہ وہ ضرورت سے زائد ہو اور دوسرے قول کے قائلین میں سے حضرت عمر بن خطاب' ابن عمر' ابن عباس' جابر' ابو ہریرہ اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ ہیں اور یہی حق ہے۔

ادلہ کی صراحت کی وجہ سے کہ جس مال سے زکوٰۃ دی جائے وہ کنز نہیں ہے۔ سونے اور چاندی کو خاص کر ذکر کیا گیا ہے دوسرے اموال کا تذکرہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہی اشیاء کی قیمتیں ہیں اور اکثر جس کا خزانہ کیا جاتا ہے وہی ہیں' اگر ان کے علاوہ کوئی چیز ہے تو ''تحریم کنز'' میں یہی حکم رکھتی ہے۔ ''ولا ینفقونها'' یہ زکوٰۃ وغیرہ نہ دینے کی طرف اشارہ ہے۔ ''فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم''۔

آیت نمبر 9:

﴿ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا﴾ (۳۶) ہے۔

''اللہ پاک کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں''۔

یعنی وہ بارہ ماہ اللہ تعالیٰ کے حکم وقضاء اور اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔
اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب ہر وقت میں خاص حکم دیا ہے تو کفار نے ان اوقات کونسیء اور کبیسہ کے ذریعے تبدیل کر دیا تو ہمیں خبر دی اس چیز کی جو اس کا حکم ہے۔ ''فی کتاب الله یوم خلق السموات والارض'' اس آیت میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مہینوں کو بنایا اور ان کا نام رکھا ہے ان کے اسماء کے ساتھ اسی ترتیب معروف پر جس دن سے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اور بلاشبہ یہ وہی چیز ہے جس کو انبیاء لائے ہیں اور کتب بھی اس کے مطابق اتری ہیں اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو عجمیوں' رومیوں اور قبطیوں کے پاس مہینے ہیں جن پر ان کا

Marfat.com

عرف ہے وہ ان مہینوں کے دن بھی تیس بناتے ہیں۔ بعض زیادہ کردیتے ہیں اور ان میں سے بعض کو کم کردیتے تھے۔" منها اربعة حرم "ان میں چار ماہ ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب تین لگا تار اور ایک الگ ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل سنت مطہرہ میں آتی ہے۔

" ذلک الدین القیم "یعنی ان مہینوں کا اس طرح ہونا' اور ان میں چار حرمت والے ہیں' یہی دین مستقیم اور حساب صحیح ہے۔ "فلا تظلموا فیهن انفسکم" ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو کہ ان میں لڑائی کرو اور ان کی بے حرمتی کرو۔ کہا گیا ہے ضمیر تمام مہینوں (حرام وغیر حرام) کی طرف راجع ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ظلم کرنے سے منع کیا ہے اور اول قول ہی بہت بہتر ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ اشہر حرم میں قتال کی حرمت ثابت و محکم ہے منسوخ نہیں ہے اس آیت کی وجہ سے اور اس آیت: "یاایهاالذین آمنوا لا تحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام"۔ [1] کی وجہ سے اور اس آیت "فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین"۔ [2] کی وجہ سے ہے اس کا جواب دیا جاتا ہے مشرکین کے قتل کا حکم اور ان سے لڑائی کرنے کا حکم مشروط ہے اشہر حرم کے گزرنے کے ساتھ جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے۔

پس تمام آیات جو قتال کے امر کو متضمن ہیں مقید ہیں اس کے ساتھ جو تحریم القتال فی الحرم کے بارے میں وارد ہے ان ادلہ کی وجہ سے جو ان میں تحریم القتال کے بارے میں وارد ہیں۔ اور یہ جو انہوں نے استدلال کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اہل طائف کا حرمت والے مہینے (ذوالقعدہ) میں محاصرہ کیا تھا جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کا محاصرہ ذوالقعدہ میں

---

[1] اے ایمان والو! شعائر اللہ کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ ہی محترم مہینے میں۔

[2] جب اشہر حرم گزر جائیں تو مشرکین سے لڑو۔

Marfat.com

شروع نہ کیا تھا بلکہ شوال میں کیا تھا اور حرام یہ ہے کہ اشہر حرم میں ابتداء کی جائے نہ کہ اتمام اس سے تطبیق ہو جاتی ہے۔

آیت نمبر 10:

﴿ وقاتلوا المشركين كافة ﴾ (۳۶) ہے۔

''تمام مشرکین سے لڑو''۔

کافہ کا معنی ہے تمام یہ مصدر ہے جو موضع الحال میں ہے۔ زجاج نے کہا اس حکم میں اور بھی مصدر ہیں جیسے عامۃ' خاصۃ جو نہ تثنیہ ہوتے ہیں اور نہ جمع۔ ''كمايقاتلونكم كافة '' جیسے وہ تم سب سے لڑیں' اس میں مشرکین کے ساتھ لڑائی واجب ہونے کی دلیل ہے اور وہ فرض عین ہے اگر بعض لوگ اس کو قائم و جاری نہ کریں۔

آیت نمبر 11:

﴿ انفروا غفافا وثقالا ﴾ (۴۱) ہے۔

اس حال میں کہ تم ہلکے ہو یا بھاری۔ بعض نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ الگ الگ نکلو یا اجتماعی شکل میں نکلو۔ بعض نے کہا کہ خوشی سے اور نہ چاہتے ہوئے بھی نکلو۔ بعض نے کہا فقراء یا اغنیاء سے ہو۔ بعض نے کہا تمہارے پاس تھوڑے ہتھیار ہوں یا زیادہ ہوں۔ بعض نے کہا تم صحت مند ہو یا بیمار ہو۔ بعض نے کہا جوان ہو یا بوڑھے ہو۔ بعض نے کہا پیدل یا سوار۔ بعض نے کہا کہ جس کے بال بچے نہ ہوں یا ہوں۔ بعض نے کہا جو آگے آگے جائے جیسے ہراول دستے ہوتے ہیں یا پیچھے رہے جیسے بڑے لشکر ہیں اس کے علاوہ بھی تفسیریں ہیں اور بیک وقت عام معانی مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ آیت کا معنی ہوگا نکلو حرکت تمہارے اوپر خفیف ہو یا بھاری۔ بعض نے کہا ہے یہ آیت قول باری تعالیٰ: '' ليس على الضعفاء ولا على المرضى '' سے منسوخ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا ناسخ یہ قول باری تعالیٰ ہے

Marfat.com

"فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة" الخ۔ بعض نے کہا کہ یہ محکم ہے منسوخ نہیں ہے اور اعمیٰ (اندھے) اور اعرج (لنگڑے) کا اخراج۔ "ليس على الاعمى حرج ولا على الاعرج حرج" سے اور اخراج مریض اور ضعیف کا "ليس على الضعفاء ولا على المرضى" سے یہ عموم کی تخصیص ہے تنبیه کے باب سے نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ فرض کیا جائے کہ یہ لوگ "خفافا و ثقال" کے تحت داخل ہیں اور ظاہر یہ ہے یہ عموم کے تحت داخل نہیں ہیں۔

"وجاهدوا باموالكم وانفسكم في سبيل الله" اس میں اموال وجانوں سے جہاد کا حکم ہے اور وہ بندوں پر واجب ہے۔ فقراء اپنی جانوں سے جہاد کریں اور مالدار اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کریں اور جہاد بڑے مضبوط اور عظیم فرائض میں سے ہے اور وہ فرض کفایہ ہے جب تک بعض لوگ دشمن سے جہاد قائم رکھیں اور دفاع کرتے رہیں پس اگر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر سارے مسلمان زمین کے کسی حصے میں یا کئی حصوں میں تو ان پر واجب ہے کہ ہر ایک جہاد میں شریک ہو۔

آیت نمبر 12:

﴿ لا يستاذنك الذين لا يومنون بالله واليوم الاخر ان يجاهدوا باموالهم وانفسهم والله عليم بالمتقين ﴾ (۴۴) ہے۔

الفاظ کے ظاہری تقاضے کے مطابق اس کا معنی ہے کہ مومن لوگ آپ سے جہاد سے اجازت نہیں مانگتے بلکہ ان کی عادت ہے وہ بغیر توقف وانتظار اس کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ آپ کی طرف سے اجازت ہونے کے باوجود بھی چہ جائیکہ پیچھے رہنے کی اجازت طلب کریں۔ "انما يستاذنك" آپ سے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت منافق لوگ مانگتے ہیں۔ "الذين لا يومنون بالله واليوم الآخر" دونوں مقامات پر ایمان باللہ کو اولاً ایمان بالآخرۃ کو ثانیاً ذکر کیا ہے کیونکہ یہ دونوں جہاد فی سبیل اللہ پر ابھارتے ہیں۔

Marfat.com

آیت نمبر 13:

﴿ انما الصدقات ﴾ (٦٠) ہے۔

انما قصر کے صیغوں سے ہے اور صدقات پر الف لام جنسی ہے۔ عبارت کا معنی یہ ہوگا ان صدقات کی جنس آنے والی اصناف پر ہی مقصور ہے ان سے تجاوز نہیں کرنا صرف یہی حقدار ہیں دوسرے نہیں۔ اہل علم کا اختلاف ہے کہ کیا صدقات کی تقسیم ان آٹھ اقسام پر واجب ہے یا امام وقت یا صاحب مال اپنے اختیار سے بعض کو دیں اور بعض کو نہ دیں۔ اول مذہب امام شافعی اور ایک اہل علم کی جماعت کا ہے۔ دوسرا نظریہ امام مالک' ابوحنیفہ کا ہے۔ حضرت عمرؓ حذیفہ' ابن عباس' ابوالعالیہ' سعید بن جبیر' میمون بن مہران رضی اللہ عنہم نے بھی یہی کہا ہے۔

ابن جریر نے کہا کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ اول گروہ نے بھی دلیل لی ہے کہ آیت میں کلمہ حصر وقصر ہے اور زیاد بن حارث صدائی کی حدیث سے بھی دلیل لی ہے جو سنن ابی داؤد اور دارقطنی میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان سے بیعت کی ایک آدمی آیا اسؐ نے کہا مجھے صدقے کے مال میں سے کچھ دیں آپ نے اس کو فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے صدقات کے بارے میں نبی اور غیر نبی کے حکم کو پسند نہیں کیا حتیٰ کہ انہوں نے خود ہی اس بارے میں حکم جاری کیا کہ اس کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اگر تو ان اقسام میں شامل ہے تو میں تجھے دے دیتا ہوں۔ دوسروں نے جواب دیا کہ اس آیت میں قصر وحصر نہیں ہے بلکہ وہ تو بیان صرف ومصرف کے لیے ہے۔ عام اقسام کے احاطے کو واجب قرار نہیں دیتا۔ (حدیث کا جواب یہ ہے) کہ حدیث کی سند میں عبدالرحمان بن زیاد بن انعم افریقی ہے وہ ضعیف ہے۔ اور دوسرے گروہ کی تائید اس قول باری تعالیٰ: '' ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتوتوھا الفقرآء فھو خیرلکم '' سے بھی ہوتی ہے اور صدقہ کا لفظ واجب صدقہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے وہ نفل پر بھی بولا جاتا ہے

Marfat.com

اور صحیح سند سے آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا کہ صدقہ تمہارے اغنیاء سے لوں اور تمہارے ہی فقراء میں تقسیم کر دوں۔ حضرت امام مالک نے دوسرے قول پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ان کی مراد اجماع صحابہ ہے کیونکہ اس مسئلے کا ان میں سے کوئی بھی مخالف نہیں ہے۔ "للفقراء والمساکین" ان کو اس لیے مقدم کیا ہے کہ قول مشہور کے مطابق یہ باقی اقسام سے زیادہ محتاج ہیں کیونکہ ان کی غربت وحاجت سخت ہے، فقیر ومساکین کے معنی کی تفریق کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔

یعقوب بن سکیت، قتیبی اور یونس بن حبیب نے کہا ہے مالی لحاظ سے فقیر مسکین سے بہتر ہوتا ہے انہوں نے کہا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس اس کی کفایت کے لیے کچھ مال موجود ہے اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے ان میں سے ابوحنیفہ بھی ہیں۔ کچھ دوسروں نے اس کے برعکس کہا ہے انہوں نے کہا ہے کہ مسکین کی حالت فقیر سے بہتر ہوتی ہے۔ انہوں نے دلیل لی ہے قول باری تعالیٰ "اما السفینة فکانت لمساکین یعملون فی البحر" سے اس نے خبر دی ہے کہ دریائی کشتیوں میں سے ان کی ایک کشتی تھی کبھی کبھی برابر جملہ مال کے ہوتی ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کا فقر سے پناہ مانگنا بھی اس کی تائید کرتا ہے جب کہ آپ نے دعا کی تھی: "اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا" (معلوم ہوا کہ دونوں میں فرق ہے) اصمعی وغیرہ اہل لغت کا رجحان بھی اس طرف ہے۔

طحاوی نے اہل کوفہ سے بھی نقل کیا ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہ ہے۔ ابن قاسم اور امام مالک کے شاگرد اسی طرف مائل ہیں۔ ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے، ایک گروہ کا خیال ہے کہ فقیر وہ ہوتا ہے جو محتاج ہو مگر سوال نہ کرتا ہو اور مسکین سائل ہوتا ہے۔ زہری کا یہی خیال ہے۔ ابن شعبان نے اسی کو اختیار کیا ہے جناب ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے ان کے علاوہ دیگر کئی اقوال منقول ہیں جن کو جمع کرنے کا

Marfat.com

کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہے۔ مسکین کی ماہیت و کیفیت بیان کرنے میں بہتر بات وہ ہے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے کہا ہے کہ مسکین وہ سائل نہیں ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرے کہیں سے اس کو ایک لقمہ ملے کہیں سے دو، کہیں سے ایک کھجور کہیں سے دو، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہؐ! پھر آپ بتائیں کہ مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا مسکین وہ ہے جو اتنا مال نہ رکھتا ہو جو اس کو بے نیاز کر دے اس کو دیکھ کر لوگ سمجھتے بھی نہیں کہ اس پر کوئی صدقہ کرے اور وہ لوگوں سے بھی نہیں مانگتا۔

''والعاملین علیھا'' وہ تحصیل دار جن کو امام وقت زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے بھیجے وہ اس مال سے حصہ لینے کے حق دار ہیں۔ اہل علم نے اس مقدار میں اختلاف کیا ہے جو وہ اس مال سے لے سکتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ وہ آٹھواں حصہ لے سکتا ہے۔ مجاہد اور امام شافعی سے یہی مروی ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ اپنے کام کے مطابق اجرت لے سکتا ہے یہ ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں سے مروی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ بیت المال سے اپنی اجرت کی مقدار دیئے جائیں گے۔ امام مالک سے یہی مروی ہے مگر اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ صدقہ میں ان کا حصہ ہے تو ان کو اس سے کیسے روکا جائے اور اس کی دوسری مد سے ان کو اجرت دی جائے۔ علماء نے اختلاف کیا ہے کہ کیا عامل ھاشمی ہوسکتا ہے یا نہیں تو ایک گروہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے جب کہ دوسرے گروہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کو اجرت صدقہ کے مال سے نہ دی جائے۔

''والمؤلفة قلوبھم'' تا کہ وہ اسلام لے آئیں وہ جبراً اور تلوار کے ذریعے اسلام میں داخل ہونا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ مال ملنے سے داخل ہوتے تھے۔ بعض نے کہا ہے یہ لوگ تو ظاہراً اسلام لے آئے تھے ان کا اسلام صحیح نہ تھا آنحضرت ﷺ ان کی تالیف قلب کرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یہود و نصاریٰ میں

Marfat.com

سے مسلمان ہوئے تھے۔ بعض نے کہا کہ یہ مشرکین کے بڑے لوگ اور کچھ ان کے تابع بھی تھے' آنحضرت ﷺ نے ان کی مالی امداد فرما کر ان کے اتباع کی تالیف قلب کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک جماعت کو مال دیا تھا جو ظاہراً اسلام لائے تھے جیسے ابوسفیان بن حرب' حارث بن ہشام' سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیئے تھے ان کے دل کو مائل کرتے تھے کچھ دیگر احباب کو بھی مال دیا تھا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ مولفۃ القلوب کا حصہ اسلام کے غلبہ کے بعد بھی باقی ہے یا نہیں۔ حضرت عمر' حسن اور شعبی نے کہا ہے کہ اسلام کے غلبے اور ظہور کے بعد یہ ختم ہو گیا ہے' امام مالک اور اصحاب الرائے کا مشہور مذہب یہی ہے کہ بعض حنیفہ نے دعویٰ کیا ہے کہ صحابہ نے اس پر اجماع کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کا حصہ باقی ہے کیونکہ امام کئی دفعہ ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اسلام پر کسی کی تالیف قلب کرے۔ دین کے غلبے کی وجہ سے حضرت عمر نے اس کو ختم کر دیا تھا ماوردی نے اپنی کتاب ''الاحکام السلطانیہ'' میں یہی فتویٰ دیا ہے۔ یونس نے کہا کہ میں نے ازہری سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا میرے علم میں اس کا نسخ ثابت نہیں ہے۔ اول قول کے مطابق ان کا حصہ دیگر اقسام میں داخل ہو جائے گا۔

''وفی الرقاب'' غلاموں کو آزاد کرانا بھی ایک مصرف ہے اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی گردنوں (غلاموں) کو خرید کر آزاد کر دے۔ ابن عباس اور ابن عمر سے یہی مروی ہے امام مالک' احمد بن حنبل' اسحاق' ابوعبید کا بھی یہی نظریہ ہے۔ حسن بصری' مقاتل بن حیان' عمر بن عبدالعزیز' سعید بن جبیر' نخعی' زہری اور ابن زید نے کہا ہے کہ رقاب سے مراد مکاتب غلام ہیں۔ ان کی کتابت کی ادائیگی میں ان کا تعاون کیا جائے۔ شافعی اور اصحاب الرائے کا یہی خیال ہے۔ امام مالک سے بھی ایک روایت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آیت کے معنی کو دونوں قولوں پر حمل کیا جائے کیونکہ رقاب کا لفظ

Marfat.com

غلام خریدنے اور اس کو آزاد کرنے اور مال کتابت میں مکاتب کی اعانت پر صادق آتا ہے۔ ''والغارمین'' وہ لوگ ہیں جن پر قرضوں کا بوجھ آ جائے اور وہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں' اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے' مگر جس آدمی پر اس کی بیوقوفی کی بنا پر قرضہ آ جائے تو اس کو اس سے اور دیگر مال سے کچھ نہ دیا جائے الا یہ کہ وہ توبہ کرے۔ آنحضرت ﷺ نے صدقہ کے مال سے معاونت کی ہے اس آدمی کی جس نے کسی کا تاوان اٹھایا اور اس کے ذریعے اس کی اعانت کی رہنمائی کی۔

''وفی سبیل اللہ'' مراد وہ غازی اور اللہ کی راہ میں گھوڑے باندھنے والے لوگ جن کو صدقہ میں سے مال دیا جائے جس کو وہ اپنے غزوہ اور مرابطت میں خرچ کریں گو وہ مالدار ہی ہوں۔ یہ اکثر علماء کی تحقیق ہے۔ حضرت ابن عمر نے کہا ہے کہ اس سے حجاج کرام اور عمرہ کرنے والے حضرات مراد ہیں' امام احمد اور اسحاق نے حج کو سبیل اللہ میں شمار کیا ہے۔ ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں کا خیال ہے کہ غازی کو یہ مال نہ دیا جائے الا یہ کہ وہ فقیر یا مسافر ہو یعنی اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

''وابن السبیل'' بمعنی مسافر' سبیل بمعنی طریق' مسافر کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ مسافر اس پر چل رہا ہوتا ہے۔

اس سے مراد وہ آدمی ہے جس کے اسباب اپنے سفر میں اپنے شہر اور مستقر سے کٹ جائیں اس کو بھی اس میں سے دے دیا جائے گا اگرچہ وہ اپنے شہر میں مالدار ہی ہو اور اگرچہ اس کو کوئی ادھار دینے والا بھی ہو۔ امام مالک نے کہا ہے جب اس کو کوئی ادھار دینے والا ہو تو اس کو یہ مال نہ دیا جائے۔ ''فریضة من اللہ'' یعنی صدقات صرف انہی اقسام کے لیے خاص ہیں یہ حکم لازم ہے۔ اس کو اللہ پاک نے اپنے بندوں پر فرض قرار دیا ہے اس سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

آیت نمبر 14:

﴿ یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین ﴾ (۷۳) ہے۔

Marfat.com

اس جہاد کے حکم سے مراد آپ کے بعد آپ کی امت کو حکم ہے۔ کفار سے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ ان سے لڑائی کی جائے تا کہ اسلام لے آئیں اور منافقین سے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ ان پر حجت قائم کر دی جائے یہاں تک کہ وہ کفر سے نکل کر ایمان باللہ کا عقیدہ اختیار کر لیں۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ ان پر حدود قائم کی جائیں اس کو قتادہ نے اختیار کیا ہے۔ اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ منافقین کی اکثریت ایسے امور کا ارتکاب کرتی تھی جن سے حدود لازم آتی تھیں۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے عاصی منافق نہیں ہوتا منافق وہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں نفاق ہوتا ہے اس چیز کے بارے میں نہیں ملتے ساتھ اس کے جوارح ظاہری امور پر۔ اور محدودین کی خبریں اپنے سیاق سے گواہی دیتی ہیں کہ وہ منافق نہیں ہیں۔ "واغلظ علیھم" غلظ رافت کی نقیض ہے اس کا معنی قلبی سختی اور پہلو کی سختی۔ کہا گیا ہے کہ اس آیت نے ہر قسم کے عفو، صبر، درگزر وغیرہ کو منسوخ کر دیا ہے اور سورۂ تحریم میں بھی یہ آیت اسی طرح موجود ہے۔

آیت نمبر 15:

﴿فان رجعک اللہ﴾ (۸۳) ہے۔

رجع ردّ کی طرح متعدی ہے اور رجوع کا لفظ لازم ہے۔ فاء اس لیے آئی ہے کہ اسکا مابعد ماقبل پر متفرع ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "الی طائفۃ منھم" کیونکہ مدینہ طیبہ میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ سارے منافق نہ تھے بلکہ کچھ مومن بھی تھے جو حقیقۃً معذور تھے اور کچھ ایسے مومن بھی تھے جن کے پاس پیچھے رہنے کا کوئی عذر نہ تھا پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو معاف کر دیا اور اللہ پاک نے بھی ان کی توبہ قبول کی جیسے وہ تین آدمی جن کی توبہ مؤخر کی گئی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ طائفہ اس واسطے کہا کہ بعض لوگوں نے نفاق سے توبہ کر لی تھی اور جنگ سے پیچھے رہ جانے پر نادم تھے۔ "فاستاذنوک للخروج" پس اس غزوہ کے بعد آپ سے وہ اجازت طلب

Marfat.com

کرے گا کہ میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔'' فقل لن تخرجوا معی ابدا ولو لن تقاتلوا معی عدوا '' آپ ان کو بطور سزا کہہ دیں (کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں جاسکتے) اور اس وجہ سے بھی کہ ان کو ساتھ لے جانے میں بہت مفاسد ہیں۔'' انکم رضیتم بالقعود اول مرة '''' لن تخرجوا معی '' اور'' ولن تقاتلوا معی عدوا '' کی علت ہے کیونکہ تم جنگ تبوک میں پیچھے رہنے پر بڑے راضی تھے۔'' فاقعدوا مع الخالفین '' پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

'' خالفین '' خالف کی جمع ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیچھے رہ گئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ تم فاسدین کے ساتھ بیٹھے رہو ان کا محاورہ ہے'' فلان خالف اهل بیته '' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ گھر میں فساد برپا کرنے کا عادی ہو۔

آیت نمبر 16:

﴿ ولا تصل علی احد منهم مات ﴾ (۸۴) ہے۔

'' مات '''' احد '' کی صفت ہے۔ ''ابداً '' ظرف ہے نفی کی تائید کے لیے ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ'' ولا تقم علی قبره '' کا معنی ہے کہ آپ جب کسی کو قبر میں دفن کرتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کرتے اس میں اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ اس کی قبر کی اہم چیزوں کی اصلاح کے لیے وہاں نہ کھڑے ہوں اور'' انهم کفروا الخ '' کا جملہ نماز جنازہ نہ پڑھنے اور ان منافقین کی قبور پر کھڑے نہ ہونے کی علت ہے۔

آیت نمبر 17:

﴿ لیس علی الضعفآء ﴾ (۹۱) ہے۔

اس سے کوڑھے' بوڑھے اور لنگڑے وغیرہ لوگ مراد ہیں پھر اس کے بعد عارضی عذر کا ذکر فرمایا۔'' ولا علی المرضی '' مرض کے لفظ سے ہر وہ تکلیف مراد ہے جس پر لغۃً یا شرعاً مرض کا لفظ بولا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اندھا' لنگڑا اور جو

Marfat.com

بھی ان جیسا ہو اس میں داخل ہے اب اس عذر کا ذکر کیا ہے جس کا تعلق مال سے ہے نہ کہ بدن سے فرمایا: ''ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون '' یعنی ان کے پاس اموال نہیں ہیں جو وہ خرچ کریں ایسی ضروریات میں جہاں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جہاد کی تیاری کے لیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے گنہگار ہونے کی نفی کر دی ہے اور وضاحت کر دی ہے کہ ان اعذار کی موجودگی میں جہاد ان سے ساقط ہے واجب نہیں ہے (اس مسئلہ کو) مقید کر دیا ہے اس قول: ''اذا نصحوا'' سے' نصیحت کا اصل معنی اخلاص عمل ہے۔ ''نصح له القول'''' اخلصه له'' کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ ''للہ'' اللہ کے لیے نصیحت کا معنی یہ ہے اس پر ایمان رکھنا اور اس کی شریعت پر عمل کرنا اس کے خلاف کو ترک کر دینا خواہ خلاف کرنے والا کوئی بھی ہو۔

اس جملے میں سب سے پہلے جو چیز آئی ہیں وہ یہ ہے اپنے بندوں سے خیر خواہی کرنا' مجاہدین فی سبیل اللہ سے محبت کرنا' ان کی خیر خواہی کرنا جہاد کے معاملہ میں ان کے دشمنوں کی امداد ترک کرنا خواہ کسی انداز سے بھی ہو۔ ''ورسوله'' اس کے نبی کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی نبوت اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں ان کی تصدیق کرنا اور ہر امر و نہی جو آپ سے منقول ہو اس کی اطاعت کرنا۔ حضور کے دوست سے دوستی کرنا اور آپ کے دشمن سے عداوت رکھنا آپ سے محبت کرنا اس کی سنت کی تعظیم کرنا آپ کی وفات کے بعد حسب استطاعت اس کو زندہ کرنا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ بے شک آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے صحابہ نے کہا کس کے لیے ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' ائمہ مسلمین کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔ اور جملہ'' ما علی المحسنین من سبیل '' ماقبل کے مضمون کی پختگی کے لیے ہے یعنی معذور ناصحین پر کوئی عقاب و مواخذہ نہیں ہے۔ '' والله غفور رحیم '' اس آیت کے معنی میں یہ قول باری تعالیٰ بھی ہے: '' لا یکلف الله نفساً الا وسعها '' اور قول باری تعالیٰ'' لیس علی

Marfat.com

الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج" بھی ہے۔
ان معذورین سے پابندی جہاد کا اسقاط اس بات کو مستلزم نہیں کہ ان کو اس جہاد کا ثواب نہ ہوگا جس سے ان کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا ہے جب کہ ان کی اس طرف رغبت بھی ہے اگر ان کو اس سے عذر لاحق نہ ہو۔

اس مضمون سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی ہے جو سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں ہے اس کی اصل بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے پیچھے ایک قوم کو چھوڑا ہے تم کوئی بھی سفر کرو اور خرچ کرو اور کوئی وادی طے کرو وہ تمہارے ساتھ ثواب میں شریک ہوگی صحابہ نے پوچھا یارسول اللہؐ! وہ لوگ ہمارے ساتھ کیسے ہوں گے؟ حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ان کو عذر نے روک رکھا ہے یہ حدیث مسند احمد، صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے جملہ معذورین میں ان کا تذکرہ کیا ہے جن کو آئندہ آیت: "ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملهم الخ" متضمن ہے نہ ہی گناہ ہے ان پر جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو جہاد میں سواریاں مہیا کریں۔
"قلت لا اجد ما احملکم علیه تولوا واعینهم تفیض من الدمع" آپ کہتے ہیں کہ میں تمہاری سواری کے لیے کچھ بھی نہیں پاتا وہ آپ کے پاس سے واپس جاتے ہیں غم کی وجہ سے روتے ہیں اور ان کی آنکھیں پرنم ہوتی ہیں۔

"حزناً" یہ مفعول مطلق ہے یا حال ہے۔ "ان لا یجدوا ما ینفقون" (وہ اس لیے روتے ہیں) کہ نہ ان کے پاس سواریاں ہیں نہ آپ کے پاس ہیں۔
"انما السبیل علی الذین یستاذنونک" بلاشبہ سزا اور مواخذہ ان لوگوں پر ہے جو جہاد میں پیچھے رہنے کے لیے آپ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مال دار لوگ ہیں۔ "وهم اغنیاء" وہ اپنی سواریوں کے لیے اور تیاری جہاد کے لیے گنجائش پاتے ہیں۔ "رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع الله علی قلوبهم"

Marfat.com

مالدار ہونے کے باوجود استیذان کا سبب دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ نقصان دہ سودے (پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہنا) کے ساتھ ان کا راضی ہونا۔ دوم ان کے دلوں پر رب تعالیٰ کی طرف سے مہر لگ جانا۔'' فهم لا يعلمون '' وہ لوگ اسی مہر کی وجہ سے اس میں جو نفع ہے اس کو نہیں جانتے (اگر جانتے ہوتے تو) نقصان دہ چیز پر فائدہ والی شی کو پسند کرتے؟

آیت نمبر 18:

﴿ خذ من اموالهم صدقة ﴾ (۱۰۳) ہے۔

اس آیت میں جس صدقہ کا حکم آیا ہے اس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اس سے فرضی صدقہ مراد ہے بعض نے کہا ہے یہ اس طائفہ کے ساتھ خاص ہے جس نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا کیونکہ انہوں نے توبہ کے بعد اپنے اموال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیے تو یہ آیت نازل ہوگئی۔ ہر دو تفسیر کی صورت میں من برائے تبعیض ہے۔ سیوطی نے کہا ہے کہ پھر آپ نے ان کے اموال میں سے ثلث مال لیا اس کو بطور کفارہ صدقہ کر دیا کیونکہ جو آدمی بھی گناہ کرے گا اس کے لیے سنت ہے کہ وہ صدقہ دے۔

یہ آیت مطلق ہے سنت مطہرہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے' صدقہ ماخوذ ہے صدق سے کیونکہ وہ صدقہ دلیل ہے مخرج کی سچائی پر اس کے ایمان میں ''تطهرهم وتذكيهم بها '' یہاں دونوں فعلوں کی ضمیر آنحضرت کی طرف راجع ہے بعض نے کہا کہ اس کا اشارہ صدقہ کی طرف ہے معنی یہ ہوا کہ ان سے لیا گیا صدقہ ان کو ختم کردے گا اور تزکیہ کا معنی خوب پاک کرنا ہے۔'' وصل عليهم '' ان کے اموال کے صدقہ لینے کے بعد آپ ان کے لیے دعا کریں۔ نحاس نے کہا ہے کہ تمام اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ کلام عرب میں بمعنی دعا ہے:'' ان صلوتک سکن لهم '' آپ کی دعا ان کے لیے سکن ہے

Marfat.com

اور سکن کا معنی ہے جس سے نفس کو سکون ہو اور وہ اس سے مطمئن ہو۔

آیت نمبر 19:

﴿ ما كان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولي القربىٰ ﴾ (۱۱۳) ہے۔

اہل تفسیر نے نقل کیا ہے کہ قرآن مجید میں ما کان کا استعمال دو طرح سے ہوا ہے ایک بمعنی نفی جیسے '' ما كان لنفس ان تموت الا باذن الله '' میں ما کان بمعنی نفی ہے معنی یہ ہوا کہ نہیں لائق کسی نفس کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ پاک کے اذن سے۔ دوسرا بمعنی نہی ہے جیسے '' وما كان لكم ان توذوا رسول الله '' اور ''وما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين'' میں ما کان بمعنی نہی ہے اس قسم کے حکم میں قرابت کوئی مؤثر نہیں ہے' اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ کفار کے ساتھ موالات نہ کی جائے' ان کے لیے استغفار حرام ہے اور دعا کرنا ایسے الفاظ سے جو کافر کے لیے جائز نہیں ہے (یہ بھی حرام ہے)

(بظاہر ایک تناقض تھا جس کا دفعیہ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ حدیث سے ایسے لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا جائز معلوم ہوتی ہے تو فرمایا اس آیت اور حدیث میں منافاۃ نہیں ہے تو فرمایا) یہ آیت آنحضرت ﷺ سے ثابت شدہ حدیث کے خلاف نہیں ہے وہ حدیث یہ ہے کہ جنگ احد کے دن جب مشرکین نے آنحضرتؐ کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جس نے آپ کا چہرہ زخمی کر دیا تو آپ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی اور فرمایا: '' اللهم اغفر لقومي فانهم لا يعلمون '' اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ دعا مغفرت اس وقت کی ہو جب آپ کو مشرکین کی دعاء مغفرت کے حرام ہونے کا پیغام بھی موصول نہ ہوا ہو (دوسرا جواب یہ ہے) کہ چلو فرض کر لو آپ کو دعاء مغفرت کی حرمت کا علم تھا جیسا کہ سبب نزول کا بھی اشارہ اسی طرف ہے (تو جواباً عرض ہے) یہ جنگ احد سے بہت پہلے کی بات ہے۔ آپ

Marfat.com

سے اس مغفرت کا صدور اپنی قوم کے لیے بطور حکایت بیان کے تھا جو کسی سابق نبی کا ذکر آپ کر رہے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جناب عبداللہ کہتے ہیں گویا میں آنحضرت ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کسی نبی کا بیان کر رہے تھے کہ اس کو اس کی قوم نے مارا اور وہ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''رب اغفر لقومی فانھم لا یعلمون''۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی سابق نبی کا ذکر کیا کہ اس کو اس کی قوم نے زخمی کر دیا آپ اس کی طرف سے خبر دے رہے تھے کہ اس نے کہا: ''اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون''''من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم'' یہ جملہ استغفار کے ممنوع ہونے کی علت کو متضمن ہے۔ معنی یہ ہوا کہ یہ بیان قطع موالاۃ کو واجب کرتا ہے اس آدمی کے لیے جو اسی طرح کا ہو اور عدم اعتداء قرابت کو بھی کیونکہ وہ شرکیہ عقیدے پر مرے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ''ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ'' یہ تو اس صورت میں ان کے لیے طلب مغفرت اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید کی مخالفت کے حکم میں ہے۔

آیت نمبر 20:

﴿ وما کان المومنون لینفروا کافۃ ﴾ (۱۲۲) ہے۔

اس آیت کے مفہوم کی تعیین میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ جہادی احکام کا باقی حصہ ہے کیونکہ جب رب تعالیٰ نے خوب زوردار الفاظ میں جہاد کا حکم اور جہاد کی آواز کو لبیک کہنے کا حکم دیا اور مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ جب آنحضرت ﷺ کوئی دستہ کفار کی طرف بھیجتے وہ سب جانے کو تیار ہو جاتے اور مدینے کو خالی کر دیتے تو رب تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے لیے یہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہی ان کے لیے درست ہے کہ وہ سب نکل جائیں۔ '' فلولا''''لولا'' بمعنی ھلا ہے یہ صرف تخصیص ہے اس میں طلب کا معنی پایا جاتا ہے ''نفر من کل فرقۃ

Marfat.com

منهم طائفة'' کیوں نہیں نکلتا بڑی جماعت سے چھوٹا سا فرقہ اور باقی لوگ اپنے گھروں میں رہیں تا کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔'' لیتفقھوا '' اس میں ضمیر راجع ہے فرقہ باقیہ کی طرف معنی یہ ہوگا کہ اس بڑی جماعت کا کچھ حصہ جہاد میں جائے اور جو گھروں میں رہیں وہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب غازی لوگ غزوہ سے واپس آئیں تو جو کچھ پیچھے رہنے والوں نے دین پڑھا اور سیکھا تھا وہ ان کو بھی سکھا دیں (دوسرا معنی یہ ہے کہ) وہ دین کی طلب کے لیے نکلیں ایسی جگہ کی طرف جہاں دین سکھانے والے موجود ہیں تا کہ ان سے دین کی سمجھ حاصل کریں۔

'' ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم '' یہ عطف علت ہے اس میں اشارہ ہے کہ متعلم کی غرض استقامت فی الدین اور تبلیغ شریعت ہونی چاہیے نہ کہ لوگوں پر برتری کا دعویٰ کرنا اور غرور کا اظہار کرنا اور شہروں میں گھومنا اور پھرنا' کچھ دیگر علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت جہاد کے بقیہ احکام سے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک مستقل حکم ہے۔'' تفقہ فی الدین '' طلب علم کے لیے نکلنے کے جواز و مشروعیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کو خروج الی الجہاد سے متصل ذکر کیا ہے (تو حاصل یہ ہوا کہ) سفر دو قسم پر ہے ایک سفر جہاد دوسرا طلب علمی کا سفر' بلاشبہ طلب علمی کے لیے نکلنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ اپنے علاقہ میں کوئی دین کا استاد مربی نہ پاتا ہو۔

فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعے احکام شریعہ کا علم حاصل ہو اور جو اس علم کے حصول کے ذرائع ہیں ان کو بھی جاننا جیسے لغت' نحو' صرف' بیان اور اصول۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تفقہ فی الدین اور ناسمجھ لوگوں کو ڈرانا اس علم کی غرض و مقصد بنایا ہے تو رب تعالیٰ نے دو نیک مقاصد اور دو صحیح مطالب (علم و تعلیم) کو یکجا جمع کر دیا ہے اور وہ ہے طلب علم اور تعلیم علم' جس آدمی کا مقصد ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہوگا تو وہ دنیوی غرض کا طالب ہے نہ کہ دینی غرض کا۔

Marfat.com

آیت نمبر 21:

﴿ یاایھاالذین آمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظة ﴾ (۱۲۳) ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ کافر' اپنے شہری کافر اور نسبی کافر سے لڑائی کرنے میں خوب کوشش کریں اور یہ بھی حکم ہے کہ وہ ان سے لڑنے میں سختی اور شدت کا مظاہرہ کریں۔ اور جہاد تمام کفار کے ساتھ واجب ہے اگرچہ قریبیوں سے ابتداء کرنا بہت اہم اور سب سے مقدم ہے' پھر الاقرب فالاقرب کا لحاظ کیا جائے۔

سورۂ ہود

مکی ہے جیسا کہ حسن بصری' عکرمہ' عطاء اور جابر وغیرہ کا خیال ہے حضرت ابن عباس اور قتادہ نے ایک آیت: ''واقم الصلوٰة طرفی النہار'' کا استثناء کیا ہے ایک سوتیئس اس کی آیات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ سورۂ ہود کی جمعہ کے دن تلاوت کیا کرو۔ دارمی نے اس کو بیان کیا ہے امام ابوداؤد نے اس کو اپنی مراسیل میں ذکر کیا ہے۔ ابوالشیخ' ابن مردویہ' ابن عساکر نے اور بیہقی نے کعب سے اپنی کتاب شعب الایمان میں اس کو نقل کیا ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا ﴾ (۱۱۳) ہے۔

راویان لغت سے ائمہ تفسیر نے رکون کا معنی صرف میلان وسکون نقل کیا ہے اس میں اس قید کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کا تذکرہ صاحب کشاف نے کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے تھوڑا سا میلان' اسی طرح ائمہ تفسیر نے اس کی تفسیر صرف

Marfat.com

میلان اور سکون مطلق کی ہے۔ اس قید کا ذکر نہیں کیا جس کا متقیدین نے کیا ہے جیسا کہ صاحب کشاف نے نقل کیا ہے اور بعض مفسرین نے رکون کی تفسیر میں ایسی قیود کا ذکر کیا ہے جن کا ائمہ لغت نے تذکرہ نہیں کیا۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ حقیقۃً رکون کا معنی ہے ٹیک لگانا' اعتماد کرنا' کسی شی کے ساتھ سکون کرنا اور اس سے راضی ہونا' اور ائمہ تابعین میں سے کچھ نے رکون کی تفسیر ایسے الفاظ سے کی ہے جو اس کے لغوی معنی کا کچھ حصہ ہے۔ جناب قتادہ اور عکرمہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس کا معنی ہے کہ ان سے محبت نہ کرو اور ان کی اطاعت نہ کرو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ "اکون" کا یہاں معنی ہے نرم بات کرنا یہ اس طرح کہ ان پر ان کے کفر کا انکار نہ کیا جائے۔

ابوالعالیہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ تم ان کے اعمال کو پسند نہ کرو۔ اس آیت کے بارے میں ائمہ مفسرین کا یہ اختلاف بھی ہے کہ کیا یہ مشرکین کے ساتھ خاص ہے اور "الـذین ظلموا" سے وہی مراد ہیں یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ہر ظالم کو شامل ہے' مسلم غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ آیت کا ظاہر یہی تقاضا کرتا ہے اور اگر ہم فرض کر لیں کہ اس کے نزول کا سبب مشرکین ہیں تو پھر اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا یعنی گو سبب خاص ہے مگر حکم عام ہوتا ہے اس میں ہر ظالم داخل ہے۔

اے مخاطب! اگر تو اعتراض کرے کہ ایسی صحیح ادلہ جو تواتر کے ساتھ پہنچتی ہیں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں کہ جو آدمی ذرہ بھی سنت مطہرہ کے ساتھ تمسک رکھتا ہے اس پر مخفی نہیں کہ ائمہ' سلاطین اور امراء کی طاعت واجب ہے حتیٰ کہ بعض صحیح حدیث کے الفاظ ہیں کہ سلطان کی اطاعت کرو اگرچہ حبشی غلام ہی ہو جس کا سر منقے جیسا ہو۔ (تب بھی اس کی اطاعت ضروری ہے) جواب یہ ہے کہ ان کی اطاعت کا وجوب اس حد تک ہے جب تک وہ نماز قائم کریں اور جب تک ان سے کفر بواح کا

Marfat.com

ظہور نہ ہو اور جب تک وہ معصیت الٰہی کا حکم نہ دیں۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اگرچہ ظلم کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ جائیں اور اس کی بڑی انواع کا ارتکاب کریں جس کے ارتکاب سے وہ کفر بواح تک نہ پہنچیں پس ان کی اطاعت واجب ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دیں۔ ومن جملہ ان مجموعی اوامر سے وہ بھی ہے جن کا وہ حکم دیتے ہیں ان کے اعمال قبول کرنا' مناصب دینیۃ میں داخل ہونا جن میں داخل ہونا معصیت الٰہی نہیں۔ ومن جملہ ان کے مجموعی اوامر سے جہاد بھی ہے اور رعایا سے حقوق واجبہ کی وصولی کرنا اور ان میں سے متخاصین کے درمیان شریعت قائم کرنا اور جن پر حدود ہوں ان پر ان کو قائم کرنا۔

مختصر یہ کہ ان کی اطاعت واجب ہے ہر اس آدمی پر جو ان کے امر و نہی کے تحت ہو ہر اس مسئلہ میں جس کا وہ حکم دیں مگر وہ معصیت الٰہی نہ ہو اور اس طرح کی کیفیت میں ان سے میل جول رکھنا' ان کے پاس آنا جانا اور ان کے علاوہ دیگر ضروری معاملات ہیں جن کا کرنا ضروری ہے اور چھٹکارا نہیں اس چیز سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی ان کی طاعت کرنا قیود مذکورہ کا لحاظ کرتے ہوئے کیونکہ اس بارے میں بہت زیادہ ادلہ وارد ہیں۔ بلکہ کتاب اللہ نے بھی اس چیز کا حکم دیا ہے ارشاد ہے: ''اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم'' بلکہ حدیث میں وارد ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اگرچہ وہ رعایا کا حق ادا نہ کریں جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ان کو ان کا حق اطاعت تم دے دو اور اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگو۔ بلکہ سلطان کی اطاعت کا حکم وارد ومنقول ہے اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے بڑا مبالغہ کیا ہے حتیٰ کہ فرمایا (تو اطاعت کر) اگرچہ وہ تیرا مال چھین لے اور تیری پشت پر کوڑے برسائے۔

اگر ہم مطلق میل وسکون کا اعتبار کریں تو صرف یہ اطاعت ہے جس کا حکم دیا گیا ہے ساتھ اس کے لوازم کے یعنی میل وسکون سے اعراض کرنا' اور اگر ہم ظاہراً اور

Marfat.com

باطناً میل وسکون کا اعتبار کریں تو اس آیت میں نہی شامل نہیں ہے اس کو جو ان کی طرف مائل ہوا ظاہر میں ایسے امر کے ساتھ جو اس بات کا شرعاً تقاضا کرے جیسے طاعت ہے یا تقیہ کے لیے اور ان کی طرف سے ضرر کے ڈر سے یا مصلحت عامہ یا خاصہ کے حصول کے لیے یا مفسدہ عامہ یا خاصہ کے دفع کرنے کے لیے جب نہ ہو اس کے لیے مائل ہونا ان کی طرف باطن میں اور نہ محبت کرتے ہوئے اور نہ ان کے افعال سے راضی ہوتے ہوئے۔

اطاعت اپنے عموم پر اپنی تمام اقسام کے ساتھ جب وہ اللہ کی معصیت میں نہ ہو پس وہ اوپر فرض کرنے رکون کے معنی کی سچائی کے اس پر تخصیص کرنے والی ہے عموم نہی کو اس سے اس میں کوئی شک وارتیاب نہیں۔ ہر وہ آدمی جس کو انہوں نے ابتداءً کہا کہ وہ ان اعمال میں داخل ہو جائے جن کا (ان کی طرف سے حکم ہے) وہ حکم ایسا ہے جو اللہ پاک کی معصیت نہیں ہے جیسے دینی مناصب وغیرہ جب وہ آدمی اپنے اندر وثوق پاتا ہو کہ وہ منسوب کاموں پر قادر ہے تو پھر وہ اس پر واجب ہے چہ جائیکہ اس کو جائز رکھا جائے اور جو نہی آئی ہے امارت قبول کرنے کی تو اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب نہ واقع ہوا مرو حکم ان سے جن کی طاعت واجب ہے ائمہ' سلاطین اور امراء سے ادلہ میں تطبیق دیتے ہوئے یا پھر مامور مامور بہ کو قائم کرنے سے عاجز ہو' جیسا کہ دخول فی الامارت سے منع کرنے کی یہی علت آئی ہے بعض صحیح احادیث میں۔ اور ان سے میل جول اور مصلحت عامہ یا خاصہ کے حصول کے لیے ان کے پاس جانا' یا فساد عام وخاص کو دور کرنے کے لیے جانا' حالانکہ وہ برا سمجھتا ہے اس چیز کو جس پر وہ ہیں یعنی ظلم اور نفس کا ان کی طرف مائل نہ ہونا اور محبت کرنا' اور کراہت مواصلت ان سے ہونا' اگر اس میں مصلحت کا حصول نہ رہا' یا اس میں فساد کو دور کرنا نہ ہو تو اوپر فرض کرنے رکون کے مسمی کے صدق کے اس پر تو یہ مخصص ہے ان ادلہ سے جو جلب المصالح اور دفع المفاسد کی مشروعیت پر دال ہیں' اور اعمال کا

Marfat.com

دارومدار نیتوں پر ہے۔ "وانما لکل امر مانوی" اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چھپنے والی شی نہیں چھپتی۔ وبالجملہ جو آدمی ظالم کے ساتھ میل جول رکھنے کی بنا پر آزمایا گیا تو اس پر ہے کہ وہ وزن کرے اس کے اقوال اور افعال کا اور اس چیز کا جو آئے گی اور جو وہ چھوڑتا ہے میزان شرع کے ساتھ پس اگر وہ اس سے مائل ہوجائے تو " فعلی نفسها براقش تجنی " ❶ اور جو ان سے بھاگنے پر قادر ہو پہلے اس سے کہ اس کو ان کی طرف سے ایسا حکم ہے جس کو ماننا ضروری ہو تو وہ اس کے ساتھ اولی اور الیق ہے۔

اے مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین ہمیں آپ ان نیک بندوں میں شمار کرلیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتے ہیں جو آپ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے سے نہیں ڈرتے، ہمیں اس پر مضبوطی عطاء فرمائیں، اس کام کو ہمارے لیے آسان فرمادیں اور اس پر ہماری امداد فرمائیں۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ ڈرتے ہوئے ظلم کا ساتھ دینا اس سے مستثنیٰ ہے اضطراری حالت میں۔ اھ

نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ محققین نے کہا ہے کہ جس میلان سے منع کیا گیا ہے وہ میلان یہ ہے کہ آدمی ظالموں کے ظلم پر راضی ہو، ان کے انداز وطریقے کی داد دیتا ہو، دوسروں کے ہاں اس کی خوبصورتی بیان کرتا ہو اور ان کے ساتھ اشتراک ہو کسی شی میں ان دروازوں سے۔ بے شک ان کے ساتھ مداخلت کرنا دفع ضرر کے لیے یا مصلحت عامہ کے حصول کے لیے تو یہ اس (ممنوع) رکون ومیلان میں داخل نہیں ہے اس نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ یہ معاش اور رخصت کے طریقے پر (اجازت) ہے (ورنہ تو) تقوے کا تقاضا ہے کہ ان سے بالکل اجتناب کیا جائے۔

---

❶ یہ ایک شعر کا مصرعہ ہے براقش عورت کا نام ہے تو معنی یہ ہوا کہ وہ براقش عورت اپنے اوپر گناہ کرتی ہے۔

Marfat.com

''الیس اللہ بکاف عبدہ''' ''فتمسکم النار'' اگر تم نے میلان اختیار کیا تو تمہیں قیامت والے دن عذاب ہوگا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ظالم لوگ دوزخی ہیں یا آگ کی طرح ہوں گے' اور آگ کے ساتھ تعلق کا ہونا لازمی عذاب نار واجب کرتا ہے۔

سورۂ نحل

ساری کی ساری مکی ہے جیسا کہ حسن' عکرمہ' عطاء اور ابو جابر سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابوالزبیر سے مروی ہے کہ یہ مکی سورت ہے سوائے تین آخری آیات کے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے مابین اتری ہیں جب آنحضرتؐ احد سے واپس آ رہے تھے۔ اس کی ایک سو اٹھائیس آیات ہیں۔ اس سورت کا نام سورۃ النعم بھی ہے اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے انعام کا ذکر کیا ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا ورزقا حسنا ﴾ (٦٧) ہے۔

سکر کا معنی ہے وہ چیز جس سے نشہ پیدا ہو جیسے خمر ہے اور رزق حسن سے مراد تمام وہ چیزیں ہیں جو ان دو درختوں سے حاصل ہوتی ہیں مثلاً کھجور' منقہ اور سرکہ۔ یہ آیت تحریم خمر سے قبل اتری تھی بعض نے کہا ہے کہ سکر کا معنی ہی حبشی زبان میں سرکہ ہے۔ اور رزق حسن ان دو درختوں کا کھانا۔ بعض نے کہا ہے کہ سکر بمعنی حلال' میٹھا جوس ہے اس کو سکر اس لے کہا گیا ہے کہ جب وہ رکھا رہے تو وہ نشہ آور بن جاتا ہے اور جب وہ نشہ کی حالت میں پہنچ جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے قول اول ہی لائق اور بہت بہتر ہے جمہور علماء کا اس پر اعتماد ہے۔ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ سکر خمر کا

Marfat.com

نام ہے اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی سوائے ابوعبیدہ کے اس نے کہا ہے کہ سکر کا معنی طعم ہے اور جمہور کے قول کی تائید قول شاعر سے بھی ہوتی ہے ؎

بئس الصحاب وبئس الشرب شربھم اذا جریٰ منھم الھذرو السکر [1]

اور ابوعبیدہ کے قول کی تائید بھی اس شعر سے ہوتی ہے جو اس نے پڑھا ہے۔ ''جعلت عیب الا کرمین سکراً'' میں نے بتا دیا ان کی مذمت کو طعم۔ ابن جریر نے اس کو ترجیح دی ہے کہا ہے کہ سکر وہ طعام ہے جس کو کھایا جائے اور حلال ہے اس کا پینا۔ کھجور اور انگور سے اور وہی رزق حسن ہے لفظ مختلف ہیں معنی ایک ہی ہے جیسے'' انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ '' امام زجاج نے کہا ہے کہ ابوعبیدہ کا قول غیر معروف ہے۔ اہل تفسیر اس کے خلاف کہتے ہیں اور اس شعر میں کوئی دلیل اس کی نہیں ہے جو اس نے پڑھا ہے کیونکہ دوسرے لوگوں کے ہاں اس کا معنی ہے کہ وہ بیان کر رہا ہے کہ وہ خمر بن جاتی ہے لوگوں کے عیوب کے ساتھ۔ حنفیہ کی ایک جماعت نے سکر کو سکر نبیذ اور اس نبیذ پر محمول کیا ہے جس کو پکایا جائے تو اس کا دو ثلث ختم ہو جائے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان جتاتے ہیں اپنے بندوں پر اس چیز کے ذریعے جس کو ان کے لیے حلال کیا ہے نہ کہ اس کے ذریعے جس کو حرام قرار دیا ہے' اور یہ مذہب مردود ہے احادیث صحیحہ متواترہ کی وجہ سے اس شرط پر کہ فرض کیا جائے کہ یہ آیت تحریم خمر کے بعد اتری ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿ ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم ﴾ (۹۴) ہے۔

یہاں ایمان سے بیعت کی قسمیں مراد ہیں واحدی نے کہا ہے کہ مفسرین فرماتے ہیں یہ ان لوگوں کو نہی ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی کہ

---

[1] برے ہیں ساتھی اور ان کا پینا بھی برا ہے جب چل پڑا ان سے بکواس اور نشہ۔

Marfat.com

اسلام پر کیے ہوئے عہد اور نصرۃ دین کا معاہدہ نہ توڑیں۔ انہوں نے اس تخصیص پر قول باری تعالیٰ: ''فتنزل قدم بعد ثبوتھا'' میں جو مبالغہ ہے اس سے استدلال کیا ہے اور قول باری تعالیٰ: ''وتذوقوا السوء بما صددتم عن سبیل اللہ ولکم عذاب عظیم'' سے بھی کیا ہے کیونکہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑا تو دوسروں کو انہوں نے اسلام میں داخل ہونے سے روک دیا۔ یہ بات تسلیم کر لینے پر کہ یہ قسمیں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہیں نزول آیت کا یہی سبب ہے پس اعتبار عموم اور لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ تکرار ماقبل کی تاکید وتقریر کے لیے ہے۔ میری مراد اس سے'' ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا'' سے لے کر'' تتخذون ایمانکم دخلا بینکم'' تک ہے۔ (یعنی آیت اول کی تاکید وتقریر ہے)۔

یہاں تاکید سے تشدید وتغلیظ اور سختی مراد ہے کہ مراد یہ نہیں کہ نہی کی تخصیص ان قسموں کے توڑنے کے بارے میں ہے جن کی تاکید آ چکی ہے اور جن کے بارے میں تاکید وارد نہیں ان کی یہ کیفیت نہیں ہے کیونکہ نقض کی تحریم سب کو شامل ہے لیکن یمین مؤکد کے توڑنے سے جو گناہ ہے وہ زیادہ ہے اس یمین سے جس میں تاکید نہیں ہے۔ یہ عموم خاص کیا گیا ہے ساتھ اس کے جو احادیث صحیحہ میں آنحضرتؐ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ جو آدمی حلف اٹھائے کسی یمین (....شی) پر پھر دیکھے کہ اس کا غیر اس سے بہتر ہے اس کو وہ کام کرنا چاہیے جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے حتیٰ کہ آپ نے اس بارے میں بڑا مبالغہ کیا اور فرمایا واللہ میں کسی چیز پر قسم نہیں اٹھاتا پھر دیکھتا ہوں کہ اس کا غیر اس سے بہتر ہے مگر میں وہ بہتر کام کر لیتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔

یہ الفاظ صحیح بخاری وغیرہ میں ثابت وموجود ہیں۔ اس عام سے یمین لغو کو اللہ تعالیٰ کے قول:'' لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم'' سے خاص کر لیا گیا ہے

Marfat.com

اور ممکن ہے کہ یہاں تاکید کی قید لغو قسموں کے اخراج کے لیے ہو۔ ایمان پر گفتگو سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ انسان کا ایک کام پر بار بار قسمیں اٹھانا یمین مؤکد ہے۔ امام قرطبی نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ کسی کام پر دو مرتبہ حلف اٹھانا تاکید ہے اگر ایک مرتبہ قسم اٹھائی تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے ہر غیر صحیح کام کا نام دخل ہے بعض نے کہا ہے کہ کسی شی میں کوئی شی اس کو خراب کرنے کے لیے داخل کرنے کا نام دخل ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ وہ دھوکہ ہے۔

آیت نمبر 3:

﴿ فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله ﴾ (۹۸) ہے۔

یہاں فاء عمل صالح پر استعاذہ مرتب کرنے کے لیے ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق قول باری تعالیٰ: '' ونزلنا علیک الکتاب متبیانا لکل شی '' کے ساتھ ہے اصل عبارت یہ ہوگی: '' فاذا اخذت فی قرأته فاستعذ بالله '' امام زجاج وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: '' اذا اردت ان تقرأ القرآن فاستعذ '' اور یہ معنی کرنا کہ قرآن پڑھنے کے بعد آپ کہیں کہ '' استعیذ بالله '' ورنہ تو کھانا کھانے کے بعد آپ کہیں بسم اللہ۔ واحدی نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ '' استعاذہ '' قبل القرأت ہے مگر ابوہریرہ' ابن سیرین' داؤد' مالک اور حمزہ قاری نے کہا ہے استعاذہ قرات کے بعد پڑھا جائے وہ اس آیت کے ظاہری مفہوم کی طرف گئے ہیں۔ '' فاستعذ بالله '' کا معنی ہوا کہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تاکہ وہ مجھے شیطان مردود سے محفوظ فرمائے یعنی اس کے وساوس سے بچائے۔

اعمال صالحہ میں سے قرآن کی قرأت کی استعاذہ کے ساتھ تخصیص کرنا اس کو پڑھنے کے وقت تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ وہ (استعاذہ) سارے اعمال صالحہ کے کرنے کے لیے اہم ہے کیونکہ جب قرآن کی تلاوت کے ساتھ یہ امر آیا ہے۔ (حالانکہ وہ کتاب ایسی ہے) کہ اس کے آگے اور پیچھے باطل نہیں آسکتا تو جب اور

Marfat.com

کام کرنے ہیں تو وہاں بہت تاکید ہے' کذا قیل۔ اور اس طرح اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے بتایا کہ غیر نبی بالاولی فعل استعاذہ کرے کیونکہ جب نبی ﷺ کو معصوم ہونے کے باوجود شیطان کے وساوس دفع کرنے کے لیے استعاذہ کا حکم ہے تو ساری امت کا کیا حال ہوگا۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ اس آیت میں یہ امر برائے ندب ہے کہ جناب عطاء سے منقول ہے کہ امر کا ظاہری تقاضا وجوب کا ہے۔

آیت نمبر 4:

﴿من کفر باللہ من بعد ایمانه الا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان﴾ (۱۰۶) ہے۔

قرطبی نے کہا ہے کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جس آدمی کو کفر پر مجبور کیا گیا حتیٰ کہ وہ ڈرا کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ کفر کر دے بشرطیکہ اس کا دل ایمان سے خالی نہ ہو وہ ایمان پر مطمئن ہو اور اس کی بیوی بھی اس سے الگ نہ ہوگی اس پر کفر کا حکم بھی نہیں لگایا جائے گا۔ محمد بن سیرین سے منقول ہے کہ جب وہ کفر کا اظہار کرے گا تو وہ ظاہراً مرتد ہو جائے گا مگر وہ عنداللہ مسلمان ہوگا اس کی بیوی اس سے الگ ہو جائے گی اگر وہ اس صورت میں مر جائے تو اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی وہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا اگر وہ مسلمان مرا ہے۔

یہ قول اس کے قائل پر مردود ہے کتاب اللہ اور سنت اس کی تردید کرتی ہے۔ حسن بصری' اوزاعی' شافعی اور سحنون کا خیال ہے کہ یہ رخصت ایسی ہے جیسے کسی کو غیر اللہ کو سجدہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔ آیت کا ظاہر اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ وہ عام ہے ہر اس آدمی کے بارے میں ہے جس کو مجبور کیا جائے قول و فعل میں کوئی تفریق نہیں ہے اور جن لوگوں نے اس کو قول کے ساتھ خاص کیا ہے تو ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور یاد رکھنا کہ عموم لفظ کے ساتھ ہونا خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ علم الاصول میں یہ بات ثابت ہے۔ ''ولکن من شرح بالکفر صدراً''

Marfat.com

لیکن جس نے اس کو اختیار کیا اور اس کے دل نے اس کو (کفر) پسند کرلیا۔

پس اس پر اللہ کا غضب ہوگا۔" ولھم عذاب عظیم "اس پر عظیم وعید کے بعد اور وہ ہے مرتدین "ولھم عذاب عظیم" کے لیے غضب وعذاب کو جمع کرنا اس قول کے ساتھ کوئی وعید نہیں ہے۔

آیت نمبر 5:

﴿ ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام ﴾ (۱۱۶) ہے۔

امام کسائی اور زجاج نے کہا ہے کہ یہاں ما مصدریہ ہے اور الکذب کی نصب اس لیے ہے کہ" لا تقولوا " کا مفعول ہے۔عبارت یہ ہوگی:" لا تقولوا الکذب لاجل وصف السنتکم "یعنی نہ حلال کرو اور نہ حرام کرو اپنی بات سے جو تمہاری زبانیں بلا دلیل بولتی ہیں۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ ما موصولہ ہو اور الکذب کی نصب تصف کی بنا پر ہو اور عبارت یہ ہوگی "لا تقولوا للذی تصف السنتکم الکذب فیه ھذا حلال و ھذا حرام" لفظ "فیه" معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور "ھذا حلال و حذا حرام" "الکذب" سے بدل ہوا۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کلام میں قول محذوف ہو اور عبارت یہ ہو:"ولا تقولوا للذی تصف السنتکم فتقول ھذا حلال وھذا حرام " یا یوں کہا جائے کہ" قائله ھذا حرام و ھذا حلال "ممکن ہے الکذب تصف کی بنا پر بھی منصوب ہو سکتا ہے اور ما مصدریہ ہو عبارت یہ ہوگی:" لا تقولوا ھذا حلال وھذا حرام لوصف السنتکم الکذب "اور" لتفتروا علی الله الکذب "میں لام عاقبت کا ہے لام عرض نہیں ہے اس کے بعد پھر تمہارا افتراء باندھنا اللہ تعالیٰ پر تحلیل وتحریم کے ساتھ اور اس کی طرف نسبت کرنا (حلت وحرمت کی) حالانکہ اس نے یہ نہیں کیا۔

ابن ابی حاتم نے ابونضرہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے سورۂ نحل

Marfat.com

کی یہ آیت: '' ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام '' آخر تک پڑھی، پھر میں ہمیشہ سے آج دن تک فتویٰ دینے سے ڈرتا رہا ہوں۔ شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے میں کہتا ہوں ابونضرہؒ نے سچ کہا ہے کہ یہ آیت اپنے لفظ کے عموم کے اعتبار سے اس آدمی کے فتوی کو شامل ہے جس نے کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف فتویٰ دیا جیسا کہ کئی جگہ پر ان لوگوں نے ایسا ہی کردار ادا کیا ہے جنہوں نے رائے کو روایت پر فوقیت دی ہے یا جو لوگ کتاب وسنت کے علم سے جاہل ہیں جیسے مقلدین حضرات کرتے ہیں اور بلاشبہ وہ لائق ہیں کہ ان میں اور ان کے فتاویٰ میں رکاوٹ پیدا کی جائے اور ان کو ان کی جہالات سے روکا جائے کیونکہ انہوں نے فتویٰ دینے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جاہل ہو کر اور بغیر ہدایت اور بلا کتاب منیر کی رہنمائی کے خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی انہوں نے گمراہ کیا ہے لہٰذا وہ اور جو ان سے فتاویٰ پوچھتے ہیں ایسے ہیں جیسے شاعر نے کہا ہے۔

کبھیمۃ عمیاء قادز مامھا اعمیٰ علی عوج الطریق الجائر [1]

طبرانی نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی کہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فلاں شی کا حکم دیا ہے اور فلاں شی سے منع کیا ہے۔ اللہ پاک اس کو کہیں گے کہ تو کذب بیان کر رہا ہے یا وہ کہتا ہے اللہ پاک نے فلاں شی حرام کی ہے یا فلاں شی حلال کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو جھوٹ بول رہا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں کہا ہے کہ مفتی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر گواہی دے کہ اس نے فلاں شی حلال کی ہے یا اس کو حرام کیا ہے یا اس کو واجب کیا ہے یا اس کو مکروہ سمجھا ہے مگر تب کہ وہ جان لے کہ اس بارے میں حکم ہے۔ اسی طرح

---

[1] جیسے اندھا جانور جس کی زمام بھی اندھے نے پکڑی ہے بہت زیادہ ٹیڑھے راستہ پر بتایئے خیر کیسے ہوگی؟

Marfat.com

ہے ان میں سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نص کی ہے اس کی اباحت' تحریم' ایجاب اور کراہت پر اور وہ چیز جس کو اس نے پایا ہے اپنی اس کتاب میں جس کو اس نے لیا ہے اپنے ائمہ سے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ گواہی دے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اس کے ذریعے وہ لوگوں میں تبدیلی پیدا کرے اس کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا کوئی علم نہیں ہے۔ کئی اسلاف نے کہا ہے ہر آدمی کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کہے فلاں شی اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے اور فلاں حرام کی ہے اللہ تعالیٰ اس کو کہیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے نہ میں نے اس کو حلال کیا ہے اور نہ حرام کیا ہے۔ صحیح مسلم میں موجود ہے بریدہ بن خصیب کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (اس کو) کہا کہ جب تو کسی (دشمن کے) کسی قلعہ کا محاصرہ کرے تو وہ تجھ سے کہیں کہ تو ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر اترنے دے (ہمیں ان کے قول کا حق دے دے) تو ان کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر نہ اتارنا کیونکہ تو نہیں جانتا کہ تو ان کے بارے میں اللہ کے حکم کو پا بھی سکے گا یا نہیں' تو ان کو اپنے ساتھیوں کے حکم و مشورہ پر اتار (یعنی اگر پاس ہو جائے تو ان کو امن دے دے)۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں ایک مجلس میں حاضر ہوا وہاں قاضی وغیرہ حضرات موجود تھے وہاں ایک فیصلہ جاری ہوا کہ ایک آدمی نے زفر کے قول کے مطابق فیصلہ کیا میں نے کہا کہ یہ فیصلہ کیسا ہے؟ اس نے کہا یہ حکم الٰہی ہے میں نے اس کو کہا کہ زفر کا قول حکم الٰہی بن گیا ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور اس کو امت پر لازم کر دیا ہے (خدا کے بندے!) کہ یہ زفر کا حکم ہے اس کو حکم الٰہی نہ کہہ اس طرح کی گفتگو فرمائی۔ اھ

آیت نمبر 6:

﴿ ادع الی سبیل ربک ﴾ (۱۲۵) ہے۔

یہاں مفعول کو تعمیم کے لیے حذف کیا ہے کیونکہ وہ سب لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور سبیل اللہ سے مراد اسلام ہی ہے۔ "بالحكمة" مضبوط اور صحیح

Marfat.com

گفتگو کے ذریعے دعوت دو۔ بعض نے کہا ہے حکمت سے مراد وہ دلائل قطعیہ ہیں جو یقین کا فائدہ دیتے ہیں۔ ''والموعظة الحسنة '' وہ گفتگو جو بہترین وعظ پر مشتمل ہو جس کو سامع بہت اچھا سمجھتا ہو اور وہ فی ذاتها حسنہ ہو کیونکہ سامع کو اس سے انتفاع حاصل ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ حج ظنیہ اقناعیہ ہیں جو مقدمات مقبولہ کے ذریعے موجب تصدیق ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دعوت کے لیے صرف یہ دو طریقے ہیں لیکن داعی کا کبھی کسی جھگڑالو مقابل سے واسطہ پڑ جاتا ہے لہٰذا کبھی کبھی معارضہ اور مناقضہ وغیرہ کے استعمال کا محتاج ہو جاتا ہے اسی واسطے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ''وجادلهم بالتی هی احسن'' مجادلہ کے بہترین طرق میں سے کسی بھی طریقہ سے ان سے گفتگو کریں اللہ پاک نے مجادلہ حسنہ کا حکم دیا کیونکہ داعی حق گو ہوتا ہے اس کی غرض صحیح ہوتی ہے اس کا مقابل باطل پرست ہے اس کی غرض فاسد وخراب ہوتی ہے۔

آیت نمبر 7:

﴿ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ﴾ (۱۲۶) ہے۔

اگر تم ان کو سزا دو تو جو کچھ تم سے کیا گیا ہے اس کے مطابق دو' اس سے تجاوز نہ کرو۔ ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جن پر ظلم ہوا تھا کہ جب وہ دشمن پر قادر ہوں تو اپنے ظلم کے مطابق بدلہ لیں اور زیادتی کی طرف تجاوز نہ کریں۔ یہ تفسیر صحیح ہے کیونکہ اس آیت کے بارے میں اگرچہ کہا گیا ہے کہ اس کے نزول کا ایک سبب خاص تھا مگر اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے اور اس کا عموم اسی معنی مذکورہ کو ادا کرتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فعل اول (جو شرط کا آغاز کرنیوالا ہے) کو عقوبت کہا ہے حالانکہ عقوبت سرتابی کا فعل ہے (جواب یہ ہے کہ) اس کو عقوبت مشاکلہ کہا گیا ہے اور یہ باب بڑا وسیع ہے کتاب کی کئی آیات میں اس کا وقوع ہوا ہے۔

پھر رب تعالیٰ نے معافی پر ابھارا ہے فرمایا: '' ولئن صبرتم لهو خير للصابرين '' کہ اگر تم برابر سزا دینے سے بھی صبر کرو تو صبر تمہارے لیے انتقام سے

Marfat.com

بہتر ہے صابرین (اسم ظاہر) کو ضمیر (ھم) کی جگہ رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تعریف وتوصیف ہے کہ وہ شدائد پر بہت صابر ہیں جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے کیونکہ یہ سزا سے صبر کرنے کے بارے میں واقع ہوئی ہے اور علی العموم صابرین کی تعریف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ آیات قتال سے منسوخ ہے لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

سورۂ اسراء

اس کی ایک صد گیارہ آیات ہیں۔ جناب ابن عباس کا قول ہے کہ یہ مکی سورت ہے اسی طرح ابن زبیر سے منقول ہے مگر اس میں سے تین آیات مستثنیٰ ہیں اور وہ یہ ہیں: ''وان کادوا یستغفرونک من الارض الخ'' یہ نازل ہوئی تھی جب آپ کی خدمت میں بنوثقیف کا وفد آیا تھا اور جب یہود نے کہا تھا کہ یہ (مکہ) تو انبیاء کی زمین نہیں ہے اور یہ قول باری تعالیٰ: ''رب ادخلنی مدخل صدق'' اور قول: ''ان ربک احاط بالناس'' مقاتل نے اضافہ کیا ہے کہ قول باری تعالیٰ: ''ان الذین اوتوا العلم من قبلہ'' بھی ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط﴾ (۲۹) ہے۔

یہ نہی ہر مکلّف (احکام کے پابند) کو شامل ہے وہ خطاب تو آنحضرت ﷺ کو ہے امت کے لئے تعلیم وتعریض ہے یا اس آدمی کو خطاب ہے جو بھی مکلفین میں سے اس کی صلاحیت رکھتا ہے یہاں انسان کو نہی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس طرح خرچ کرنے سے رک جائے جس سے وہ اپنی ذات اور اہل پر تنگی کرنے والا بن جائے اور

Marfat.com

خرچ کرنے میں بھی وہ بہت زیادتی نہ کرے جس کی ضرورت ہی نہ ہو تو وہ خرچ کرے اس طرح کہ وہ مسرف ثابت ہو جائے یا افراط وتفریط (دونوں) سے نہی ہے۔ اس سے توسط کی مشروعیت کا درس ملتا ہے یعنی اس میانہ روی کا جس کی طرف رب تعالیٰ نے دعوت دی ہے۔

ولا تک فیھا مفرطا او مفرطا　　کلا طرفی قصد الامور ذمیم

''تو نہ ہو جا اس میں زیادتی کرنے والا یا کمی کرنے والا میانہ روی کے دو طرف قابل مذمت ہیں''۔

تحقیق اللہ نے مثال بیان کی ہے اس آیت میں بخیل کے حال کی اس آدمی کے حال کے ساتھ جس کا ہاتھ بند ہے اس کی گردن کے ساتھ اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ تصرف نہیں کرسکتا۔ اور مثال دی جاتی ہے اس آدمی کے حال کی جو تصرف میں حد سے نکل جاتا ہے اس آدمی کے حال کے ساتھ جو اپنے ہاتھ کو بہت کھولتا ہے نہیں متعلق ہوتی اس کے سبب سے اس میں کوئی چیز ان میں سے جس پر ہاتھ قبضہ کرتے ہیں۔ اس تصویر وتمثیل میں بہت مبالغہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منہی عنہا کی دونوں طرفوں کی غایت کو اور انجام کو بیان کیا ہے فرمایا: ''فتقعد ملوماً'' بیٹھ جائے گا تو قابل ملامت ہو کر لوگوں کے ہاں اپنی کنجوسی کے سبب سے۔ ''محسورا'' بسبب اپنے اسراف کے تو مقاصد سے الگ ہو جائے گا اس انقطاع کا سبب فقر وغربت ہے۔ لغت میں محسور اس کو کہتے ہیں جو سفر سے کٹ جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے گزشتہ کام پر نادم ہونے والا۔

آیت نمبر 2:

﴿ ومن قتل مظلوماً ﴾ (۳۳) ہے۔

''جو مظلوم مقتول ہوا''۔

یعنی ظلماً مارا گیا اس سے مراد قتل کا وہ سبب نہیں ہے جو شرعی قتل کا باعث ہوتا ہے۔''

Marfat.com

فقد جعلنا لولیه سلطانا ''(جوظلماً مارا گیا) ہم نے اس کے لیے غلبہ کیا جو ورثہ میں سے اس کا ذمہ دار ہے اگر وہ موجود ہوں' یا ان میں سے جس کے لیے قوت وغلبہ ہے اگر ورثہ موجود نہیں ہیں۔ سلطان کا معنی قاتل پر غلبہ وتسلط پانا اگر چاہے تو اس کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور اگر چاہے تو دیت لے لے۔''فلا یسرف فی القتل ''پس وہ اس امر سے تجاوز نہ کرے جو اللہ تعالیٰ اس نے اس کے لیے جائز کیا ہے کہ وہ ایک کے بدلے دو یا کئی آدمیوں کو قتل کرے یا قاتل کا مثلہ کرے یا اس کو عذاب واذیت دے۔'' انه کان منصوراً ''بلاشبہ ولی کی تائید واعانت کی گئی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے کہ اس کے لیے قصاص کا حق رکھا ہے یہ سبب اس کے جو اس نے دلائل پیش کیے ہیں اور اس کو ادلہ سے واضح کیا ہے اور ان کی مدد کرنے کا اہل حکومت کو حکم دیا ہے اور اس کو پورا پورا حق دلوانے کا کہا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت سب سے اول قرآن میں آئی ہے قتل کی اہمیت کے بارے میں کیونکہ یہ کل سورت ہے۔

آیت نمبر 3:

﴿ ولا تقف مالیس لک به علم ﴾ (۳۶) ہے۔
''جس کو تو نہیں جانتا اس کی پیروی مت کر''۔

محاورہ ہے:'' قفوت فلانا '' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اس کے نشانات کی پیروی کرے۔ اس میں سے قافیۃ الشعر بھی ہے کیونکہ وہ بھی ہر شعر کے بعد آتا ہے۔ اسی سے ایک قبیلہ ہے جو قافہ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ بھی لوگوں کے قدموں کے آثار کی پیروی کرتے ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ انسان کو منع کیا گیا ہے کہ وہ ایسی بات کہے جو اس کے علم میں نہ ہو یا ایسا عمل کرے جس کا اس کو علم نہ ہو۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے مفسرین کی ایک جماعت نے اس کو چند امور کے ساتھ خاص کیا ہے فرمایا تو کسی کی خدمت نہ کر ایسی چیز سے جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ

Marfat.com

جھوٹی شہادت کے بارے میں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قافیہ کے بارے میں ہے۔ قتیبی نے کہا ہے کہ آیت کا معنی ہے کہ تو وھم اور ظنون کی پیروی نہ کر اور یہ درست معنی ہے کیونکہ اس کے علاوہ کا نام علم ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں علم سے مراد اعتقاد صحیح ہے جو کسی مستند قطعی یا ظنی سے حاصل ہو۔ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کا استعمال اس معنی میں ہے اس کے مشہور ہونے کا انکار نہیں ہوسکتا۔ شوکانی نے فتح القدیر میں کہا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ عمل جائز نہیں اس کے ساتھ جس کا علم نہ ہو یہ قضیہ عامہ ہے اس کی تخصیص آئی ہے ان ادلہ سے جو وارد ہیں کہ عمل بالظن جائز ہے جیسے عام یا خبر واحد کے ساتھ عمل کرنا، شہادت پر عمل کرنا، قبلہ جزاء صید وغیرہ کے بارے میں اجتہاد کرنا، لہٰذا ان کے عموم اور ''ان الظن لایغنی من الحق شیئاً'' کے عموم سے نکلنا ممکن نہیں ہے مگر اس وقت کہ اس کے ساتھ عمل کرنے کے جواز پر دلیل قائم ہو جائے۔

مسائل شرعیہ میں عمل بالرأی اس وقت صحیح ہے جب کتاب وسنت میں دلیل معدوم ہو تحقیق آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں اجازت دی ہے جیسا کہ آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا: جب ان کو قاضی بنا کر بھیجا تھا تو کیسے فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تجھے وہ مسئلہ نہ ملے تو پھر کیا کرے گا انہوں نے عرض کیا کہ اس کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو نہ اس کے بارے میں کچھ پائے تو پھر انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے کام لوں گا۔ یہ حدیث صالح الاحتجاج ہے جیسا کہ ہم نے اس کو وضاحت الگ ایک بحث میں کر دی ہے۔

کتاب وسنت میں دلیل موجود ہوتے ہوئے اپنی ذاتی رائے پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ لیکن صاحب رائے نے بحث سے کوتاہی کی ہے تو وہ رائے لایا ہے جو اس

Marfat.com

میں دخول اولی کے تحت داخل ہے کیونکہ وہ محض رائے ہے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابلے میں حالانکہ لوگ کتاب وسنت کی وجہ سے اس سے مستغنی ہیں اور دعوت نہیں دیتی اس کی طرف کوئی ضرورت' اس کے علاوہ رائے میں رخصت دلیل موجود نہ ہونے کی وجہ سے مجتہد کے لیے ہے کہ وہ اس پر عمل کرے اور کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی اس پر کہ اس کا غیر اس پر عمل کرے اور اس کو اتارے (اس کو مقام دے) مسائل شرعیہ کی جگہ۔ اور اس چیز کے ساتھ تیرے لیے مکمل وضاحت ہو جائے گی اور مکمل ظہور ہو جائے گا کہ کتب فروع میں یہ آراء مدونہ شریعت نہیں ہیں اور اس کے ساتھ عمل کرنے والا گرنے والے گھڑے کے کنارے پر ہے پس وہ مجتہد جو زیادہ رائے قائم کرتا ہے کبھی وہ ایسی چیز کی پیروی کرتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور مقلد مسکین جو اس مجتہد کی رائے پر عمل کرتا ہے وہ بھی کبھی عمل کرتا ہے ایسی چیز پر جس کا اس کو علم نہیں ہے اور نہ ہی اس کے امام کو اس کا علم ہے" ظلمات بعضها فوق بعض "اھ

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت عقائد کے ساتھ خاص ہے مگر اس پر بالکل کوئی دلیل نہیں ہے یہ بے دلیل بات ہے بلکہ رب تعالیٰ نے علت بیان کی ہے منع کرنے کی عمل کرنے سے اس چیز کے ساتھ جس کا اس کو علم نہیں اپنے اس قول:"ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك "کے ساتھ تین اعضاء کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کو عقلاء کا مرتبہ دیا گیا ہے کیونکہ ان سے سوال ہوگا ان کے احوال کا بطور شہادت کے ان اعضاء کے مالکوں کے بارے میں۔ زجاج نے کہا ہے اہل عرب عقلاء وغیر عقلاء دونوں کو اولئک سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابن جریر نے اس کے عدم جواز پر استدلال کرتے ہوئے قول شاعر پڑھا ہے:

ذم المنازل بعد منزلة اللوى والعيش بعد اولئك الايام [1]

---

[1] اللولوی کے مرتبہ بعد دیگر منازل کی مذمت کر اور ان دنوں کے بعد کی زندگی کی بھی مذمت کر۔

Marfat.com

اس پر اعتراض یہ ہے کہ یہاں "بعد اولئک الاقوام" تھا نہ کہ اولئک الایام اور اس غلطی پر دیگر لوگوں نے بھی اس کی پیروی کی ہے جیسے صاحب کشاف ہیں۔ اور ضمیر کان کی جو کان عنہ مسئولاً میں ہے کل کی طرف راجع ہے اس طرح عنہ کی ضمیر بھی ادھر ہی راجع ہے۔ ان جوارح سے سوال کرنے کا معنی ہے کہ ان اعضاء کے مالکوں سے سوال کیا جائے گا ان اعمال کے بارے میں جو انہوں نے کیے ہیں کیونکہ یہ آلات ہیں استعمال کرنے والی شی روح انسانی ہے اگر اسکو خیر میں استعمال کیا تو ثواب کا حقدار ہے اور اگر شرک میں استعمال کیا تو عتاب کا مستحق ہے۔ بعض نے کہا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سوال کے وقت ان اعضاء کو بلائیں گے وہ خبر دیں گے ان اعمال کی جو وہ کرتا رہا ہے۔

آیت نمبر 4:

﴿ ولا تمش فی الارض مرحا ﴾ (۳۷) ہے۔

مرح کا معنی شدت فرح ہے، بعض نے کہا ہے کہ چلنے میں تکبر کرنا ہے، بعض نے کہا کہ انسان کا اپنے رتبے سے تجاوز کرنا۔ بعض نے کہا کہ چلنے میں اکڑنا، بعض نے کہا بمعنی بطر اور اشر ہے، بعض نے کہا ہے کہ یہ بمعنی خوشی ہے اور ظاہر ہے کہ مراد اس سے تکبر وفخر ہے۔ زجاج نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: "ولا تمش فی الارض مختالا فخوراً" (نہ چل تو زمین پر اکڑتے ہوئے شیخی سے) (اعتراض یہ پڑتا ہے کہ) مشی (چلنے) کے ساتھ زمین کا ذکر کیا ہے (یہ بیکار معلوم ہوتا ہے) کیونکہ چلنا زمین پر ہی ہوتا ہے یا اس چیز پر جس کا اعتماد و تعلق زمین کے ساتھ ہوتا ہے (جیسے سواری ہے جواب یہ دیا ہے) کہ یہ تاکید وتقریر کے لیے ہے۔ جس نے کہا ہے بہت اچھا کیا ہے۔

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا   فکم تحتها قوم هم منک ارفع
وان کنت فی عزو حرز ومنعة   فکم مات من قوم هم منک امنع

Marfat.com

''تو زمین پر عاجزی سے چل' بہت سے لوگ جو تجھ سے بہت بلند تھے اس کے نیچے جا چکے ہیں' اور اگر تو عزت کے بچاؤ اور حفاظت میں ہے تو بہت سے لوگ تجھ سے زیادہ محفوظ تھے اور وہ فوت ہو چکے ہیں''۔

مرح مصدر ہے حال واقع ہو رہا ہے'' ای اذا مرح ''۔ یہاں صفت کی جگہ مصدر کا ذکر کرنا ایک قسم کی تاکید ہے جمہور نے مرحاً (راء کی زبر سے) پڑھا ہے۔ یعقوب نے ایک جماعت سے اسم فاعل پڑھا ہے یعنی راء کی زیر سے۔

آیت نمبر 5:

﴿ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس ﴾ (۷۸) ہے۔

حضرات مفسرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اس نماز سے مراد فرضی نماز ہے۔ اس آیت میں مذکورہ دلوک کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ نصف النہار سے سورج کا زائل ہو جانا مراد ہے۔ حضرت عمر' ابن عمر' ابو ہریرہ' ابن عباس' حسن' شعبی' عطاء' مجاہد' قتادہ' ضحاک' ابو جعفر کا یہی قول ہے۔ اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس سے مراد غروب الشمس ہے۔ حضرت علی' ابن مسعود' ابی بن ابی کعب اور ابو عبید نے اس کو ہی اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔

فراء نے کہا ہے زوال سے غروب تک کا نام دلوک ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں دلوک کا معنی ہے زوال' اسی لیے جب سورج نصف النہار سے ڈھل جاتا ہے تو اس کو دالکہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں حالتوں میں زائل ہو جاتا ہے اس نے کہا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ دلوک نصف النہار کے وقت زوال کا نام ہے تا کہ یہ آیت پانچوں نمازوں کو شامل ہو جائے۔ معنی یہ ہوگا کہ دلوک الشمس ک وقت سے غسق اللیل تک نماز قائم کرو اس میں ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نماز داخل ہے اور قرآن الفجر سے مراد صلوٰۃ الفجر ہے یہ پانچ نمازیں ہو گئیں۔'' الی غسق اللیل ''غسق کا

Marfat.com

معنی ہے اندھیرے کا اجتماع' فراء اور زجاج نے کہا ہے کہ" غسق اللیل "اور اغسق اس وقت بولا جاتا ہے جب اندھیرا چھا جائے۔ ابو عبید نے کہا ہے غسق کا معنی ہے سواد اللیل (رات کی سیاہی)۔ اصل کلمہ کا معنی ہے سیلان (بہنا) جب کوئی شی بہہ جائے تو کہا جاتا ہے" اغسقت "۔" الی غسق اللیل "سے استدلال کیا ہے اس آدمی نے جس نے کہا ہے ظہر کی نماز کا وقت زوال سے شروع ہو کر مغرب تک ہے' اوزاعی اور ابو حنیفہ سے یہی مروی ہے مالک اور شافعی نے ضرورت کی حالت میں اسکو جائز قرار دیا ہے آنحضرت ﷺ سے احادیث صحیحہ اور متواترہ تعین اوقات نماز کے بارے میں مروی ہیں اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا واجب ہے جو سنت نے بیان کیا ہے ہم بحث طویل نہیں کرتے۔

" وقرآن الفجر " حضرات مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس لفظ میں بہت بڑا فائدہ ہے جو اشارہ کر رہا ہے کہ نماز بغیر قرأت کے نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ نماز کو قرآن کہا گیا ہے احادیث صحیحہ نے دلالت کی ہے کہ کوئی نماز بغیر فاتحہ الکتاب کے نہیں ہوتی اور بعض احادیث درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہیں اور فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی مروی ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں فاتحہ واجب ہے گو امام کے پیچھے ہو اس پر اکثر صحابہ' تابعین اور ائمہ کا عمل ہے اور یہی حق ہے۔ علامہ شوکانی نے اس مسئلہ کو بڑی عمدگی سے اپنی تالیفات میں لکھا ہے ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے دیگر کتب میں ذکر کیا ہے" ان قرآن الفجر کان مشهودا " صبح کی نماز میں رات اور دن کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے یہی جمہور نے کہا ہے۔

آیت نمبر 6:

﴿ ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها ﴾ (۱۱۰) ہے۔

نماز کی قرأت بلند نہ کریں اور نہ ہی آہستہ کریں معلوم ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

یہاں صلوٰۃ سے قبل مضاف (قرآت) محذوف ہے کیونکہ اس بات کا علم تھا کہ جہرومخافتہ دونوں صموت کی صفات سے ہیں نہ کہ افعال صلوٰۃ کی صفات سے' یہ تو اطلاق الکل وارادۃ الجزء ہے یعنی کل بول کر مراد جزء لیا گیا ہے کہا جاتا ہے: ''خفت صوته خفوتاً'' یعنی اس کی کلام منقطع ہوگئی' کمزور اور سکون پذیر ہوگئی اور'' خفت الزرع ''اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ کملا جائے۔ اور جب آدمی قرأت اونچی نہ کرے تو کہا جاتا ہے:'' خافت الرجل بقرأته'' بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے تو ساری نماز بلند آواز سے نہ پڑھ اور ساری نماز آہستہ قرأت سے بھی نہ پڑھ۔ ''والاول اولیٰ'''' واتبع بین ذلک سبیلا '' تلاش کر جہرومخافتہ کے مابین (جہرو آہستہ کا ذکر پہلے دونوں فعلوں میں ہو چکا ہے) برابر راستہ نہ جہر ہو اور نہ وہ آہستہ ہو۔

دوسری تفسیر کی بنا پر معنی ہوگا تمام نمازوں میں جہری قرأت منع ہے اور تمام نمازوں میں مخفی قرأت منع ہے اور حکم ہے بعض نمازیں جہری ہوں جیسے صلوٰۃ اللیل اور بعض میں مخفی قرأت ہو جیسے دن کی نمازیں ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت قول باری تعالیٰ:'' ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة'' سے منسوخ ہے۔

آیت نمبر 7:

﴿ وقل الحمد لله الذی لم یتخذ ولدا ﴾ (۱۱۱) ہے۔

جب حکم دیا گیا ہے کہ اس کا ذکر نہ کیا جائے اور اس کو آواز نہ دی جائے مگر اس کے اسماء حسنیٰ سے تو کیفیت حمد پر تنبیہ کی اور فرمایا کہ ''وقل الحمدلله الذی لم یتخذ ولدا'' ''کہو کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے لیے اولاد پیدا نہیں کی'' جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کہا ہے اور مشرکین میں سے بھی بعض لوگوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔'' تعالیٰ الله عن ذلک علوا کبیرا'''' ولم یکن له شریک فی الملک '' کوئی بھی اس کی ملکیت و ربوبیت میں شارک نہیں ہے جیسا کہ ثنویہ فرقہ وغیرہ فرق کا خیال ہے جو تعدد آلھہ کے قائل ہیں۔'' ولم یکن

Marfat.com

له ولی من الذل ''وہ کسی کے ساتھ موالات کرنے کا محتاج نہیں ہے کسی ذلت کی وجہ سے جو اس کو لاحق ہو وہ ولی ونصیر سے مستغنی ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ وہ کسی دوسرے کے ذریعے انتقام لینے کا محتاج نہیں ہے۔ اثناء حمد ان صفات جلیلہ کی طرف اشارہ کرنے میں بتانا مقصود ہے کہ مستحق حمد وہ ذات ہے جس کی یہ صفات ہوں کیونکہ وہ ایجاد شی پر اور افاضہ نعم پر قادر ہے کیونکہ اولاد بزدلی اور بخل کا سبب ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اولاد کا وجود حدوث باپ کو مستلزم ہے کیونکہ وہ پیدا ہوا ہے ایک جزء سے اس کے اجزاء میں سے' اور محدث کمال انعام پر قادر نہیں ہے۔ اور شرکت فی الملک متصور ہوتی ہے اس کے لیے جو استقلال پر قادر نہیں ہے اور جو استقلال پر قادر نہ ہو عاجز ہے' چہ جائیکہ کہ ضائع ہو جائے جس پر وہ ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ شرکت شریکوں میں تنازعہ پیدا کرتی ہے کبھی شریک اس کو منع کرے گا اپنے اولیاء سے خیر کے افاضہ سے اور اس کو فساد تک پہنچا دے گا۔ ''اور اگر زمین وآسمان میں الٰہ ہوتے تو وہ دونوں تباہ ہو جاتے'' اور جو ایسے ولی کا محتاج ہو جو اس کو ذلت سے روکے اور اس کی مدد کرے اس پر جو ارادہ کرے اس کی تذلیل کرنے کا (وہ محتاج) ضعیف ہے وہ قادر نہیں اس پر جس پر قادر ہے جو خود بخود مستغنی ہوتا ہے۔

''وکبرہ تکبیرا'' اس کی خوب اچھی طرح تعظیم کرو اور اس کی صفت بیان کرو بے شک وہ ہر شی سے بڑا ہے' ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے اہل کو یہ آیت: ''الحمد لله الذی الخ'' سکھایا کرتے تھے۔ صغیر وکبیر دونوں کو اپنے اہل میں۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں عبدالکریم بن ابی امیہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بنی ہاشم کے جوان کو سات مرتبہ تعلیم دیا کرتے تھے جب وہ بولنے لگتا تھا (وہ یہ دعا تھی): ''الحمد لله الذی لم یتخذ ولداً'' آخر سورۃ تک۔ احمد اور طبرانی نے معاذ بن انس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آیت العزت'' الحمد لله الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن له شریک فی

Marfat.com

الملک و لم یکن له ولی من الذل و کبّرہ تکبیرا'' ہے۔

سورۂ طہٰ

اس کی ایک سوتیس آیات ہیں یہ مکی سورت ہے۔قرطبی نے کہا ہے سب ائمہ کے قول کے مطابق یہ جناب عمر کے اسلام لانے کا سبب ہے اور واقعہ کتب سیر میں موجود ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ لا تمدن عینیک ﴾ (۱۳۱) ہے۔

مدنظر کا معنی ہے نگاہ دراز کرنا اور یہ کہ نہیں قریب کہ اس کو واپس لوٹائے منظور الیہ کو اچھا سمجھنے کی وجہ سے اور اس کے ساتھ تعجب کرتے ہوئے۔اور اس میں ہے کہ نظر غیر محدود یعنی لگاتار نہ دیکھنا قابل معافی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی جلدی سے کسی شی کو دیکھے اور فوراً نگاہ نیچے کرلے۔'' الی ما متعنا به '' آپ زخارف دنیا کی طرف رغبت وتمنا کی نگاہ نہ اٹھائیں اور اس کی طرف اپنی آنکھوں کی نگاہ لمبی نہ کریں۔'' وازواجاً منهم '' یہ متعنا کا مفعول ہے ازواج کا معنی اقسام ہے (ابن قتیبہ) جوہری نے کہا ہے ازواج کا معنی قرناء ہے۔واحدی نے کہا ہے کہ آدمی کسی شی کی طرف نگاہ اس وقت لمبی کرتا ہے جب اس کی طرف لگاتار اور مسلسل دیکھتا رہے ادامت نظر کسی چیز کی طرف اس کے احسان اور اس کی تمنہ پر دلالت کرتا ہے۔

بعض نے کہا ہے آیت کا معنی ہے آپ حسد نہ کریں کسی سے اس پر جو اس کو دنیا دی گئی ہے جواب یہ ہے حسد تو آپ سے مطلقاً منہی عنہ ہے۔'' زهرة الحیوة الدنیا'' نباتات کے ذریعے دنیا کی خوبصورتی اور اس کی رونق مراد ہے۔

Marfat.com

سورۃ الحج

یہ مکی سورت ہے یا مدنی جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہ ملی جلی سورت ہے کچھ مکی آیات ہیں اور کچھ مدنی۔ اس کی اٹھتر (78) آیات ہیں۔ '' قال الجمهور ان السورة مختلطة منها مكى ومنها مدنى '' قرطبی نے کہا ہے یہی صحیح ہے۔ عزرمی نے کہا ہے کہ وہ اعاجیب سور میں سے ہے کہ اس سورت کی بعض آیات رات کو بعض دن میں، بعض سفر میں، بعض حضر میں اتری ہیں کچھ مکی ہیں کچھ مدنی ہیں کچھ صلح کی کچھ لڑائی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں کچھ ناسخ، کچھ منسوخ، کچھ محکم اور کچھ متشابہ ہیں اس سورت کی فضیلت کے بارے میں کئی احادیث مروی ہیں۔

آیت نمبر 1:

﴿ یاایها الناس ان کنتم فی ریب من البعث ﴾ (۵) ہے۔

اگر تمہیں مرنے کے بعد اٹھنے کے بارے میں شک ہے تو اپنی تخلیق کی ابتداء کو دیکھو۔ '' فانا خلقناکم '' ہم نے تمہیں تمہارے باپ آدم کی تخلیق کے ضمن میں مٹی سے پیدا کیا ہے۔ '' من تراب ثم من نطفة '' پھر مادۂ تولید سے تمام انسانوں کی تخلیق کی ہے۔ مادۂ تولید کو اس کی قلت کی وجہ سے نطفہ کہا جاتا ہے کیونکہ نطفہ کا معنی ہی ہوتا ہے تھوڑا سا پانی، کبھی کبھی زیادہ پانی پر بھی اس کا وقوع ہوتا ہے۔ نطفہ بمعنی قطرہ ہے '' ثم من علقة '' علقہ کا معنی ہے جما ہوا خون، علق بمعنی دم عبیط، یعنی تازہ جما ہوا خون۔ بعض نے کہا بمعنی سخت سرخ۔ اور دم جامد سے مراد جما ہوا خون ہے جو مادہ تولید سے بنتا ہے۔

'' ثم من مضغة '' بمعنی گوشت کا اتنا بڑا ٹکڑا جس کو چبانے والا چبا سکے وہ علقہ سے بنتا ہے۔ '' مخلقة '' یہ مجرور ہے مضغۃ کی صفت ہے جس کی تخلیق واضح ہو

Marfat.com

اوراس کی صورت ظاہر ہو۔ ''وغیر مخلقة'' جس کی تخلیق واضح نہ ہواور نہ ہی اس کی صورت ظاہر ہو۔ ابن اعرابی نے کہا ہے مخلقہ کا معنی ہے جس کی تخلیق وصورت ظاہر ہواور غیر مخلقہ جس کی صورت نہ بنی ہو۔ اکثر علماء کا خیال ہے جس میں روح پھونک کر اس کی تخلیق مکمل کردی جائے اس کا نام مخلقہ ہے یعنی وہ بچہ جو مکمل پیدا ہوا ہواور جو حمل گر جائے اس کا نام غیر مخلقہ ہے یعنی وہ زندہ نہیں ہوتا مکمل تخلیق کے ساتھ۔ قراء نے کہا ہے مخلقہ کا معنی تام الخلقت اور غیر مخلقہ کا معنی جو حمل ساقط ہو جائے۔

أفي غير المخلقة البكاء فاين الحزم ويحك والحيا

''کیا غیر مخلقہ میں روتا ہے؟ کہاں ہے حزم وحیا تو مر جائے''

معنی یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں اس بہت انوکھے طریقے سے پیدا کیا ہے۔ ''لنبين لكم'' تاکہ ہم بیان کریں تمہارے سامنے اپنی کامل قدرت اس پر جو ہم کرنا چاہتے ہیں جیسے مردوں کو زندہ کرنا اور ان کو قبور سے اٹھانا بس اس پر ایمان لے آؤ اور یقین کرلو۔ یہ آیت بعث بعد الموت کے شواہد میں سے ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿هذان خصمان﴾ (۱۹) ہے۔

ایک گروہ ان میں سے بہت پلید گروہ ہے جیسے یہود' نصاریٰ' بے دین' مجوس اور مشرکین۔ دوسرا گروہ اہل ایمان کا ہے یہ دونوں فریق آپس میں متحارب ہیں (فراء وغیرہ) بعض نے کہا ہے خصمین سے مراد جنت ودوزخ ہے' جنت کہے گی اے رب آپ نے مجھے رحمت کے لیے پیدا کیا ہے دوزخ کہے گی مجھے آپ نے پیدا کیا ہے شراء کے لیے۔ بعض نے کہا ہے خصمین سے مراد وہ دو گروہ ہیں جو بدر کے روز میدان میں نکلے تھے۔ اہل ایمان کی طرف سے جناب حمزہ' علی اور ابوعبیدہ تھے اور کفار کی طرف سے ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ اور شیبہ اور ولید بن عتبہ نکلے تھے۔ ابوذر قسم اٹھاتے تھے کہ یہ آیت ان دو مقابل گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

Marfat.com

صحابہ کی ایک جماعت نے بھی ایسا ہی کہا ہے اور وہ اسباب نزول کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں صحیح حدیث میں جناب علی سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے: ''اختصموا'' کہا اور اختصما نہیں کہا فراء نے جواب دیا کہ وہ ایک جماعت ہے تو جمع لانا صحیح ہے اور اگر اختصما کہتے تو بھی جائز تھا۔ اور فی ربھم کا معنی ہے رب کی شان کے بارے میں یعنی اس کے دین یا اس کی ذات کے یا اس کی صفات یا اس کی شریعت میں اپنے بندوں کے لیے یا یہ تمام معانی اکٹھے مراد لئے جائیں۔

آیت نمبر 3:

﴿ان الذین کفروا ویصدون﴾ (۲۵) ہے۔

یہاں یصدون سے مراد استمرار ہے صرف استقبال مراد نہیں ہے تو اس کا عطف ماضی پر صحیح ہے اور ہوسکتا ہے ویصدون کی واو حالیہ ہو معنی یہ ہوگا بے شک جنہوں نے کفر کیا اس حال میں کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ ''عن سبیل اللہ'' سبیل سے مراد دین ہے معنی یہ ہوا کہ وہ روکتے ہیں اس کو جو اللہ کے دین میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔ ''والمسجد الحرام'' اس کا عطف سبیل اللہ پر ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے صرف مسجد حرام ہی مراد ہے جیسا کہ نظم قرآنی سے یہاں ظاہر ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے سارا حرم مراد ہے کیونکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو حدیبیہ کے دن حرم سے روک دیا تھا۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد مکہ ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ''الذی جعلناہ للناس سواء'' یعنی بالعموم بنایا ہم نے اس کو لوگوں کے لیے کہ اس میں نماز پڑھیں اور اس کا طواف کریں اس حال میں کہ اس میں مقیم اور مسافر دونوں برابر ہیں۔

''العاکف فیہ والباد'' عاکف بمعنی بیت اللہ میں اقامت گزیں اور پابند رہنے والا' باد بمعنی دیہات سے آنے والا اس سے مراد مسافر ہے بغیر تفریق کے

Marfat.com

کہ وہ اہل بادیہ میں سے ہو یا دوسروں میں سے۔ قرطبی نے فرمایا کہ لوگوں نے اجماع کیا ہے بذات خود مسجد حرام میں برابری پر، کچھ لوگوں نے مکہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ مجاہد اور امام مالک کا خیال ہے مکہ کے گھر اور اس کے منازل میں مقیم و مسافر دونوں برابر ہیں۔ جناب عمر بن خطاب اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسافر جہاں بھی جگہ پائے وہیں اتر پڑے اور رب البیت کے ذمہ ہے کہ اس کو جگہ دے وہ چاہے یا انکار کرے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ مکہ کے گھر اور منازل کی حیثیت مسجد حرام جیسی نہیں ہے اہل مکہ مسافر کو وہاں اترنے سے روک سکتے ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ ساری بحث کا مقصد دو اصول ہیں: ایک جو اس آیت میں ہے کہ مسجد حرام سے صرف مسجد حرام ہی مراد ہے یا سارا حرم مراد ہے یا بالخصوص مکہ مراد ہے۔ دوم کیا فتح مکہ ہوا تھا یا زبردستی، اس شرط پر کہ فرض کیا جائے کہ مکہ زبردستی فتح ہوا تھا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اس کو اہل مکہ کے ہاتھوں میں برقرار رکھا یا اس کو ہر آنے والے کے لیے عام کر دیا ہے۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں اس طرح کہ اس کا مطالعہ کرنے والا مزید کسی کتاب کا محتاج نہ ہوگا۔

آیت نمبر 4:

﴿ والبدن ﴾ (۳۶) ہے۔

ابن اسحاق نے بدن (باء اور دال کی پیش سے) پڑھا ہے باقی قراء کرام نے بدن (باء کی پیش اور دال کی جزم سے) پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں یہ لفظ اونٹ کے ساتھ خاص ہے اس کو بدنہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بڑے بدن والا ہوتا ہے اور بدانۃ کا معنی ہے موٹاپا۔ ابو حنیفہ اور مالک نے کہا ہے کہ اس کا اطلاق اونٹ کے علاوہ پر بھی ہوتا ہے۔

پہلا معنی ان اوصاف کی وجہ سے ہے جو اونٹ میں بالکل ظاہر ہیں (دوسری

Marfat.com

دلیل یہ ہے کہ) کتب لغت بھی بتاتی ہیں کہ یہ لفظ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں کہا ہے بدن کا اطلاق گائے پر صحیح ہونے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ بہت زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ صرف اونٹ پر ہی بولا جاتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔'' جعلنا ھالکم من شعائر الله '' ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی علامات میں سے بنایا ہے۔'' لکم فیھا خیر '' تمہارے لیے اس میں دینی و دنیوی منافع ہیں۔'' فاذکروا اسم الله علیھا '' ان کو نحر کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لیا کرو۔ اور صواف کا معنی ہے کہ وہ کھڑے ہیں تین پاؤں پر کیونکہ وہ کھڑے کر کے باندھ کر نحر کیے جاتے ہیں۔ یہ صفت اصل میں گھوڑوں کی ہے۔

ایک محاورہ ہے:'' صفن الفرس فھو صافن '' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ تین قوائم پر کھڑا ہو اور چوتھے کو اس نے موڑا ہو۔ حسن' اعرج' مجاہد' زید بن اسلم اور ابوموسیٰ اشعری نے پڑھا ہے صوافی بمعنی اللہ تعالیٰ کے لیے خالص اس کو نحر کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے تھے۔ صواف کا واحد صافہ ہے جمہور کی یہی قرأت ہے اور صوافی کا واحد صافیہ ہے۔ جناب ابن مسعودؓ ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور ابوجعفر محمد بن علی نے صوافن پڑھا ہے یعنی نون کے ساتھ یہ صافنہ کی جمع ہے وہ اونٹ جس نے اپنا ایک ہاتھ باندھنے کی وجہ سے اٹھایا ہو کہ وہ مضطرب نہ ہو' اسی معنی میں ہے یہ قول باری تعالیٰ:'' والصافنات الجیاد'' ''فاذا وجبت '' وجوب کا معنی ہے سقوط معنی یہ ہوگا کہ جب وہ نحر کے بعد گر پڑے۔

'' جنوبھا '' یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب اس کی روح نکل جاتی ہے۔'' فکلوا منھا '' اس سے اب کھاؤ۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ یہ امر ندب کے لیے ہے۔ ایسے ہی یہ قول باری بھی ندب کے لیے ہے۔'' اطعموا القانع والمعتر '' مجاہد' نخعی' ابن جریر اور ابن شریح کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ امر بھی برائے ندب ہے۔ اور امام شافعی اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ وجوب کے لیے ہے لفظ

Marfat.com

قانع میں اختلاف ہے کہ وہ کون ہے؟ کہا گیا ہے بمعنی سائل ہے بعض نے کہا ہے کہ سوال سے بچنے والا اور اپنی روزی کے ذریعے مستغنی ہو جائے یہ معنی خلیل نے کیا ہے جب کہ پہلا معنی زید بن اسلم' اس کے بیٹے' سعید بن جبیر اور حسن بصری نے کیا ہے حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے دوسرا معنی عکرمہ اور قتادہ نے کیا ہے۔ ''معتر'' کے بارے میں محمد بن کعب قرظی' مجاہد' ابراہیم اور حسن بصری نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو بغیر سوال کے پیش آئے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ ہے جو آپ سے سوال کرے امام مالک نے کہا کہ سب سے بہتر جو میں نے اس بارے میں سنا ہے وہ یہ ہے کہ قانع بمعنی فقیر اور معتر بمعنی دوست' زائر اور ملنے والا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ دونوں ہی سوال نہیں کرتے مگر قانع وہ ہوتا ہے جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ اس پر راضی ہوتا ہے اور وہ مانگتا نہیں ہے اور معتر وہ ہوتا ہے جو آپ کے سامنے آئے اور آپ سے سوال نہ کرے۔ ''کذلک'' اس انوکھی تسخیر کی مانند'' سخرناھا لکم ''ہم نے تمہارے لیے ان کو مطیع کر دیا ہے پس وہ نحر کی جگہ تک تمہارے مطیع ہو گئے ہیں اب تم ان کو نحر کر لو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ اس کے بعد کے وہ بوجھ اٹھائے کے لیے' سواری اور دودھ وغیرہ کے لیے مطیع تھے۔'' لعلکم تشکرون '' تاکہ تم اس نعمت کا شکریہ ادا کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کی ہے۔

سورۃ النور

اس کی چوسٹھ آیات ہیں۔ ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن زبیر سے نقل کیا ہے۔ یہ سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی۔

آیت نمبر 1:

﴿الزانیۃ والزانی﴾ (۲) ہے۔

Marfat.com

زنا کا معنی ہے آدمی کا وطی کرنا عورت کے فرج میں بغیر نکاح اور بغیر شبہ نکاح کے۔ بعض نے کہا ہے داخل کرنا ذکر کا طبعاً قابل شہوت فرج میں جو شرعاً حرام ہو۔ زانیہ وہ عورت ہے جو زنا کی طرف مائل کرے پکارے اور زنا کرنے کی قوت فراہم کرے جیسا کہ اس کا لفظ یہ معنی دیتا ہے نہ کہ مکرھہ اور ایسے ہی زانی۔ ''فاجلدوا کل واحد منهما'' جلد کا معنی ہے مارنا' محاورہ ہے: ''جلده'' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کی جلد پر مارے ایسے ہی جیسے ''بطنه'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کے پیٹ پر مارے۔ ''راسه'' اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کے سر پر مارے۔

''مائة جلدة'' یہ حد آزاد' بالغ' کنوارے' زانی کی ہے اس طرح زانیہ کی ہے اور حدیث سے اس پر ایک سال کی جلاوطنی کا اضافہ بھی ثابت ہے۔ امام شافعی کا یہی خیال ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ یہ (زانی) آدمی کی خصوصیت ہے نہ کہ عورت کی' ابوحنیفہ نے اس کو امام وقاضی کی رائے کی طرف منسوب کیا ہے (وہ جو فیصلہ کرے ٹھیک ہے) اگر غلام اور لونڈی (یہ کام کریں تو) ان کو پچاس پچاس کوڑے مارے جائیں کیونکہ رب کا ارشاد ہے: ''فان أتين بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب'' یہ لونڈیوں کے بارے میں نص ہے اور علت ایک ہونے کی وجہ سے غلاموں کو بھی ان کے ہی حکم میں کردیا گیا ہے۔ اور جو آدمی آزاد محصن (شادی شدہ) ہو سنت صحیحہ متواترہ کے ذریعے اس پر رجم ہے اور اہل علم کا اجماع بھی ہے' اور منسوخ قرآن (جس کا حکم ابھی باقی ہے)

''الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموها البتة'' کے ذریعے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے رجم کے ساتھ سوکوڑے کا اضافہ بھی کیا ہے (یہ منسوخ ہے) قاضی شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں حق بات کی وضاحت کردی ہے۔ اور یہ آیت جس اور آیت: ''اذی'' (جو سورة

Marfat.com

النسآء میں ہے) دونوں کے لیے ناسخ ہے۔ زانیہ کو زانی سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زنا اس زمانے میں عورتوں میں اکثر ہوتا تھا حتیٰ کہ زانیات کے دروازوں پر جھنڈے لہرائے جاتے تھے تاکہ برائی کرنے والا ان کو پہچان لے۔ بعض نے کہا ہے کہ تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں اصل (تحریک) عورت ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان میں شہوت زیادہ ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان میں عار وعیب زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ان کا موضوع پردہ اور حفاظت ہے تو ''تغلیظا واھتماما'' ان کے ذکر کو مقدم کردیا ہے اس میں خطاب ائمہ سے ہے اور جوان کے قائم مقام ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم عام مسلمانوں کو ہے کیونکہ ان سب پر اقامت حدود واجب ہے اور امام ان کا نائب ہوتا ہے جب اس کو قائم کرنے پر ان کا اجتماع ممکن نہ ہو۔

''ولا تاخذکم بھما رافة'' ''تم نے اس بارے میں نرمی سے کام نہیں لینا ہوگا'' رأفت کا معنی رحمت وشفقت ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ بہت زیادہ شفقت کا نام رأفت ہے۔ اور فی دین اللہ کا معنی اس کی اطاعت وحکم میں جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے: ''ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک'' پھر مامورین کو ثابت قدم رکھنے اور ان کو تحریک دینے کے لیے فرمایا: ''ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر'' جیسے کوئی آدمی کسی آدمی کو ابھارتے ہوئے کہے اگر تو آدمی ہے تو یہ کام کر کے دکھا۔ یہاں معنی یہ ہوگا کہ اگر تم توحید وقیامت کی تصدیق کرتے ہو کہ قیامت والے دن اعمال کی جزاء ملے گی تو پھر تم حدود کو معطل نہ کرو۔

''ولیشھد عذابھما طائفة من المومنین'' ان دونوں کی سزا میں اضافہ کرنے' ان پر ننگ وعار عام کرنے اور ان کی رسوائی کو شہرت دینے کے لیے اہل ایمان کا کچھ حصہ وہاں حاضر رہے۔ طائفہ وہ گروہ ہوتا ہے جو کسی کو احاطہ کرنے والا ہوتا ہے چکر لگانے والوں میں۔ کم از کم تین آدمی ہوں تو طائفہ ہوتا ہے بعض نے دو کہا

Marfat.com

ہے بعض نے ایک کہا ہے بعض نے چار کہا ہے بعض نے دس کہا ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿ والذین یرمون المحصنات ﴾ (۴) ہے۔

"فاحشۃ الزنا" کی گالی کو مجازاً رمی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ وہ زبانی جنایت ہے' اس فاحشۃ الزنا کی گالی کا نام قذف ہے' محصنات سے مراد عورتیں ہیں' ان کو بطور خاص ذکر کیا ہے کیونکہ ان کی تہمت بڑی شنیع ہے اور ان میں یہ بہت بڑی عار ہے۔ عورتوں کے ساتھ اس قسم میں آدمی بھی شریک ہیں۔ اس امت کے علماء کا اس پر اتفاق ہے ہمارے شیخ شوکانی نے اس بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے اس کے ذریعے انہوں نے بعض متاخرین یعنی گیارھویں صدی کے علماء پر رد کیا ہے جب انہوں نے اس بارے میں جھگڑا کیا۔ بعض نے کہا ہے آیت عام ہے۔ مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے عبارت یہ ہوگی: "الا نفس المحصنات"۔

اور اس کی تائید دوسرا قول باری تعالیٰ کرتا ہے: "والمحصنات من النسآء" کی قید بتا رہی ہے کہ محصنات کا لفظ عورتوں علاوہ (مردوں) پر بھی بولا جاتا ہے ورنہ تو پھر من النسآء (بیان کرنے) کا کوئی خاص معنی نہیں بنتا۔ بعض نے کہا ہے محصنات سے مراد شرمگاہیں ہیں جیسے فرمایا: "والتی احصنت فرجھا" میں' یہ آیت مردوں اور عورتوں کو تغلیبا شامل ہے اس پر اعتراض ہے کہ عورتوں کا مردوں پر غلبہ لغت عرب میں غیر معروف ہے لہٰذا یہاں محصنات سے پاکدامن عورتیں مراد ہیں اور سورۃ النسآء میں احصان اور اس میں احتمالی معانی کا ذکر گزر چکا ہے۔

مقذوف اور قاذف کے بارے میں معتبر شروط کے بارے میں علماء کی طویل مباحث کتب فقہ میں موجود ہیں ان میں سے کچھ تو دلیل سے ماخوذ ہیں اور کچھ محض رائے ہے جمہور علماء کا خیال ہے کہ جس آدمی نے کافر یا کافرہ پر قذف کی تہمت لگائی تو اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ زہری' سعید بن میتب اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے کہ اس پر حد

Marfat.com

ہے۔ اس طرح علماء کا خیال ہے کہ غلام پر چالیس کوڑے ہیں' ابن مسعود' عمر بن عبدالعزیز اور قبیصہ سے مروی ہے اس کو بھی اسی کوڑے لگائے جائیں۔ قرطبی نے کہا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ آزاد کرنے کے لیے جائز نہیں کہ وہ غلام پر حد لگائے جب یہ اس پر افتراء کرے کیونکہ دونوں کے مرتبہ میں تباین ہے۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جس نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی اس پر قیامت کو حد لگائی جائے گی الا یہ کہ غلام نے وہ جرم کیا ہو۔ پھر رب تعالیٰ نے محصنات پر تہمت لگانے والے پر حد قائم کرنے کی شرط بیان کی ہے فرمایا: "ثم لم یاتوا باربعة شهداء" پھر وہ چار گواہ نہ لا سکیں جو شہادت دیں اس کے خلاف کہ ان سے بدکاری ہوئی ہے۔ اور لفظ ثم بتاتا ہے کہ جائز ہے کہ شاہدوں کی شہادت مجلس قذف کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر ہونی چاہیے۔

جمہور علماء نے یہی کہا ہے امام مالک نے اس کی مخالفت کی ہے۔ آیت کا ظاہر بتا رہا ہے کہ شاہد لوگ اکٹھے بھی شہادت دے سکتے ہیں اور الگ الگ بھی۔ اس بارے میں حسن بصری اور امام مالک نے مخالفت کی ہے اور جب گواہ چار مکمل نہ ہوں اور قذف کا انکار کریں تو ان پر یعنی گواہوں پر قذف کی حد جاری کی جائے گی۔ حسن بصری اور شعبی نے کہا ہے شہود اور مشہود علیہ پر کوئی حد نہیں ہے۔ امام احمد' ابوحنیفہ اور محمد بن حسن نے یہی کہا ہے مگر اس مذہب کی تردید واقعہ کرتا ہے جو حضرت عمر کی خلافت میں پیش آیا تھا کہ انہوں نے ان تین آدمیوں پر حد قذف لگا دی تھی جنہوں نے مغیرہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور کسی صحابی نے ان کی مخالفت نہ کی تھی۔

"فاجلدوهم ثمانین جلدة" "ان کو اسی کوڑے لگاؤ"۔ جلد کا معنی ہے مارنا۔ "کما تقدم" "المجالده" کا معنی ہے چمڑے میں مارنا یا چمڑے کے ساتھ مارنا پھر اس کو لاٹھی اور تلوار سے مارنے کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔"

ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا "یعنی ان کے لیے دونوں (کوڑے مارنا اور ان کی

Marfat.com

شہادت کی عدم قبولیت) جمع کرو کیونکہ وہ قذف کی بنا پر غیر عدول ہو گئے ہیں بلکہ فاسق ہو گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اپنے قول: ''واولئک ھم الفاسقون'' کے ساتھ ان پر یہ حکم لگایا ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے ماقبل کی تقریر وتاکید کرتا ہے۔ فسق کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہونا اور گناہوں کی وجہ سے حد پار کر جانا۔

آیت نمبر 3:

﴿ والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء ﴾ (۶) ہے۔

وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس ایسے گواہ نہیں ہیں جو گواہی دیں اس چیز کی جس کی انہوں نے ان پر تہمت لگائی یعنی زنا کی۔ ''الا انفسھم فشھادۃ احدھم ''ان کے پاس صرف ان کی اپنی ذات ہی گواہ ہے ان میں سے کسی کی شہادت ایسی ہو جس سے حد قذف زائل ہو جائے۔ ''اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین ''''اور وہ ہیں اللہ کے نام کی چار شہادتیں''۔ اس بدکاری کے الزام کے بارے میں کہ جو اس پر لگایا ہے کہ وہ صادق لوگوں میں سے ہے۔ ''والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین ''پانچویں شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو اگر وہ اس بارے میں کاذبین میں سے ہو۔ ''ویدرء عنھا العذاب ''اور دور کردے گا اس عورت سے عذاب دنیوی (حد) کو چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نام کی گواہی دینا کہ اس کا خاوند کاذبین میں سے ہے۔

''ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ لمن الکاذبین o والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین ''اور پانچویں مرتبہ وہ کہے گی کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہو یعنی اس میں جو اس نے اس پر بدکاری کا الزام لگایا ہے' عورت کے ساتھ غضب کی تخصیص اس پر سختی کے لیے ہے کیونکہ گناہ کی اصل اور بنیاد وہی ہے۔ (دوم) عورتیں عموماً لعنت زیادہ کرتی ہیں ان

Marfat.com

کی طرف اس کثرت کی بنا پر ان کے دلوں میں اس کا کوئی خاص مقام نہیں ہے بخلاف غضب کے۔ اور لعان کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں عبدالرزاق نے حضرت عمرؓ، علی اور ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ لعان والے میاں بیوی بھی آپس میں نکاح نہیں کر سکتے ہم نے اس کی وضاحت بلوغ المرام کی شرح مسک الختام میں کر دی ہے اس کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

آیت نمبر 4:

﴿ یاایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم ﴾ (۲۷) ہے۔

بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہونے سے رب تعالیٰ نے ڈانٹا ہے کیونکہ اس مین مردوں اور عورتوں کا اختلاط لازم آتا ہے وہ کبھی زنا یا قذف تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ انسان اپنے گھر میں اور خلوت کی جگہ میں کبھی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پسند نہیں کرتا کہ اس کو اس حالت میں کوئی دوسرا دیکھے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے منع کر دیا ہے ایک مدت تک وہ یہ ہے: ''حتــــی تستـانسـوا '' '' کہ تم اجازت لے کر داخل ہو'' استیناس کا معنی ہے استعلام واستخبار یعنی یہاں تک کہ تم معلوم کر لو' معنی یہ ہوا کہ تم اس وقت تک کسی کے گھر میں نہ جاؤ یہاں تک کہ تم معلوم کر لو کہ گھر میں کوئی ہے یعنی صاحب البیت تمہارے بارے میں جان لے اور تم بھی جان لو کہ اس نے تمہیں اندر آنے کی اجازت دے دی ہے جب تمہیں یہ علم ہو جائے پھر تم داخل ہو جاؤ۔

بعض نے کہا ہے کہ استیناس کا معنی ہے اجازت لینا۔'' وتسلـمـوا علی اهـلهـا '' '' اور تم سلام کہو گھر والوں کو'' جس کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے کی ہے کہ آنے والا کہے السلام علیکم أ أدخل؟ یعنی السلام علیکم کیا مین اندر آ جاؤں ایک مرتبہ کہے یا تین مرتبہ۔ اس میں اختلاف ہے کہ استئذان کو سلام پر مقدم کرے یا سلام کو استئذان پر؟ بعض نے کہا ہے کہ استئذان کو مقدم کرے اور کہے ''أأدخل سلام علیکم''

Marfat.com

کیونکہ یہاں آیت میں استیذان سلام سے مقدم ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے وہ سلام استیذان سے مقدم کرے اور کہے السلام علیکم أأدخل اور یہی حق ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے آیت کا معنی اسی طرح ہی کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ اگر اس کی نگاہ کسی انسان پر پڑ گئی تو سلام کو مقدم کرے ورنہ تو استیذان مقدم کرے۔ ''ذلکم'' یہ استیناس اور تسلیم کے ساتھ داخل ہونا تمہارے لیے بہتر ہے اچانک داخل ہونے سے ''لعلکم تذکرون'' تاکہ تم جان لو کہ استیذان تمہارے لیے بہتر ہے یہاں تذکر سے مراد وعظ اور مامور بہ کے ساتھ عمل کرنا ہے۔

آیت نمبر 5:

﴿ قل للمومنین ﴾ (۳۰) ہے۔

یہ حرمت تو سب کے لیے ہے تو پھر مومنوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہ ذرائع زنا کو ختم کرنے کے لیے ہے جس کی وجہ سے دیکھنے کا مرحلہ آتا ہے وہ زیادہ حق دار ہیں۔ وہ زیادہ لائق ہیں اس کے ساتھ دیگر لوگوں کے علاوہ بعض نے کہا اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کو احکام شرعیہ کا مخاطب نہیں بنایا گیا جیسا کہ بعض اہل علم کا خیال ہے۔ ''یغضوا'' ''وہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں''۔ ''غض البصر'' کا معنی ہے پلک کو آنکھ پر اس طرح بند کرنا کہ اس کو دیکھنے سے روک دے۔ ''من ابصارهم'' میں من تبعیضیہ ہے۔ اکثر لوگ اسی طرف گئے ہیں اور انہوں نے یہی بیان کیا ہے معنی یہ ہوا کہ آنکھ حرام چیزوں سے بند کر لی جائے اور صرف حلال کو ہی دیکھنے پر اکتفا کیا جائے۔

بعض نے کہا کہ تبعیض کی وجہ (یہ ہے) کہ ناظر کو اول نگاہ جو بغیر قصد وارادہ کے کسی پر پڑ جائے تو وہ معاف ہے۔ اس کے علاوہ بھی باتیں کی گئی ہیں۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ جس کی طرف دیکھنا حلال نہیں اس کی طرف دیکھنا حرام ہے اور ''یحفظوا فروجهم'' کا معنی ہے ان پر واجب ہے ان کی حفاظت کرنا حرام چیزوں سے۔ بعض نے کہا ہے کہ فروج پر پردہ کرنا اس سے کہ ان کو وہ دیکھے جس کے لیے دیکھنا حلال نہ

Marfat.com

تھا۔ دونوں معنی مراد لینے میں کوئی مانع نہیں ہے سب کے سب حفظ الفرج میں داخل ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ابصار کے بیان میں ''من'' آیا ہے فروج میں نہیں آیا کیونکہ نظر میں گنجائش اور وسعت ہے اس سے صرف مستثنیٰ چیزیں حرام ہیں بخلاف حفظ فرج کے کہ اس میں تنگی ہے وہاں صرف مستثنیٰ حلال چیزیں ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ ساری آنکھ بند کرنا تو متعذر ہے بخلاف حفظ الفرج کے کیونکہ وہ علی الاطلاق ممکن ہے اور قول باری تعالیٰ: ''ذلک'' کا اشارہ ''غض بصر'' اور حفظ فرج کی طرف ہے یہ مبتداء ہے اور ''ازکی لھم'' اس کی خبر ہے یعنی یہ عمل تہمت کی میل سے بہت پاک کرنے والا اور بہت پاکیزہ ہے اس حقیر چیز سے ملنے سے۔ ''ان اللہ خبیر بما یصنعون'' ان کا کوئی عمل اللہ پر مخفی نہیں ہے اس میں وعید ہے اس کے لیے جو نگاہ نیچے نہیں کرتا اور فرج کی حفاظت نہیں کرتا۔

آیت نمبر 6:

﴿وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن﴾ (۳۱) ہے۔

بطور تاکید کے اس خطاب میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو خاص کیا ہے کیونکہ وہ مومنین کے خطاب میں تغلیباً داخل ہیں جیسا کہ عام خطابات قرآنیہ میں آیا ہے۔ یہاں فک ادغام ہے جب کہ ''یغضوا'' میں نہ تھا کیونکہ لام فعل اول میں متحرک ہے دوسرے میں ساکن ہے اور وہ دونوں میں جواب امر ہونے کی وجہ سے جزم کے محل میں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دونوں جگہ حفظ الفرج سے قبل غض البصر سے آغاز کیا ہے کیونکہ نظر عدم حفظ فرج کا ذریعہ ہے اور وسیلہ متوسل الیہ سے پہلے ہوتا ہے اور یغضضن کا معنی یغضوا کی طرح ہے اس کے ذریعے استدلال کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی ایسوں کی طرف دیکھنا حرام ہے جو ان پر حرام ہیں اور اسی طرح ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے فرجوں کی اس طرح حفاظت کریں جس طریقہ سے آدمیوں کے فرجوں کی حفاظت کا ذکر گزرا ہے۔

Marfat.com

''ولا یبدین زینتھن'' وہ اپنی زینت (زیور وغیرہ) ظاہر نہ کریں' زینت کے ظاہر کرنے سے منع کرنے کا مقصد ہے کہ بدن کے وہ حصے بالاولیٰ ظاہر نہ کیے جائیں جو زینت کا محل ہیں پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس نہی سے استثناء کیا ہے فرمایا: ''الا ما ظھر منھا'' مگر جو اس کی زینت سے ظاہر ہو۔ زینت کا معنی کیا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ اس سے مراد کپڑے ہیں سعید نے کہا ہے کہ مراد چہرہ ہے' حضرت عطاء اور اوزاعی نے کہا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں مراد ہیں حضرت ابن عباس' قتادہ اور مسور بن مخرمہ نے کہا ہے ظاہر زینت سے مراد ہے سرمہ لگانا' مسواک کرنا اور نصف الساق تک خضاب کرنا وغیرہ یعنی عورت ان چیزوں کی نمائش کر سکتی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ عورت کسی قسم کی زینت ظاہر نہیں کر سکتی اور وہ ہر قسم کی زینت کو پردے میں رکھے گی اور جو استثناء آیا ہے وہ محض ضرورت کے لیے ہے۔ آپ پر یہ مخفی نہ رہے کہ نظم قرآنی کا ظاہر اظہار زینت سے منع کرنا ہے مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جیسے چادر اور اوڑھنی وغیرہ اس میں سے جو ہتھیلیوں اور قدمین پر زیور وغیرہ ہے۔ اور اگر مراد زینت سے زینت کی جگہ ہو تو استثناء کا وقوع ہوگا اس کی طرف جو مشکل ہے عورت پر اس کا پردہ کرنا جیسے ہتھیلیاں اور قدمین وغیرہ اسی طرح جب اظہار زینت سے نہی ہے تو انداز خطاب کے اعتبار سے اس کی جگہوں کے اظہار سے بھی منع لازم آتی ہے کیونکہ دونوں جگہ استثناء کا حمل اس پر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اور جب زینت کا لفظ شامل ہے مواضع زینت کو اور ان کو جس سے عورتیں زینت حاصل کرتی ہیں تو معاملہ واضح ہے اور استثناء جمع سے ہوگا۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ زینت دو طرح کی ہے (ایک) پیدائشی (دوم) مصنوعی' پیدائشی زینت اس کا چہرہ ہے کیونکہ اصل زینت تو وہی ہے مصنوعی وہ ہے کہ عورت اپنی تخلیق کو حسین وجمیل بنانے کا قصد کرے جیسے کپڑے' زیور' سرمہ اور خضاب ہے۔ قول باری تعالیٰ:

Marfat.com

'' خذوا زینتکم عند کل مسجد '' اسی مد میں سے قول شاعر بھی ہے:

یاخذن زینتھن احسن ما تری واذا اعطلن فھن خیر عواطل ❶

"ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن" الخمر خمار کی جمع ہے اور خمار بمعنی سر کو ڈھانپنے والا کپڑا (اوڑھنی' دوپٹہ' چادر وغیرہ) اور جیوب جیب کی جمع ہے اور جیب بمعنی درع اور قمیص کاٹنے کی جگہ' یہ جوب بمعنی کاٹنے سے ماخوذ ہے۔ مفسرین نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اپنی اوڑھنیاں پیچھے کو لٹکایا کرتی تھیں اور اگلی طرف سے ان کے گریبان بہت وسیع ہوتے تھے جس سے ان کے سینے اور ہار کھل جاتے تھے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالیں تاکہ جس چیز کے کھلنے کا خطرہ تھا وہ مستور رہے۔ یہاں لفظ ضرب بولنے میں مبالغہ ہے ڈالنے میں جس کا معنی ہے الصاق۔ جمہور نے جیوب کی وہی تعبیر کی ہے جو ہم نے کی ہے اور وہی حقیقی معنی ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ جیوب کے معنی ہیں سینے' تو اس آیت میں مضاف محذوف ہے' آیت کا معنی ہوگا'' علی مواضع جیوبھن" "ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن''۔

کلام عرب میں بعل بمعنی زوج اور سید ہے۔ یہاں بعولۃ کو مقدم کیا ہے کیونکہ وہی مقصود بالزینۃ ہیں کیونکہ بیوی اور لونڈی دونوں کا بدن ان کے لیے حلال ہے اسی طرح قول باری تعالیٰ:'' والذین ھم لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین"۔ "او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن ''عورت کے لیے جائز ہے کہ ان مذکورہ لوگوں کے سامنے زینت ظاہر کرسکتی ہے کیونکہ ان سے بہت میل جول ہوتا ہے اور کسی قسم کا خوف و فتنے کا ڈر نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طبیعتوں میں نفرت ہے کہ اقرباء سے یہ کاروائی کی جائے۔

---

❶ وہ زینت اختیار کرتی ہیں بہت اچھی جو تو دیکھتا ہے اور جب وہ زینت آتار دیں تو وہ زینت اتارنے والیوں میں سے بہتر ہیں۔

Marfat.com

جناب حسن وحسین سے مروی ہے کہ وہ دونوں امہات المومنین کے پاس جاتے تھے تو ان کو دیکھتے نہ تھے ان کا خیال یہ تھا کہ: ''ابنـاء البعولة'' کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے جو ازواج النبی ﷺ کے بارے مین نازل ہوئی ہے وہ ہے: ''لا جناح علیهن فی آبائهن.'' اور'' ابناء بعولة'' سے مراد ازواج کی مذکر اولاد ہے۔

اور قول باری تعالیٰ: ''ابـنـائهن ''میں اولاد الاولاد داخل ہے۔'' وان سفلوا '' اور بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہے۔'' وان سفلوا '' اسی طرح خاوندوں کے آباء اور آباء الآباء اور آباء الامہات بھی داخل ہیں۔'' وان علوا '' ایسے ہی'' ابناء ابناء البعولة '' بھی'' وان سفلوا '' اور ایسے ہی'' اخوة واخوات'' ہیں۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ چچا اور ماموں دیگر سارے محارم کی طرح ہیں اس حد تک دیکھنے میں جو ان کے لیے جائز ہے۔ یہاں رضاعت کا ذکر نہیں ہے حالانکہ وہ بالکل نسب کی طرح ہے' شعبی اور عکرمہ نے کہا ہے کہ چچا اور ماموں محارم میں سے نہیں ہیں۔'' او نسـائهن '' اپنی عورتوں سے جو ان کے ساتھ خاص ہیں جو خدمت یا مصاحبت کے لیے ان سے ملتی رہتی ہیں اس میں لونڈیاں بھی داخل ہیں۔ اس سے اہل ذمہ وغیرہ کفار کی عورتیں خارج ہیں ان کے لیے ان کے سامنے زینت ظاہر کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ وہ ان عورتوں کے اوصاف مردوں کے پاس بیان کرتی ہیں اور وہ کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتیں۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ نسآء کی اضافت ھن (ضمیر) کی طرف اس پر دال ہے کہ وہ مومنات کے ساتھ خاص ہیں۔'' او ماملکت ایمانهن '' آیت کا ظاہر غلاموں اور لونڈیوں کو شامل ہے بغیر فرق کیے ہوئے درمیان اس کے کہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اہل علم کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے جنابہ عائشہ' ام سلمہ رضی اللہ عنہا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مالک اسی طرف گئے ہیں۔ سعید بن میتب نے کہا ہے یہ آیت: '' مـا مـلکت ایمانهن '' تمہیں دھوکہ نہ دے کہ اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں غلام مراد نہیں ہیں۔ شعبی مکروہ سمجھتے ہیں کہ مملوک (غلام) اپنی مالکہ کے بال دیکھے'

Marfat.com

جناب عطاء' مجاہد' حسن اور ابن سیرین کا یہی خیال ہے۔

ابن مسعود سے بھی یہی مروی ہے۔ ابوحنیفہ اور ابن جریج نے یہی کہا ہے۔

" او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال " اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قوم کے پیچھے پیچھے گھروں میں آتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ ان کو کھانا مل جائے اور عورتوں سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ عکرمہ' مجاہد اور شعبی نے یہی کہا ہے۔ اربہ' ارب اور مار بہ کا معنی ہے حاجت وضرورت' اس کی جمع مآرب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ " غیر اولی الاربه " سے مراد وہ دیوانے لوگ ہیں جن کے دل میں عورتوں کی کوئی حاجت نہ ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ ابلہ مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ عنین (نامرد) مراد ہیں بعض نے کہا ہے کہ خصی لوگ مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ ہیجڑے مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ بہت بوڑھے لوگ مراد ہیں ان کی تخصیص کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آیت کا ظاہر مراد ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو گھر والوں کے پیچھے پیچھے آئیں اور ان کو عورتوں کی خواہش نہ ہو اور کسی حالت میں بھی ان سے یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو ان لوگوں میں داخل ہیں وہ لوگ جو ان صفات کے مالک ہیں باقی خارج ہیں۔

" او الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النسآء " طفل کا لفظ واحد' تثنیہ اور جمع پر بولا جاتا ہے یا پھر یہاں جنس مراد ہے جو جمع کے قائم مقام ہے کیونکہ اس کی صفت جمع آئی ہے اور جناب ابی کے مصحف میں اوالاطفال جمع کے لفظ سے منقول ہے' وہ انسان جو قریب البلوغت نہ ہو اس کو طفل کہا جاتا ہے۔ اور " لم یظهروا " کا معنی ہے " لم یطلعوا " یہ ظہور سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہوتا ہے اطلاع پانا' ابن قتیبہ نے ایسے ہی کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جو شہوت کی حد تک نہیں پہنچے (فراء' زجاج) بچوں سے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ (دیگر اعضاء) کو خصوصاً چھپانے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ لازم نہیں ہے کیونکہ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے اور

Marfat.com

یہی صحیح ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ لازم ہے کیونکہ کبھی کبھی وہ عورت کی خواہش کر لیتا ہے۔ اسی طرح اس شیخ کبیر (بوڑھا بابا) کی عورت (شرمگاہ) کے بارے میں اختلاف ہے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہو۔ اولیٰ یہ ہے کہ یہ حرمت باقی ہے جیسا کہ پہلے تھی تو اس کی عورت (شرمگاہ) دیکھنا حلال نہیں ہے اور اس کے لیے بھی حلال نہیں کہ وہ اس کو کھولے پھرے شرمگاہ کتنی ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ دونوں شرمگاہیں (مرد و اور مستورات کی) قابل ستر ہیں عورت ساری قابل ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور ہاتھوں کے۔ اس میں بھی اختلاف ہے اکثر علماء کا خیال ہے کہ آدمی کا ستر ناف سے لے کر اس کے گھٹنوں تک ہے۔

''ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن'' جب عورت زمین پر چلے تو وہ اپنے پاؤں زمین پر نہ مارے تاکہ سن لے کہ اس کے پازیب کی آواز جو بھی مردوں میں سے سن سکتا ہے پس وہ سمجھ لیں گے کہ کوئی پازیب والی عورت (آیا جارہی) ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس کا سننا شہوت کو بہت زیادہ تحریک دیتا ہے اس کے اظہار سے۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کی ہے کہ وہ گناہوں سے معافی مانگیں فرمایا: ''وتوبوا الی اللہ جمیعاً ایھا المومنون'' اس میں توبہ کرنے کا حکم ہے' اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ توبہ واجب ہے اور دین کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ ''لعلکم تفلحون'' تاکہ تم دنیا اور آخرت کی سعادت کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں توبہ سے مراد ان اعمال سے توبہ کرنا ہے جو جاہلیت میں وہ کیا کرتے تھے پہلی تفسیر بہت بہتر ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ اسلام لانے سے پہلے کئے ہوئے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

آیت نمبر 7:

﴿وانکحوا الایامی منکم﴾ (۳۲) ہے۔

Marfat.com

ایم وہ عورت ہوتی ہے جس کا خاوند نہ ہو چاہے وہ باکرہ ہو چاہے وہ ثیبہ ہو۔اس کی جمع ایامی ہے۔" والایم " تشدید کے ساتھ مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔ابوعبید نے کہا ہے کہ ایک محاورہ ہے:" رجل ایم "اور" امرأة ایم "[1] ہاں اکثر یہ لفظ عورتوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور مردوں کے لیے ایسا ہے جیسے مستعار لیا گیا ہوتا ہے۔اس آیت میں اولیاء سے خطاب ہو رہا ہے' بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم ازواج (خاوندوں) کے لیے ہے' پہلا بہت راجح ہے۔اس میں دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی اس بارے میں ابوحنیفہ نے اختلاف کیا ہے۔اہل علم نے نکاح کے بارے میں اختلاف کیا ہے کیا وہ مباح ہے یا مستحب یا واجب۔انہوں نے اس میں تفصیل کی ہے اگر آدمی سمجھتا ہے کہ میں نے اگر نکاح نہ کیا تو کسی گناہ کا ارتکاب کرلوں گا تو پھر نکاح کرنا واجب ہے ورنہ نہیں اور ظاہر بات ہے کہ جو اباحت واستحباب کے قائل ہیں وہ وجوب کے خلاف نہیں ہے اس ڈر کے ساتھ۔

مختصر یہ کہ عدم خطرہ کی بنا پر وہ سنن مؤکدہ میں سے ایک سنت ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے صحیح حدیث میں نکاح کی ترغیب کے بعد فرمایا:" ومن رغب عن سنتی فلیس منی "" کہ جس نے میری سنت سے منہ موڑ لیا وہ میرے طریقے پر نہیں ہے" مگر شرط یہ ہے کہ نکاح اور اس کے اخراجات پورا کرنے پر وہ قدرت رکھتا ہو۔

یہاں ایامی سے مراد آزاد مرد اور آزاد عورتیں ہیں۔رہے غلام تو اس کا بیان اس قول باری تعالیٰ:" والصالحین من عبادکم وامائکم " سے کیا ہے یہاں صلاح سے مراد ایمان ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے غلاموں کے ساتھ صلاح کا ذکر کیا ہے نہ کہ احرار کے ساتھ کیونکہ احرار عموماً صلاح والے ہی ہوتے ہیں بخلاف ممالیک کے۔اس آیت میں دلیل ہے کہ غلام اپنا نکاح خود نہیں کر سکتا ہاں اس کا مالک اس کا

---

[1] اس محاورہ کا مقصد یہ ہے کہ ایم کا لفظ مذکر ومؤنث دونوں کے لیے یکساں ہے۔

Marfat.com

نکاح کر سکتا ہے اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ سید (مالک وآقا) کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے غلام اور لونڈی کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

امام مالک نے کہا کہ جائز نہیں ہے پھر رب تعالیٰ نے احرار کے بارے میں فرمایا: ''ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ'' وہ باز نہ آئیں احرار سے شادی کرنے سے اس بنا پر کہ دونوں فقیر ہیں یا ان میں سے کوئی فقیر ہے کیونکہ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو غنی کر دیں گے اور اس بنا پر ان پر فضل کریں گے۔

زجاج نے کہا کہ اللہ پاک نے نکاح کی رغبت دی ہے اور بتایا ہے کہ فقر کے خاتمہ کا یہ سبب ہے اور لازم نہیں آتا کہ یہ چیز ہر فقیر کو شادی کرنے کی بنا پر حاصل ہو۔ یہ تو مشیت الٰہی سے مقید ہے کئی فقراء پائے گئے ہیں کہ شادی کے وقت ان کو غنا حاصل نہیں ہوا۔ کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ غناء نفس کی بنا پر اس کو غنی کر دیں گے، بعض نے کہا ہے کہ معنی یہ ہوا کہ اگر وہ نکاح کے محتاج ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے حلال کے ذریعے غنی کر دیں گے تاکہ وہ بدکاری سے بچ جائیں۔ وجہ اوّل ہی بہتر ہے اور قول باری تعالیٰ: ''وان خفتم عیلة فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ ان شاء'' بھی اس پر دال ہے پس اس مطلق کو یہاں مقید پر محمول کیا جائے گا اور ''واللہ واسع'' کا جملہ ماقبل کی تاکید اور اس کی تقریر کرتا ہے مقصد یہ ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ وسعت والے ہیں اس کے ملک کی وسعت کو کم نہیں کرتی غنا کسی آدمی کی جس کو وہ اپنے بندوں میں سے غنی کر دیں۔ ''علیم'' وہ اپنی مخلوق کی مصالح کو جانتے ہیں جس کو چاہیں غنی کر دیں اور جس کو چاہیں فقیر بنا دیں۔

آیت نمبر 8:

﴿والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم﴾(۳۳) ہے۔

مکاتبت کا شرعی معنی ہے کہ مالک اپنے غلام سے طے شدہ مال پر تحریر کرے کہ وہ اس کو قسط وار ادا کرے گا جب وہ اس کو ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور

Marfat.com

"فکاتبوھم" کا ظاہر ہے کہ عبد (غلام) جب اپنے آقا سے مطالبہ کرے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ مابعد مذکور شرط کے مطابق اُس سے کتابت کرے وہ شرط یہ ہے: "ان علمتم فیھم خیرا" کہ تم ان میں خیر جانو تو کتابت کرلو' یہاں خیر کا معنی وہ قدرت ہے جس کے ذریعے وہ طے شدہ مال آقا کو دینے پر قادر ہو اگر چہ اس کے پاس مال نہ بھی ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے صرف مال مراد ہے جیسا کہ مجاہد' حسن' عطاء' ضحاک' طاؤس اور مقاتل کا خیال ہے اور مذہب اول کے قائل جناب ابن عمر اور ابن زید ہیں۔ اسی کو مالک' شافعی' فراء اور زجاج نے اختیار کیا ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ اگر تمہیں امید ہے کہ ان کے پاس اداء کتابت کے لیے پیسے ہیں (تو ان سے کتابت کرلو) زجاج نے کہا ہے جب" فیھم "بولا گیا ہے تو اس میں کمائی' وفاء اور اداء امانت کا معنی خوب واضح ہوتا ہے' نخعی نے کہا ہے کہ خیر سے مراد دین اور امانت ہے' حضرت حسن سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

عبیدہ سلمانی نے کہا ہے کہ اس سے اقامت نماز مراد ہے۔ طحاوی نے کہا ہے کہ جس آدمی نے کہا ہے کہ اس سے مال مراد ہے وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ عبد (غلام) جو اپنے آقا کا مال ہوتا ہے تو اس کے لیے مال کا ہونا کیسے ہوسکتا ہے کہا کہ اس کا معنی ہمارے ہاں یہ ہے کہ اگر تم ان میں دین وصدق جانتے ہو (تو ٹھیک ہے) ابوعمرو بن عبدالبر نے کہا ہے کہ جس نے خیر کا معنی یہاں مال نہیں کیا اس نے انکار کردیا ہے کہ کہا جائے:" ان علمتم فیھم مالاً" کیونکہ محاورہ ہے کہ" علمت فیہ الخیر والصلاح والامانۃ" یہ نہیں کہا جاتا کہ" علمت فیہ المال" اس آیت میں اہل علم نے جو خیر کے معنی میں اختلاف کیا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے (جو ہم نے ذکر کردیا ہے) جب یہ بات تیرے لیے مستحکم ہوگئی تو اب جان لے کہ امر مذکور جس وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

عکرمہ' عطاء' مسروق' عمرو بن دینار' ضحاک اور اہل ظاہر نے کہا ہے کہ جب

Marfat.com

غلام مطالبہ کرے تو آقا پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام سے کتابت کرے مگر شرط یہ ہے کہ وہ اس بارے میں بہتری کی خبر رکھتا ہو۔ جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے۔ انہوں نے دلیل لی ہے کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ اگر غلام آقا سے کہے وہ اس کو کسی دوسرے سے فروخت کر دے تو اس پر واجب نہیں اور نہ ہی اس کو مجبور کر سکتا ہے یہی حکم ہے کتابت کا کیونکہ وہ معاوضہ ہے اور آپ پر مخفی نہ رہے کہ یہ کمزور دلیل ہے اور غیر پائیدار شبہ ہے اور حق وہی ہے جو اول حضرات نے کہا ہے۔ یہی خیال حضرت عمرؓ حضرت ابن عباس کا ہے اسی کو ابن جریر نے پسند کیا ہے پھر رب تعالیٰ نے مالکوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مکاتبین سے حسن سلوک کریں۔ فرمایا: ’’ واتوهم من مال الله الذی اتاكم ‘‘ اس سے مالکوں کو حکم ہوا ہے کہ وہ اداء کتابت کے ذریعے مکاتبین سے معاونت کریں یا یہ کہ وہ ان کو اپنے مال سے کچھ دے دیں یا وہ معاف کر دیں ان کو اس میں سے جس پر مکاتبت کی گئی ہے۔ اور ظاہر الایۃ میں اس کی مقدار کی عدم تقریر ہے۔

بعض نے کہا کہ تیسرا حصہ مراد ہے، بعض نے کہا چوتھا حصہ مراد ہے، بعض نے دسواں حصہ کہا ہے۔ اس امر میں موالی کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کلام ان کے بارے میں ہو رہی ہے اور گفتگو ان سے کی جا رہی ہے اور وہی ’’مامور بالكتابة ‘‘ ہیں جناب حسن، نخعی اور بریدہ نے کہا ہے کہ ’’ و آتوهم ‘‘ کے لفظ سے تمام لوگوں کو خطاب ہے۔ زید بن اسلم نے کہا ہے کہ خطاب حکمرانوں کو ہے کہ وہ مکاتبین کو صدقہ کے مال سے ان کا حصہ دیں جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قول: ’’ وفی الرکاب ‘‘ میں ہے جب کوئی مکاتب مال کتابت کا کچھ حصہ دے دے تو اس کے احکام معروف ہیں پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب آقاؤں کے نیک غلاموں کے نکاح کی رہنمائی فرمائی تو مسلمانوں کو اس بات سے منع کر دیا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے وہ یہ کہ وہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کیا کرتے تھے فرمایا: ’’ ولا تکرهوا فتیاتکم علی البغا ‘‘۔

Marfat.com

یہاں فتیات سے مراد لونڈیاں ہیں اگرچہ دوسری جگہ فتی اور فتاۃ احرار (آزاد) پر بھی بولے جاتے ہیں۔ بغاء کا معنی ہے بدکاری یہ بغت المرءۃ تبغی بغاء کا مصدر ہے۔ یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی عورت زنا کرے۔ یہ عورتوں کے زنا کے ساتھ خاص ہے جب بندہ زنا کرتا ہے تو وہاں ''بغی الرجل'' نہیں بولا جاتا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس نہی کی شرط لگائی ہے۔ ''ان اردن تحصنا'' کہ اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں (تو پھر ان کو مجبور نہ کرو) کیونکہ اکراہ کا تصور ہی نہیں آتا مگر جب وہ پاکدامنی کا ارادہ کرتی ہوں پس اگر وہ تحصن و پاکدامنی کا ارادہ نہ رکھتی ہوں تو پھر ان کو مکرہ علی الزنا نہیں کہا جاتا۔ یعنی ان کو یہ نہ کہا جائے گا کہ ان کو مجبور کیا گیا ہے یہاں تحصن سے مراد تعفف اور تزوج ہے یعنی پاکدامنی اختیار کرنا اور شادی کرنا، بعض نے کہا ہے کہ اس قید (ان اردن تحصنا) کا تعلق ایامی کے ساتھ ہے اور کلام میں تقدیم وتاخیر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شرط زائد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ''ما کانوا علیہ'' کے اعتبار سے ہے، کہ مالک لوگ لونڈیوں کو اس فعل بد پر مجبور کیا کرتے تھے جب کہ وہ اس سے بچنا چاہتی تھیں۔ اور نہیں ہے خاص کرنا نہی کو ان کے ارادۂ تعفف کی صورت کے ساتھ۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ شرط خرج مخرج الغالب ہے، کیونکہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ اکراہ اس وقت ہوتا ہے جب تحصن و پاکدامنی کا ارادہ ہوتا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ جب وہ عورتیں پاکدامنی کا ارادہ نہ کریں تو پھر اکراہ جائز ہے یہ وجہ عام وجوہ سے قوی تر ہے کیونکہ لونڈی کبھی کبھی نہ حلال کا ارادہ کرتی ہے اور نہ حرام کا جیسا کہ وہ لونڈی جس کو نکاح کی کوئی خواہش نہیں ہے ایسے ہی چھوٹی بچی ہے پس بیان ہوسکتا ہے کہ وہ مکروہ علی الزناء ہے جب کہ ان کا ارادہ تحصن کا نہیں ہے تو پھر بات مکمل نہیں ہوتی جو کہی گئی ہے کہ اکراہ کا تصور نہیں کرسکتا مگر بوقت ارادۂ تحصن کے الا یہ کہ کہا جائے کہ مراد تحصن سے یہاں صرف تعفف ہے اور صادق نہیں آتا اس پر حبر امت

Marfat.com

جناب ابن عباس نے کہا ہے کہ یہاں تحصن سے مراد تعفف وتزوج مراد ہے۔
دیگر لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی ہے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس سے منع کرنے کی علت ووجہ بیان فرمائی ہے۔" لتبتغوا عرض الحیوة الدنیا " یہاں دنیا کے سامان سے مراد لونڈی کی بدکاری کی کمائی ہے۔ یہ علت بھی خارج مخرج الغالب ہے۔ معنی یہ ہوا کہ عموماً یہ وہ غرض ہے جو ان کو ابھارتی ہے کہ وہ لونڈیوں سے یہ فعل بد کرائیں کیونکہ آدمی کا اپنی لونڈی کو بدکاری پر مجبور کرنا بغیر کسی فائدے کے کسی عقل مند سے اس کا تصور کرنا مشکل ہے۔ تو یہ علت دلالت نہیں کرتی اس پر کہ جائز نہیں کہ اس کو مجبور کرے جب وہ اس کی مجبوری کے ذریعے دنیا کے مال کا ارادہ نہ کرتا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اکراہ کی یہ علت اس اعتبار سے ہے کہ یہ ان کی عادت تھی نہ نہی عن الاکراہ کا یہ مدار تھا یہ معنی اول معنی کے خلاف نہیں ہے۔" ومن یکرھھن فان اللہ من بعد اکراھھن غفور رحیم " یہ ماقبل کی تقریر وتاکید ہے۔ معنی یہ ہوا کہ اکراہ کی سزا مکرھین (مجبور کرنے والوں) کی طرف راجع ہے نہ کہ مکروھات (جن کو مجبور کیا گیا ہے) کی طرف' جیسا کہ جناب ابن مسعودؓ جابر بن عبداللہ اور سعید بن جبیر کی قرأت اس پر دال ہے" فان اللہ غفور رحیم" "لھن" یعنی اللہ ان کو معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔
بعض نے کہا ہے کہ اس کی تفسیر میں بڑا بعد ہے کیونکہ مکرھہ (مجبور کی گئی لونڈی) تو گنہگار ہی نہیں ہے جواب دیا گیا ہے کہ وہ اگرچہ مکرھہ ہے پس بعض دفعہ ہوسکتا ہے کہ زنا کے عمل کے دوران وہ مطاوعت کے شائبہ سے خالی اور محفوظ نہ رہے یا تو جبلت بشری کے حکم کے مطابق یا اکراہ قاصر ہو اس کیفیت سے جو مجبور کی ہو جو اختیار کو ختم کرنے والی ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اللہ پاک ان بندوں کو معاف کر دیں گے جو ان کو مجبور کر رہے ہیں یا تو علی الاطلاق یا پھر یہ توبہ سے مشروط ہے۔

آیت نمبر 9:

﴿ یاایھا الذین آمنوا ﴾ (۵۸) ہے۔

Marfat.com

یہ اہل ایمان سے خطاب ہے اس میں تغلیباً مؤمنات بھی داخل ہیں جیسا کہ دیگر خطابات میں ہے علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت بعض اوقات کے ساتھ خاص ہے اور '' لیستاذنکم '' سے کیا مراد ہے اس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے اس بارے میں کئی اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ منسوخ ہے سعید بن مسیّب کی یہی تحقیق ہے اور سعید بن جبیر نے کہا ہے اس میں امر ندب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ واجب تھا جہاں بھی وہ تھے۔'' حبت کانوا لا ابواب لهم '' اور اگر حال لوٹے گا تو وجوب بھی لوٹے گا۔ مہدوی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے بعض نے کہا کہ امر یہاں وجوب کے لیے ہے اور آیت محکم (غیر منسوخ) ہے اور اس کا حکم مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے جب شعبی سے پوچھا گیا کہ کیا وہ آیت منسوخ ہے انہوں نے کہا واللہ یہ منسوخ نہیں ہے۔ سائل نے کہا کہ لوگ اس کے ساتھ عمل نہیں کرتے فرمایا اللہ تعالیٰ مستعان ہیں۔ قرطبی نے کہا کہ اکثر علماء کا یہی خیال ہے اور ابوعبدالرحمٰن سلمی نے کہا یہ صرف عورتوں کے لیے خاص ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا یہ مردوں کے لیے خاص ہے نہ کہ عورتوں کے لیے۔ اور مراد '' الذین ملکت ایمانکم '' سے غلام اور لونڈیاں ہیں۔

'' والذین لم یبلغوا الحلم منکم '' اور جو آزاد تم میں سے بالغ نہیں ہیں (وہ بھی اجازت لیں) اور ثلاث مرات کا معنی ہے دن رات میں تین اوقات۔ یہاں اوقات کی بجائے مرات بولا گیا ہے کیونکہ استیذ ان کے وجوب کا اصل وہ سبب ہے جو ان اوقات سے متصل ہوتا ہے اس وجہ سے مستاذنین مخاطبین کے پاس سے گزرتے ہیں نفس اوقات مراد نہیں ہے۔ ثلاث کا نصب ظرف زمان کی بنا پر ہے عبارت یہ ہوگی: '' فی ثلاث اوقات '' یا یہ '' منصوب '' علی المصدریۃ ہے عبارت یہ ہوگی: '' ثلاثۃ استیذانات '' ابوحیان نے اس کو راجح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''ثلاث مرات'' سے ''ثلاث استیذانات'' مراد ہے کیونکہ جب تو کہے گا

Marfat.com

''ضربتک ثلاث مرات'' تو اس سے ثلاث ضربات سمجھ آتا ہے اس کی تردید کی گئی ہے کہ یہاں تفسیر ثلاث الاوقات قرینہ ہے جس کی بنا پر ظاہری معنی متروک ہے۔ فرمایا: ''من قبل صلوٰۃ الفجر'' فجر کی نماز سے قبل اس لیے کہ بستروں سے اٹھنے' نیند والا لباس اتارنے اور بیداری والا لباس پہننے کا وقت ہے اور کئی مرتبہ آدمی رات کو کپڑے اتار کر سوتا ہے یا ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ پسند نہیں کرتا کہ اس ٹائم میں کوئی دوسرا آدمی دیکھے۔

''وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ'' اور جس وقت تم اپنے کپڑے اتارتے ہو یعنی ظہر کے وقت'' من الظھیرۃ'' میں من بیانیہ ہے یا بمعنی فی یا بمعنی لام کے ہے۔ معنی یہ ہوگا ''حین وضعکم ثیابکم التی تلبسونھا فی النھار من شدۃ حر الظھیرۃ'' یہ نصف النہار کا وقت ہے کیونکہ لوگ قیلولہ کی وجہ سے کپڑے اتار لیا کرتے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیسرا وقت ذکر کیا ہے فرمایا: ''ومن بعد صلوٰۃ العشاء'' عشاء کی نماز کے بعد بھی (یہ حکم ہے) یہ اس لیے کہ یہ کپڑوں سے ننگے ہونے اور اہل خانہ کے ساتھ خلوت کا وقت ہے۔ ہر تفصیل کے بعد ان اوقات کو اجمالاً ذکر کیا ہے فرمایا: ''ثلاث عورات لکم'' یہ جملہ متانفہ استیذان کے وجوب کی علت بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ ''لیس علیکم ولا علیھم جناح'' اہل بیوت تم پر نہیں اور نہ ہی ان پر یعنی ممالیک اور بچوں پر کوئی گناہ ہے بغیر اجازت داخل ہونے میں کیونکہ اس کو واجب کرنے والی کوئی شی نہیں ہے یعنی امر کی مخالفت اور عورات (ڈھانپنے والی چیز میں) پر اطلاع پانا۔ اور ''بعدھن'' کا معنی ہے ان تین عورات میں سے ہر ایک کے بعد اور وہ ہیں جو ان میں سے ہر دو کے درمیان آنے والے اوقات ہیں۔

یہ جملہ متأنفہ ہے خاص ان اوقات میں استیذان کے امر کی تقریر کرتا ہے۔ ''طوافون علیکم'' یہ جملہ متانفہ ہے جو اس عذر کو بیان کرتا ہے جو ترک

Marfat.com

استیذان میں رخصت دیتا ہے فراء نے کہا ہے کہ یہ کلام میں تیرے اس قول کی طرح ہے'' ھم خدمکم و طوافون علیکم '' یعنی وہ تمہارے خادم ہیں ان کوتمہارے پاس آنے کی اجازت ورخصت ہے۔'' بعضکم علی بعض ''بعض تم میں سے بعض پر چکر لگاتے ہیں۔'' ای یطوف او طائف علی بعض ''معنی یہ ہوا کہ تم میں سے ہر ایک چکر لگائے اپنے ساتھی پر' غلام مالکوں کے پاس جائیں مالک غلاموں کے پاس جایا کریں۔ بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان تین اوقات کے علاوہ بغیر اجازت کے جانے کو جائز قرار دے دیا ہے کیونکہ عموماً وہ لوگ ان اوقات کے علاوہ اپنی شرمگاہیں نہیں کھولتے تھے۔اور کذلک کے لفظ سے فعل کے مصدر کی طرف اشارہ ہے جس کا تذکرہ بعد میں آنے والا ہے جیسا کہ کتاب عزیز میں واقع تمام وہ مقام جہاں اس طرح کی عبارت ہے معنی ہوا کہ اس بیان کی طرح ''یبین اللہ لکم الایات'' اور اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے ایسی آیات بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مشروعہ احکام پر دال ہیں۔'' واللہ علیم حکیم ''بہت معلومات کو جاننے والے حکیم کا معنی افعال میں بہت حکمتوں والے ہیں۔

آیت نمبر 10:

﴿ والقواعد من النسآء اللاتی لا یرجون نکاحاً ﴾(۶۰) ہے۔

قواعد سے وہ بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو حیض اور اولاد سے مایوس ہو چکی ہیں اس کا واحد قاعد (بلا ھاء) ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ قعود الکبیر (بڑھاپے کی بنیاد پر بیٹھنا) ہے۔'' فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن ''ایسی عورتیں بدن سے چادر وغیرہ اتار سکتی ہیں مگر وہ کپڑے نہیں اتار سکتیں جو خاص شرمگاہ پر ہیں۔اور یہ ان کے لیے جائز ہے کیونکہ نفس ان سے بھر جاتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمیوں کو ان میں کوئی رغبت نہیں ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے لیے جائز کر دیا جو ان کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں کیا۔پھر ان کے حالات میں سے ایک حالت کا استثناء کیا ہے۔

Marfat.com

فرمایا: ''غیــر متبــرجــات بــزینة ''اس زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں جس کے چھپانے کا حکم اس قول باری تعالیٰ: '' ولا یبــدیـن زینتهن ''میں آیا ہے۔ معنی یہ ہوا کہ بغیر اس کے کہ ارادہ کریں وہ مواضع الجلابیب کے اظہار سے ان کی زینت کا اظہار کرنا اور وہ زینت پیش نہ کریں تا کہ ان کی طرف آدمی دیکھیں۔

'' تبرج '' کا معنی ہے آنکھوں کے سامنے کسی چیز کا کھل جانا ظاہر ہو جانا۔'' وان یستعففن ''اور اگر وہ بالکل کپڑے نہ اتاریں بلکہ پرہیز کریں تو ان کے لیے وہ بہتر ہے۔'' خیــر لهن'' ''والله سمیع علیم ''بہت سننے اور جاننے والے ہیں۔ یا ''کثیر السماع والعلم أو بلیغهما'' کہہ لیا جائے۔

آیت نمبر 11:

﴿ لیــس عـلـی الاعـمـی حـرج ولا عـلـی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ﴾ (۶۱) ہے۔

اہل علم نے اس آیت میں اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ محکم (غیر منسوخ) ہے یا منسوخ ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے پہلی بات کہی ہے اور ایک جماعت نے دوسری بات کہی ہے۔ بعض نے کہا کہ مسلمان جب جہاد کرتے تو اپنے پیچھے اپاہج لوگوں کو چھوڑ جایا کرتے تھے اور ان کو اپنے گھروں کے دروازوں کی کنجیاں بھی دے جایا کرتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے کہ جو کچھ ہمارے گھروں میں ہے۔ وہ اس فعل کو گناہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جب گھر والے غائب ہیں تو ہم ان کے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کے لیے رخصت ہے۔

پس آیت کا معنی ہوا کہ تنگی دور کرنا اپاہج لوگوں سے ان کے کھانے میں اپنے اقرباء کے گھروں میں سے اور ان لوگوں کے گھروں سے جنہوں نے ان کو کنجی دی ہے جب وہ جہاد کے لیے جاتا ہے۔ نحاس نے کہا ہے کہ یہ قول اس وجہ سے ہے جو

Marfat.com

اس آیت میں مروی ہے کیونکہ اس میں صحابہ اور تابعین سے توقف آیا ہے۔ بعض نے کہا کہ بے شک یہ مذکورین صحیح لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کو گناہ سمجھتے تھے ان کا گندا سمجھنے کی وجہ سے ان کو اور خوف کرتے ہوئے کہ وہ اذیت محسوس کریں ان کے افعال سے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اندھے سے گناہ کو ختم کر دیا ہے۔ ان تکلیفی امور میں جن میں بصر شرط ہے اور لنگڑے سے گناہ معاف کر دیا ہے۔ ان تکلیفی امور میں جن میں چلنے کی استطاعت کی شرط لگائی گئی ہے یعنی جس میں لنگڑا پن کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہو اور مریض سے ان امور میں جن میں مرض بیمار کو عاجز کر دے۔

بعض نے کہا اس حرج کو ان لوگوں سے ختم کرنے کا مقصد وہ حرج ہے جو جہاد سے ہوتا ہے یعنی کوئی حرج و گناہ نہیں ان لوگوں پر جو جہاد سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آدمی جب اپاہج لوگوں میں سے کسی کو اپنے گھر میں داخل کرتا ہے تو وہ اس میں کوئی شی نہ پاتا کہ جو ان کو کھلائے تو وہ ان کو اپنے اقرباء کے گھروں میں لے جاتا تو اپاہج اس سے تنگی محسوس کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی: ''ولا علی انفسھم'' ''نہیں کوئی حرج تمہارے اوپر اور نہ تم جیسے مومنوں پر۔'' ''ان تاکلوا'' کہ کھاؤ تم اور جو تمہارے ساتھ ہیں (وہ بھی کھائیں) حاصل یہ ہوا کہ اندھے' لنگڑے اور مریض سے تنگی دور کرنا اگر ہے صحیح لوگوں کے ساتھ کھانے کے اعتبار سے یا ان کے گھروں میں داخل ہونے کے لحاظ سے تو اس صورت میں ''ولا علی انفسکم'' اپنے ماقبل سے متصل ہوگا اور اگر رفع گناہ ان سے تکالیف کے اعتبار سے ہے ایسی تکالیف جن میں وجود بصر' عدم العرج اور عدم المرض شرط ہے تو ''ولا علی انفسکم'' ایک نئی کلام ہوگی ماقبل سے متصل نہ ہوگی۔

اور ''من بیوتھم'' کا معنی ہے وہ گھر جن میں ان کا سامان اور ان کے اہل ہیں' تو اس میں اولاد کے گھر بھی داخل ہیں۔ ''کذا قال المفسرون'' کیونکہ

Marfat.com

وہ سب ''فی بیوتھم '' میں داخل ہیں کیونکہ بیٹے کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے اس لیے اولاد کے گھروں کا ذکر نہیں فرمایا اور دیگر گھروں کا ذکر کیا ہے فرمایا: ''او بیوت آباء کم او بیوت امھاتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعمامکم او بیوت اخوالکم او بیوت خالاتکم''

نحاس نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس قول کا معارضہ کیا ہے پس کہا ہے کہ یہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب پر تحکم ہے بلکہ اولی فی الظاہر یہ ہے کہ ابن ان سب کا مخالف ہو۔ اس معارضہ کا جواب دیا گیا ہے کہ اولاد کا مرتبہ بہ نسبت آباء کے نہیں کم ہوتا مرتبہ آباء سے بہ نسبت اولاد کے' بلکہ آباء کے لیے مزید خصوصیت ہے اولاد کے اموال میں اس حدیث'' انت ومالک لابیک '' کی وجہ سے اور حدیث: '' ولد الرجل من کسبہ '' کی وجہ سے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں بھائیوں اور بہنوں کے گھروں کا ذکر کیا بلکہ چچاؤں اور پھوپھیوں کا ذکر کیا بلکہ ماموؤں اور خالاؤں کا ذکر کیا ہے پس کیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نفی کرتے ہیں گناہ کی ان گھروں سے کھانے کی اور نہیں نفی کرتے اولاد کے گھروں سے کھانے کی۔ بعض ائمہ نے قید لگائی ہے کہ ان سب کے گھروں سے کھانا جائز ہے مگر ان کی اجازت سے' دوسرے ائمہ نے کہا ہے کہ اذن واجازت شرط نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جب کھانا کھلا پڑا ہو۔ اگر ان کے ورے محفوظ ہو تو ان کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ''او ما ملکتم مفاتحہ '''' یا تم مالک ہو ان کی کنجیوں'' کے یعنی ان گھروں کی کنجیوں کے کہ تم ان مالکوں کی اجازت سے ان میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہو اور یہ وکلاء' غلام اور خازن لوگ ہیں کیونکہ وہ مالک ہیں تصرف کرنے کے ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے ان کو اپنے گھر آنے کی اجازت دی ہے اور ان کو ان کی کنجیاں دی ہیں۔

ان سے غلاموں کے گھر مراد ہیں مفاتح کا مفرد مفتح ہے۔'' او صدیقکم '' اگر تمہارے اور ان کے درمیان قرابت نہ ہو (صرف دوستی ہو) کیونکہ دوست

Marfat.com

عموماً دوست کے لیے اس قسم کی سخاوت کرتا ہے اور اس سے اس کا دل خوش ہوتا ہے اور صدیق کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔'' لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعاً او اشتاتا '''' تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اکٹھے کھاؤ یا الگ الگ'' ''اشتاتا'' شت کی بمعنی التفرق کی جمع ہے کہا جاتا ہے'' شت القوم '' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ الگ الگ ہو۔

اور یہ جملہ کلام مستانف ہے جو مشتمل ہے ماقبل کی جنس کے دوسرے حکم بیان پر' یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اکٹھے بیٹھ کر کھاؤ یا الگ الگ۔ اور بعض عرب اکیلے کھانے کو گناہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ وہ اپنے لیے کسی کھانے والے کو پائے جو اس کے ساتھ کھائے اور بعض عرب مہمان کے بغیر کھاتے نہ تھے تو یہ حکم نازل ہوا:'' فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم ''جب تم داخل ہو علاوہ ان گھروں کے جن کا پہلے ذکر ہوا ہے یہ دوسرے ادب کا بیان ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ادب کی تعلیم دی ہے فرمایا اپنی جانوں کو سلام کہو اپنی جانوں سے مراد وہ اہل ہیں جو تمہارے لیے بمنزلہ تمہاری نفوس کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ گھر ہیں جو ابھی مذکور ہوئے ہیں اور پہلے قول کے مطابق حسن بصری اور نخعی نے کہا ہے بیوت سے مراد مساجد ہیں اور معنی یہ ہوا کہ ان مساجد میں جو تمہاری قسم کے لوگ ہیں جب مساجد میں کوئی نہ ہوگا تو وہ کہے گا السلام علی رسول اللہ۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ کہے السلام علیکم اور نیت کرے کہ میں ملائکہ کو سلام کہہ رہا ہوں بعض نے کہا ہے کہ وہ کہے:'' السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین. ''اور دوسرا قول (میری مراد وہ گھر ہیں جو سابق عبارت میں گزرے ہیں) صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بیوت سے یہاں وہ تمام رہائشی وغیر رہائشی مکانات مراد ہیں' تو اہل مسکونہ پر آدمی سلام کہے اور جو غیر مسکونہ ہیں تو وہ اپنی ذات پر سلام کہے۔

ابن العربی نے کہا ہے بیوت عام ہے یہی صحیح ہے۔'' تحیة من عند اللہ

Marfat.com

مبارکة طیبة ''' دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ '' یعنی سننے والا اس کے ساتھ خوش ہوتا ہے۔ '' کذلک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تعقلون '' یہ تبیین کی علت ہے' مقصد یہ ہے کہ آیات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سمجھنے اور اس کے معانی کے فہم کی امید کے ساتھ۔

آیت نمبر 12:

﴿ فاذا استاذنوک ﴾ (۶۲) ہے۔

اے اللہ کے رسولؐ! جب مومن آپ سے اپنے بعض اہم امور کے بارے میں اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور روک دیں جس کو چاہیں یعنی اجازت نہ دیں مطابق اس کے جس کا آپ کی مصلحت تقاضا کرتی ہے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے قول: '' واستغفر لھم اللّٰہ '' کے ذریعے اس کی رہنمائی فرمائی کہ وہ ان کے لیے معافی مانگیں' اس میں اشارہ ہے کہ اجازت اگرچہ عذر مسموع پر ہے مگر پھر بھی اس میں شبہ ہے کہ دنیا کے معاملہ کو آخرت پر ترجیح دی جائے۔
'' ان اللہ غفور رحیم '' رب تعالیٰ بہتر رحمت ومغفرت والے اور اس کی انتہاء تک جانے والے ہیں جس کے بعد کوئی انتہا نہیں ہے۔ مفسرین نے کہا ہے آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر جلوہ افروز ہوتے اور کوئی آدمی چاہتا کہ کسی عذر وحاجت کی وجہ سے مسجد سے نکلے تو وہ نہیں نکلتا تھا یہاں تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑا ہوتا جہاں آپ کی نظر اس پر پڑتی تو آپ پہچان لیتے کہ وہ اجازت کے لیے کھڑا ہوا ہے پھر جس کو چاہتے آپ اجازت دے دیتے۔

مجاہد نے کہا کہ امام کا جمعہ والے دن اجازت دینا ہاتھ کے اشارہ سے ہے۔
زجاج نے کہا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ بے شک مومن لوگ جب اپنے نبیؐ کے ساتھ ہوتے ہیں کسی ایسے مسئلہ میں کہ آپ اس میں اجتماعیت کی احتیاج محسوس کرتے تھے وہ نہیں جاتے تھے یہاں تک کہ آپ سے اجازت مانگتے' اسی طرح جب وہ ہوں امام

Marfat.com

کے ساتھ نہ اس کی مخالفت کریں اور نہ اس سے رجوع کریں کسی مجمع میں مگر اس کی اجازت سے' اور امام کو حق حاصل ہے کہ وہ اجازت دے یا نہ دے جیسے اس کا خیال ہو کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے: '' فاذن لمن شئت منهم '' علماء نے کہا ہے ہر کام جس پر مسلمان لوگ امام کے ساتھ جمع ہوں وہ اس کی مخالفت نہ کریں اور نہ اس سے لوٹیں مگر اس کی اجازت سے۔

سورۃ الفرقان

اس کی ستتر آیات ہیں۔ جمہور کے قول کے مطابق وہ ساری کی ساری مکی ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس کی تین آیات۔ '' والذین لا یدعون مع اللہ الٰها آخر '' مدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔

آیت نمبر 1:

﴿ وانزلنا من السمآء ماء طهورا ﴾(۴۸) ہے۔

ماء طہور وہ پانی ہے جس سے طہارت حاصل کی جائے جیسے وضو (واؤ کی فتح سے) اس پانی کو کہا جاتا ہے جس سے وضو کیا جاتا ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ لغت میں طہور بمعنی طاہر ومطہر ہے۔ ابن الانباری نے کہا ہے کہ طہور (طاء کے فتح سے) اسم ہے' اسی طرح وہ وصف بھی ہے' اور پیش کے ساتھ مصدر ہے' لغت میں یہی تحقیق معروف ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے طہور بمعنی طاہر ومطہر ہے اور اس کی تائید کرتا ہے یہ امر کہ یہ وزن مبالغہ کا ہے۔ ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ طہور بمعنی طاہر ہے اور اس پر انہوں نے قول باری تعالیٰ: '' وسقاهم ربهم شرابا طهوراً '' سے استدلال کیا ہے کہ یہاں طہور بمعنی طاہر ہے ومنہ قول الشاعر:

خليلى هل فى نظرة بعد توبة ... او ادى بها قلبى على فجور

الى رجج الاكفال عيذ من الظبا ... عذاب الثنايا ريقهن طهور

Marfat.com

"میرے دوست کیا توبہ کے بعد مہلت ہے یا پہنچا دیا اس کی وجہ سے میرے فجور والے دل نے مجھے راجح اعضاء کی طرف' تروتازہ ہرنیوں سے ان کے دانت بڑے میٹھے ہیں ان کا تھوک پاک ہے"۔

یہاں ریق کی صفت طہور کو لایا گیا ہے کیونکہ وہ طاہر کے معنی میں ہے بمعنی مطہر نہیں ہے۔قول اول کو ثعلب نے راجح قرار دیا ہے اور حقیقت میں وہی راجح ہے جیسا کہ ماقبل بحوالہ علامہ ازہری گزر چکا ہے کہ انہوں نے اہل لغت سے یہی معنی بیان کیا ہے۔ باقی رہا شاعر کا فعل کہ اس نے طہور کو ریق کی صفت بنایا تو وہ بطریق مبالغہ ہے۔ بہرحال شرع میں آیا ہے پانی فی نفسہ طاہر ہے اور دوسرے کے لیے مطہر (پاک کرنے والا) ہے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:" وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم "(یہاں پانی کو مطہر قرار دیا گیا ہے) اور جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:" خلق الماء طھوراً" کہ پانی کو مطہر پیدا کیا گیا ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿ والذین یبیتون ﴾ (۶۴) ہے۔

" بیتوتة " کا معنی ہے کہ آپ کو رات پالے تو سوئے یا نہ سوئے۔زجاج نے کہا ہے کہ جس کو رات نے پالیا اس پر "بات" کا لفظ بولا جاسکتا ہے خواہ سوئے یا نہ سوئے جیسے کہا جاتا ہے" بات فلان قلقا" "یبیتون لربھم سجدا وقیاما" کا معنی یہ ہوا کہ وہ رات گزارتے ہیں اپنے چہروں پر جھکتے ہوئے اپنے قدموں پر کھڑے ہوکر۔اور اسی سے امراءالقیس کا قول ہے۔

فبتنا قیاماً عند راس جوادنا   یزاولنا عن نفسه ونزاوله

"ہم نے رات گزاری کھڑے ہوکر اپنے گھوڑے کے سر کے پاس وہ ہم کو زائل کرتا اپنے نفس سے اور ہم اس کو زائل کرتے تھے"۔

ظاہر ہے کہ ان کی یہ صفت اس لیے بیان ہوئی ہے کہ وہ ساری رات یا اکثر

Marfat.com

رات کو زندہ کرتے ہیں یعنی جاگتے ہیں۔

آیت نمبر 3:

﴿ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا ﴾ (٦٧) ہے۔

یہ قتر یقتر یا اقتر یقتر دونوں بابوں سے ہوسکتا ہے'ان سب کا معنی ہے خرچ میں تنگی کرنا۔ نحاس نے کہا اس آیت کے معنی میں سب سے اچھی بات جو کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس نے حکم الٰہی کے خلاف مال خرچ کیا وہ اسراف ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اپنے آپ کو روکا تو اس کا نام اقتار ہے' اور جس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مال خرچ کیا اس کا نام قوام ہے۔ ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ جو آدمی بھوکا نہ رہے نہ ننگا نہ وہ خرچ کرے ایسا خرچ کہ لوگ کہیں کہ اس نے اسراف کیا ہے۔ یزید بن حبیب نے کہا کہ یہ آنحضرتؐ کے ساتھی ہیں وہ تنعم ولذت کے لیے کھانا نہیں کھاتے تھے وہ جمال وخوبصورتی کے لیے کپڑے نہیں پہنتے' وہ کھانا اس لیے کھاتے تھے کہ ان کی بھوک ختم ہوجائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ان کو قوت مہیا کرے اور لباس اس لیے پہنتے تھے کہ ان کی شرمگاہیں مستور رہیں اور ان کو گرمی وسردی سے محفوظ رکھے۔ ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ وہ معروف پر بھی نہیں بڑھاتے اور نہ ہی بخل کرتے ہیں جیسے رب تعالیٰ کا قول ہے: "ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط وکان بین ذلک قواما" اور ان کا انفاق افراط وتفریط کے مابین معتدل ہے۔ قوام قاف کے کسرہ سے وہ جس پر کوئی شی ہمیشگی کرے اور ٹکا رہے اور قوام (قاف کے فتح سے) انصاف اور استقامت کو کہتے ہیں (ثعلب) بعض نے کہا ہے کہ فتح کے ساتھ عدل بین الشئین کا نام ہے اور کسرہ کی صورت میں وہ شی ہے جس کے ساتھ کوئی شی قائم ہو اس سے الگ نہ ہو' اور کم بھی نہ ہو بعض نے کہا ہے کہ کسرے کے ساتھ بمعنی سداد اور مبلغ ہے۔

آیت نمبر 4:

﴿ واجعلنا للمتقین اماما ﴾ (٧٤) ہے۔

Marfat.com

امام کا معنی ہے وہ پیشوا جس کی خیر میں اقتداء کی جائے رب تعالیٰ نے اماماً کہا ہے ائمہ نہیں کہا کیونکہ اس سے جنس مراد ہے اس کی مثال یہ قول باری تعالیٰ: ''ثم یخرجم طفلاً'' بعض نے کہا ہے کہ یہ کلام مقلوب ہے معنی یہ ہوگا کہ: ''واجعل المتقین لنا اماماً'' یہی مجاہد نے کہا ہے بعض نے کہا یہ دعا ان سے الگ الگ صادر ہوئی ہے اور دعاء کے وقت ہر ایک یوں کہے گا: ''اجعلنی للمتقین اماما'' پھر سب لوگوں کی عبارات کو اختصار کی وجہ سے جمع متکلم کی صورت میں نقل کیا گیا ہے اخفش نے کہا ہے کہ امام ام کی جمع ہے اور یہ ام لوم سے لیا گیا ہے۔ یہ فعال کا وزن ہے جیسے صاحب جمع صحاب قائم جمع قیام۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مصدر ہے جیسے قیام اور صیام ہے۔ بعض نے اس کے علاوہ بھی باتیں کی ہیں۔ نیشاپوری نے کہا ہے کہ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں اس امر کا اشارہ ہے کہ ریاست دینیہ ان امور میں سے ہے کہ واجب ہے کہ ان کو طلب کیا جائے اور ان میں رغبت کی جائے۔ اقرب الی الصواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا ہے اور ان کو طاعت میں اس مقام پر پہنچا دیں کہ ان کی طرف اشارہ کیا جائے اور ان کی اقتداء کی جائے۔

سورۃ القصص

حسن بصری، عکرمہ اور حضرت عطاء کے قول کے مطابق یہ ساری سورت مکی ہے۔ اسکی ستاسی یا اٹھاسی آیات ہیں۔

آیت نمبر 1:

﴿قال انی ارید ان انکحک احدی ابنتی ھاتین﴾ (۲۷) ہے۔

اس میں اس امر کا جواز ہے کہ عورت کا ولی اس کو آدمی پر پیش کر سکتا ہے (کہ وہ اس سے نکاح کرے) یہ اسلام میں سنت ثابتہ ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر پیش کیا تھا یہ واقعہ معروف

Marfat.com

ہے اس کے علاوہ کئی واقعات زمانہ نبوت اور زمانہ صحابہ میں پیش آئے اسی طرح یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک عورت نے اپنا آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ ''علی ان تاجرنی ثمان حجج ''اس شرط پر کہ تو آٹھ سال نوکری کرے اور بکریاں چرائے۔'' فانی اتممت عشراً فمن عندک ''دس سال پورے کرنا آپ کا احسان ہوگا میری طرف سے آپ پر لازم نہیں ہے۔ آٹھ سال سے زائد یعنی دس سال تک کا عرصہ مکمل کرنا مروت کی طرف منسوب کردیا ہے۔''وما أرید ان اشق علیک'' میں آپ پر دس سال لازم کرکے آپ پر مشقت پیدا نہیں کرنا چاہتا۔

مشقت شق سے لیا گیا ہے ایک محاورہ ہے:'' شق بطنه نصفین ''اس نے اپنا پیٹ دو نصف کردیا ہے کبھی تو اطیق کہتا ہے اور کبھی لا اطیق کہتا ہے پھر اس کو رغبت دی نوکری قبول کرنے کی تو فرمایا:'' ستجدنی انشاء الله من الصالحین '' آپ مجھے حسن صحبت ووفاء میں صالح پائیں گے۔ بعض نے کہا ہے صلاح میں عموم مراد ہے تو اس میں داخل ہے معاملہ کو بہتر کرنا اس اجارے کے بارے میں اس آیت کے تحت بحیثیت دخول اولی کے' اس نے مقید کیا ہے اس کو مشیت اللہ کے ساتھ اس چیز کو اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد کی طرف سونپتے ہوئے۔

سورۂ محمد ﷺ

اس کا نام سورۂ قتال اور سورۃ الذین کفروا بھی رکھا گیا ہے۔ اس کی انتالیس آیات ہیں۔ بعض نے کہا ہے اڑتیس ہیں یہ مدنی سورت ہے۔ ماوردی نے کہا ہے سوائے ابن عباس اور قتادہ کے سب نے یہی کہا ہے صرف ان دونوں نے کہا ہے کہ سوائے اس کی ایک آیت کے وہ حجۃ الوداع کے بعد اتری تھی جب آپ مکہ سے نکلے تھے اور غم کی وجہ سے آپ بیت اللہ کو دیکھ کر رو رہے تھے تو یہ آیت:'' وکاین من قریة هی اشد قوة من

Marfat.com

قـریتک ''نازل ہوئی۔ ثعلبی نے کہا کہ وہ مکی ہے۔ یہ قول غلط ہے یہ مخفی نہیں کہ یہ مدنی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ فشدوا الوثاق ﴾(۴) ہے۔

وثاق بالفتح ہے اور کسرہ سے بھی آتا ہے۔ یہ نام ہے اس شی کا جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے جیسے رباط ہے معنی یہ ہوا کہ جب تم ان کو قتل کرنے میں مبالغہ کرو تو ان کو قید کرلو اور ان کو باندھ کر محفوظ کرلو۔'' فاما منا بعد واما فداء ''عبارت یہ ہوگی:'' فاما ان تمنوا علیھم بعد الا سرمنا او تفدوا فداءً ''''من'' کا معنی ہے بغیر عوض لیے چھوڑ دینا اور فداء یہ وہ مال ہے جس کو قیدی ادا کر کے اپنے آپ کو آزاد کرالے۔ یہاں قتل کا ذکر نہیں کیا ماقبل پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں من کو فداء سے مقدم کیا ہے کیونکہ یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ اسی وجہ سے بھی عرب اس کے ساتھ فخر کرتے ہیں۔

ولا نقتل الاسری ولکن نفکھم اذا اثقل الاعناق حمل المغارم

''ہم قیدیوں کو قتل نہیں کرتے بلکہ ان کو آزاد کردیتے ہیں جب تاوانوں کا بوجھ گردنوں کو بھاری کردے''

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسی لیے غایت کا ذکر کیا فرمایا:'' حتی تضع الحرب اوزارھا ''اوزار الحرب وہ ہیں کہ ان کے بغیر لڑائی نہیں ہوتی یعنی ہتھیار اور گھوڑے۔ وضع کی اسناد لڑائی کی طرف کی گئی ہے حالانکہ وہ لڑنے والوں کا کام ہے یہ اسناد مجازی ہے معنی یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ان امور میں ایک حد تک اختیار ہے وہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ لڑائی ختم ہوجائے۔ مجاہد نے کہا ہے (لڑائی لڑی جائے یہاں تک کہ) اسلام کے علاوہ کوئی دین نہ رہے' حسن بصری اور کلبی نے یہی کہا ہے' کسائی نے کہا ہے یہاں تک کہ مخلوق مسلمان ہوجائے' قراء نے کہا ہے یہاں تک کہ وہ ایمان

Marfat.com

لے آئیں اور کفر ختم ہو جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں تک کہ لڑنے والے دشمن اپنے ہتھیار رکھ دیں شکست کے ذریعے یا صلح کے ذریعے' حسن اور عطاء سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ معنی یہ ہے کہ: ''فضرب الرقاب حتی تضع الحرب اوزارها فاذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق'' اس آیت کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ محکم (غیر منسوخ) ہے یا منسوخ ہے۔

بعض نے کہا کہ وہ اہل الاوثان کے بارے تو منسوخ ہے اور جائز نہیں کہ ان سے فدیہ لیا جائے اور ان پر احسان کیا جائے اس کا ناسخ: ''فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم'' ہے اور قول باری تعالیٰ: ''فاما تثقفنهم في الحرب فشرد بهم من خلفهم'' اور قول باری تعالیٰ: ''وقاتلوا المشركين كافة'' ہے حضرت قتادہ' ضحاک' سدی' ابن جریج اور کئی اہل کوفہ کا یہی خیال ہے انہوں نے کہا کہ سورۂ مائدہ آخر میں اتری ہے تو واجب ہے کہ ہر مشرک کو قتل کیا جائے الا یہ کہ کوئی دلیل قائم ہو جائے کہ اس کو نہ مارا جائے جیسے عورتیں اور بچے اور جن سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ ابو حنیفہ کا یہی مذہب معروف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت: ''فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم'' کی ناسخ ہے۔ یہ عطاء وغیرہ سے منقول ہے' کئی علماء نے کہا ہے یہ آیت محکم ہے اور امام کو قتل اور قید میں اختیار ہے اور قید کے بعد پھر احسان اور فدیہ میں اختیار ہے۔ امام مالک' شافعی' ثوری' اوزاعی اور ابو عبیدہ وغیرہ نے یہی کہا ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین اور ان کے بعد والوں نے یہی کہا ہے' سعید بن جبیر نے کہا ہے نہیں ہوتا فدیہ اور قید مگر تلوار کے ذریعے خونریزی کرنے اور قتل کے بعد کیونکہ ارشاد الٰہی ہے: ''ما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض'' اس کے بعد جب وہ قید ہو جائے تو امام کو اختیار ہے جو چاہے وہ فیصلہ کرے قتل کا یا کوئی دوسرا۔

Marfat.com

آیت نمبر 2:

﴿ فلا تھنوا ﴾ (۳۵) ہے۔

تم لڑائی میں کمزوری نہ دکھاؤ' وھن بمعنی ضعف ہے۔'' ولا تدعوا الی السلم '' اور تم کفار کو ابتدائی طور پر خود صلح کی دعوت نہ دو کیونکہ یہ بھی کمزوری کا اثر ہے۔ زجاج نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین اور مسلمین کو منع کیا ہے کہ وہ کفار کو صلح کی دعوت دیں اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ ان سے جہاد کریں یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں اہل علم نے اس آیت میں اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ محکم (غیر منسوخ) ہے یا منسوخ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ منسوخ نہیں بلکہ قول باری تعالیٰ:'' وان جنحوا للسلم فاجنح لھا '' کے لیے ناسخ ہے۔

بعض نے کہا ہے وہ اس آیت سے منسوخ ہوا ہے اور آپ پر مخفی نہ رہے نسخ کے قول کا کوئی سبب نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ وہ ابتداءً صلح کی دعوت دیں اور جب مشرکین صلح کی طرف مائل ہوں تو اس کو قبول کرنے سے منع نہیں کیا' دونوں آیات محکم ہیں وہ نہیں وراد ہوئیں ایک محل میں یہاں تک کہ وہ محتاج ہوتا نسخ کے دعویٰ کا یا تخصیص کا۔ اور'' وانتم الاعلون '' کا جملہ ماقبل جو نہی ہے اس کی تقریر کے لیے ہے۔'' وانتم الاعلون بالسیف والحجۃ '' تم ہی تلوار اور دلیل سے غالب ہو۔ کلبی نے کہا ہے کہ آخرالامر تمہارے حق میں بہتر ہے اگر وہ بعض اوقات تم پر غالب ہی آجائیں'' واللہ معکم '' کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نصرت و مدد کے ساتھ ہیں۔

سورۂ فتح

اس کی انتیس آیات ہیں۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ ساری سورت مدنی ہے۔

مروان اور مسور بن مخرمہ نے کہا ہے کہ یہ حدیبیہ کے بارے میں مکہ

Marfat.com

اور مدینہ کے درمیان اتری تھی' اور یہ اجماع کے منافی نہیں ہے کیونکہ مدنی سورت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت مکہ کے بعد اتری ہے۔

آیت نمبرا:

﴿ولولا رجال مومنون ونساء مومنات﴾ ہے۔

اگر کمزور مومن نہ ہوتے جو مکہ میں ایمان لائے تھے (تو انہیں لڑنے کی اجازت ملتی تو کئی مسلمان بھی مارے جاتے) اور'' لم تعلموھم '' کا معنی ہے کہ تم ان کو پہچانتے نہیں ہو بعض نے کہا ہے کہ تم ان کو نہیں جانتے کہ وہ مومن ہیں۔'' ان تطئوھم '' کہ تم ان کو روند ڈالو گے قتل اور ان کو زمین پر گرانے کی وجہ سے۔ ایک محاورہ ہے کہا جاتا ہے:'' وطئت القوم ''میں نے ان کو زمین پر گرا دیا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ اگر وہ تلوار سے زبردستی مکہ پر قبضہ کر لیتے تو وہاں کے رہنے والے مومنوں اور کفار میں امتیاز نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر مومن قتل سے بچ نہ سکتے تھے۔ پھر قاتلین پر کفارہ لازم ہوتا اور ان کو طعن و ملامت اور گالی گلوچ ہوتی یہی معنی قول باری تعالیٰ: ''فتصیبکم'' کا معنی ہے'' من جھتھم ''اور''معرۃ'' کا معنی ہے وہ مشقت جو تم کو لازم ہوگی ان کے قتل کی وجہ سے یعنی کفارہ اور عیب اصل معنی ''معرۃ'' کا عیب ہے۔ یہ عرۃ بمعنی لڑائی سے ماخوذ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کہیں گے مسلمان اپنے ہی بھائی مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں۔ زجاج نے کہا ہے معرۃ بمعنی گناہ ہے جوہری اور ابن زید نے یہی کہا ہے' کلبی اور مقاتل وغیرہ نے کہا معرۃ بمعنی قتل خطاء کا کفارہ۔ ابن اسحاق نے کہا ہے معرۃ بمعنی دیت کا تاوان۔ قطرب نے کہا ہے معرۃ بمعنی سختی ہے۔ بعض نے کہا بمعنی غم ہے۔'' بغیر علم'' یہ ''ان تطاوھم'' سے متعلق ہے کہ روند ڈالو گے ان کو جن کو تم جانتے نہیں۔ اور لولا کا جواب محذوف ہے وہ یہ ہے'' لاذن اللہ عزوجل لکم'' یا''لما کف ایدیکم عنھم''۔

Marfat.com

سورۂ حجرات

یہ مدنی سورۃ ہے اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔ قرطبی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ یاایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ﴾ (٦) ہے۔

فتبینوا تبیین سے لیا گیا ہے۔ قاری حمزہ اور کسائی نے کہا یہ لفظ فتثبتوا ہے یہ تثبیت سے لیا گیا ہے۔ تبیین سے مراد تعرف وتفحص ہے' اور تثبیت کا معنی اناۃ' تحمل اور عدم عجلت اور امر واقع میں اور منقول خبر میں غور کرنا یہاں تک کہ واضح اور ظاہر ہو جائے' حضرات مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں اتری تھی (تحقیق کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس بات کی) کراہت کرتے ہوئے کہ تم کہیں جہالت کی وجہ سے کسی قوم کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ ان تصیبوا کی عبارت یہ ہوگی: ''لئلا تصیبوا. '' کیونکہ اس آدمی سے جس نے حقیقت الامر کو نہیں جانا اور اس نے پختگی اختیار نہ کی خطاء عموماً ہو جاتی ہے اور وہ جہالت ہے کیونکہ وہ علم سے صادر نہیں ہوتی' معنی یہ ہوا کہ ''ملتبسین بجھالۃ بحالھم''. ''فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین '' (مذکورہ کام کرنے سے) تم اپنے فعل پر پشیمان ہو جاؤ گے۔ نادمین کا معنی اس فعل پر غم کرنے والے اس پر پریشان ہونے والے۔

آیت نمبر 2:

﴿ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا ﴾(٩) ہے۔

اقتتلوا جمع اس لیے لائے ہیں کہ دونوں طائفوں کے تمام افراد مراد ہیں۔ ''فاصلحوا بینھما'' جب مسلمانوں کے دو فریق لڑ پڑیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان میں صلح کی کوشش کریں اور ان کو اللہ کے حکم کی دعوت دیں۔'' فان بغت

Marfat.com

احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ فان فاء ت فاصلحوا بینھما بالعدل ''اس کے بعد دوگروہوں میں سے کسی ایک کا دوسرے پر ظلم وتعدی کرنا اگر ظاہر ہوجائے اور وہ صلح قبول نہ کرے اور نہ صلح کا راستہ اختیار کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس باغی گروہ سے لڑائی کریں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کی طرف لوٹ آئے' اگر وہ باغی گروہ اپنی بغاوت ترک کر کے کتاب اللہ کی دعوت قبول کرے اور اس کے حکم کی طرف آجائے تو اب مسلمانوں کو چاہیے دونوں میں فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف قائم رکھیں اور راہ صواب تلاش کریں جو حکم الٰہی کے مطابق ہو اور ظالم گروہ کے ہاتھ کو پکڑ لیں یہاں تک کہ وہ ظلم کے چکر سے نکل جائے اور جو دوسرے گروہ کے لیے اس پر واجب ہے اس کو ادا کرے۔ پھر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے تمام معاملات میں انصاف کریں۔ ان کو حکم دینے کے بعد اس عدل کا جو خاص ہے ان دو لڑنے والے گروہوں کے ساتھ فرمایا: ''واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین'' انصاف کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل کنندگان سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا ہے کہ ان کو بہترین بدلہ دیں۔

امام شوکانی نے اپنی کتاب نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں اس بارے میں حق بات کی وضاحت کردی ہے اور ہم نے بغاوت اور باغیوں کے احکام بسط سے بیان کئے ہیں اپنی کتاب مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ان دونوں کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

سورۂ نجم

اس سورت کی اکسٹھ یا باسٹھ آیات ہیں۔ جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہ ساری کی ساری مکی سورۃ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک آیت:

''والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم'' کا استثناء کیا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 1:

﴿ وان لیس للانسان الا ما سعی ﴾(۳۹) ہے۔

''نہیں ہے اس کے لیے مگر اس کی سعی کا اجر اور اس کے عمل کی جزا اور کسی کو نفع نہ دے گا کسی کا عمل''۔

یہ عام حکم ہے اس کی تخصیص اس قول: ''والحقنا بھم ذریتھم'' سے ہو رہی ہے' اور اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ذکر آیا ہے کہ انبیاء اور ملائکہ بندوں کی شفاعت کریں گے' اور زندوں کا مردوں کے لیے دعا کرنا اور ان کی طرف سے صدقہ کرنا اور اس قسم کی دیگر احادیث ہیں۔ اور جس آدمی نے کہا ہے کہ اس قسم کے امور سے یہ آیت منسوخ ہے اس نے درست بات نہیں کہی کیونکہ خاص عام کو منسوخ نہیں کرتا ہے ہاں اس کو خاص کر سکتا ہے۔ پس جب کوئی دلیل مل گئی اس پر کہ انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے حالانکہ وہ اس سعی کی نہیں ہے تو یہ آیت میں موجود عموم کے لیے مخصص ہوگا۔

سورۂ واقعہ

اس کی کل چھیانویں یا ستانویں آیات ہیں۔

علماء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ ساری سورت مکی ہے جیسا کہ حسن بصری' عکرمہ' جابر اور عطاء انہی علماء میں سے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا ہے کہ سوائے ایک آیت کے جو مدینہ میں اتری تھی وہ آیت یہ ہے:

﴿ وتجعلون رزقکم أنکم تکذبون ﴾

آیت نمبر 1:

﴿ لا یمسه الا المطهرون ﴾(۷۹) ہے۔

واحدی نے کہا ہے کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ ضمیر کتاب مکنون کی طرف

Marfat.com

راجع ہے اور مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں۔ بعض نے کہا ہے ملائکہ اور بنی آدم کے رسول مراد ہیں اور لایمسہ سے مراد حقیقی چھونا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اس کو اتارنے والے مطہر ہیں۔ بعض نے کہا ہے اس کو مطہر لوگ پڑھتے ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق کتاب مکنون سے مراد قرآن مجید ہے۔ قولہ "لا یمسہ الا المطھرون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو احداث وانجاس سے پاک ہوں۔ قتادہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

کلبی نے کہا ہے اس پاکیزگی سے مراد شرک سے پاکیزگی ہے۔ ربیع بن انس نے کہا ہے کہ اس سے غلطیوں اور گناہوں کی پاکیزگی مراد ہے۔ محمد بن فضل وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اس کتاب کو صرف موحد پڑھیں گے۔ قراء نے کہا اس کی برکت ونفع صرف مطہرون یعنی مومنوں کو ہی حاصل ہوگا۔ حسین بن فضل نے کہا اس کی تفسیر وتاویل کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے شرک اور نفاق سے پاک کردیا ہے۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ محدث کو قرآن مجید کا چھونا منع ہے۔ جناب علیؓ ابن مسعودؓ سعد بن ابی وقاصؓ سعید بن زیدؓ عطاءؒ زہریؒ نخعیؒ حکمؒ حماد اور فقہاء کی ایک جماعت مثلاً امام شافعیؒ مالک کا یہی خیال ہے۔

جناب ابن عباسؓ شعبی اور ایک جماعت مثلاً ابوحنیفہ کا خیال ہے محدث (بے وضوء) کے لیے قرآن چھونا جائز نہیں ہے۔ شوکانی نے جو حق بات تھی اس کی وضاحت منتقیٰ کی شرح میں کردی ہے اس کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔

سورۂ حدید

اس سورت کی انتیس آیات ہیں۔ قرطبی نے کہا ہے تمام علماء کہتے ہیں یہ ساری مدنی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ﴾ (۲۷) ہے۔

Marfat.com

''وہ لوگ جنہوں نے اس کی پیروی کی وہ (حواری لوگ ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دی ہے''۔

یعنی بعض کی بعض سے محبت پیدا کر دی ہے اور رحمت کا معنی ہے کہ وہ آپس میں اس کی وجہ سے پیار کرتے ہیں بخلاف یہود کے وہ اس طرح نہیں کرتے۔ رافت کا معنی ہے نرمی اور رحمت کا معنی ہے شفقت۔ بعض نے کہا ہے کہ بہت زیادہ رحمت کا نام رافت ہے۔ ''ورھبانیة ابتدعوھا'' عبارت یہ ہے ''ابتدعوا رھبانیة'' ابوعلی فارسی نے اس کو راجح قرار دیا ہے اس کا ماقبل پر عطف کرتے ہوئے۔ رہبانیت' راء کے فتحہ اور ضمہ دونوں سے ہے۔ فتحہ کی صورت میں بمعنی خوف ہے یہ رھب سے لیا گیا ہے اور ضمہ کے ساتھ رھبان کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ انہوں نے عبادت میں غلو کیا اور اپنی جانوں پر مشقتیں ڈالیں کہ کھانا بند' پینا نہیں اور نکاح نہیں کرنا' غاروں اور گرجوں میں جا کر رہنے لگے کیونکہ ان کے بادشاہوں نے تبدیلی کر دی تھی اور جو بہت تھوڑے لوگ بچے تھے وہ راہب بن گئے اور دنیا سے کٹ گئے۔

اس کا یہ معنی قتادہ اور ضحاک وغیرہ نے کیا ہے: ''ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان الله'' ہم نے اس کو ان پر فرض نہ کیا تھا مگر رضوان اللہ کے حصول کی خاطر انہوں نے ایسا کیا تھا۔ ''الا ابتغاء'' یہ استثناء منقطع ہے عبارت یہ ہوگی: ''ما کتبناھا علیھم راساً لکن ابتدعوھا ابتغاء رضوان الله فمارعوھا'' پھر انہوں نے اس رھبانیت کی پاسداری نہ کی جس کو انہوں نے از خود ایجاد کیا تھا حق رعایتھا بلکہ انہوں نے اس کو ضائع کر دیا اور دین عیسیٰ کا انکار کر دیا اور ان بادشاہوں کے دین میں داخل ہو گئے جنہوں نے اس کو تبدیل کر دیا تھا اور ترھب کو ترک کر دیا اور دین عیسیٰ پر صرف ان میں سے چند لوگ رہ گئے تھے اور اس قول ''فاتینا الذین آمنوا منھم اجرھم'' سے یہی مراد ہیں' یعنی ہم ان کو ان کا اجر دیا' ایمان لانے کی وجہ سے وہ جس کے حقدار ہیں اس کی صورت میں یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان

Marfat.com

لائے اور اس کے دین پر قائم رہے پھر آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد ان پر ایمان لے آئے۔ "وکثیر منھم فاسقون" بہت لوگ ان میں سے اس ایمان سے خارج ہو گئے جس کے ساتھ ان کو ایمان لانے کا حکم تھا۔

سورۂ مجادلہ

سورۂ مجادلہ کی بائیس آیات ہیں۔ یہ مدنی سورت ہے۔ قرطبی نے کہا ہے تمام علماء کا قول ہے سوائے ایک روایت کے جو عطاء سے ہے کہ اس کی اول دس آیات مدنی ہیں۔

آیت نمبر ا:

﴿والذین یظاھرون من نسائھم﴾ ہے۔

جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں اس طرح کہ خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پشت کی طرح ہے حضرت ابن عباس نے ایسے ہی کہا ہے معنی یہ ہوا کہ وہ لوگ منکر اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ "ثم یعودون لما قالوا" پھر وہ اپنی بات کے تدارک کے لیے لوٹتے ہیں جیسا کہ قول باری تعالیٰ: "ان تعود المثلہ ای الی مثلہ" اخفش نے کہا ہے کہ "لما قالوا" اور "الی ما قالوا" ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔ فرمایا جیسے "الحمدللہ الذی ھدانا لھٰذا" اور دوسری جگہ فرمایا: "واھدوھم الی صراط الجحیم" فرمایا: "بان ربک اوحی لھا" دوسری جگہ فرمایا: "واوحی الی نوح" ❶ فراء نے کہا ہے یہاں لام بمعنی عن ہے "ثم یرجعون عما قالوا ویریدون الوطئ" پھر وہ لوٹتے ہیں اس کہی ہوئی بات سے اور وطی کا ارادہ کرتے ہیں۔

---

❶ ان دونوں مثالوں سے مقصود ہے کہ جیسے یعود کا صلہ لام اور الی دونوں آتے ہیں اسی طرح یہدی کا صلہ بھی یہ دونوں آتے ہیں اور اسی طرح اوحی کے صلہ بھی دونوں آتے ہیں۔

Marfat.com

زجاج نے کہا ہے کہ معنی یہ ہے کہ وہ جماع کے ارادہ سے لوٹتے ہیں اپنی کہی ہوئی بات کی وجہ سے۔ اخفش نے بھی کہا ہے کہ آیت میں تقدیم وتاخیر ہے۔ معنی یہ ہوا کہ وہ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں اور پھر لوٹتے ہیں اس کی طرف کہ تھے وہ اس پر یعنی جماع کی طرف۔ "فتحریر رقبة" کہی ہوئی بات کی وجہ سے اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ علماء نے عود مذکور کی تفسیر میں کئی اقوال پیش کئے ہیں۔ اوّل: وہ ہے وطی پر عزم وارادہ کرنا' اہل عراق' ابوحنیفہ اور اس کے ساتھیوں نے یہی کہا ہے۔

امام مالک سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض نے کہا ہے وہ خاص وطی مراد ہے حسن بصری نے یہی کہا ہے اور امام مالک سے بھی یہی منقول ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ طلاق دینے کی قدرت کے باوجود ظہار کے بعد وہ اپنی بیوی کو روک کر رکھے' امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کفارہ مراد ہے معنی یہ ہوا کہ عورت سے وطی حلال ومباح نہیں ہوتی مگر کفارہ ادا کرنے کے بعد' لیث بن سعد نے یہی کہا ہے' ابوحنیفہ سے بھی یہی مروی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ظہار کا بلفظہ تکرار ہے' اہل ظاہر نے یہی کہا ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ جونسی گردن آزاد کی جائے وہی کافی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مومنہ ہونا شرط ہے جیسا کہ کفارہ قتل میں ہے۔ پہلا قول ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے' دوسرا قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے انہوں (مالک وشافعی) نے شرط لگائی ہے کہ ان میں کوئی عیب نہ ہو۔

"من قبل ان یتماسا" تماس سے مراد یہاں جماع ہے جمہور نے یہی کہا ہے' لہٰذا ظہار کرنے والے کے لیے وطی کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد ہے کہ جماع کرنا یا لمس کرنا یا شہوت سے فرج کو دیکھنا' امام مالک نے یہی کہا ہے' اور امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے۔

اور ذالکم سے اشارہ کیا ہے حکم مذکور کی طرف وہ مبتداء ہے اس کی خبر "توعظون" ہے "توعظون" کا معنی ہے تمہیں جس کا حکم دیا گیا ہے یا تمہیں ڈانٹا گیا اس کے ذریعے

Marfat.com

ظہار کا ارتکاب کرنے سے۔اس میں مقصود کا بیان ہے یعنی کفارے کا مشروع ہونا۔

زجاج نے کہا ہے معنی یہ ہوا کہ ''ذلکم التغلیظ فی الکفارة توعظون بہ'' سخت کفارہ کی تم کو وعظ کی گئی ہے یہاں تک کہ تم ظہار چھوڑ دو ''واللہ بما تعملون خبیر'' تمہارے اعمال میں سے اس پر کوئی شی مخفی نہیں ہے وہ تم کو اس پر بدلہ دیں گے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کفارہ سے عاجز کا حکم ذکر کیا ہے فرمایا: ''فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا'' جو آدمی اپنی ملکیت میں غلام نہ پائے اور نہ اس کی قیمت پر قادر ہو تو اس کے ذمہ لگا تار دو ماہ کے روزے ہیں ان میں کوئی روزہ وہ نہیں چھوڑے گا اگر اس نے افطار کر دیا تو از سر نو یہ عمل کرے گا مگر شرط یہ ہے کہ یہ افطاری بغیر کسی عذر کے ہو اور اگر کسی عذر (سفر یا مرض) کی وجہ سے افطاری ہو تو سعید بن میتب' حسن بصری' عطاء بن ابی رباح' عمرو بن دینار' شعبی' شافعی اور مالک نے کہا ہے کہ پہلے روزوں پر بنا کرے گا اور نئے سرے سے روزے شروع نہ کرے گا۔ابوحنیفہ نے کہا کہ وہ نئے سرے سے روزے رکھے گا' امام شافعی سے یہی مروی ہے۔اگر اس نے رات میں یا دن میں عمداً یا خطاءً وطی کی تو نئے سرے سے یہ عمل کرے گا۔ابوحنیفہ اور مالک نے یہی کہا ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ جب وہ رات کو وطی کرے تو از سر نو یہ عمل نہ کرے گا کیونکہ وہ روزے کا محل نہیں ہے۔''والاول اولی''۔''فمن لم یستطیع فاطعام ستین مسکینا'' ہر مسکین کے لیے دو مد ہیں یعنی آدھا صاع' ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب نے یہی کہا ہے۔امام شافعی وغیرہ نے کہا ہر مسکین کے لیے ایک مد ہے۔آیت سے ظاہر ہے کہ وہ ان کو ایک مرتبہ کھلائے یہاں تک کہ وہ سیر ہو جائیں' یا ان کو دے دے جس سے وہ سیر ہو جائیں۔اور لازم نہیں اس پر کہ وہ ان کو ایک ہی مرتبہ کھانے پر جمع کرے بلکہ جائز ہے کہ ساٹھ میں سے بعض کو آج کھلا دے بعض کو کل کھلا دے۔اور ذلک کے لفظ سے اشارہ کیا ہے پہلے احکام کی طرف ذلک مبتداء ہے اور واقع خبر مقدر ہے۔

Marfat.com

"لتومنوا باللہ ورسولہ" تاکہ تم تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا اور اس کو جاری کیا ہے' یا تم اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اوامر ونواہی میں اور حدود شرع کے پاس رک جاؤ اور ان سے تجاوز نہ کرو اور اس ظہار کی طرف نہ لوٹو جو منکر اور جھوٹ ہے' اور وتلک سے احکام مذکور کی طرف اشارہ ہے اور یہ مبتداء ہے حدود اللہ اس کی خبر ہے اس کی ان حدود سے تجاوز نہ کرو جو اس نے تمہارے لیے مقرر کی ہیں تحقیق تمہارے سامنے بیان کیا ہے کہ ظہار معصیت ہے اور اس کا مذکورہ کفارہ عفو ومغفرت کو واجب کرتا ہے۔ "وللکافرین" اور کافروں کے لیے جو حدود اللہ کے قریب نہیں ٹھہرتے اور نہ ہی عمل کرتے ہیں ساتھ اس کے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدید کی ہے اپنے بندوں کے لیے اس کا نام رکھا تغلیظاً وتشدیداً کفر رکھا ہے۔ "عذاب الیم" دردناک عذاب یعنی جہنم کا عذاب۔

سورۂ حشر

چوبیس آیات پر مشتمل ہے۔ یہ مدنی سورت ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ سب کا قول ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ ماقطعتم من لینة او ترکتموھا قائمة علی اصولھا فباذن اللہ ولیخزی الفاسقین ﴾ (۵) ہے۔

مجاہد نے کہا ہے کہ بعض مہاجرین قطع نخل میں واقع ہوئے بعض نے ان کو منع کیا اور کہا کہ وہ مسلمانوں کی غنیمتیں ہیں۔ جن لوگوں نے ان کو کاٹا تھا انہوں نے کہا یہ تو دشمن کو غصہ دلانے کے لیے کیا جا رہا ہے تو قرآن مجید نازل ہوا تصدیق کرنے کے لیے اس کی جس نے قطع النخل سے منع کیا اور جنہوں نے وہ درخت کاٹے تو ان کے گناہ کو معاف کر دیا۔ مفسرین نے "لینة" کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے زہری' مالک'

Marfat.com

سعید بن جبیر، عکرمہ اور خلیل نے کہا ہے سوائے عجوہ کھجور کو لینہ کہا جاتا ہے۔ ثوری نے کہا ہے اعلیٰ قسم کی کھجور کا نام لینہ ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا کہ سوائے عجوہ اور برنی کے ہر قسم کی کھجور کا نام لینہ ہے۔

جعفر بن محمد نے کہا ہے کہ وہ خاص عجوہ ہے، بعض نے کہا کہ کھجور کی ایک قسم ہے اصمعی نے کہا ہے کہ وہ دقل (یہ بھی ایک کھجور کی قسم ہے) ہے، لینۃ اصل میں لونۃ تھا واو ساکن کے ماقبل زیر کی وجہ سے واؤ کو یاسے بدل دیا گیا ہے۔ اس کی جمع لین ہے، بعض نے کہا ہے کہ لیان جمع ہے اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ کفار کے قلعہ جات اور ان کے گھروں کو گرانا اور جلانا اور مجانیق سے ان کو توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ان کے درخت وغیرہ کو کاٹنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح اجتہاد کے جواز پر اور مجتہدین کی درستگی پر اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے اس کی مکمل بحث کتب اصول میں ہے۔

آیت نمبر 2:

﴿ وما افآء الله علی رسوله منهم ﴾(٦) ہے۔

''کفار کے اموال جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیئے۔'' اور منھم کی ضمیر بنی نضیر کی طرف راجع ہے۔ ''فما او جفتم علیه من خیل ولا رکاب'' کہا جاتا ہے ''وجف البعیر یجف وجفاً'' اس کا معنی ہے جلدی چلنا ''او جفه صاحبه'' یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کو تیز چلنے پر ابھارا جائے اور رکاب کا اطلاق خصوصاً اونٹ پر ہوتا ہے معنی یہ ہوا کہ اس کے حصول کے لیے تم گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار نہیں ہوئے اور نہ تم نے اس کے لیے کسی مشقت کا تکلف کیا ہے اور نہ ہی تم نے اس کے ذریعے لڑائی کی ہے اور یہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے اللہ تعالیٰ نے وہ اپنے رسول کے لیے خاص کر دیا کیونکہ آپ نے اس کو صلح کی شکل میں فتح کیا تھا اور اس کے اموال پر قبضہ کیا تھا۔ اور مسلمان آپ سے سوال کرتے تھے کہ وہ مال ان کے لیے تقسیم

Marfat.com

کریں تو یہ آیت نازل ہوئی:

"ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء".

"مگر اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں میں سے جس پر چاہتے ہیں اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتے ہیں"۔

اس آیت میں بیان ہے کہ وہ اموال خاص آنحضرت ﷺ کے لیے ہیں آپ کے صحابہ کا اس میں حصہ نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ان پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے بلکہ وہ پیدل چل کر گئے ہیں انہوں نے اس بارے میں کوئی لڑائی والی شدید تکلیف برداشت نہیں کی ہے۔"واللہ علی کل شی قدیر" وہ ہر شی پر قادر ہیں جس کو چاہتے ہیں مسلط کر دیتے ہیں جس پر چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں نہیں دیتے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں ان سے سوال نہیں کیا جائے گا اور دوسروں سے پوچھا جائے گا۔

آیت نمبر 3:

﴿ما افآء اللہ علی رسولہ﴾ (۷) ہے۔

آنحضرت ﷺ کے حصہ کے بیان کے بعد اب یہ مال فئی کے مصارف کا بیان ہے' اس تکرار سے تقریر و تاکید مقصود ہے اور "من اھل القری" کو منھم کی جگہ رکھا گیا ہے بتانے کے لیے کہ یہ حکم صرف بنو نضیر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ وہ ہر اس بستی کا حکم ہے جس کو آنحضرت ﷺ صلح کی صورت میں فتح فرمائیں اور اس پر مسلمانوں نے گھوڑوں اور اونٹوں سے جہاد نہیں کیا۔ اور یہاں قریٰ سے مراد بنو نضیر' بنو قریظہ' فدک اور خیبر ہے۔ اہل علم نے اس آیت اور اس سے پہلی آیت میں اختلاف کیا ہے کیا ان کے معنی میں اتفاق ہے یا اس میں اختلاف ہے' بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا مذکورہ معنی اتفاقی ہے (ایک ہے) اور بعض نے کہا کہ اختلافی ہے اس بارے میں علماء نے بڑی لمبی گفتگو کی ہے۔

Marfat.com

ابن العربی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ اس کے تین معنی ہیں جو تین آیات میں بیان ہوئے ہیں پہلی آیت: ''ما آفآء اللہ علی رسولہ منھم'' خاص الخالص آپ کے لیے ہے اس سے بنو نضیر کے اموال اور اس جیسے دوسرے اموال مراد ہیں۔ دوسری آیت ''ماأفاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ'' ہے۔ یہ نئی کلام ہے۔

جو پہلی کلام کے علاوہ ہے یہ دوسرے مستحق کے لیے ہے' اگر چہ یہ اور پہلی آیت دونوں مشترک ہیں اس بارے میں کہ ہر ایک ''ما افاء اللہ علی رسولہ'' کو متضمن ہے۔ پہلی آیت کا تقاضا ہے کہ وہ مال بغیر قتال کے حاصل ہوا ہے اور آیت انفال نے تقاضا کیا ہے اور وہی آیت ثالثہ ہے کہ وہ مال لڑائی سے حاصل ہوا ہے اور دوسری آیت: ''ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ'' قتال اور بغیر قتال حاصل ہونے کے ذکر سے خالی ہے یہاں سے اختلاف پیدا ہو گیا ایک طائفہ کہتا ہے کہ یہ پہلی آیت سے ملحق ہے وہ ہے صلح کا مال۔ ایک طائفہ کہتا ہے کہ یہ تیسری آیت کے ساتھ ملحق ہے وہی آیت انفال ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت انفال سے ملحق ہے انہوں نے اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ منسوخ ہے یا غیر منسوخ ہے؟ یہ اس کے کلام کا خلاصہ ہے۔ امام مالک نے کہا ہے اس سورت کی پہلی آیت خاص آنحضرت ﷺ کے لیے ہے اور دوسری بنو قریظہ کے بارے میں ہے یعنی دونوں کا معنی انفال کی آیت کی طرف لوٹتا ہے۔

امام شافعی کا مذہب ہے کہ فئی کے خمس کا طریقہ اور غنیمت کے خمس کا طریقہ ایک ہی ہے اور اس کے چار اخماس آنحضرت ﷺ کے لیے ہیں آپ کے بعد مصالح المسلمین میں استعمال ہوتے ہیں۔ ''فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل'' فللہ (اللہ کے لیے ہونے) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو چاہیں حکم فرمائیں اور للرسول (رسول کے لیے

Marfat.com

ہونے) کا مفہوم ہے کہ وہ رسول کی ملک ہے اور لذی القربی (قریبی رشتہ داروں) سے مراد بنو ہاشم اور بنو المطلب ہیں کیونکہ وہی صدقہ سے روکے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مال فئی میں ان کا حصہ رکھ دیا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس مال کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اس مال کے پانچ حصے کئے جائیں چار حصے آنحضرت ﷺ کے لیے خاص ہیں پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کئے جائیں اس کا ایک حصہ آنحضرت ﷺ کے لیے اور باقی چار قسموں کے لیے چار حصے ہوں گے بعض نے کہا ہے کہ اس کے چھ حصے ہوں گے۔ ایک حصہ اللہ پاک کا ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں صرف ہوگا جیسے مساجد کی تعمیر وغیرہ۔ ”کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم“ تا کہ وہ مال فئی تمہارے مالداروں ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور فقراء محروم رہیں۔ دولت کا لفظ اس شی پر بولا جاتا ہے جس کو لوگ آپس میں استعمال کریں کبھی اس کے پاس ہے تو کبھی اس کے پاس ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اغنیاء فقراء پر غلبہ حاصل کر کے اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کے سامنے اس مال کے مصارف بیان کئے اور ان کو حکم دیا کہ آنحضرت ﷺ کی اقتداء کریں فرمایا ”وما اتاکم الرسول فخذوہ“ آنحضرت ﷺ جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں سے دیں اس کو لے لو۔

”وما نھاکم عنه فانتھوا“ اور جس مال کے لینے سے تم کو منع کر دیں اس سے باز آ جاؤ وہ نہ لو۔ حسن بصری اور سدی نے کہا ہے کہ مال فئی میں سے جو کچھ وہ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس کا مطالبہ نہ کرو۔ ابن جریج نے کہا کہ وہ نبی جو کچھ تمہیں میری طاعت کے بارے میں کہیں وہ کرو اور میری جس معصیت سے منع کریں اس سے باز آ جاؤ۔ حق بات یہ ہے کہ یہ عام ہے ہر اس مسئلہ کو شامل ہے جو بھی آنحضرت ﷺ لے کر آئے ہیں خواہ وہ امر ہو یا نہی' قول ہو یا عمل۔ اگرچہ سبب ہو مگر حکم عام ہوتا ہے اور حکم لگانے میں سبب خاص کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر وہ شی

Marfat.com

جو ہمارے پاس آئی ہے وہ اس نے ہمیں دی ہے اور اس کو ہم تک پہنچایا ہے۔

یہ آیت بہت نفع بخش اور کثیر الفائدہ ہے۔ پھر جب ان کو حکم دیا اس چیز کے لینے کا جس کے لینے کا حکم نبی نے ان کو دیا اور حکم دیا اس چیز کے ترک کرنے کا جس سے نبی نے منع کیا تھا تو پھر ان کو اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا اور ان کو سخت سزا کا خوف دلایا۔ فرمایا: "واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب" لہٰذا وہ سزا دیں گے اس کو جس نے رسول کا امر قبول نہ کیا اور نہ ہی اس نے اس کی ممنوع چیز کو ترک کیا۔

سورۃ الممتحنۃ

سورۃ الممتحنۃ کی تیرہ آیات ہیں۔ قرطبی نے کہا ہے کہ تمام علماء کا خیال ہے کہ یہ مدنی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿لا ینھاکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم﴾ ہے۔

"اللہ پاک تمہیں نہیں منع کرتے ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی اور نہ ہی تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے"۔

"ان تبروھم" "الذین" سے بدل اشتمال ہے وتقسطوا الیھم "اقسطت الی الرجل" اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اس کے ساتھ عدل والا معاملہ کرے۔ زجاج نے کہا ہے معنی یہ ہوا تم معاہدہ پورا کر کے عدل کرو آپس میں اور ان کے درمیان بھی۔ "ان اللّٰہ یحب المقسطین" مقسطین بمعنی انصاف کندگان۔ آیت کا معنی یہ ہوا کہ بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نہیں منع کرتے کفار کے ان معاہدین سے نیکی کرنے سے جنہوں نے مومنوں سے ترک قتال پر اور کفار سے عدم تعاون پر معاہدہ کیا

Marfat.com

ہے اور وہ ان سے عدل وانصاف سے معاملہ کرنے سے بھی منع نہیں کرتے۔

ابن زید نے کہا ہے کہ یہ آغاز اسلام کی بات ہے جب صلح کا وقت تھا اور قتال کا امر متروک تھا پھر وہ منسوخ ہو گیا۔ قتادہ نے کہا ہے کہ اس کا حکم ''فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم'' سے منسوخ ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ اور قریش کے مابین ثابت تھا جب فتح مکہ کے ذریعے صلح ختم ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ حکم خاص آنحضرت ﷺ کے خلفاء میں اور اس آبادی میں کہ اس میں اور دوسرے کے درمیان معاہدہ ہو' حسن بصری نے یہی کہا ہے۔

کلبی نے کہا ہے کہ وہ خزاعہ اور بنو الحارث بن منا[illegible] ہیں۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو ایمان تو لائے مگر ہجرت انہوں نے نہ کی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ خاص ہے۔ امام قرطبی نے اکثر اہل التاویل سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت محکم (غیر منسوخ) ہے۔ پھر رب سبحانہ وتعالیٰ نے اس گروہ کا ذکر کیا ہے جس کے ساتھ نہ نیکی حلال ہے اور نہ عدل کا معاملہ صحیح ہے۔

فرمایا: ''انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم'' اللہ پاک تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتے ہیں جو تمہارے ساتھ دین پر لڑتے ہیں اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے بھی نکال دیا ہے یہ ہیں قریش کے بڑے بڑے کافر۔

''وظاھروا علی اخراجکم'' اور انہوں نے ان لوگوں سے معاونت بھی کی ہے جنہوں نے تم سے لڑائی کی ہے اور تم کو گھروں سے بھی نکال دیا ہے اس سے اہل مکہ اور ان کے معاہدین مراد ہیں۔ ''ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون'' جنہوں نے ان سے دوستی کی وہ سب سے بڑے ظالم لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے ان سے دوستی کی ہے جن سے عداوت ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ اللہ پاک' اس کے نبی ﷺ اور اس کی کتاب کے دشمن ہیں اور ان لوگوں نے ان کو اپنا اولیاء اور دوست بنا لیا ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 2:

﴿ یاایھاالذین آمنوا اذا جاء کم المؤمنات مھاجرات ﴾(۱۰) ہے۔
''اے اہل ایمان کفار کا ساتھ چھوڑ کر جب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لیا کرو''۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ والے دن کفار سے صلح کی تھی اس شرط پر کہ جو مکہ سے مسلمان ہو کر تمہارے پاس آئے گا تم نے وہ مسلمان ہمیں واپس کرنا ہوگا جب عورتوں نے آپ کی طرف ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی طرف ان کی واپسی ممنوع قرار دے دی اور حکم دیا کہ ان کا امتحان لو فرمایا: ''فامتحنوھن'' ان کا امتحان لو اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ جس چیز کے ساتھ ان کا امتحان لیا گیا اس بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے اللہ پاک کی قسم لی جاتی تھی کہ وہ اپنے خاوند کی عداوت کی بنا پر نہیں آئیں نہ ہی اپنی زمین سے اعراض کر کے آئی ہیں اور نہ ہی دنیا طلبی کی خواہش لے کر آئی ہیں بلکہ اللہ پاک اور اس کے نبی کی محبت اور ان کے دین کی حب لے کر آئی ہیں جب وہ یہ حلف اٹھا لیتیں تو آنحضرت ﷺ اس کے خاوند کو اس کا مہر اور اس پر خرچ کیا گیا مال واپس کر دیتے اور اس کو واپس نہ کرتے۔

بعض نے کہا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیتیں' بعض نے کہا ہے کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ ان پر تلاوت فرماتے یعنی ''یاایھاالنبی اذا جاءک المومنات الخ''۔ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ کیا صلح کے عہد میں عورتیں داخل تھیں یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ دخول مان لینے کی صورت میں یہ آیت اس عہد کی مخصص ہو جائے گی اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے اور عدم دخول کی صورت میں نہ نسخ ہوگا نہ تخصیص ہوگی۔ ''اللہ اعلم بایمانھن'' یہ جملہ معترضہ ہے جس کی غرض یہ ہے کہ ان کی حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لیے تمہیں اس کا پابند نہیں کیا بلکہ تمہیں ان کا امتحان لینے کا

Marfat.com

حکم دیا ہے تا کہ رغبت فی الاسلام کے دعویٰ پر ان کی سچائی تمہارے سامنے ظاہر ہو جائے۔

''فان علمتموھن مؤمنات'' اگر تمہیں امتحان کے بعد بحسب الظاہر معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو ''فلا ترجعوھن الی الکفار'' ان کو ان کے کفار خاوندوں کی طرف مت لوٹاؤ۔ ''لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن'' یہ ان کو واپس نہ کرنے کی علت ہے اس میں دلیل ہے کہ مومنہ کافر کے لیے حلال نہیں ہے اور عورت کا اسلام لانا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے خاوند سے الگ ہو جائے صرف ترک کرنا مراد نہیں ہے۔ یہاں تکرار تاکید حرمت کے لیے ہے' یا اوّل کے ذریعے بیان کرنا ہے کہ قدیم نکاح ختم ہو چکا ہے اور دوسرا جملہ بتاتا ہے کہ نیا نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

''واتوھم'' اور دے دوان عورتوں کے خاوندوں کو جن عورتوں نے ہجرت کی اور اسلام قبول کیا ''مثل ما انفقوا'' مثل اس کے جو انہوں نے ان پر مہر خرچ کیے۔ امام شافعی نے کہا جب اس کو غیر زوج بلا عوض طلب کرے اس کے قرابات میں سے تو منع کیا جائے گا یعنی اس کو نہ دیا جائے گا۔

''ولا جناح علیکم ان تنکحوھن'' تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کرو کیونکہ اب وہ تمہارے دین والی ہیں۔ ''اذا اتیتموھن اجورھن'' جب ان کو ان کے مہر دے دو اور یہ ان کے عدت گزارنے کے بعد کی بات ہے جیسا کہ اس پر وجوب العدت کی ادلہ دلالت کرتی ہیں۔ ''ولا تمسکوا بعصم الکوافر'' جمہور نے لا تمسکوا کو امساک سے لیا ہے اسی قرأت کو ابوعبید نے فامسکوھن کو دیکھتے ہوئے اختیار کیا ہے' حسن' ابوالعالیہ اور ابوعمرو نے تمسک (تشدید) سے پڑھا ہے۔ عصم عصمت کی جمع ہے یہ ما یعتصم کا نام ہے یہاں مراد عقد نکاح کی عصمت ہے معنی یہ ہوا کہ جس آدمی کی بیوی کافر ہو وہ اس کی بیوی نہیں ہے کیونکہ اختلاف دین کی بنا پر ان میں عصمت منقطع ہو چکی ہے۔ نخعی نے کہا ہے کہ وہ مسلمان عورت جو دار الحرب میں گئی پس وہ کافر ہو گئی۔ اور کافر مسلمان مردوں سے اپنی بچیوں کا نکاح کر دیا کرتے

Marfat.com

تھے اور مسلمان مشرک عورتوں سے شادی کر لیتے تھے پھر رب تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے اس کو منسوخ کر دیا۔ یہ کافرات مشرکات کے ساتھ خاص ہے اہل کتاب کی کافرات سے نہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ عام کافر عورتوں کو شامل ہے پھر کتابیات کو نکال کر اس کو مخصوص بنا دیا گیا ہے جمہور علماء کا خیال ہے کہ جب کوئی بت پرست عورت یا کوئی کتابی عورت مسلمان ہو جائے تو ان میں تفریق نہیں ہوگی مگر انقضاء عدت کے بعد۔ بعض نے کہا ہے کہ صرف خاوند کے مسلمان ہونے سے ان میں تفریق ہو جائے گی یہ اس صورت میں ہے کہ جب عورت مدخول بھا ہو اور جب وہ غیر مدخول بھا ہو تو اہل علم کا اتفاق ہے کہ ان کے درمیان میں عصمت ختم ہو جائے گی کیونکہ اس پر کوئی عدت نہیں ہوتی۔ "واسئلوا ما انفقتم ولیسألوا ما انفقوا" تم مسلمان اپنی عورتوں کے مہر مانگ لو جو کفار کے ہاں چلی گئی ہیں۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اہل عہد میں سے جو مسلمان عورت مرتد ہو کر کفار کے ہاں چلی جائے تو کفار سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اس کا مہر ادا کرو اور مسلمانوں سے کہا جائے گا کہ جب کوئی کافر عورت مسلمانوں کے پاس آ جائے اور آ کر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کے کافر خاوند کو اس کا مہر ادا کرو۔ "ذلکم" یہ مذکورہ چیز یعنی دونوں طرف سے مہر کی واپسی "حکم الله" اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ "یحکم بینکم والله علیم حکیم" وہ تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ اس زمانہ کے ساتھ خاص تھا خاص کر اسی واقعہ میں اس پر اہل اسلام کا اجماع ہے جب پہلی آیت اتری تو مسلمانوں نے کہا کہ ہم اللہ کے حکم پر راضی ہیں اور پھر انہوں نے مشرکین کو لکھا تو وہ راضی نہ ہوئے تو یہ قول باری تعالیٰ اترا: "فان فاتکم شی من ازواجکم" اگر تمہاری دی ہوئی چیز میں سے کوئی تم سے فوت ہو جائے تمہاری بیویوں کی بابت سے یعنی تمہاری مسلمان بیویوں کے مہر۔

Marfat.com

بعض نے کہا کہ اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت کفار کے پاس چلی جائے اور وہ مرتد ہو جائے "فعاقبتم" بقول واحدی مفسرین نے کہا ہے "عاقبتم" بمعنی "غنمتم" اور زجاج نے کہا اس کا مقصد یہ ہے کہ غنیمت تمہارے لیے ہے یعنی تم غنیمت پاؤ۔ "فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا" تو تم دے دو ان لوگوں کو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں مثل اس کے جو انہوں نے خرچ کیا یعنی ان مہاجر عورتوں کا مہر جن سے انہوں نے شادی کی ہے اور وہ مہر انہوں نے کفار کو دے دیا ہے اور نہ دو وہ اس کے کافر زوج کو۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے کہ ان کو حکم ہوا ہے کہ وہ دے دیں ان کو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں مثل اس کے جو انہوں نے خرچ کیا یعنی مال فی اور غنیمت سے' یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اس کا حکم فتح مکہ کے بعد منقطع ہو گیا ہے ایک قوم کا خیال ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے۔ "واتقوا اللہ الذی انتم بہ مسلمون" ڈرو کہ تم کسی ایسی چیز کا ارتکاب کرو جو تمہاری سزا کو واجب کر دے کیونکہ وہ ایمان جس سے تم متصف ہو وہ مسلمان پر خوف واجب کرتا ہے۔

آیت نمبر 3:

﴿ یاایھاالنبی اذا جاءک المومنات یبا یعنک ﴾ ہے۔

"اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں اسلام پر بیعت کے لیے حاضر ہوں "علی أن لا یشرکن باللہ شیئاً" اس شرط پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گی یعنی کسی قسم کی کوئی بھی شئ"۔

یہ فتح مکہ کے دن کی بات ہے کیونکہ اہل مکہ کی عورتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیعت کے لیے آئی تھیں اللہ نے آپ کو حکم فرمایا کہ ان سے عہد لو کہ وہ شرک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ "علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن" یعنی جیسے اہل جاہلیت زندہ درگور کیا کرتے تھے۔ "ولا یاتین ببھتان بین ایدیھن وارجلھن"

Marfat.com

یعنی وہ اپنے خاوندوں کے ساتھ کسی ایسے بچے کو نہیں ملائیں گی جو ان سے پیدا نہیں ہوا۔ فراء نے کہا ہے کہ کوئی عورت کسی مولود کو اٹھاتی اور اپنے خاوند سے کہتی کہ یہ میرا بیٹا آپ سے پیدا ہوا ہے' یہ بہتان ہے جو ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں گھڑا گیا ہے وہ اس طرح کہ جب ماں بچے کو جنم دیتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گر جاتا ہے' یہاں یہ مراد نہیں کہ اس نے اپنے بچے کی نسبت کی ہے زنا کی وجہ سے اپنے خاوند کی طرف کیونکہ یہ تو نہی عن الزنا کے تحت داخل ہے۔ "**ولا یعصینک فی معروف**" وہ آپ کی نافرمانی نہ کریں ہر اس کام میں جو اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے۔ عطاءؒ نے کہا کہ معروف سے مراد بر و تقویٰ ہے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ معروف سے مراد ہے نوحہ نہ کرنا' کپڑے نہ پھاڑنا' بال نہ کھینچنا' گریبان چاک نہ کرنا' چہرے کو نہ نوچنا اور ہلاکت کی دعا نہ کرنا۔ اسی طرح کہا قتادہ' سعید بن مسیب' محمد بن سائب اور زید بن اسلم نے۔

قرآن کا معنی اس سے بھی وسیع ہے جو انہوں نے کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ معروف کی قید اس لئے لگائی ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ اس کا حکم دیا کرتے تھے (اور یہاں ذکر محض) تنبیہ کے لیے کیا ہے اور تنبیہ اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ "فبایعھن" یہ اذا کا جواب ہے مقصد یہ ہوا کہ جب وہ آپ سے بیعت کریں ان ساری مذکورہ چیزوں پر تو آپ ان سے بیعت کرلیں۔ ان کی بیعت میں نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج کا ذکر نہیں کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واضح بات ہے کہ یہ امور ارکان دین اور شعائر اسلام میں سے ہیں (ان کو بیان کی ضرورت نہ تھی) ان امور مذکورہ کو خاص کر ذکر کیا کیونکہ ان چیزوں کا عورتوں کی طرف سے کثرت سے وقوع ہوتا ہے۔

"واستغفر لھن اللہ" اس بیعت کے بعد ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرو۔ "ان اللہ غفور رحیم" اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بہت معاف کرنے والے اور ان پر رحم کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

سورۂ جمعہ

اس سورۂ کی گیارہ آیات ہیں۔ یہ مدنی سورت ہے۔ قرطبی نے کہا یہ سب علماء کا قول ہے۔

آیت نمبر 1:

قولہ: ''یاایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ'' جب نماز کی نداء دی جائے اس سے مراد وہ آذان ہے کہ جمعہ والے دن جب امام منبر پر بیٹھتا ہے (تو کہی جاتی تھی) آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس کے سواء کوئی نداء اور اذان نہ تھی۔ ''من یوم الجمعۃ'' یہ اذا کا بیان اور تفسیر ہے ابوالبقاء نے کہا ہے کہ من سے مراد فی ہے۔ ''فاسعوا الی ذکر اللہ'' معنی یہ ہوا کہ جب جمعہ کے دن آذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف چلو۔ عطاء نے کہا ہے کہ سعی کا معنی ہے نماز کی طرف جانا اور چلنا' فراء نے کہا ہے مشی' سعی اور ذہاب کا ایک ہی معنی ہے جناب عمر اور جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرأت ''فامضوا الی ذکر اللہ'' (بمعنی چلنا) اس پر دال ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد قصد وارادہ ہے۔ حسن بصری نے کہا کہ واللہ یہ سعی علی الاقدام نہیں ہے یعنی دوڑنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد دلوں کا قصد اور نیت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سعی سے مراد عمل ہے جیسے قول باری تعالیٰ ہے:

''من اراد الآخرۃ وسعی لھا سعیھا وھو مؤمن''۔

اور قول باری تعالیٰ: ''ان سعیکم لشتی''۔

اور قول باری تعالیٰ: ''و ان لیس للانسان الا ما سعی''۔

ان ساری آیات میں سعی کا معنی عمل ہے۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یہی جمہور علماء کی تحقیق ہے۔ ''وذروا البیع'' کاروبار ترک کردو اور تمام معاملات کا یہی حکم ہے' حسن بصری نے کہا کہ جب مؤذن جمعہ کے دن آذان کہے تو بیع وشراء (کاروبار)

Marfat.com

حلال نہیں رہتا' اورذلکم کے ذریعے اشارہ ہے۔"سعی الی ذکر اللہ وترک البیع" کی طرف اور وہ مبتداء ہے خیر لکم خبر ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اطاعت میں اجر وجزاء ہے اور اس کے معدوم ہونے سے اس کا عدم ہوتا ہے جب وہ موجب للعقوبۃ نہ ہو۔"ان کنتم تعلمون" اگر تم جانتے ہوتے تو تم پر مخفی نہیں کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے یا"ان کنتم تعلمون فاختاروا ذلک" اگر تم جانتے ہوتو اس کو پسند کرلو۔

سورۃ منافقین

اس سورۃ کی گیارہ آیات ہیں۔قرطبی نے کہا ہے کہ تمام ائمہ کا خیال ہے کہ یہ مدنی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ اذا جاءک المنافقون ﴾ ہے۔یعنی جب وہ آپ کے پاس پہنچیں اور آپ کی مجلس میں حاضر ہوں تو کہتے ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں۔"قالوا نشھد انک لرسول اللہ" انہوں نے اپنی شہادت کی إنَّ اور لام سے تاکید کی ہے بتانے کے لیے کہ یہ شہادت ان کے خلوص اعتقاد کے ساتھ صمیم قلب سے صادر ہوئی ہے۔ یہاں منافقین سے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مراد ہیں اور نشھد کا معنی نحلف ہے اور یہ قائم مقام قسم کے ہے اسی وجہ سے جواب قسم ایسا معنی آیا ہے جو جواب قسم ہوا کرتا ہے۔"واللہ یعلم انک لرسولہ" یہ جملہ معترضہ ہے جو ماقبل کے مضمون کی تقریر کے لیے ہے وہ مضمون یہ ہے جو انہوں نے شہادت ظاہر کی ہے اگرچہ ان کے اندرون اس کے خلاف تھے۔"واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون"''اللہ تعالیٰ گواہ ہیں کہ منافقین جھوٹے ہیں' یعنی اپنی اس شہادت میں جو انہوں نے صمیم قلب اور خلوص اعتقاد سے دی تھی نہ کہ اپنی کلام کے منطوق میں یعنی رسالت کی گواہی دینے میں کیونکہ

Marfat.com

وہ تو حق ہے معنی یہ ہوا کہ ''واللہ یشھد انھم لکاذبون فیما تضمنہ کلامھم من التاکید الدال علی ان شھادتھم بذالک صادرۃ عن خلوص اعتقاد وطمانینۃ قلب وموافقۃ باطن لظاھر''۔

سورۂ طلاق

اس سورۃ کی گیارہ یا بارہ آیات ہیں۔ بقول امام قرطبی کے تمام علماء کا خیال ہے کہ یہ مدنی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ یاایھاالنبی اذا طلقتم النسآء ﴾ (۱) ہے۔

رب تعالیٰ نے آپ کی تعظیم کی خاطر اولاً آپ کو خطاب کیا پھر آپ کو اپنی امت کے ساتھ خطاب کیا یا یہ آپ کو خاص خطاب ہے اور جمع برائے تعظیم ہے اور امت بھی اس میں برابر کی شریک ہے معنی یہ ہوا کہ جب تم ان کو طلاق دینے کا پورا اور پکا عزم کر چکے ہو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت کے وقت جیسے فرمایا: ''فطلقوھن لعدتھن'' عبارت یہ ہوگی ''فطلقوھن مستقبلات لعدتھن'' یا ''فی قبل عدتھن'' یا ''لقبل عدتھا'' یا ''لزمان عدتھن'' ان سب کا معنی ہے عدت کے وقت میں طلاق دو اور وہ طہر کا وقت ہے۔ مقصد یہ ہوا کہ ان کو طلاق دو ایسے طہر میں جس میں جماع نہیں ہوا پھر ان کو اسی حالت میں چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت گزر جائے جب تم نے اس طرح طلاق دی تو تم نے ان کو ان کی عدت کے وقت میں طلاق دی ہے۔

''واحصوا العدۃ'' ''اور عدت کو شمار کرو'' اور اس وقت کو یاد کرو جس میں طلاق واقع ہوئی ہے یہاں تک کہ عدت مکمل ہو جائے اور وہ تین طہر ہے اور یہ خطاب ازواج (خاوندوں) کو ہے' بعض نے کہا کہ یہ زوجات کو خطاب ہے۔ بعض نے کہا کہ

Marfat.com

بالعموم مسلمانوں کو خطاب ہے۔ اول بہت بہتر ہے کیونکہ ضمائر سب کی سب انہی کی طرف راجع ہیں۔ ''واتقوا الله ربکم'' ''اپنے رب سے ڈرو'' جو کچھ اس نے تمہیں حکم دیا ہے اس کی نافرمانی نہ کرو اور نہ ہی ان کو تکلیف دو۔ ''ولا تخرجوھن من بیوتھن'' ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو طلاق کے وقت جن میں وہ مقیم تھیں جب تک وہ عدت میں ہیں۔ تاکید نہی کے لیے بیوت کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے حالانکہ وہ گھر ان کے ازواج کے ہیں اور نیز یہ بیان کرنا ہے کہ کمال استحقاق ان کو حاصل ہے ٹھہرنے کا اس عدت کی مدت میں۔ اس کی مثل یہ قول بھی ہے: ''واذکرن ما یتلی فی بیوتکن'' اور قول باری تعالیٰ: ''وقرن فی بیوتکن'' بھی اس کی مثل ہے۔ پھر خاوندوں کو منع کیا کہ وہ ان کو ان گھروں سے نکالیں جن میں طلاق واقع ہوئی ہے اور وہ وہاں رہائش پذیر تھیں۔ پھر بیویوں کو منع کیا ہے کہ وہ بھی نہ نکلیں فرمایا: ''ولا یخرجن'' وہ ان گھروں سے نہ نکلیں جب تک وہ عدت گذار رہی ہیں۔ مگر کسی ضروری کام کے لیے جا سکتی ہیں بعض نے کہا ہے مقصد یہ ہے کہ وہ خود نہ جائیں الا یہ کہ ان کے شوہر ان کو اجازت دیں والاولیٰ اولیٰ۔ ''الا ان یاتین بفاحشة مبینة'' یہ جملہ اولیٰ ''لا تخرجوھن من بیوتھن'' سے استثناء ہے نہ کہ دوسرے جملے سے' واحدی نے کہا کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ زنا کرے تو اس پر حد قائم کرنے کے لیے اس کو نکالا جائے (تو جائز ہے)۔

امام شافعی وغیرہ نے فرمایا کہ فاحشہ سے مراد ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ گھر میں رہتے ہیں وہ ان سے گندی زبان بولے' مصحف ابی میں جو عکرمہ نے کہا ''الا ان یفحشن علیکم'' بھی اس کی تائید کرتا ہے' بعض نے کہا کہ ''الا ان یخرجن تعدیاً'' مقصد یہ ہے الا یہ کہ وہ بطور تعدی کے نکل جائیں کیونکہ ان کا اس صورت میں نکلنا فعل فاحش ہے یہ تفسیر بعید از فہم ہے۔

''تلک حدود الله'' یہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بیان

Marfat.com

کیے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جو ان کے لیے مقرر ہیں ان سے تجاوز کرنا ان کے لیے حلال نہیں ہے۔ "ومن یتعد حدود الله" جو حدود الٰہی کو پھلانگے گا یا ان میں سے کسی کو حلال سمجھے گا۔ "فقد ظلم نفسه" "تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے" کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کی جگہ پہنچایا ہے اور اس نے اپنے نفس کو ضرر کے مقامات میں ڈالا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سزا کا وہ حقدار ہے کیونکہ یہ حدود الٰہی سے اس نے تجاوز کیا ہے اور اس کی علامات کو پامال کیا ہے۔ "لا تدری لعل الله یحدث بعد ذلک امرا"۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ تمام مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں امر سے رجوع کرنے میں رغبت مراد ہے' مقصد یہ ہوا کہ ایک طلاق دینے کی اسے تحریض وانگیخت ہے اور تین طلاقیں دینے سے روکنا مقصود ہے۔ کیونکہ جب کوئی آدمی تین طلاقیں دے گا تو اپنے آپ کو تکلیف دے گا کیونکہ وہ فراق وعلیحدگی پر پشیمان ہوگا اور رجوع کی طرف راغب ہوگا اب وہ رجوع کی کوئی صورت نہ پائے گا۔ مقاتل نے کہا ہے بعد ذلک کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق یا دو کے بعد رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔ واحدی نے کہا ہے کہ امر سے مراد وہ امر ہے جو آدمی کے دل میں ایک یا دو طلاقوں کے بعد رجوع کی محبت پیدا کرتا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ جب آدمی ایک وقت میں تین طلاقیں دے تو "لعل الله یحدث بعد ذلک امرا" کا کوئی مقصد نہ ہوا۔

آیت نمبر 2:

﴿ فاذا بلغن اجلهن ﴾ (۲) ہے۔

"جب ان کی عدت ختم ہونے کے قریب آجائے"۔

"فامسکوهن بمعروف" "تو ان کو روک لیں"۔ اچھی زندگی گزارنے کے لیے اور ان میں رغبت کرتے ہوئے ان سے رجوع کرلو ان کو تکلیف دینا مقصود نہ ہو۔ "او فارقوهن بمعروف" ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت گزر جائے پھر وہ اپنے نفوس کی مالک بن جائیں گی اس بات کے ساتھ کہ جو حقوق ان کے تمہارے

Marfat.com

ذمہ ہیں ان کو پورا کیا جائے اور ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ ”وأشهدوا ذوی عدل منکم“ اپنے میں سے دو عدل والوں کو رجوع پر گواہ بنالو۔ بعض نے کہا کہ طلاق پر گواہ بنالو۔ بعض نے کہا کہ دونوں پر گواہ بنانا مراد ہے جھگڑا ختم کرنے اور مادہ خصومت کو نابود کرنے کے لیے۔ یہ امر برائے ندب ہے جیسے اللہ کے اس قول ”و أشهدوا اذا تبايعتم“ میں ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ امام شافعی کا یہی خیال ہے انہوں نے کہا رجوع کے لیے گواہ بنانا واجب ہے اور جدائی کے لئے مندوب ہے، اور اسی طرف گئے ہیں امام احمد بن حنبلؒ، اور امام شافعیؒ کا ایک قول ہے رجوع میں شہادت کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ تمام حقوق کا یہی حکم ہے۔ امام ابوحنیفہ اور احمد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ”واقيموا الشهادة لله“ یہ گواہوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تقرب ورضا کے لیے گواہی دیں۔ بعض نے کہا کہ یہ شوہروں کو حکم ہے کہ وہ رجوع کے وقت شہادت قائم کریں پھر قول باری تعالیٰ: ”وأشهدوا ذوی عدل منکم“ میں حکم ہے نفس شہادت قائم کرنے کا، اور اس قول باری تعالیٰ ”و أقيموا الشهادة“ میں حکم ہے کہ شہادت خالص لوجہ اللہ ہو۔ ”ذلكم“ یہ امر بالاشہاد اور شہادت قائم کرنا اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو وعظ کی جاتی ہے۔

”يوعظ به من كان يومن بالله واليوم الاخر“ مؤمن کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ مومن ہی کو اس دن فائدہ حاصل ہوگا نہ کہ دوسروں کو۔ ”ومن يتق الله يجعل له مخرجا“ جو رب تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے شدائد ومحن سے نکلنے کا راستہ بنا دیں گے۔ ”ويرزقه من حيث لا يحتسب“ اللہ تعالیٰ اس کو رزق دیں گے ایسے طریقے سے جو اس کے دل میں بھی نہ کھٹکے گا اور نہ وہ اس کے حساب میں ہوگا۔ شعبی اور ضحاک نے کہا ہے کہ یہ حکم خاص کر طلاق کے بارے میں ہے کہ جس

Marfat.com

نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق طلاق دی عدت کے اندر اس کے لیے کوئی نہ کوئی رجوع کا راستہ بن جائے گا وہ بھی عدت کے بعد منگنی کرنے والوں سے ہوسکتا ہے۔

کلبی نے کہا جو آدمی اللہ سے ڈر کر معصیت کے وقت صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم سے جنت تک جانے کا راستہ بنا دیں گے۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے منہیات سے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دیں گے۔ ابوالعالیہ نے کہا کہ ہر قسم کی تنگی سے جو لوگوں پر آئی ہے اس سے راستہ بنا دیں گے۔ حسین بن فضل نے کہا ہے کہ جو آدمی فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے سزا سے بچنے کا راستہ بنا دیں گے اور اس کو اس کے گمان سے بالاتر ثواب دیں گے یعنی جو کچھ اس کو دیا ہے اس میں خیر و برکت دیں گے۔ سہل بن عبداللہ نے کہا کہ جو آدمی اتباع سنت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اہل بدعت کی سزا سے بچنے کے لیے راستہ بنا دیں گے اور اس کو جنت دیں گے ایسے طریقے سے کہ جس سے اس کو گمان بھی نہ تھا اس کے علاوہ کئی وجوہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کا ظاہر عموم کا متقاضی ہے کسی نوع کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور داخل ہے وہ جس میں سیاق ہے دخول اول کے ساتھ۔ "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" جو آدمی اللہ تعالیٰ پر وثوق کرے گا ان چیزوں میں جو اس کو پیش آئی ہیں اللہ تعالیٰ اس کو مہمات میں کافی ہوں گے۔ "ان اللہ بالغ امرہ" بلاشبہ اللہ پاک پہنچنے والے ہیں اس کو جو وہ ارادہ کرتے ہیں کسی کام کا' اس سے کوئی شی بے قابو نہیں ہے اور کسی مطلوب سے وہ عاجز نہیں ہیں یا وہ اپنا حکم نافذ و جاری کرنے والے ہیں کوئی بھی اس کو رد نہیں کرسکتا۔

"قد جعل اللہ لکل شی قدرا" ہر چیز کے لیے انہوں نے ایک اندازہ اور وقت مقرر کر رکھا ہے یا مقدار مقرر کی ہے پس رب تعالیٰ نے سختی کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے جہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جائے گی اور آسانی کے لیے بھی ایک وقت ہے جہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جائے گا' سدی نے کہا ہے کہ وہ حیض اور عدت کی مقدار ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 3:

﴿ واللائی یئسن من المحیض من نسآئکم ﴾ (۴) ہے۔

یہ وہ عمر رسیدہ عورتیں ہیں جن کا حیض ختم ہو گیا ہے اور وہ اس کی امید نہیں رکھتیں۔ ''ان ارتبتم'' اگر تمہیں شک ہو اور تم ان کی عدت سے ناواقف ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ ''فعدتھن ثلاثۃ اشھر'' و ''اللائی لم یحضن'' اور وہ عورتیں جو چھوٹی ہیں اور حیض کی عمر کو وہ نہیں پہنچیں تو ان کی بھی عدت تین ماہ ہی ہے ان کا حکم ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ماقبل والے مسئلہ نے اس پر دلالت کر دی ہے۔ ''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن'' ان کی انتہاء عدت وضع حمل ہے آیت کا ظاہر ہے کہ حوامل کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ مطلقات ہوں یا ان کے خاوند فوت ہوئے ہوں' اس مسئلہ پر مکمل بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اور ہم نے تحقیق کر دی ہے اس آیت میں اور دوسری آیت: ''والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشراً'' میں' بعض نے کہا ''ان ارتبتم'' کا معنی ہے اگر تمہیں یقین ہو' مگر ابن جریر نے شک کے معنی کو ہی ترجیح دی ہے اور وہی ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ اگر تمہیں شک ہے ان کے حیض میں اور ان کا حیض ختم ہو چکا ہے اور وہ عورت ان عورتوں کی مثل ہے جن کو حیض آتا ہے' مجاہد نے کہا ہے اس کا معنی ہے کہ تم الیسہ اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت کو نہیں جانتے تو ان کی عدت یہ ہے۔ بعض نے کہا ہے اگر تمہیں ان کے خون کے بارے میں شک ہو جو ان کو آ رہا ہے کہ کیا وہ حیض ہے یا نہیں بلکہ استحاضہ ہے تو ان کی عدت تین ماہ ہیں۔

''ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا'' کہ جو آدمی اللہ پاک سے ڈرے گا اس کے اوامر تسلیم کرے گا اور اس کی منہیات سے باز آئے گا تو اللہ پاک اس پر اس کا معاملہ دنیا و آخرت میں آسان فرما دیں گے۔ ضحاک نے کہا جو اللہ پاک

Marfat.com

سے ڈرے گا سنت کے مطابق طلاق دے گا تو اللہ پاک اس کے معاملہ میں (رجوع کرنے میں) آسانی کردیں گے۔ مقاتل نے کہا ہے کہ جو آدمی اجتناب معاصی میں اللہ پاک سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے معاملہ میں آسانی کردیں گے کہ اس کو طاعت و تسلیم کی توفیق دے دیں گے۔

آیت نمبر 4:

﴿ اسکنوھن من حیث سکنتم ﴾ (٦) ہے۔

جہاں تم خود ٹھہرے ہو ان کو بھی وہاں ہی ٹھہراؤ۔ یہ عورتوں کے سکنیٰ اور گھر کا بیان ہے اور من برائے تبعیض ہے معنی ہوگا۔ "اسکنوھن بعض سکناکم" بعض نے کہا ہے کہ من زائدہ ہے۔ "من وجدکم" اپنی گنجائش اور طاقت کے مطابق (ان کو گھر مہیا کرو) وجد کا معنی ہے قدرت۔ فراء نے کہا کہ (بقول) رب تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جو کوئی (حسب طاقت) پائے۔ اگر وہ مالدار ہے تو اس سے کہا جائے کہ اس عورت کے لیے گھر اور نفقہ میں وسعت اختیار کر اگر وہ فقیر ہے تو اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔ قتادہ نے کہا اگر تو نہ پائے مگر ایک گھر کا ایک کنارہ تو اس کو پھر اسی میں ٹھہرا۔ علماء نے مطلقہ الثلاث میں اختلاف کیا ہے کہ کیا اس کے لیے گھر اور خرچہ ہے یا نہیں؟ تو امام مالک اور شافعی کا خیال ہے کہ اس کے لیے گھر ہوگا مگر اس کو خرچہ نہ ملے گا۔ ابوحنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا ہے کہ اس کو نفقہ (خرچہ) اور گھر ملے گا' امام احمد' اسحاق اور ابوثور کا خیال ہے کہ نہ اس کو نفقہ ملے گا اور نہ گھر ملے گا اور یہی حق ہے اور اسی کو شوکانی نے منتقیٰ کی اپنی شرح میں ایسے انداز سے ثابت کیا ہے کہ اس کو پڑھنے والے کو کسی اور کتاب پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

"ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن" ان کو تکلیف نہ دو کہ تم ان پر گھر اور خرچہ میں تنگی پیدا کرو۔ مجاہد نے کہا کہ مسکن و گھر مراد ہے' مقاتل نے کہا کہ نفقہ مراد ہے' ابوالضحیٰ نے کہا تنگی یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے جب دو دن

Marfat.com

عدت گزرنے میں رہ جاتے ہیں تو رجوع کر لیتا ہے پھر اس کو طلاق دے دیتا ہے۔

"وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن"

"اگر وہ حمل والی ہیں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کر دیں" حتی غائیہ ہے یعنی ان کا حمل کو جنم دینا انفاق کی غایت ہے۔ اس میں علماء کا اتفاق ہے کہ حاملہ مطلقہ کے لیے مسکن ونفقہ واجب ہے' ہاں وہ حاملہ جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو اس کے بارے میں حضرت علی' ابن عمر' ابن مسعود' شریح' نخعی' شعبی' حماد' ابن ابی لیلیٰ' سفیان اور ان کے ساتھی کہتے ہیں اس عورت پر سارے مال سے خرچ کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ حمل وضع کر دے۔

حضرت ابن عباس' ابن زبیر' جابر بن عبداللہ' مالک' شافعی' ابوحنیفہ اور اس کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ اس پر صرف اس کا حصہ میراث خرچ کیا جائے گا اس بارے میں حدیث میں جو ادلہ آئی ہیں ان کی روشنی میں یہی حق ہے۔ "فان ارضعھن لکم" پھر اس کے بعد اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں "فاتوھن اجورھن" تو ان کو ان کے دودھ پلانے کی اجرت دے دو یعنی مطلقات جب مطلق خاوندوں کی اولاد کو دودھ پلائیں تو اس پر ان (خاوندوں کو چاہئے کہ وہ ان) کو ان کی اجرت دے دیں۔ "وأتمروا بینکم بمعروف" یہ خاوندوں اور بیویوں کو خطاب ہے کہ آپس میں معروف اور غیر منکر ایسے طریقے سے مشورہ کرو اور قبول کرے تم میں سے بعض بعض سے معروف اور خوبصورت بات کو۔ اصل معنی یہ ہے "لیامر بعضکم بعضا بما ھو متعارف بین الناس غیر منکر عندھم"۔ مقاتل نے کہا معنی یہ ہے کہ باپ اور ماں ایک طے شدہ مزدوری پر راضی ہو جائیں۔ بعض نے کہا خاوند کی طرف سے معروف جمیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو مکمل اجرت دے اور عورت کی طرف سے معروف جمیل کا مطلب ہے کہ وہ عورت مطالبہ نہ کرے اس چیز کا کہ خاوند اس کی تنگی محسوس کرے یعنی باپ۔ "وان تعاسرتم" اگر تم تنگی محسوس کرو دودھ پلانے کی

Marfat.com

اجرت دینے میں پس خاوند انکار کرے کہ وہ ماں کو اجرت دے اور ماں انکار کرے اس کو دودھ پلانے سے مگر اس کے ساتھ جو وہ مزدوری چاہتی ہے۔ "فسترضع له اخوی" اگر تم تنگی محسوس کرو تو دوسری مرضعہ کو اجرت پر حاصل کرو وہ اس بچے کو دودھ پلا دے اور اس پر واجب نہیں کہ جو عورت مطالبہ کرے وہی اس کو دے دے اور نہ ہی جائز ہے کہ وہ اس کو مجبور کرے دودھ پلانے پر اس اجرت پر جو وہ اس کو دینا چاہتا ہے۔

ضحاک نے کہا کہ اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو وہ اجرت پر کسی دوسری مرضعہ کو حاصل کرے پس اگر کوئی دوسری مرضعہ راضی نہ ہو تو اس کی ماں کو ہی اجرت پر دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔ "لینفق ذو سعة من سعته" اس میں اہل گنجائش کو حکم ہے کہ وہ مرضعات پر وسعت کیا کریں اپنی طاقت وقدرت کے مطابق۔ "ومن قدر علیه رزقه" اور جس کے پاس زندگی گزارنے کے مطابق اس کی روزی ہو یا بہت تنگ ہو موسع نہ ہو تو "فلینفق مما آتاه الله" اور خرچ کرے اس سے جو اس کو رزق سے ملا ہے اس پر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ "لا یکلف الله نفسا الا ما اتاها" نہیں تکلیف دیتے اللہ تعالیٰ کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق یعنی جو رزق اس کو ملا ہے فقیر اس کو تکلیف نہیں دیتے کہ وہ مال خرچ کرے جو اس کی وسعت میں نہیں ہے بلکہ اس کے ذمہ وہ ہے جس پر وہ قادر ہے اور اس کی طرف اپنی طاقت پہنچائے اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو رزق دیا ہے۔ "سیجعل الله بعد عسر یسرا" اللہ تعالیٰ شدت اور تنگی کے بعد آسانی اور غنی پیدا کر دیں گے۔

سورۂ تحریم

سورۂ تحریم کی بارہ آیات ہیں۔ امام قرطبی نے کہا کہ تمام مفسرین کہتے ہیں کہ وہ مدنی سورت ہے اس کا دوسرا نام سورۃ النبی ہے۔

Marfat.com

آیت نمبر 1:

﴿ یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک ﴾ (ا) ہے۔

اس کے سبب نزول میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور چند اقوال نقل کئے ہیں پہلا قول اکثر مفسرین کا قول ہے واحدی نے کہا ہے کہ مفسرین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے وہ اپنے باپ کے گھر گئی تھیں جب وہ واپس آئیں تو ماریہ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں دیکھا تو وہ اندر نہ آئیں یہاں تک کہ ماریہ چلی گئیں پھر وہ اندر آئیں جب آنحضرت ﷺ نے حفصہ کے چہرے میں غیرت و پریشانی دیکھی تو اس کو فرمایا کہ عائشہ کو نہ بتانا میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں اس کے قریب کبھی بھی نہیں جاؤں گا تو حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا اور ان دونوں کا آپس میں بہت اتحاد تھا (یعنی خالص پیار تھا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت ناراض ہوئیں وہ آنحضرت ﷺ سے تکرار کرتی رہیں یہاں تک کہ آپؐ نے حلف اٹھالیا کہ وہ ماریہ کے بالکل قریب نہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمادی۔

قرطبی نے کہا کہ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہ آیت سیدہ حفصہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور انہوں نے وہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اسکا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت زینب کے پاس بیٹھ کر شہد پیا کرتے تھے حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے آپس میں اتفاق کیا اور کہا کہ جب آپ دونوں میں سے کسی کے پاس آئیں تو وہ کہے کہ ہمیں آپ کے منہ سے مغافیر (یہ ایک بدبودار بوٹی ہے) کی بدبو آرہی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا سبب وہ عورت ہے جس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنے آپ کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ آپ مجھ سے نکاح کر لیں مگر اس واقعہ کی سند ضعیف و کمزور ہے ہاں مذکورہ دونوں واقعات (شہد اور ماریہ کا واقعہ) کو جمع کرنا ممکن ہے یعنی یہ دونوں واقعات اس کا سبب

Marfat.com

ہیں اور قرآن مجید ان دونوں کے بارے میں ہی نازل ہوا ہے۔ ''تبتغی مرضات ازواجک'' ''مرضاۃ'' اسم مصدر بمعنی رضا (رضامندی) ہے ''واللہ غفور رحیم'' اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں اس چیز کو جو آپ سے صادر ہوگئی ہے یعنی جو چیز آپ کے لیے حلال تھی (جیسے شہد) آپ نے اس کو حرام کر دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ صغیرہ گناہ تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر عتاب کیا ہے' بعض نے کہا ہے کہ یہ عتاب ترک اولیٰ پر تھا۔

''قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم'' اللہ تعالیٰ نے اس کی تحلیل کو مشروع کیا ہے اور اس کو تمہارے لئے بیان کیا ہے گویا کہ یمین عقد ہے اور کفارہ اس کی تحلیل ہے کیونکہ کفارہ حالف کے لیے جو چیز اس نے حلف کے ذریعے اپنے اوپر حرام کی ہے حلال کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ سورۂ مائدہ میں اللہ پاک نے تمہاری قسموں کے کفارہ کو ذکر کیا ہے۔ یہاں اللہ پاک نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ قسم کا کفارہ دیں اور اپنی لونڈی سے رجوع کریں تو آپ نے ایک غلام آزاد کیا۔

زجاج نے کہا کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرے' میں کہتا ہوں یہی حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے کا فعل منعقد ہی نہیں ہوتا اور وہ اس کے مرتکب پر لازم نہیں ہوتا تحلیل وتحریم دونوں اللہ پاک کی طرف سے ہوتی ہیں نہ کہ کسی دوسرے کی طرف سے اور نبی ﷺ کو عتاب کرنا اس سورت میں اس کی بہت بڑی دلیل ہے اور بحث اس بارے میں بہت طویل ہے۔ اس بارے میں مذاہب بہت ہیں اور ان میں گفتگو بھی بہت طویل ہے۔

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیفات میں کافی وشافی بحث کر دی ہے۔ علماء نے اختلاف کیا ہے کہ کیا صرف تحریم یمین ہے جس پر کفارہ آتا ہے یا نہیں؟ اس میں اچھا خاصا اختلاف ہے' اس آیت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں جو دلالت کرے کہ تحریم یمین

Marfat.com

ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حلال کردہ چیزوں کی تحریم پر آپ کو عتاب کیا ہے' پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے تمہاری قسموں کو حلال کرنا۔ اور وارد ہے اس قصہ میں کہ اکثر مفسرین گئے ہیں اس طرف وہی آیت کے نزول کا سبب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اولاً اس کو حرام کیا پھر ثانیاً حلف اٹھایا جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ ''واللہ مولاکم'' اللہ پاک تمہارے ولی' ناصر اور متولی ہیں۔ ''وھو العلیم'' وہی جاننے والے ہیں اس چیز کو جس میں تمہاری صلاح وفلاح ہے۔ ''الحکیم'' اپنے اقوال وافعال میں حکمت والے ہیں۔

سورۂ نوح

سورۂ نوح کی انتیس یا اٹھائیس آیات ہیں۔ سورۂ نوح مکی ہے یہ عبداللہ بن زبیر نے کہا ہے' یہ چیز ابن الفریس' نحاس اور ابن مردویہ نے ان سے نقل کی ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿فقلت استغفروا ربکم انه کان غفاراً﴾ (۱۰) ہے۔

''اخلاص نیت سے اپنے سابقہ گناہوں کی اس سے بخشش مانگو کیونکہ وہ گنہگاروں کو بہت معاف کرنے والے ہیں''۔

بعض نے کہا ہے استغفروا کا معنی ہے کفر سے توبہ کرو' بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ ''یرسل السمآء علیکم مدراراً'' یہاں سماء سے مراد بارش ہے۔ مدرارا کا معنی ذرود یعنی لگاتار بارش۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ استغفار بارش کے اسباب اور انواع رزق کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب ہے اسی لیے فرمایا: ''ویمددکم باموال ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انهارا'' وہ تمہاری مدد کریں گے اموال کے ذریعے اور تمہیں باغات دیں گے اور تمہارے لیے جاری نہریں مہیا کریں گے۔

Marfat.com

سورۂ مزمل

سورۂ مزمل کی انتیس یا تیس آیات ہیں اور یہ مکی سورت ہے۔ ماوردی نے کہا ہے کہ حسن بصری، عکرمہ اور جابر کے قول کے مطابق یہ ساری سورت مکی ہے۔ جناب ابن عباس اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس کی دو آیات: "واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا ○ وذرنی والمکذبین اولی النعمة ومھلھم قلیلاً" کے علاوہ مکی ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿قم اللیل﴾ (۲) ہے۔

"رات کو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ"۔

اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا یہ قیام مامور اور آپ پر فرض تھا یا نفل۔ "الا قلیلا" یہ لیل سے استثناء ہے معنی یہ ہوا کہ ساری نماز ادا کرتے رہو مگر تھوڑی دیر آرام کرلو۔ نصف سے کم شی کا نام قلیل ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے چھٹے حصے سے کم، بعض نے کہا ہے دسویں حصے سے کم۔ مقاتل اور کلبی نے کہا کہ قلیل سے مراد یہاں ثلث ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس اختلاف سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ اپنے قول: "نصفه او انقص منه" سے۔ اس کا نصف یا نصف سے بھی تھوڑا کم کر دو "قلیلا" یعنی ثلث تک "اوزد علیه" یا اس سے تھوڑا سا بڑھا دو ثلثین تک گویا عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ رات کے دو حصے یا نصف رات یا ثلث رات قیام کرو۔ بعض نے کہا ہے کہ نصف قلیلاً سے بدل ہے معنی یہ ہوگا رات کا قیام کرو مگر اس کا نصف یا نصف سے بھی کم یا نصف سے زیادہ۔ اخفش نے کہا ہے کہ نصفہ کا معنی ہے اَو نصفہ جیسے کہا جاتا ہے "اعطه درھما درھمین ثلاثه" اس سے مراد ہے "اودرھمین او ثلاثة"۔ واحدی نے کہا ہے کہ مفسرین نے کہا ہے نصف سے تھوڑا کم کر دو ثلث تک یا نصف سے بڑھا کر ثلثین

Marfat.com

تک لے جاؤ' اللہ پاک نے آپ کے لیے قیام اللیل کی مدت میں وسعت پیدا کردی ہے اور ان ساعات میں قیام کرنے میں اختیار دے دیا ہے آنحضرت ﷺ اور ایک گروہ آپ کے ساتھ ان مقادیر (اوقات) میں قیام کیا کرتا تھا اور یہ ان پر بہت گراں تھا نماز پڑھنے والا نہیں جانتا تھا کہ اس نے کتنا وقت قیام کیا ہے یا رات کتنی باقی رہ گئی ہے' وہ ساری رات قیام کرتے تھے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ان سے تخفیف کردی۔

بعض نے کہا ہے کہ منہ اور علیہ کی دونوں ضمیریں اقل من النصف کی طرف راجع ہیں گویا کہ فرمایا تم اس کے نصف سے تھوڑا قیام کرو یا اس اقل سے بہت کم قیام کرو یا اس سے تھوڑا زیادہ کرو' یہ بہت بعید معنی ہے ظاہر ہے کہ نصفہ قلیلا سے بدل ہے اور یہ دونوں ضمیریں اس نصف کی طرف راجع ہیں جو قلیلا سے بدل ہے اس حکم کے ناسخ میں اختلاف کیا گیا ہے کہا گیا ہے کہ "ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ الخ" ناسخ ہے بعض نے کہا ناسخ "علم ان لن تحصوہ" ہے بعض نے کہا ہے کہ "علم ان سیکون منکم مرضی" ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ صلوات خمسہ سے منسوخ ہے۔ مقاتل' شافعی اور ابن کیسان نے یہی کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا ناسخ قول باری تعالیٰ "فاقراؤ ما تیسر منہ" ہے۔ حسن بصری اور ابن سیرین اس طرف گئے ہیں کہ صلوٰۃ اللیل ہر مسلمان پر فرض ہے اگرچہ ایک بکری کے دودھ دینے کے برابر ہو۔ "ورتل القران ترتیلا" قرآن پڑھو آہستہ آہستہ تدبیر کے ساتھ۔ ضحاک نے کہا کہ الگ الگ حروف کا تلفظ کرکے پڑھو۔ زجاج نے کہا کہ جمیع حروف کو واضح اور ان کے تمام حقوق ادا کرکے پڑھو۔ ترتیل کا معنی ہے تنقید' تنسیق اور بہترین ترتیب۔ فعل کی تاکید مصدر کے ذریعے دال علی المبالغہ ہے اس طریقہ پر کہ اس میں بعض بعض کے ساتھ خلط ملط نہ ہو اور نہ کم ہو کسی حرف کا بولنا اس کے مخرج معلوم سے مکمل حرکات معتبرہ کے ساتھ۔

Marfat.com

آیت نمبر 2:

﴿ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی اللیل﴾ (۲۰) ہے۔

ادنیٰ کا معنی ہے اقل' اس کے لیے ادنی کا لفظ اس لیے بولا گیا ہے کیونکہ جب دو چیزوں کے درمیان مسافت قریب ہوجاتی ہے تو ان کے درمیان قلت آجاتی ہے "ونصفه" اس کا ادنی پر عطف ہے "وثلثه" اس کا نصفہ پر عطف ہے' معنی یہ ہوا کہ اللہ پاک جانتے ہیں کہ اس کے رسول ﷺ رات کے دوثلث سے کم کھڑے ہوتے ہیں نصف حصہ قیام کرتے ہیں اور اس کا ثلث قیام کرتے ہیں' نصب کے ساتھ ہی ابن کثیر اور اہل کوفہ نے پڑھا ہے جمہور نے نصفہ وثلثہ جر (زیر) سے پڑھا ہے اس کا عطف ثلثی اللیل پر ہے معنی یہ ہوا کہ "ان اللہ یعلم ان رسولہ یقوم اقل من ثلثی اللیل واقل من نصفه واقل من ثلثه" اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اس کے رسول دوثلث سے کم اور رات کے نصف سے کم اور رات کے ثلث سے کم قیام کرتے ہیں۔ جمہور کی قرأت کو ابوعبید اور ابوحاتم نے پسند کیا ہے اور اختیار و پسند کی دلیل "علم ان لن تحصوه" ہے۔

پس وہ کس طرح اس کے نصف اور ثلث کا قیام کرسکتے ہیں وہ تو اس کو شمار ہی نہیں کرسکتے' فراء نے کہا ہے کہ پہلی قرأت صحت کے بہت قریب ہے کیونکہ فرمایا: "اقل من ثلثی اللیل" پھر اس قلت کی تفسیر فرمائی "وطائفة من الذین معک" یہ تقوم کی ضمیر پر معطوف ہے۔ "ای وتقوم ذلک القدر معک طائفة من اصحابک" ایک گروہ آپ کے ساتھیوں میں سے آپ کے ساتھ قیام کرتا ہے۔ "واللہ یقدر اللیل والنهار" اللہ تعالیٰ ہی حقیقی مقادیر کو جانتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کو خاص کیا گیا ہے اس کے ساتھ نہ کہ کسی دوسرے کو اور تم اس کو حقیقۃً نہیں جانتے' عطاء نے کہا ہے جو وہ کر رہے ہیں وہ اس سے فوت نہیں ہوتا' یعنی وہ لیل ونہار کے مقادیر کو جانتے ہیں وہ رات کی اس مقدار کو بھی جانتے ہیں جس میں وہ قیام کرتے ہیں۔

Marfat.com

"علم ان لن تحصوه" حقیقت میں لیل ونہار کی مقادیر کو معلوم کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ تم قیام اللیل کی طاقت نہیں رکھتے۔ قرطبی نے کہا کہ اول ہی بہت صحیح ہے کیونکہ پوری رات کا قیام تو کبھی فرض نہیں کیا گیا۔ مقاتل وغیرہ نے کہا ہے کہ جب "قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا او زد علیه" ارشاد نازل ہوا تو صحابہ پر بڑا گراں گزرا کیونکہ آدمی جانتا ہی نہ تھا کہ کب نصف اللیل ہوتا ہے ثلث اللیل سے کہ وہ قیام کرے حتیٰ کہ صبح ہو جائے ڈرتے ہوئے کہ کہیں غلطی نہ ہو جائے تو ان کے قدموں میں ورم آ جاتی ان کے رنگ بدل جاتے ❶ پھر اللہ پاک نے ان پر رحم فرمایا اور ان سے تخفیف فرمائی اور فرمایا "علم ان لن تحصوه" اللہ پاک نے جان لیا ہے کہ تم اس کو شمار نہیں کر سکتے کیونکہ اضافہ کرو گے تو تم پر بھاری اور مشقت بن جائے گی جو تم پر فرض نہیں تو تم اس میں تکلف کرو اور اگر تم نے کم کر دیا تو تم پر گراں گزرے گا۔ "فتاب علیکم" پس توجہ کی تم پر اور معاف کر دیا اور قیام اللیل کے ترک کی تمہیں اجازت دے دی۔ بعض نے کہا کہ معنی یہ ہوا کہ توجہ کی تم پر فرضی قیام سے جب تم عاجز آ گئے (اور معاف کر دیا) اور اصل معنی توبہ کا رجوع ہی ہے معنی یہ ہوا کہ تمہارے اوپر ثقل وبوجھ سے رجوع کر کے تم پر تخفیف کر دی اور تنگی سے آسانی کر دی۔ "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" رات کی نماز میں بغیر وقت کے لحاظ کے جو قرآن مجید آسان ہے تمہارے لئے اس کو پڑھو۔ حسن نے کہا کہ جو کچھ مغرب وعشاء میں پڑھا جاتا ہے وہ مراد ہے۔ سدی نے کہا کہ ایک سو آیات کا پڑھنا آسان ہے' حسن نے بھی کہا کہ جس نے ایک سو آیات کی تلاوت کی تو وہ قانتین میں شمار ہوگا' سعید نے پچاس آیات کے بارے میں کہا ہے

---

❶ یہاں عربی کا لفظ آیا ہے انتقعت یہ انتقاع سے لیا گیا ہے جس کا معنی عربی میں امتقاع ہے یعنی سختی یا غم وغیرہ کی وجہ سے رنگ تبدیل ہونا جیسا کہ صحاح میں ہے۔

Marfat.com

بعض نے کہا کہ آیت کا معنی ہے رات کی نماز جو بھی آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے وہ پڑھو اور یہاں قرآن کا معنی نماز ہے جیسے قول باری تعالیٰ "وقرآن الفجر" میں بھی قرآن سے مراد نماز ہے۔ بعض نے کہا کہ اس آیت نے قیام اللیل کو منسوخ کر دیا ہے نصف' نصف سے کم اور اس سے زائد کو بھی۔ پس احتمال ہے کہ وہ چیز جس کو یہ آیت متضمن ہے دوسرا فرض ہو' اور یہ بھی احتمال ہے کہ قول باری تعالیٰ: "ومن الليل فتهجد به نافلة لك عسىٰ ان يبعثك ربك مقاماً محموداً" سے یہ منسوخ ہو۔ امام شافعی نے فرمایا ہے دو معنوں میں سے کسی ایک پر سنت کے ذریعے استدلال کرنا واجب ہے تو ہم نے آنحضرت ﷺ کا جو طریقہ اور سنت پائی ہے کہ وہ دلالت کرتی ہے کہ صرف پانچ نمازیں ہی فرض ہیں۔ اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ قیام اللیل نہ آپ پر اور نہ آپ کی امت پر لازم تھا دونوں کے حق میں منسوخ ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ تقدیر مقدار منسوخ ہو گئی ہے اور نفس وجوب باقی ہے۔

بعض نے کہا کہ امت کے حق میں تو یہ منسوخ ہے آپ ﷺ کے حق میں اسی طرح فرض ہے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ قیام اللیل بالعموم منسوخ ہے یعنی آپ ﷺ اور آپ کی امت کے حق میں منسوخ ہے اور قول باری تعالیٰ: "فاقرؤا ما تيسر" وجوب پر بالکل دلالت نہیں کرتا کیونکہ اگر اس سے یعنی فاقرؤا سے قرآن پڑھنا مقصود ہے تو وہ مغرب' عشاء اور جو اس کے تابع تاکیدی نوافل ہیں ان میں بھی قرأت کی جاتی ہے اور اگر اس سے مراد رات کی نماز ہے تو پھر مغرب' عشاء اور دیگر نفلی نماز بھی رات کو پڑھی جاتی ہے اور احادیث صحیحہ بھی جو وضاحت کرتی ہیں کہ جب سائل نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ کیا پانچ نمازوں کے علاوہ بھی کوئی نماز فرض ہے تو آپ نے سائل کو جواب دیا نہیں مگر تو نفل نماز ادا کرنا چاہیے تو ٹھیک ہے یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز واجب نہیں ہے اور اس سے آپ اور امت پر قیام اللیل کا وجوب ختم ہو گیا جیسے قول باری تعالیٰ: "ومن الليل فتهجد به

Marfat.com

نافلة لک'' سے آنحضرت ﷺ سے وجوب ختم ہو گیا ہے۔

سورۂ مدثر

سورۂ مدثر کی چھتیس آیات ہیں۔ بالاتفاق یہ مکی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿وربک فکبر﴾ (۳) ہے۔

اپنے آقا' مالک اور اپنے امور کی اصلاح کرنے والے کو عظمت و بڑائی کے ساتھ خاص کر یعنی اس رب تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا بیان ہے۔ اور وہ سب سے بڑے ہیں کہ ان کا کوئی شریک ہو جیسا کہ کفار اس کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ بڑے عظیم ہیں اس سے کہ ان کی بیوی یا اولاد ہو' وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہیں۔ ابن العربی نے کہا کہ اس سے مراد تقدیس و تنزیہ کی بڑائی ہے اضداد' انداد اور اصنام کے چھینکنے کے لیے' اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ولی نہ بنائے' اس کے سوا کسی کی کوئی عبادت نہ کرے اور نہ دیکھے اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی کام مگر ہوتا ہے اسی کے لیے اور نہ کوئی نعمت ہے مگر اسی کی طرف سے۔ ''وثیابک فطھر'' ان کپڑوں سے مراد وہ کپڑے ہیں جو پہنے ہوئے ہوتے ہیں جیسا کہ اس کا معنی لغوی معروف ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کپڑے پاک کرنے' ان کو نجاستوں سے محفوظ رکھنے جو کوئی نجاست لگ جائے اس کو دور کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض نے کہا کپڑوں سے مراد دل ہے' قتادہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد نفس ہے' بعض نے کہا کہ اس سے مراد جسم ہے' بعض نے کہا کہ اہل مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ دین مراد ہے' حسن اور قرطبی نے کہا کہ اخلاق مراد ہے کیونکہ انسانی اخلاق اس کے احوال پر مشتمل ہوتا ہے جیسے کپڑے نفس پر مشتمل ہوتے ہیں مجاہد اور ابن زید نے کہا ہے کہ اپنے عمل کی اصلاح کر۔

زجاج نے کہا ہے کہ اپنے کپڑے چھوٹے بنا کیونکہ چھوٹے کپڑے نجاست

Marfat.com

الودہ ہونے سے بہت دور ہوتے ہیں جب وہ زمین کو چھوتے ہیں' طاؤس نے یہی کہا ہے۔ اول معنی ہی بہت بہتر ہے کیونکہ وہی حقیقی معنی ہے اور کپڑوں کے استعمال میں مجاز نہیں ہے غیر سے کسی تعلیق کی بنا پر ساتھ قرینہ کے جو دلالت کرتا ہے کہ عند الاطلاق وہی مراد ہے۔ اور اس قسم کی اصل میں یعنی عند الاطلاق حقیقی معنی پر حمل کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ نماز میں کپڑے پاک رکھنے واجب ہیں۔ "والرجز فاهجر" لغت میں رجز کا معنی عذاب ہے اس میں راء کے کسرے اور اس کے ضمے سے' دو لغت ہیں۔

شرک اور بتوں کی عبادت کا نام بھی رجز ہے کیونکہ وہ بھی رجز (عذاب) کا سبب ہے۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا ہے کہ رجز سے مراد بت ہیں جیسا کہ قول باری تعالیٰ: "فاجتنبوا الرجس من الاوثان" میں ہے ابن زید نے یہی کہا ہے' ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ اس سے مراد گناہ ہے اور ہجر کا معنی ترک کرنا ہے' قتادہ نے کہا ہے کہ رجز سے اساف اور نائلہ مراد ہیں یہ دونوں بت ہیں جو بیت اللہ کے پاس تھے' ابوالعالیہ' ربیع اور کسائی نے کہا کہ رجز (راء کے ضمہ سے) کا معنی بت اور رجز (کسرے سے) عذاب مراد ہے سدی نے کہا کہ رجز (راء کے ضمہ سے) وعید ہے والاولی اولیٰ۔

سورۂ ارایت

سورۃ الماعون' سورۃ الیتیم اور سورۃ الدین بھی اس کے نام ہیں۔ اس کی سات آیات ہیں' عطاء' جابر اور ابن عباس کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مکی سورت ہے' قتادہ اور دیگر لوگ کہتے ہیں کہ یہ مدنی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ ویمنعون الماعون ﴾ (۷) ہے۔

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ماعون وہ چیز ہے جس کو لوگ آپس میں استعمال

Marfat.com

کرتے ہیں جیسے ڈول' کلہاڑا اور ہنڈیا اور جو چیزیں عموماً روکی نہیں جاسکتیں جیسے پانی' نمک۔ بعض نے کہا کہ مراد زکوٰۃ ہے یعنی وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ کو روک لیتے ہیں۔ زجاج' ابوعبیدہ اور مبرد نے کہا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں جو بھی کوئی چیز ہوتی جس میں کوئی فائدہ ہوتا خواہ تھوڑا ہوتا یا زیادہ اس کا نام ماعون تھا اور انہوں نے اعشیٰ کا قول پڑھ کر استدلال کیا ہے:

بـأجـود مـنـه بـمـاعـونـه　　　اذا مـا سـمـاؤهـم لـم تغم ❶

علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اسلام کی زبان میں اس کا معنی طاعت وزکوٰۃ ہے راعی کا قول انہوں نے پیش کیا ہے۔

اخـلـيـفـة الـرحـمـان انـا معشر　　　حنفاء نسجد بكرة و اصيلا ❷

عـرب نـری طـلـحـه فی أحوالنا　　　حـق الـزكـوٰة مـنـزلا تـنـزيلا

قـوم عـلـى الاسـلام لـمـا يمنعوا　　　ماعونهم و يضيعوا التهليلا ❸

فراء نے کہا میں نے بعض عرب کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ماعون کا معنی ہے پانی' بعض نے کہا وہ علی العموم بندے پر حق ہے۔ بعض نے کہا کہ الدن والی شی اموال کے منافع میں سے یہ معن سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے قلیل۔ قطرب نے کہا ماعون کا اصل معنی قلت اور معن قلیل چیز کو کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے صدقہ' زکوٰۃ اور اس جیسی معروف چیزوں کو ماعون کہا ہے کیونکہ وہ کثیر کے مقابلے میں قلیل ہوتی ہیں۔

---

❶ بہت زیادہ سخاوت کرنے والا اپنے نفع کی چیز کو جب ان کے آسمان پر بادل نہ ہو۔

❷ اے خلیفہ رحمان ہم موحدین کی جماعت ہے صبح اور شام سجدہ کرتے ہیں۔

❸ ہم عرب لوگ ہیں اپنے مالوں میں زکوٰۃ دینا اللہ پاک کا حق سمجھتے ہیں جو اتارا گیا ہے آسمان سے ہم اسلام پر پکی قوم ہیں جنہوں نے اپنے ماعون (نفع والی شی) کو نہیں روکا اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) کو ضائع نہیں کیا۔

Marfat.com

سورۂ کوثر

اس کی تین آیات ہیں ابن عباس' کلبی اور مقاتل کے قول کے مطابق یہ مکی سورت ہے' حسن عکرمہ' مجاہد' قتادہ کے قول کے مطابق یہ مدنی سورت ہے۔

آیت نمبر 1:

﴿ فصل لربک ﴾ (۱) ہے۔

اس سے مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ مفروضہ نماز پر ہمیشہ مداومت کریں۔ "وانحر" اور اونٹوں کو قربان کریں جو اموال عرب میں سے بہترین چیز ہے۔ محمد بن کعب نے کہا کہ کچھ لوگ غیر اللہ کے لیے نمازیں ادا کرتے تھے اور غیر اللہ کے لیے نحر کیا کرتے تھے اللہ پاک نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اس کی نماز اور قربانی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔ قتادہ' عطاء اور عکرمہ نے کہا کہ اس سے مراد عید کی نماز اور قربانیوں کو نحر کرنا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا اپنے رب کی رضاء کے لیے صبح کی فرضی نماز منیٰ میں ادا کر اور منیٰ میں اونٹ نحر کر' بعض نے کہا کہ سینے پر نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھنا (محمد بن کعب) بعض نے کہا ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت سینے کے مقابلے میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔ بعض نے کہا ہے کہ اپنا سینہ قبلے کی طرف کرے' یہ قول فراء' کلبی اور ابن الاحوص کا ہے۔ فراء نے کہا کہ میں نے بعض عرب سے سنا ہے وہ کہتے تھے نتناخر ہم ایک دوسرے کے مقابل ہیں اس کا سینہ اس کے سینے کی طرف یعنی اس کے سامنے۔ ابن الاعرابی نے کہا ہے آدمی کا محراب کے سامنے نماز میں کھڑا ہونا۔ یہ ان کے قول "منازلهم تناخر ای تتقابل" سے لیا گیا ہے۔ عطاء سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کو رب نے حکم دیا ہے کہ وہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی حالت میں برابری کریں یہاں تک کہ سینہ ظاہر ہو جائے۔ سلیمان تیمی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اپنے سینے تک دونوں ہاتھ دعاء میں اٹھا۔

Marfat.com

آیت کا ظاہر ہے آنحضرت ﷺ کو مطلق نماز اور مطلق نحر کا حکم کر رہا ہے اور یہ کہ اس کو اللہ پاک کی رضا کے لیے کرنا ہے نہ غیر اللہ کے لیے' اور جو حدیث میں آیا ہے اس مطلق کا بیان ایک خاص قسم کے ساتھ تو وہ اس کو مقید کرنے کے حکم میں ہے۔ ابن ابی حاتم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حاکم اور ابن مردویہ نے علی بن ابی طالب نے نقل کیا ہے کہ جب یہ سورت آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے جبریل سے کہا کہ یہ نحر کیا ہے جس کا رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے؟ اس نے کہا یہ قربانی کا ذکر نہیں ہے بلکہ آپ کو وہ حکم دیتے ہیں جب آپ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہیں تو تکبیر کے ساتھ آپ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائیں اور جب آپ رکوع کریں' اور جب آپ رکوع سے سر اٹھائیں' یہ ہماری نماز ہے اور ان ملائکہ کی نماز ہے جو ساتوں آسمانوں میں ہیں' اور ہر شی کی ایک زینت ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رفع الیدین اس استکانت میں سے ہے جس کا ذکر رب تعالیٰ نے کیا ہے "فما استکانوا لربھم وما یتضرعون" یہ مقاتل بن حیان کے طریق سے اصبغ بن بنانہ کے واسطے سے حضرت علی سے مروی ہے۔

ابن مردویہ نے ابن عباس سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو وحی کی ہے کہ نماز میں تکبیر کے وقت آپ اپنے دونوں ہاتھ سینے کے برابر اٹھائیں' یہی نحر ہے۔ ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' دار قطنی نے افراد میں' ابوالشیخ' حاکم' ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت علی سے قول باری تعالیٰ: "فصل لربک وانحر" کے بارے میں منقول ہے کہ فرمایا کہ دایاں ہاتھ بائیں کلائی کے وسط میں رکھنا پھر ان دونوں کو نماز میں اپنے سینے پر رکھنا۔ ابوالشیخ نے نقل کیا اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت انس سے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے اور ابن شاہین نے اپنی سنن میں ابن مردویہ نے اور بیہقی نے

Marfat.com

ابن عباسؓ سے ''فصل لربک وانحر'' کی تفسیر نقل کی ہے فرمایا جب آپ نماز ادا کریں تو رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے کھڑے ہوں تو پھر بالکل سیدھے کھڑے ہو جائیں' ابن جریر' ابن المنذر نے ابن عباس سے اس آیت کے بارے میں نقل کیا ہے کہ فرضی نماز اور عیدالاضحیٰ کے دن ذبح کرنا مراد ہے۔ بیہقی نے اپنی سنن میں ان سے نقل کیا فرمایا یوم النحر کو ذبح کرنا۔ اس کے علاوہ کئی اقوال ہیں جو مفسرین نے نقل کیے ہیں لفظ اگرچہ بہت وسیع معنی رکھتا ہے سب معانی کا احتمال رکھتا ہے مگر صحیح اور متعین معنی وہی ہے جو احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ کبار اور اخیار علماء کے ہاں یہ طے شدہ ہے۔ ''وباللہ التوفیق ومنه الوصول الى التحقيق''.

آخر الایات الشرعیه و جملتها مائتان و ستّ و ثلاثون اية.

والحمدلله الذى بنعمته تتم الصالحات

Marfat.com

نیل المرام اردو

مِن

تفسیر آیات الاحکام

تالیف:

نواب صدیق حسن خان

مترجم: مولانا الیاس اثری

Marfat.com